انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ) — 600 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ — 5000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا — 6000 روپے

اپریل 2013
جلد 36 شمارہ 1
قیمت 50 روپے

خط و کتابت کا پتہ
کرن
37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔
پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیرہ

اپریل کا کرن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

قائد اعظم کی بے مثال قیادت اور ہزاروں قربانیوں کے بعد ہم نے ایک آزاد وطن حاصل کیا مگر ہماری بدنصیبی ہے کہ اس ملک کو کبھی مخلص رہنما نہیں ملے۔ اہل اور ذمہ دار قیادت پاکستان کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ اس ملک کے بیشتر مسائل نااہل اور غیر ذمہ دار قیادت کی وجہ سے ہیں۔ ذاتی مفادات کے لیے قومی مفادات کا سودا کرنے والے صاحبانِ اختیار نے اس قوم کو قرضوں کی دلدل میں دھکیل دیا ہے جس کے نتیجے میں دہشت گردی، بے روزگاری، اغوا اور قتل جیسے جرائم میں اضافہ ہوا ہے۔

حالات کو بہتر بنانے کا واحد طریقہ ایسے پرامن انتخابات ہیں جن میں آئین کے تقاضوں کے مطابق دیانت دار اور ملک و قوم سے مخلص لوگ سامنے آئیں۔ خوش قسمتی الواقع ملک میں مثبت تبدیلی لانے کے خواہاں ہوں اور اس کے لیے خلوصِ دل اور ہر قسم کے ذاتی مفاد سے مبرا ہو کر جدوجہد کریں۔

بحیثیت شہری آپ اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کر کے اپنی ذمہ داری کا ثبوت دیں۔ آیئے امید کی بنری اپنے ہر قصبے، ہر دیہہ اور ہر قریے میں کاشت کریں کہ کل کو ہماری آنے والی نسلیں اسی گلشنِ امید سے اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کو ہرا کر سکیں۔

اس شمارے میں،

- "زندگی گلزار ہے" کی کشف سے شاہین رشید کی ملاقات،
- "میری بھی سنیے" میں مہوش حیات کی گفتگو،
- "مقابل ہے آئینہ" میں حرمت ردا اکرم کی باتیں،
- "ماں" کو ثمرین حبیب کا سلام،
- فوزیہ یاسمین اور نبیلہ عزیز کے قسط وار ناولز،
- مکمل ناول کے ساتھ عفیفہ محمد بیگ،
- شیریں ملک، ام طیفور، شازیہ جمال نیر، راشدہ علی کے دلکش ناولٹ،
- سعدیہ عزیز آفریدی، حنا یاسمین، حنا نذیر، دیا شیرازی، فرحانہ حنیف اور سنبل کے افسانے،
- اور مستقل سلسلے،

ہفت،

کرن کتاب "رنگ، خوشبو، پیراہن" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔

بلند و بالا پہاڑ سارے

سفید چاندی سی آبشاریں

زمیں کا سونا

گلوں کے چہرے

سمندروں کا حسین پانی

فضا میں اُڑتے ہوئے پرندے

یہ چاند سورج

چمکتے تارے

برستے بادل

ہوا کی خوشبو

چمن کی رنگت

بہار موسم

تمام منظر

تری خدائی کے معترف ہیں!

مصطفیٰ بخاری

نعت رسول مقبول

حضور ایسا کوئی انتظام ہو جائے
سلام کے لیے حاضر غلام ہو جائے

میں صرف دیکھ لوں اک بار صبحِ طیبہ کو
بلا سے پھر میری دنیا میں شام ہو جائے

تجلیات سے بھر لوں میں اپنا کاسۂ جاں
کبھی جو ان کی گلی میں قیام ہو جائے

حضور آپ جو سن لیں تو بات بن جائے
حضور آپ جو کہہ دیں تو کام ہو جائے

حضور آپ جو چاہیں تو کچھ نہیں مشکل
سمٹ کر فاصلہ یہ چند گام ہو جائے

ملے مجھے بھی زبان بوصیریؒ و جامیؒ
مرا کلام بھی مقبولِ عام ہو جائے

مزا تو جب ہے فرشتے یہ قبر میں کہہ دیں
صبیح مدحتِ خیر الانام ہو جائے

صبیح محسن

صنم سعید سے ملاقات

شاہین رشید

جس طرح عمیرہ احمد کے ناولز مقبول عام ہوتے ہیں اسی طرح ان کے ڈرامے بھی ناظرین میں بے حد مقبول ہوتے ہیں۔ آج کل آپ ان کے دو سیریلز اسکرین پر دیکھ رہے ہیں۔ "زندگی گلزار ہے" اور "مراۃ العروس" اور دونوں ہی ناظرین کی توجہ کا مرکز ہیں۔ لیکن "زندگی گلزار ہے" بہت زیادہ پسند کیا جارہا ہے۔ عمیرہ کے ڈراموں کی طرح ان کے ڈراموں کے کردار بھی بہت مقبول ہوتے ہیں "کشف" کا کردار کرنے والی فنکارہ "صنم سعید" کو لوگ بہت اچھی طرح جانتے ہیں مگر اب ہر ایک کی زبان پر "کشف" کا ہی نام ہے۔ "صنم سعید" آپ کو دوسروں کی بہ نسبت اسکرین پہ کم نظر آتی ہیں مگر جب بھی آتی ہیں بھرپور کردار میں آتی ہیں۔ "دام" "میرا نصیب" اور اب "زندگی گلزار ہے" صنم سعید کے یادگار سیریلز بن گئے ہیں۔

◆ کیسی ہیں صنم سعید۔ "زندگی گلزار ہے" میں آپ کا رول انتہائی اچھا ہے اور پرفارمنس بھی لاجواب ہے۔ لگتا ہے کہ جیسے یہ رول لکھا ہی آپ کے لیے تھا؟

☼ جی میں ٹھیک ہوں اور بہت شکریہ۔ اور سچی بات ہے کہ مجھے بھی یہ رول کر کے بہت مزا آرہا ہے۔ اور اب تک میں نے جتنے بھی رول کیے ہیں ان میں سب سے بہترین رول میں اسی رول کو کہوں گی۔

◆ کشف کے کردار میں بہت سادہ اور محنت کش دکھائی گئی ہیں تو آپ عام زندگی میں کیسی ہیں؟

☼ میں اپنی عام زندگی میں بھی بہت سادگی پسند ہوں اور یہ کردار میری اصل زندگی کے بہت قریب ہے۔ کیونکہ جب میں سولہ سال کی تھی تب سے کما رہی ہوں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جو چیزیں مجھے چاہیے ہوتی تھیں وہ میرے ماں باپ افورڈ نہیں کر سکتے تھے تو میں نے سوچا کہ انتظار کیوں کروں' خود ہی کیوں نہ کچھ کرلوں اور مجھے بارہ سال ہوگئے ہیں کام کرتے ہوئے اور مجھے کوئی مجبوری نہیں تھی۔ بس میری سوچ تھی کہ جو مجھے چاہیے اس کے لیے دوسروں کا انتظار نہ کروں۔ اپنی خواہش بھی پوری کرلوں اور گھر والوں کی بھی مدد کروں۔ گھر والوں کی مدد سے مراد پیسے کی مدد نہیں بلکہ امی کے ساتھ گھر کے امور میں ہاتھ بٹانے کی بات کررہی ہوں۔ ہماری امی کی تربیت ہے کہ ہمیں بچپن سے ہی کام کرنے کی عادت ہے اور ویسے بھی میں گھر کی بڑی ہوں۔ اور باقی بہن بھائی چھوٹے ہیں وہ اتنا کام نہیں کرپاتے۔

◆ سولہ سال کی عمر میں تو جاب کا سینس نہیں ہوتا۔ فیلنگ کیسی تھیں کما کر؟

☼ لیکن مجھے تھا' شاید میں بچپن سے ہی بہت حساس واقع ہوئی ہوں۔ میری پہلی جاب تھیٹر کی تھی اور مجھے ماہانہ سیلری ملتی تھی اور ان پیسوں سے خود بھی مزے کرتی تھی اور امی کو بھی دیتی تھی اور بہت اچھی فیلنگز تھیں کہ امی ابا سے مانگنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اپنے آپ سے کر سکتی تھی بہت سے کام۔

◆ والدین نے اور دیگر لوگوں نے حوصلہ افزائی کی؟

☼ بہت زیادہ حوصلہ افزائی کی بہت زیادہ تعریف کی اور بہت زیادہ مجھ پر فخر کیا والدین نے اور اگر وہ سپورٹ نہ کرتے تو شاید میں کچھ بھی نہ کرپاتی۔

◆ آپ کے رول بہت ساؤ ہوتے ہیں۔ کبھی ماڈرن رول کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ تو کیا آئندہ بھی ایسے ہی رول کرنے کا ارادہ ہے؟

☼ سمپل رول تو خیر نہیں ہوتے' شکل سے میں بہت سمپل لگتی ہوں۔ ڈرامہ سیریل "تلخیاں" میں اتنا سمپل نہیں تھا جتنا "زندگی گلزار" میں ہے اور "کدورت" جو آج کل آن ایر ہے اس میں بھی میرا کردار بہت سمپل نہیں ہے مکس رول ہوتے ہیں اور میں کوشش کرتی ہوں کہ وہ رول کروں' جس میں کوئی پیغام ضرور ہو جو ذرا چیلنجنگ ہوں اور جن کا کچھ اثر خواتین پہ ضرور ہو۔ ویسے کامیڈی رول کرنے کی بھی خواہش ہے۔

◆ انڈر پروڈکشن کتنا کام ہے آپ کا؟

☼ ترنگ کی ایک ٹیلی فلم کی ہے' مہرین جبار کے ساتھ۔ تھیٹر کررہی ہوں' "تماپا" کے ساتھ۔ بس فی الحال تو یہی ہیں آپ کے انٹرویو تک۔ کوشش کرتی ہوں کہ کام کم کروں مگر اچھا کروں اور ایسا کروں کہ لوگوں کو یاد رہے۔

◆ یہ بتائیں کہ شوبز میں آمد کیسے ہوئی؟

☼ چونکہ کم عمری سے تھیٹر کررہی ہوں اور مومنہ درید نے مجھے دیکھا ہوا تھا تو وہ مجھے بہت فون کرتی تھیں کہ تم آؤ۔ اور ڈراموں میں کام کرو اور جب مجھے ٹائم ملا میں نے کام کیا اور مومنہ درید کی پیشکش سے پہلے مہرین جبار جو کہ دوست بھی ہیں ان کے سیریل "دام" میں کام کیا تھا اور اردو کی وجہ سے زیادہ کام نہیں کرتی

تھی مگر تھیٹر کر کر کے اردو کافی صاف ہوگئی ہے۔

◆ اردو تو آپ کی بہت صاف ہے۔ ؟کہاں سے تعلق ہے آپ کا' اپنا فیملی بیک گراونڈ بتائیں۔

☼ فیملی بیک گراونڈ کچھ یوں ہے کہ ابا پنجابی ہیں اور امی میمن ہیں۔ میں 2 فروری 1985ء میں لندن میں پیدا ہوئی۔ گھر کی بڑی ہوں' ایک بہن اور ایک بھائی مجھ سے چھوٹے ہیں۔ اے لیول اور پھر گریجویشن کیا۔ جب میں آٹھ سال کی تھی تو فیملی کے ساتھ پاکستان آگئی۔

◆ کیوں۔۔۔؟

☼ اس لیے کہ فیملی پاکستان میں شفٹ ہورہی تھی تو ظاہر ہے کہ سب کو آنا تھا اور جب ہم پاکستان آئے تو میرا بہت دل چاہتا تھا کہ میں واپس جاؤں اور میرا یہ بھی دل چاہتا تھا کہ لندن کے تھیٹر میں کام کروں۔ لیکن موقع ہی نہیں ملا۔ اس لیے پاکستان کے ہی تھیٹر میں کام کر کے خواہش پوری کرلی۔ ویسے لندن کی لائف بہت ٹف ہوتی ہے۔

◆ "زندگی گلزار" میں جو کشف دکھائی گئی ہے۔ کیا آج کل کے زمانے میں ایسی سیدھی سادی لڑکیاں ہیں؟

☼ ہیں جی۔۔۔ بالکل ہیں سیدھی سادی بھی اور محنتی بھی۔۔۔ اور دور کیوں جائیں میں نے خود بہت محنت سے اپنا مقام بنایا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ مجھے سب کچھ آسانی سے مل گیا ہو۔

◆ کبھی ایسا ہوا کہ کوئی کردار آپ کو ملنا تھا کسی اور کو

مل گیا یا آپ کو کسی کا کردار مل گیا ہو؟

☼ نہیں۔۔۔ ایسی تو کوئی معلومات مجھے نہیں ہے' یہ تو پروڈیوسر یا ڈائریکٹر کو ہی معلوم ہو گا۔۔۔ یقیناً" ایسا ہوا ہو گا۔۔۔ لیکن اپنے لیے میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ "کشف" کے لیے سلطانہ آپا نے میرا ہی انتخاب کیا تھا۔ ہاں۔۔۔ مجھے یاد ہے کہ ڈرامہ سیریل "میرا نصیب" میں جو رول سائرہ یوسف نے کیا تھا وہ مائرہ خان نے کرنا تھا۔ زیبا بختیار نے ثمینہ آپا' والا رول کرنا تھا مگر انہوں نے نہیں کیا۔ تو میرے خیال سے ایسا ہوتا رہتا ہے اور وہ ہی کچھ ملتا ہے جو قسمت میں ہوتا ہے۔

❖ کبھی گھر والوں نے یہ پابندی لگائی کہ اس قسم کے رول نہیں کرنا؟

☼ نہیں۔۔۔ اللہ کا شکر ہے کہ گھر والے بہت اچھے ہیں۔ ایسا کچھ نہیں کہتے اور پھر میری اپنی بھی ایک سوچ ہے کہ مجھے کس قسم کے رول کرنے ہیں اور کس قسم کے نہیں۔ ہر انسان کو اپنی حدود معلوم ہوتی ہیں۔

❖ بالکل۔۔۔ آپ بتا رہی تھیں کہ امی نے بچپن میں ہی سب کچھ سکھا دیا تھا تو ڈراموں میں یہ سگھڑپن کام آیا۔۔۔ یا کبھی کھانے کے چینل جوائن کرنے کا خیال آیا؟

☼ ڈراموں میں اتنے لمبے سین تو ہوتے نہیں کہ ہم اپنی مہارت دکھا سکیں' لیکن یہ ضرور ہے کہ میں سگھڑ ہوں' مجھے انگریزی کھانے پکانے بہت اچھے آتے ہیں اور آپ کو یہ سن کر بھی حیرت ہو گی کہ میرے ننھیال سائیڈ پہ اور ددھیال سائیڈ پہ سب شیف بھرے پڑے ہیں۔ مطلب یہ کہ سب ہی بہت اچھا پکا لیتے ہیں اور مجھ پہ بھی انہی کا اثر ہے اور کبھی کھانے کے چینل جوائن کرنے کا خیال نہیں آیا مجھے اداکاری سے زیادہ لگاؤ ہے۔

❖ ویسے کبھی یہ چینلز دیکھے ہیں؟

☼ ہاں کبھی ٹائم مل جائے تو دیکھ لیتی ہوں مگر ان کی ریسپی کو فالو نہیں کرتی بلکہ اپنی دادی' نانی اور خالہ کی ریسپی کو فالو کرتی ہوں میری پھوپھو بھی بہت ماہر ہیں پھر انٹرنیٹ سے بھی مدد لیتی ہوں۔۔۔

❖ ڈرامے کے کردار آپ کی اپنی شخصیت یا دوسروں کی شخصیت کے کتنے قریب ہوتے ہیں؟

☼ اسکرین اداکاری میں یہی ہوتا ہے کہ جو کردار آپ کر رہے ہوتے ہیں اس میں اپنے آپ کو ڈھال

لیتے ہیں بھلے وہ کردار آپ کی شخصیت سے میچ کرے یا نہ کرے اور بعض اوقات ہمیں وہی کردار ملتے ہیں جو ہم ہوتے ہیں اور بعض کردار ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو پڑھ کر ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ارے فلاں بندی یا بندہ بھی ایسا ہی تو ہے۔

❖ فیوچر پلاننگ کرتی ہیں؟

☼ نہیں۔۔۔ کوئی خاص نہیں۔۔۔ بس اب تو شادی کرنی ہے اور بچے پالنے ہیں۔ مجھے بچے بہت اچھے لگتے ہیں۔

❖ پبلک مقامات پر لوگوں میں گھل مل جاتی ہیں یا رش والی جگہوں پر جانے سے گھبراتی ہیں۔

☼ ہاں۔۔۔ میں لوگوں میں بڑی آسانی سے گھل مل جاتی ہوں۔ کیونکہ میں بھی ان کی جیسی انسان ہوں لوگ ملتے ہیں تعریف کرتے ہیں تو بہت اچھا لگتا ہے اور لوگ نام سے نہیں بلکہ کردار سے پہچانتے ہیں۔ آج کل کشف کے نام سے بلاتے ہیں۔۔۔ وہ دیکھو کشف جا رہی ہے۔۔۔ تب بہت اچھا لگتا ہے۔

❖ فلم سے آفر آئے تو؟ اور کس قسم کے کردار کریں گی؟

☼ تو شاید کام کروں اور وہ ہی رول کروں گی جس کی کہانی مجھ پر Base کرے گی اور جس کا اثر عام لوگوں کی زندگی پر بھی ہو۔ جس طرح ڈرامے کے کردار لیتے وقت میری کوشش ہوتی ہے کہ کوئی نہ کوئی پیغام ضرور ہو۔ جیسے اب کشف کا رول کر رہی ہوں۔

❖ پرفارم کرنے سے پہلے کردار کے لیے کوئی ریسرچ ورک کرتی ہیں؟

☼ بہت۔۔۔ کشف کے کردار کرنے سے پہلے ایسی لڑکیوں کا مشاہدہ کیا کہ وہ کس طرح ری ایکٹ کرتی ہیں ان سے باتیں کیں' ان کے درمیان بیٹھی' اس طرح ایک اور کردار کے لیے بھی مشاہدہ کیا اگر اس طرح کا کردار بھی کسی نے کیا ہو تو پھر اس کا ڈرامہ دیکھتی ہوں۔ پوری ریسرچ کے بعد پرفارم کرتی ہوں۔ اب کشف کے ہی رول کو دیکھ لیں' میری امی میمن ہیں اور امی کی سائیڈ کی سب خواتین اور لڑکیاں پردہ کرتی ہیں۔

❖ شوبز میں اپنی جگہ بنانے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

☼ اپنے کام کو بہت ہی دلچسپی اور ایمانداری کے ساتھ کرنا چاہیے۔ اپنے کردار کا اچھی طرح مشاہدہ کر کے پڑھ کر کرنا چاہیے۔ اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے اور دوسروں کو ان کا کام کرنے دینا چاہیے۔

❖ رومانوی کردار آسانی سے کر لیتی ہیں؟

☼ کر تو لیتی ہوں مگر ہنسی بہت آتی ہے۔ بہت سے لوگ ہمارے ارد گرد کھڑے ہوتے ہیں' ہمیں دیکھ رہے ہوتے ہیں۔۔۔ اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ ری ٹیکس بہت ہوتے ہیں اور تسلسل ٹوٹتا رہتا ہے اور پھر fake لگنے لگتا ہے۔ ایک ٹیک میں ہو تو ٹھیک ہوتا ہے مگر بار بار کرنے سے عجیب لگتا ہے اور بات بنتی بھی نہیں ہے۔

❖ کبھی Death کا سین کیا آپ نے؟

☼ ایک ڈرامہ میں کر چکی ہوں' مگر مرتے ہوئے نہیں دکھایا بس مری پڑی تھی یعنی ڈیڈ باڈی دکھائی گئی تھی اور بہت ہنسی بھی آ رہی تھی کہ اس کام کی کسر رہ گئی تھی لو اب یہ بھی کر لیا۔

❖ آج کل تو باقاعدہ کفن پہنا کر سین فلمائے جاتے

ہیں؟

☼ میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا تھا۔ میں تو بستر پر لیٹی تھی، آنکھیں میری کھلی ہوئی تھیں اور ہوٹل کا کمرہ تھا جہاں سے میری ڈیڈ باڈی ملی تھی۔

◆ سنا ہے کہ ڈراموں میں مارنے کے سین اور خاص طور پر تھپڑ مارنے کے سین حقیقی نہیں ہوتے بلکہ ساؤنڈ ٹریک سے کام چلایا جاتا ہے؟

☼ ہاں ہوتا ہے۔۔۔ مگر میرے سارے سین حقیقت ہوتے ہیں۔ اور میں تو ہر ڈرامے میں مار کھاتی ہوں اور کہہ کر کھاتی ہوں کیونکہ تب ہی سین حقیقی لگتا ہے اور جب کہہ کر تھپڑ کھائیں تو دیکھنے والے پر تو اثر ہوتا ہے مگر کھانے والے پر نہیں کیونکہ اسے پتا ہوتا ہے کہ اب اسے تھپڑ پڑنے والا ہے۔ مگر جو چیز اچانک ہو اس کا اثر اس پر ہوتا ہے جس کو تھپڑ پڑتا ہے۔

◆ اپنے ڈرامے دیکھتی ہیں؟

☼ بالکل دیکھتی ہوں۔۔۔ اور بہت شوق سے دیکھتی ہوں۔ کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ اگر میں خود اپنے ڈرامے نہیں دیکھوں گی تو میں اپنے آپ کو بہتر نہیں کر پاؤں گی۔

◆ تنقید کرتے ہیں لوگ؟

☼ لوگ تو اتنا نہیں کرتے، بلکہ کرتے ہی نہیں ہیں تعریف ہی کرتے ہیں مگر میں اپنے آپ پر بہت تنقید کرتی ہوں۔۔۔ اور میری امی بہت تنقید کرتی ہیں اور دیگر گھر والے بھی۔

◆ برا لگتا ہے۔۔۔

☼ نہیں بالکل نہیں۔۔۔ کیونکہ تنقید سے میری اصلاح ہوتی ہے۔ ہاں کوئی پرسنل ہو جائے تو پھر مجھے اچھا نہیں لگتا۔

◆ شوٹنگ کرنا کہاں مشکل لگتا ہے۔ چھوٹے گھروں میں یا بڑے گھروں میں یا آؤٹ ڈور میں؟

☼ چھوٹے بڑے گھروں میں شوٹ کرنا کوئی مشکل نہیں ہے مگر آؤٹ ڈور شوٹ کرنا مشکل ہے کیونکہ آؤٹ ڈور میں کپڑے چینج ۔۔۔ کرنے میں بہت مشکل ہوتی ہے۔ ڈھنگ کے باتھ روم اور ڈریسنگ روم نہیں ہوتے۔

◆ ماڈلنگ کی آپ نے؟

☼ بہت کی ہے۔۔۔ تقریباً" دس سال ماڈلنگ کی اور پھر چھوڑ دی کیونکہ مزا نہیں آرہا تھا اور کچھ اور کرنا آتا نہیں تھا تو ماڈلنگ کو جاری رکھا اور پھر جب ڈراموں میں کام ملنے لگا تو ماڈلنگ چھوڑ دی۔

◆ مگر کہتے ہیں کہ ماڈلنگ میں پیسہ بہت ہے؟

☼ میرے خیال میں پیسہ ڈراموں میں زیادہ ہوتا ہے اگرچہ کام زیادہ ہوتا ہے بس مجھے ماڈلنگ کا شوق ہی نہیں ہے۔

◆ کیا ڈرامے ہمارے ملک میں کوئی انقلاب لاسکتے ہیں؟

☼ میرا نہیں خیال کہ ڈراموں کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ فلم سے لوگ زیادہ اثر لیتے ہیں اور ہماری فلموں کا لوگوں پر اثر نہیں ہوتا۔ ہاں ہالی ووڈ کا لوگوں پر ضرور اثر ہوتا ہے۔۔۔ بے شک ہمارے ڈرامے بہت اچھے ہوتے ہیں لیکن چونکہ قسط وار ہوتے ہیں اس لیے لوگوں پر اثر انداز نہیں ہوتے اور فلم چونکہ ڈیڑھ دو گھنٹے کی ہوتی ہے تو وہ اثر انداز ہوتی ہے۔

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے صنم سعید سے اجازت چاہی۔

☼ ☼

سرورق کی شخصیت

ماڈل	ایشا
میک اپ	ماہ روز
فوٹوگرافر	موسیٰ رضا

میری بھی سنیے

مہوش حیات

شاہین رشید

1۔ میرا پورا نام؟
☆ مہوش حیات۔

2۔ مجھے لوگ پکارتے ہیں؟
☆ صرف مہوش کے نام سے۔ کوئی نک نیم نہیں ہے۔

3۔ میری تاریخ پیدائش؟
☆ 6 جنوری 1989ء کراچی۔

4۔ تعلیمی ڈگری؟
☆ بی کام۔

5۔ میرے بہن بھائی؟
☆ ہم چار بہنیں ہیں اور دو بھائی ہیں۔

6۔ لوگ پوچھتے ہیں؟
☆ شادی کب کرنی ہے۔ ارے بھئی آپ کو کیا فکر ہے۔ جب ہونی ہوگی ہو جائے گی۔ اتنی جلدی کیا ہے۔

7۔ شوبز میں میری آمد؟
☆ میری امی "رخسار" کی وجہ سے، جو کہ خود بھی بہت اچھی فنکارہ ہیں، اب کم کام کرتی ہیں بلکہ تقریباً" چھوڑ ہی دیا ہے۔

8۔ کس کمرشل اور ڈرامے نے مجھے پہچان دی؟
☆ ایک بسکٹ کے کمرشل نے اور ڈرامہ "چار چاند"

9۔ میرا آئیڈیل شریک سفر؟
☆ اگرچہ میں آئیڈیل پر یقین نہیں رکھتی لیکن پھر بھی جو بھی ہو غصے کا تیز نہ ہو۔ تعلیم یافتہ ہو اور بہترین اخلاق کا مالک ہو۔

10۔ میرا آن ایئر سیریل؟
☆ مراۃ العروس جس میں میرا کردار بہت اچھا ہے۔

11۔ میرا پسندیدہ کردار؟
☆ اب تک جتنے رول کیے بہترین تھے لیکن مراۃ العروس میری زندگی کے قریب ترین ہے، میں عام زندگی میں بھی ایسی ہی گھریلو لڑکی ہوں۔

12- میری اگلی کاوش؟
☆ میں ڈانس سیکھ رہی ہوں اس لیے چاہتی ہوں کہ کوئی ایسا رول ملے جس میں، میں ڈانس کرسکوں۔ گائیکی کی دنیا میں بھی میں نے قدم رکھ لیا ہے اور چند ایک سیریلز کے ٹائٹل سونگ بھی گائے ہیں۔ میں بہت آگے تک جانا چاہتی ہوں۔
13- مجھے جھجک آتی ہے؟
☆ رومانٹک سین کرتے ہوئے کیونکہ ہمارے ارد گرد بہت سے لوگ کھڑے ہوتے ہیں اس لیے بہت احتیاط کے ساتھ ایسے سین کرتی ہوں۔
14- میں نے جو سین سب سے زیادہ کیے ہیں؟
☆ دلہن اور شادی۔ والے سین۔ شروع شروع میں شرم آتی تھی اب نہیں آتی ہے۔
15- میں خوش ہوتی ہوں گھر آکے کیونکہ؟
☆ مجھے اپنی امی کے گلے لگ کر پیار کرنا ہوتا ہے، سارا دن کی روداد سنانی ہوتی ہے، ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانا ہوتا ہے اور پھر اپنے بستر پر لیٹ کر ٹی وی دیکھنا ہوتا ہے۔
16- ڈرامے جو شوق سے دیکھتی ہوں؟
☆ اپنے بھی، دوسروں کے بھی اور پڑوسی ملک کے بھی تاکہ اپنی پرفارمنس میں بہتری لاسکوں۔
17- اپنی ایک عادت جو ختم کرنا چاہتی ہوں؟
☆ میں سست ہوں تھوڑی سی نہیں بلکہ اچھی خاصی ہوں۔ ہر کام کو آہستہ آہستہ اور دیر میں کرتی ہوں اور سوشل بالکل نہیں ہوں۔ سب کو میرے ساتھ یہی شکایت ہے۔
18- شوبز کی ایک دلچسپ بات؟
☆ کہ لڑکیاں کتنی جلدی بڑی ہوجاتی ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے پہلا ڈرامہ 14 سال کی عمر میں کیا تھا "وجود لاریب" اور اس میں، میں نے فیصل قریشی کی بھانجی کا رول کیا تھا اور جب میں سترہ سال کی ہوئی تو فیصل کے ساتھ لیڈنگ رول کیا۔ ماموں ہیرو بن گئے (قہقہہ)
19- مجھے زندگی بری لگتی ہے؟
☆ جب میں اپنے ملک میں خصوصاً" کراچی میں بدامنی اور دہشت گردی دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ جو سولی پہ لٹکی ہوتی ہے۔
20- اگر میرے اختیار میں ہوتا تو۔۔۔؟
☆ تو ملک میں دہشت گردی کرنے والوں کو بے نقاب کرکے سرعام پھانسی دے دیتی۔ ان لوگوں نے ہم سب کا جینا حرام کیا ہوا ہے۔
21- مجھے جھوٹ بولنا پڑتا ہے؟
☆ جب شوٹ پر وقت پر نہ پہنچ پاؤں، جب بات عزت پہ آجائے کسی کی اور اکثر دوسروں کو مصیبت سے بچانے کے لیے۔
22- موڈ تب ہی ٹھیک ہوتا ہے؟
☆ جب کوئی مجھے منائے اور وہ ہی منائے جس نے مجھے ناراض کیا ہے۔ تب ہی موڈ ٹھیک ہوتا ہے ورنہ تو پھر سب کے ساتھ ہی خراب رہتا ہے۔
23- کھانے جن پر میں لپکتی ہوں؟
☆ بریانی، آئی لو بریانی اور ناشتے میں انڈا پراٹھا۔
24- جب مجھے بھوک لگتی ہے تو۔۔۔؟
☆ جب مجھے بھوک لگتی ہے اور کھانا میرے سامنے نہ آئے تو مت پوچھیے کہ کیا حالت ہوتی ہے بدمزاج ہوجاتی ہوں تھوڑی بکواس بھی کرتی ہوں اور دل چاہتا ہے کہ کوئی مجھ سے بات نہ کرے۔
25- کھانا چھوڑ نہیں سکتی؟
☆ خواہ کتنا ہی غصہ کیوں نہ آرہا ہو۔
26- جب میں آئینہ دیکھتی ہوں تو؟
☆ تو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے ایک مکمل انسان بنایا ہے۔
27- مجھے فخر ہے کہ؟
☆ اللہ نے بہت کم عمری میں مجھے بہت کچھ دے دیا ہے۔ عزت، دولت، شہرت ورنہ ایک عمر گزر جاتی ہے ان سب کے حصول کے لیے۔
28- جب موبائل سروس بند ہو تو۔۔۔؟
☆ سکون تو ہوتا ہے، مگر بے چینی بھی ہوتی ہے۔ شوٹ پر ہوتی ہوں تو گھر والوں کی فکر ہوتی ہے۔

29- میری ایک اچھی عادت؟
☆ کسی سے زیادہ دن کٹی نہیں رہ سکتی نہ ہی کسی کے لیے دل میں برائی رکھ سکتی ہوں۔
30- میرا بے ساختہ لفظ جو منہ سے نکلتا ہے؟
☆ ہیں۔
31- اپنی فیلڈ کی ایک بات جو بری لگتی ہے؟
☆ یہاں لوگ دوسروں کی ذاتی زندگی میں دخل اندازی بھی بہت کرتے ہیں۔ کریدتے بھی ہیں اور دوسروں کے درمیان بیٹھ کر تبصرے بھی کرتے ہیں۔ بھئی آپ کو کیا پنچایت ہے سب کو اپنے انداز میں جینے کیوں نہیں دیتے۔
32- غصے میں میرے اظہار کا بہترین طریقہ؟
☆ خاموش ہوجاتی ہوں۔ کسی کو جواب نہیں دیتی۔ میرے خیال میں دوسروں کو شرمندہ کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔
33- امی کی کسی بات سے میرا موڈ آف ہوجاتا ہے؟
☆ جب وہ مجھے میرے پھوہڑپن پر ڈانٹتی ہیں۔ کیا کروں اتنی مصروف رہتی ہوں کہ نہ تو گھر کے کاموں میں حصہ لے پاتی ہوں اور نہ ہی اپنا کمرہ صاف رکھ پاتی ہوں۔
34- مجھے عموماً" وہ مرد اور لڑکے برے لگتے ہیں؟
☆ جو خواتین اور لڑکیوں کی عزت نہیں کرتے اور ان کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔
35- میں اپنے آپ کو تروتازہ محسوس کرتی ہوں؟
☆ شام کے وقت اور صبح سویرے۔ صبح سویرے بیڈ ٹی مل جائے تو بس۔۔۔ گویا پیٹرول مل گیا ہو۔
36- سچی خوشی کب ملتی ہے مجھے؟
☆ جب میں اپنی کمائی سے کوئی قیمتی چیز خریدتی ہوں اور جب میں نے اپنی کمائی سے گاڑی خریدی تو مجھے اپنے آپ پر بہت فخر ہوا تھا۔
37- محبت کے بارے میں میرا نظریہ۔۔۔؟
☆ کہ کم عمری میں کبھی محبتوں کے چکر میں نہ پڑیں نقصان اٹھائیں گے۔
38- میں بہت ٹینشن میں رہتی تھی؟
☆ جب میں طالبہ تھی ہر وقت یہی ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں میں فیل نہ ہوجاؤں حالانکہ میں کبھی فیل نہیں ہوتی تھی۔
39- میں سوچتی ہوں؟
☆ زندگی میں اتنی افراتفری کیوں ہے۔ کبھی سگنل پہ چلتے پھرتے لوگوں کو دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں کہ ان کو جلدی کس بات کی ہے۔
40- کس کا مجھ پر بہت رعب ہے؟
☆ میری امی کا۔۔۔ سچ بہت ڈرتی ہوں ان سے۔
41- وہ وقت جب میں گھنٹوں سکتے میں رہی؟
☆ جب میں نے اپنا بل بورڈ دیکھا اور اپنے آپ سے پوچھا یہ "میں" ہوں۔
42- پیسہ جمع کرتی ہوں؟
☆ میں سمجھتی ہوں کہ پیسے کو اس کی اصل شکل میں ہی جمع کرنا چاہیے تاکہ بہ وقت ضرورت ہم آسانی سے نکال کر خرچ کرلیں۔
43- جب لوگ میری تعریف کرتے ہیں تو۔۔۔؟
☆ خوشی تو ہوتی ہے مگر عجیب سی شرمندگی بھی۔۔۔ دراصل تھوڑی Shy ہوں۔
44 کس پہ بھروسہ کیا جاسکتا ہے؟
☆ جو بھروسے کے قابل ہو (قہقہہ) ویسے اس خود

غرضی کے دور میں کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا کہ جس پر بھروسہ کیا جاسکے۔

45۔ دھوکہ کون دیتا ہے اپنے یا پرائے؟

☆ اپنے ہی دیتے ہیں غیروں کو کیا پڑی ہے ہمیں دھوکہ دینے کی۔

46۔ میرے کمرے میں آپ کو کیا کیا ملے گا؟

☆ میری بہت ساری تصاویر، جن میں موجودہ بھی ہیں اور بچپن کی بھی ہیں۔ کچھ کتابیں، جو میں فارغ اوقات میں پڑھتی ہوں۔

47۔ کب دوسروں سے مختلف سمجھتی ہوں اپنے آپ کو؟

☆ جب میں ایک عام انسان کو دیکھتی ہوں جو نو سے پانچ کی ڈیوٹی کر کے شام کو وقت پر گھر آجاتے ہیں۔ مگر ہم آرٹسٹوں کا گھر آنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔

48۔ کس چیز کی عادت پختہ ہو گئی ہے...؟

☆ لائٹ کے چلے جانے کی، اب لائٹ نہ جائے تو الجھن ہوتی ہے اور حیرانی بھی کہ یہ گئی کیوں نہیں...

49۔ جن شاعروں اور ادیبوں کو پڑھتی ہوں؟

☆ منٹو کو اور افتخار عارف کو بہت زیادہ شوق سے پڑھتی ہوں باقی کی کتابیں بھی ہاتھ میں آجائیں تو ضرور پڑھتی ہوں۔ کیونکہ مجھے مطالعہ کا شوق ہے۔

50۔ ایک جگہ جہاں جانے کے لیے انکار نہیں کرسکتی؟

☆ ارے کوئی ایسی جگہ نہیں ہے۔ بس گھر سے کام اور کام سے گھر۔

51۔ کب طبیعت بے چین ہونے لگتی ہے؟

☆ جب شوٹ پہ دیر ہوجائے۔ مجھے جلدی گھر جانا اچھا لگتا ہے اور آرام کرنا بھی بہت اچھا لگتا ہے۔

52۔ وہ محبت جو بھول نہیں پاؤں گی...؟

☆ ہاں اس طرح کی باتیں میری دوستیں اور دیگر لڑکیاں کرتی ہیں۔ لیکن سچ پوچھیں تو میں نے ابھی تک اس قسم کی محبت کسی سے نہیں کی۔

53۔ اگر موبائل فون ایجاد نہ ہوتا تو...؟

☆ ہائے پھر تو بہت مشکل ہوجاتی ایسا نہ کہیں یہ ایک بہترین ایجاد ہے۔

54۔ میری دیرینہ خواہش ہے کہ؟

☆ میں ہالی ووڈ کی فلموں میں کام کروں اور بہت نام کماؤں۔

55۔ میں برداشت نہیں کرسکتی؟

☆ کہ کوئی مجھے گہری نیند سے اٹھائے اور میرے چیخنے پر سوری کہے۔ سوری سے نیند واپس تو نہیں آجائے گی۔

56۔ یہ ہفتہ کیسا رہے گا، یہ کتنا یقین ہے؟

☆ پڑھ لیتی ہوں یقین نہیں کرتی اپنی عقل سے کام لیتی ہوں۔

57۔ پاکستان کے بارے میں میری سوچ...؟

☆ اس کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتی ہوں مگر ہمارے ہاتھ میں کچھ نہیں۔ کاش ہم بھی ایک ترقی یافتہ ملک کہلائیں۔

58۔ کس ملک کی شہریت لینا چاہتی ہوں؟

☆ فرانس... سنا ہے، بہت خوبصورت ملک ہے۔

59۔ اپنی دوستوں سے ایک شکایت؟

☆ بھئی آپ سب یہ نہ کہا کرو کہ اب تو اسٹار بن گئی ہو ہمارے لیے ٹائم کہاں ہوگا بھئی اسٹار تو میں بچپن سے ہی ہوں۔ تو جب پہلے نہیں بدلی تو اب کیا بدلوں گی۔

60۔ اگر کوئی مجھے مسلسل گھورے تو؟

☆ لڑکی ہوگی تو مسکرادوں گی اور لڑکا ہوگا تو نظر انداز کر کے دوسری سائیڈ کھڑی ہوجاؤں گی۔

61۔ ایک شعر جو اکثر گنگناتی ہوں؟

نکل ہی آتی ہے کوئی نہ کوئی گنجائش
کسی کا پیار کبھی آخری نہیں ہوتا!

62۔ اپنے چہرے میں کیا پسند ہے؟

☆ اپنی آنکھیں۔

63۔ گھر میں میرا گوشہ عافیت!

☆ میرا اپنا کمرہ۔ جہاں بہت سکون ملتا ہے۔

☆ ☆

آواز کی دنیا سے

کرن سلطان

شاہین رشید

یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ اب ہماری نوجوان لڑکیاں پڑھ لکھ کر نا صرف اپنی صلاحیتوں سے واقف ہوتی ہیں بلکہ ان کا استعمال کر کے اپنی فیملی کو سپورٹ بھی کرتی ہیں اور اب وہ دور آگیا ہے جب لڑکیاں والدین کے لیے بوجھ ثابت نہیں ہوتیں۔ تعلیم نے لڑکیوں کو بہت باشعور کردیا ہے۔ کرن سلطان بھی ایک باہمت لڑکی ہیں جو اپنے گھر والوں کو سپورٹ کرتی ہیں کرن نا صرف پی آئی اے کے ریزرویشن ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتی ہیں بلکہ انٹرنیٹ ریڈیو ایف ایم پہ بھی پروگرام کرتی ہیں۔

★ "کیسی ہیں کرن آپ اور کیا مصروفیات ہیں؟"

✳ "جی مصروفیات تو کچھ یوں ہیں کہ صبح فجر سے پہلے اٹھ جاتی ہوں۔ نماز پڑھتی ہوں پھر سات بجے وین آجاتی ہے۔ میں پی آئی اے کے ریزرویشن ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتی ہوں اور ساتھ ہی ایف ایم پہ بھی کام کرتی ہوں۔ پی آئی اے کی جاب صبح کے وقت اور ایف ایم رات کے وقت اور سلسلہ کچھ یوں ہے کہ ایف ایم میں گھر سے کررہی ہوتی ہوں اور Web اسٹیشن کے لیے کام کرتی ہوں۔ ایک سوفٹ ویر ہوتا ہے سیم براڈ کاسٹر اس کو ہم ڈاؤن لوڈ کردیتے ہیں۔ پروڈیوسر ہمارے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں اور ہم آرام سے گھر بیٹھ کر اپنا شو کرتے ہیں۔"

★ "اس ایف ایم کے سامعین ہوتے ہیں؟"

✳ "بالکل ہوتے ہیں اور بہت ہوتے ہیں بلکہ پوری دنیا میں ہوتے ہیں اور زیادہ تر سامعین باہر کے ملکوں کے ہوتے ہیں جیسے یو ایس اے، کینیڈا، یو کے میں برمنگھم، لندن اور یورپ کے دوسرے ممالک جہاں لوگ ہمیں سنتے ہیں اور پسند کرتے ہیں۔"

★ "تو ریڈیو جاکر کام کیوں نہیں کیا؟"

✳ "میں نے ریڈیو جاکر بھی کام کیا ہے ایف ایم 93 کے لیے میں نے تقریباً" آٹھ سال کام کیا ہے زیادہ کام میں نے بشریٰ نور خواجہ اور یسمار رضا کے ساتھ کیا ہے یسمار رضا کے ساتھ تو کام کرنے کا تجربہ بھی بہت اچھا رہا میں لائیو شو کیا کرتی تھی پھر جب مجھے web ایف ایم کی آفر آئی تو مجھے یہ زیادہ بہتر لگا کہ گھر بیٹھ کر میں یہ کام کرسکتی تھی اور دن میں دوسرے کام کرنے کا بھی وقت مل جاتا تھا۔ یہ پروگرام جو میں کرتی ہوں یہ ہر اتوار کو ڈیڑھ بجے سے ساڑھے تین بجے تک ہوتا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ ساری دنیا سو رہی ہوگی مگر ایسا نہیں ہے۔ ہر ملک کا ٹائم ہمارے ملک کے ٹائم سے کچھ گھنٹے آگے

پیچھے ہوتا ہے تو ہر کوئی میرے پروگرام کو باآسانی سن لیتا ہے۔"

★ "مگر اسٹیشن پہ بیٹھ کر پروگرام کرنے میں زیادہ مزا نہیں ہے کیا؟"

* "ہاں جی میرا بھی دل چاہ رہا ہے کہ واپس Frequency پہ چلی جاؤں کیونکہ لوگوں کے پاس اتنا وقت تو ہے نہیں کہ وہ ٹی وی کے آگے بیٹھ کر پروگرام دیکھیں۔ ریڈیو کے تو یہ مزے ہیں کہ آپ ڈرائیونگ کر رہے ہیں یا کہیں اور مصروف ہیں تو کانوں میں ہیڈ فون لگا کر ریڈیو سن سکتے ہیں تو میری خواہش ہے اور ان شاء اللہ بہت جلد میں کسی ایف ایم کو جوائن کرلوں گی۔"

★ "آسان کیا ہے؟ ریڈیو اسٹیشن پہ بیٹھ کر پروگرام کرنا یا گھر بیٹھ کر پروگرام کرنا؟"

* "ریڈیو پہ بیٹھ کر پروگرام کرنا زیادہ آسان ہے۔ وہاں کا اپنا ایک الگ چارم ہوتا ہے آپ وہاں جاتے ہیں بہت سارے لوگوں سے آپ کی ملاقات ہوتی ہے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے لوگوں کے درمیان رہ کر کام کرنے سے خود اعتمادی آتی ہے تو اس کا اپنا ہی مزا ہے۔"

★ "آپ کے پروگرام کا فارمیٹ کیا ہے؟"

* "میں زیادہ تر کرنٹ ٹاپک کو ڈسکس کرتی ہوں مجھے بہت فاسٹ رہنا پڑتا ہے میں لوگوں کو جگانے والے کام کرتی ہوں اگر کوئی اداس ہے تو میرا پروگرام سن کر خود بخود مسکرادے۔"

★ "فیڈ بیک ملتا ہے؟"

* "جی بالکل ملتا ہے کیونکہ پاکستان اور پاکستان سے باہر سب کے پاس انٹرنیٹ اور موبائلز کی سہولت ہوتی ہے تو لوگ سنتے رہتے ہیں اور انجوائے کرتے ہیں۔"

★ "تو مزے کی جاب ہے گویا اور پی آئی اے کی جاب کیسی ہے؟"

* "جی بالکل۔۔۔ بہت مزے کی جاب ہے اور میں آپ کو بتاؤں کہ میں کافی سارے کام کرتی ہوں۔ میں آرٹیکل بھی لکھتی ہوں، کہانیاں بھی لکھتی ہوں۔ ہمدرد نونہال کے لیے میں نے بہت لکھا ہے اور لکھتی بھی ہوں اور آپ کو بتاؤں کہ 9 جنوری 2003ء سٹی گورنمنٹ کراچی کی طرف سے ایک ڈیبیٹ کا مقابلہ ہوا وہاں مدیر جنگ محمود شام صاحب بھی آئے تھے اور اس مقابلے میں 60 طالب علموں میں میں نے پہلی پوزیشن لی تھی پھر اس کے بعد ـــــــــــ پروگرام بچوں کی دنیا کے لیے مجھے بلایا "ٹیلنٹ نیٹ" کے لیے پہلی مرتبہ ریڈیو سے میری آواز آئی تو مجھے خود بھی اچھا لگا۔

میں نے ریڈیو پرائم ٹائم کے لیے لکھنا بھی شروع کیا کہانیاں بھی لکھیں اور قاضی واجد صاحب کے ساتھ پرفارم بھی کیا۔ تقریباً دو سال کے بعد بشریٰ نور صاحبہ نے مجھے "یوتھ فورم" کے لیے آفر دی، ایک سال کا کنٹریکٹ تھا اور اس میں میں کمپیئرنگ بھی کرتی تھی اور عبیدہ انصاری کے ساتھ ایک پروگرام بھی کرتی تھی "دادی اور میں" میں دادی کی نٹ کھٹ سی پوتی تھی جو غلط کام کر کے آجاتی تھی تو پھر دادی اس کو سمجھاتی تھیں کہ تم نے یہ کام غلط کیا ہے۔ اس پروگرام میں یا آئیٹم میں بچوں کے لیے بہت سے پیغامات ہوتے اور یوتھ کے لیے بھی پیغام ہوتے تھے۔

★ "کسی چینل کے لیے بھی کام کیا اور پی آئی اے میں کب سے ہیں؟"

* "جی "آج" چینل کے لیے کچھ کام کیا تھا لیکن وہ کچھ وجوہات کی وجہ سے آن ایر نہیں آسکا۔ پی آئی اے کے ریزرویشن ڈیپارٹمنٹ میں میں 2008ء سے ہوں اور بہت اچھی جاب ہے میری اور بہت کچھ سیکھنے کو ملا اور مل رہا ہے۔ اس جاب کے ساتھ ساتھ میں آرٹیکل بھی لکھتی ہوں عرصہ پہلے ایک گانا "مٹی کا آدم" کافی چلا تھا اس کی شاعری میں نے کی ہے اور اسے اسد رضا نے گایا ہے اور آج کل ایک اور گانا لائن اپ میں ہے جو کہ بہت جلدی آن ایئر آئے گا۔"

★ "ماشاء اللہ آپ کی صلاحیتوں پہ تو گھر والوں کو بہت فخر ہوتا ہوگا۔ تو یہ سب خداداد صلاحیتیں ہیں یا گھر والوں کا بھی کچھ حصہ ہے؟"

* "خداداد صلاحیتیں بھی ہیں لیکن ان کو باہر لانے میں میری امی کا بھی ہاتھ ہے جب میں نے پہلی نعت پڑھی تھی ریڈیو پاکستان میں تو وہ نعت میری امی نے ہی مجھے یاد کروائی تھی اور انہوں نے ہی تیاری بھی کروائی تھی اور میری امی میرے ساتھ ہر جگہ جاتی رہتی تھیں میری بہنوں نے میری بہت حوصلہ افزائی کی اور آپ کو بتاؤں کہ جب میں بہت چھوٹی تھی تو میرے والد کا انتقال ہو گیا تھا انہوں نے بھی مجھے بہت سپورٹ کیا۔ پھر ان کے بعد امی نے ہی سب کچھ کیا اور آج تک کر رہی ہیں اور آپ یقین کریں کہ جب میں گھر آتی ہوں تو میری بہن میرے لیے کھانا گرم کرتی ہیں۔ میرے سارے کام وہی کرتی ہیں۔ میرے کپڑے بھی وہی استری کرتی ہیں اگر ان کی سپورٹ نہ ہوتی تو میں کچھ بھی نہ ہوتی۔" میری ایک بہن تو شادی شدہ ہے اور ایک بہن انگیج ہے تو ان کو یہی خیال ہوتا ہے کہ میں چونکہ تھکی ہوئی آئی ہوں تو اس لیے وہ میرا خیال رکھتی ہیں۔"

★ "کتنے بہن بھائی ہیں آپ لوگ؟"

* "میں گھر میں بڑی ہوں ہم تین ہی بہنیں ہیں والد صاحب حیات نہیں اور بھائی بھی کوئی نہیں ہے۔"

★ "ایک بہن کی شادی کردی ایک کی منگنی کردی، اپنے بارے میں کچھ نہیں سوچا؟"

* "امی کا بیٹا بھی اور بیٹی بھی ہوں اور میں نے یہی سوچا تھا کہ دونوں بہنوں کی شادی ہو جائے گی تب اپنے بارے میں سوچوں گی اور ان شاء اللہ اس سال کے آخر تک امی کا پکا ارادہ ہے میری منگنی یا شادی کرنے کا۔"

★ "کیسا لگتا ہے مردوں کی طرح گھر سے نکلنا پھر تھکے ہارے گھر آنا۔ سارا دن محنت کرنا اور پھر رات کو ڈیڑھ بجے پروگرام کرنا۔ اتنی مصروف زندگی میں آرام کرنے کا وقت کب ملتا ہے؟"

* "جب انسان مسلسل کوئی کام کرتا ہے تو چیزیں خود بخود اپنی جگہ سیٹل ہوتی جاتی ہیں مشکل ہوتا ہے گھر سے نکلنا اور آج کے معاشرے میں اگر کوئی عورت گھر سے باہر نکلتی ہے تو یقیناً کوئی نہ کوئی مجبوری ہوتی ہوگی۔ تو اس کو موقعہ ملنا چاہیے کام کرنے کا اور اس کو کام کرنے دیا جائے۔ مجھے بڑے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ کسی لڑکی کو لڑکے اتنا تنگ نہیں کرتے جتنا شادی شدہ مرد کرتے ہیں۔ میری منیجر رشمال عبداللہ اس معاملے میں بہت سپورٹو ہیں اور ہم لڑکیوں کے کام کی بہت حوصلہ افزائی بھی کرتی ہیں اور مردوں کے ساتھ ڈیل کرنا بھی سکھاتی ہیں۔ شروع شروع میں میں بہت ڈر جایا کرتی تھی لیکن ان کا ایک جملہ میں نے اپنی گرہ سے باندھ لیا ہے کہ اگر کوئی تمہیں ڈرائے تو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے دیکھنا شروع کردو وہ خود ہی شرمندہ ہو جائے گا۔ ہم لڑکیوں کا سب سے بڑا پرابلم ہمارا لڑکی ہونا ہے۔"

★ "لڑکیوں کو جاب آسانی سے مل جاتی ہے؟"

* "جی میرے خیال سے تو مل جاتی ہے میں نے تو جہاں جہاں اپلائی کیا مجھے جواب آیا ہے۔۔۔ ماشاء اللہ اور اچھی آفرز کے ساتھ آیا۔"

★ "سنا ہے کہ خوب صورت اور اسمارٹ لڑکیوں کو جلدی جاب مل جاتی ہے؟"

* "جی ہاں یہ تو ہے کیونکہ دیکھا پہلے جاتا ہے اور پرکھا بعد میں جاتا ہے یہ کوئی نہیں دیکھے گا کہ آپ نے صبح سے کچھ کھایا بھی ہے یا بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ آپ نے پہنا ہوا کیا ہے۔"

★ "پی آئی اے میں آپ جاب کرتی ہیں۔ پی آئی اے کی حالت کے بارے میں بہت سنتے ہیں۔ کیا لوگ ابھی بھی پی آئی اے میں سفر کرتے ہیں؟"

* "بہت لوگ سفر کرتے ہیں کون کہتا ہے کہ پاکستان غریب ملک ہے اور پی آئی اے خسارے میں ہے۔ اتنی زیادہ ٹریولنگ ہوتی ہے آپ سوچ بھی نہیں سکتیں پی آئی اے بہت اچھی ایئرلائن ہے لیکن اس کے ساتھ سلوک اچھا نہیں ہوتا۔ پی آئی اے کو جدید

ٹیکنالوجی دی گئی ہے۔ مگر اس کا استعمال صحیح طرح نہیں آتا۔ نئی جنریشن کو آگے لانا چاہیے ان کو جگہ دینی چاہیے۔ میں دیکھتی ہوں کہ کافی بڑی عمر کے خواتین و حضرات پی آئی اے میں ہیں جنہیں اب آرام کی ضرورت ہے اور وہ اب زیادہ بہتر طریقے سے کام نہیں کر سکتے۔ نئے لوگ آئیں نئی ٹیکنالوجی کو استعمال کریں اور آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ جب آپ سیٹ ریزرو کرانے جاتی ہیں تو کہا جاتا ہے کہ سیٹ نہیں ہے۔ مگر جہاز آدھے سے زیادہ خالی ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پی آئی اے اپنی فلائیٹ میں "کارگو" بھیج رہا ہوتا ہے۔ اب ایک جہاز ایک حد تک لوڈ اٹھا سکتا ہے اگر وہ لوڈ "کارگو" میں پورا ہو گیا ہے تو پی آئی اے اپنی سیٹوں کو وہیں بلاک کر دے گا چاہے 90 میں سے 25 سیٹوں کی بکنگ ہوئی ہو یا اس سے زیادہ کی اور یہی غلط بات ہے پی آئی اے کی۔"

★ "کمال ہے؟"

* "بالکل کمال ہے اگر برابر طریقے سے مینجمنٹ ہو اور ان لوگوں کو لے کر آئیں جنہوں نے اس شعبے میں تعلیم اور ٹریننگ لی ہو تو کبھی بھی کوئی مسئلہ نہ ہو۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایئرلائن بہت اچھی ہے مگر اسے لوگ اچھے نہیں ملے۔"

★ "اب آپ اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بتائیں پھر مزید باتیں کرتے ہیں؟"

* "ہم اردو اسپیکنگ ہیں، میری امی شاہ جہاں پور کی ہیں اور ابو لکھنؤ کے ہیں دونوں طرف سے سلیس اردو تھی تو میری اردو بھی اچھی ہو گئی اور باقی جو کسر تھی وہ ریڈیو پاکستان نے پوری کر دی وہاں بہت ڈانٹ پڑتی تھی تلفظ پہ۔ میں 7 جون 1988ء کو حیدر آباد میں پیدا ہوئی۔ ہم تین بہنیں ہیں میرے بعد صدف ہیں جو شادی شدہ ہیں۔ ان کے دو بیٹے ہیں اور ان کے میاں ایک بنک میں کام کرتے ہیں۔ تیسرے نمبر پر انعم ہے جس کی منگنی ہو چکی ہے۔ میں نے "آئی آر" میں ماسٹرز کیا ہے، والد صاحب کا انتقال 2003ء میں ہوا انہیں کینسر ہو گیا تھا۔ ان دنوں میں میٹرک میں تھی۔ بس اللہ نے امی کو ہمت دی اور آج ہم نے یہ مقام پایا۔ امی بس ایک بات پر بہت زور دیتی تھیں کہ تمہیں آگے بڑھنا ہے اور کچھ کرنا ہے۔"

★ "ایسے موقع پر اگر مائیں ہمت ہار جائیں تو بہت سے مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بہت قابل تعریف ہیں ــــ والدہ؟"

* "بالکل آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ماؤں سے ہی گھر کا دم ہے رونق ہے ڈھارس ہے۔ امی ذرا دیر کے لیے کہیں چلی جائیں تو گھر میں عجیب سی وحشت ہونے لگتی ہے۔ امی خود بھی ماسٹرز ہیں ان کا نام شہناز بیگم ہے اور ہماری امی کی تربیت اتنی اچھی تھی کہ اگر ہمیں باہر کوئی لڑکا تنگ کرتا تھا تو ہم امی کو بتاتی تھیں اور امی بہت اچھے طریقے سے سمجھاتی تھیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

★ "اتنی چھوٹی عمر میں اتنی جدوجہد کی مزاج میں چڑچڑاپن آیا؟ کیسا رہا مزاج؟"

* "ہاں ــــ جی چڑچڑاپن اسی وقت آتا ہے جب کوئی کام نہ ہو رہا ہو۔ لیکن میرا غصہ بڑا عجیب سا ہے۔ آپ سنیں گی تو آپ کو ہنسی آئے گی۔ مجھے جب غصہ آتا ہے تو میں گھر کی چیزیں سمیٹنا شروع کر دیتی ہوں۔ الماری ٹھیک کرنے ــــــ کچن کو صاف کرنا شروع کر دوں گی۔ گھر کی صفائی ستھرائی میں لگ جاؤں گی اور ساتھ ہی ساتھ بولتی بھی رہتی ہوں۔"

★ "یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ جب گھر کی صفائی ستھرائی کروانی ہوتی ہوگی تو امی کہتی ہوں گی کہ چلو "کرن" کو غصہ دلادو؟"

* قہقہہ "نا صرف گھر کی صفائی ستھرائی ہو جاتی ہے۔ بلکہ پھر میں ڈائری بھی لکھتی ہوں اور ڈائری میں سارے شکوے شکایت لکھ دیتی ہوں۔ بہت جذباتی ہو کے ڈائری لکھتی ہوں اور جب بعد میں خود پڑھتی ہوں تو بہت ہنسی بھی آتی ہے۔ اچھا بھی لگتا ہے۔ بہت خوب صورت یاد بن جاتی ہے پھر یہ ڈائری غصہ کبھی کبھار ہی

آتا ہے ویسے بہت نرم مزاج کی ہوں۔"

★ "کبھی اچھے موڈ میں بھی گھرداری کی ہے؟"

* ہنستے ہوئے "اچھے موڈ میں بھی گھرداری کرتی ہوں۔ اچھی بچی اور کام والی لڑکی ہوں۔ ہماری امی کی ایک سوچ ہے وہ اکثر کہتی ہیں کہ بیٹا جس گھر میں جاؤ گی وہاں تمہاری ڈگری کام نہیں آئے گی بلکہ تمہاری گھرداری اور سگھڑپن کام آئے گا اور میں یہ بات نہیں سننا چاہتی کہ ماں نے کیا سکھا کر بھیجا ہے تو امی نے ہر کام میں پرفیکٹ کیا ہوا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مصروفیت کی وجہ سے میں کچن کو زیادہ وقت نہیں دے پاتی۔"

★ "شادی کی تو اب آپ کی ہی باری ہے تو کوئی چوائس ہے کہ امی کی پسند سے کرنی ہے یا اپنی پسند سے کرنی ہے؟"

* "مزے کی بات بتاؤں کہ اتفاق سے دو مرتبہ کسی نجومی کو ہاتھ دکھایا تو دونوں مرتبہ یہی کہا گیا کہ آپ کی جب بھی شادی ہوگی ــــ لو میرج ہوگی اور تم بہت خوش رہو گی ــــ تو دیکھیں کہ ایسا ہوتا ہے یا نہیں۔ لیکن امی کی طرف سے ایسی کوئی پابندی نہیں ہے کہ کرنی ہے تو ارینج ہی کرنی ہے۔ بلکہ وہ تو کہتی ہیں کہ اگر تم کسی کو پسند کرتی ہو اور تم سمجھتی ہو کہ اس کے ساتھ اچھی زندگی گزار سکو گی تو ضرور بتاؤ ــــ تو اگر کبھی ایسا ہوا تو اپنی ماں کو ضرور بتاؤں گی ان سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔"

★ "ابھی کوئی زندگی میں آیا نہیں؟"

* قہقہہ "نہیں جی ویسے میری دوست وغیرہ مجھے بہت تنگ کرتی رہتی ہیں اور میرے کولیگ میرے لیے رشتہ ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ میرے ایک بہت اچھے کولیگ ہیں ان کا نام "اسد" ہے ہمارے فیملی فرینڈ ہیں ابو کے دوست کے بیٹے ہیں انہوں نے مجھے بہت سپورٹ کیا ہے اور وہ میرے لیے آج کل بہت سرگرمی کے ساتھ رشتے ڈھونڈ رہے ہیں وہ مجھ سے تین چار سال بڑے ہیں۔

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے کرن سلطان سے اجازت چاہی۔

ماں

ثمرین حبیب

السلام علیکم جنوری کی اس ٹھٹھرتی اور یخ بستہ رات میں قلم ہاتھ میں تھامے سوچ رہی ہوں کہ "کیا واقعی دکھ بانٹ لینے سے اس کی شدت کم ہو جایا کرتی ہے۔۔۔؟"

"کرن" میں "ماں" سلسلہ کافی عرصہ تک چھپتا رہا۔ مجھے بہت پسند تھا یہ سلسلہ۔ بارہا دل چاہا میں بھی کچھ لکھوں اپنی ماں کے بارے میں۔ پر یہ سلسلہ رائٹرز کے لیے مخصوص تھا سو دل مسوس کر بیٹھی رہی۔ اور آج اتنے عرصے بعد قلم تھاما ہے تو کوئی تبصرہ نہیں۔۔۔ کوئی فرمائش نہیں۔۔۔ بس آج اپنی ماں کی یاد آپ سے بانٹنے کی جسارت کر رہی ہوں۔

جب یہ سلسلہ "ماں" کرن میں شروع ہوا تھا تو میں نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ "یہ سلسلہ پڑھنے اور لکھنے والے دونوں کی آنکھیں نم کر دیا کرے گا۔ اور آج میں آنکھوں میں اشکوں کی برسات لیے اپنی پیاری "مماجی" کے بارے میں کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ کچھ یادیں ہیں بیتے ہوئے انمول پل ہیں۔ جو ماں جیسی میٹھی ہستی کے ساتھ گزرے۔ ماں کی بے غرض محبت میں گزرے دن سرمایہ زندگی ہیں میرے لیے۔

12 نومبر 2012ء کا دن مجھ سے میری پیاری سوہنی مماجی چھین کے لے گیا اور اپنے ساتھ ممتا کی لازوال محبت، ٹھنڈی چھاؤں، امنگیں، جذبے، خوشیاں بے فکری، لاپروائی غرض کہ زندگی کے سارے رنگ ہی لے گیا۔ I.C.U کا وہ کمرہ جس میں میری مماجی نے اپنی زندگی کی آخری سانسیں لیں اس کمرے کی سرد فضا اور قاتل خامشی میرے وجود کا ایک دردناک حصہ بن چکی ہے۔

بجو کی روتی ہوئی درد میں ڈوبی آواز آج بھی میرے کانوں میں گونجتی ہے۔۔۔۔۔ "مما کے کان میں زور زور سے کلمہ پاک کا ورد کرو" تکلیف کی انتہا تھی صبر ختم ہونے کو تھا۔ میری پتھرائی ہوئی بے یقین نگاہیں مما کے سفید پڑتے چہرے پر ٹک سی گئی تھیں۔ "یا اللہ میری مما پر رحم کرنا جیسے انہوں نے بچپن میں ہم پر کیا" میرے کانوں نے میری آواز سنی تھی۔

بے یقینی کی شاید کوئی حد نہیں ہوتی۔ میری مما چلی گئیں جہاں سے کوئی لوٹ کر نہیں آتا۔ مگر پھر بھی میں بے یقین ہوں۔ آس نہیں ٹوٹتی۔

اب تو ان کی طبیعت بہت بہتر تھی۔ ڈاکٹرز کہتے تھے کمزوری ہے خوراک سے دور ہو جائے گی۔ پھر کیا ہوا؟ ایک ہفتہ پہلے کی جانے والی سب رپورٹس اوکے تھیں سب ٹھیک تھا۔ ڈاکٹرز بھی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ پھر کیا ہوا؟ 11 نومبر کو صبح مما کی طبیعت خراب ہو گئی۔ وہ نیم بے ہوش تھیں۔ ہاسپٹل لے کے گئے I.C.U میں ایڈمٹ کر لیا گیا۔ شام 7 بجے جب رپورٹس آئیں تو دل کو دھچکا لگا کہ گردے کام نہیں کر رہے۔ پھر بھی امید تھی کہ اس سے پہلے بھی ایسے خراب ہوتی رہی ہے ان کی طبیعت ان شا اللہ ٹھیک ہو جائیں گی۔ بروز پیر ان کی حالت بگڑتی گئی اور شام مغرب کے بعد وہ اس جہان فانی سے رخصت ہو گئیں۔

وہ صرف میری ماں ہی نہیں تھیں اپنے آپ میں ایک عہد تھیں ایک باب تھیں۔ نانا ابو کی پہلی اور بڑی بیٹی تھیں۔ ماموں چھوٹے اور اکلوتے تھے۔ نانا جی بہت بڑے زمیندار تھے بڑی بیٹی ہونے کے ناتے مما نے سب فرائض بخوبی نبھائے نانا جی کے شانہ بشانہ زمینوں پر کام کیا۔ صحیح معنوں میں اپنے والد صاحب کا بازو بنیں۔ ہمارے آباؤ اجداد انڈیا سے پاکستان آئے تھے۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے نزدیک "بھٹی چک" وہاں آکر رہائش پذیر ہوئے۔ مما شادی ہو کر اسی چک میں آئی تھیں۔

ابو جی دو بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے مما لاڈلی بہو تھیں اپنے سسرال میں۔ اونچی لمبی، خوب گوری چٹی، لمبے سیاہ بال، جب بیاہ کر آئیں تو پورے چک کی عورتیں دیکھنے آئیں ۔۔۔ انہیں۔ بال ان کے ابھی بھی بہت لمبے گھنے تھے۔ میری دوستیں کہتی تھیں کہ ایسے بال ماؤں کے کم ہی دیکھے ہیں جیسے تمہاری مما کے ہیں۔ وہ صورت میں ہی نہیں سیرت میں بھی باکمال تھیں محبتوں کو نبھانے والی سلجھی ہوئی۔ نرم خو سب کو جوڑ کے اکٹھا کرنے والی، درگزر کرنا ان کی بہت خوب صورت عادت تھی۔ جو لوگوں میں نہیں رہی ہے۔ اگر ان کے ساتھ کوئی زیادتی بھی کر جاتا کبھی برا بھلا نہیں کہتی تھیں۔ ہم بھی کسی سے دل برداشتہ ہو کے یا کسی کی بات بری لگتی کچھ بول دیتے تو بہت خفا ہوتیں غیبت سے سخت نفرت تھی انہیں۔

میں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی انہیں کسی کی پیٹھ پیچھے برائی کرتے نہیں سنا تھا۔ کبھی انہوں نے ہم پر بے جا روک ٹوک نہیں کی تھی۔ جو بات سمجھانا ہوتی، آرام سے سمجھا کے کہہ دیتیں۔ میں تو ان کی بہت لاڈلی اور نازک بیٹی تھی۔ سب کہتے ہیں میں ان سے بہت ملتی ہوں۔ بجو کہتی ہیں کہ "تحریم رویا نہ کرو مما تو ہمارے اندر بستی ہیں وہ کہیں نہیں گئیں۔ وہ ہمارے اندر ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ ان کی پیاری عادتیں ان کا اخلاق، محبت، خلوص سب ہمارے اندر موجود ہے۔ بس انہیں اپنائے رکھنا مما ہمیشہ پاس ہوں گی تمہارے۔"

میری مما بہت خوش قسمت کہا کرتی تھیں خود کو کہتیں ۔۔۔ "تمہارے ابو جیسے شوہر تو قسمت والیوں کا نصیب بنتے ہیں۔" اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے ابو جی نا صرف محبت اور خیال کرنے والے شوہر ثابت ہوئے بلکہ نہایت مشفق باپ بھی ہیں۔ ہم نے کبھی ابو جی اور مما کو غصے میں نہیں دیکھا۔ بہت محبت، عزت، احترام تھا میرے والدین میں ہماری ماں ہی نہیں بچھڑیں۔ ابو جی کا بھی ہم سفر جدا ہوا ہے۔ وہ بھی ایسے موڑ پر جب ایک دوسرے کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔ ان کا دکھ اپنی جگہ رلاتا ہے۔ میری مما بہت بہادر خاتون تھیں اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ وہ مختلف بیماریوں سے نبرد آزما رہیں ۔۔۔ پر کبھی ان کے منہ سے کوئی شکوہ نہیں سنا تھا۔

رمضان المبارک میں ان کی طبیعت زیادہ بگڑنا شروع ہوئی تھی۔ 12 ستمبر کو انہیں ہاسپٹل ایڈمٹ کروایا تھا مگر اسی شام حیدر آباد ریفر کر دیا گیا تھا۔ ان کے گردے کام نہیں کر رہے تھے۔ میرے دونوں بھائی بھی سعودیہ سے آچکے تھے۔ ڈاکٹروں نے ڈائی لیسز تجویز کیا اور تین ڈائی لیسز تین وقفوں سے ان کے ہوئے۔ ڈائی لیسز جیسے تکلیف دہ مرحلوں سے

گزرتے ہوئے بھی مما نے کبھی زبان سے اف نہ کیا۔ میرے وہ تین گھنٹے (ڈائی لیسز کے دوران) ایسے گزرتے کہ زبان درود پاک کا ورد کرتے خشک ہو کر اکڑ جاتی اور ہاتھ مما کی نبض پر ہوتے (ڈاکٹروں کے مطابق بی پی کم تھا۔ رسک پر ڈائی لیسز ہوتے تھے۔)

ڈاکٹر "دبھگوان داس" جو کہ بہت اچھے سرجن ہیں ان سے مما کا علاج ہو رہا تھا۔ وہ اچھے سرجن ہونے کے ساتھ انتہائی نرم دل، بہترین اخلاق کے حامل انسان ہیں۔ انہوں نے ان اذیت ناک اور قیامت خیز گھڑیوں میں ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ انسانیت کے ناتے جو حوصلہ، ہمت، اپنائیت ہم بہن بھائیوں کو دی وہ کبھی نہیں بھولے گی۔

ڈائی لیسز کے بعد بھی مما کو بہت تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ساری ساری رات وہ سو نہیں پاتی تھیں۔ پورا ایک ماہ مسلسل دن رات ہم سب نے انہیں دباتے گزارا تھا۔ پورے جسم میں شدید قسم کا درد شروع ہو گیا تھا ڈائی لیسز کے بعد سے۔

پھر اللہ نے بہت کرم کیا درد بھی ختم ہو گیا۔ تھوڑا بہت کھانے پینے بھی لگیں ——— کہ اچانک ایسی قیامت ٹوٹی کہ سب کچھ بکھر کے رہ گیا۔

اپنے انتقال سے کچھ دن پہلے ہی وہ ایسی باتیں کرنے ——— لگی تھیں جن کی سمجھ ہمیں بعد میں آئی کہتیں ——— کہ میرے پاس وقت اب تھوڑا ہے۔ فوت ہونے سے تین دن پہلے دعا مانگ رہی تھیں کہ اللہ میں نے اپنے سارے بچے تیرے سپرد کیے تو ہی ان کا وارث ہے۔"

ہفتے کی رات بس یہی کہتی رہیں کمر میں بہت درد ہے رات میں بجو پاس تھیں۔ دن میں میں ان کے پاس ہوتی تھی۔ مجھے ان کے ہاتھ بہت پیارے لگتے تھے میں ہر وقت انہیں تھامے رہتی تھی۔ دسویں کلاس میں انگلش کی ——— ایک پوئم تھی "بیوٹی فل ہینڈز" شاعر اپنی ماں کے ہاتھوں کو کہتا کہ "بھلے آج یہ ہاتھ گوشت سے خالی جھریوں سے بھرے ہیں پھر کل ننھی ہاتھوں نے مجھے پالا تھا۔ کھانا بنا کر دیا تھا۔ بہت خوب صورت نظم ہے وہ۔ میں مما کو اکثر سناتی تھی۔ اور میں مما سے کہتی کہ مجھے بھی اب اس نظم کی گہرائی کا اندازہ ہوا ہے کہ واقعی ماں کے ہاتھ دنیا کے سب ہاتھوں سے پیارے ہوتے ہیں۔ آج وہ ہاتھ کہیں نہیں ہیں۔ ماں کا لمس نہیں ہے۔ ہزاروں لوگ ہیں ہزاروں چہرے ہیں پر ماں کا چہرہ کہیں نظر نہیں آتا۔

ان کے انتقال پر بہت دنیا آئی۔ بہت سی انجان عورتیں مجھے گلے لگا کر تسلیاں دیتی رہیں۔ نجانے وہ کون تھیں؟ ان کا میری مما سے کیا تعلق تھا؟ کیسی محبت تھی جو ان کے چہروں پر آنسوؤں کی صورت برس رہی تھی۔ وہ بہت ہمدرد اور دینے دلانے میں سخی تھیں۔ ان کی ذات کے بہت سے راز مجھ سے پوشیدہ ہیں۔ لوگ یونہی کسی کو آکر نہیں روتے۔ محبتوں پر ہی رویا جاتا ہے۔ محبتیں ہی انسان کو کبھی ختم نہیں ہونے دیتیں۔ وجود ظاہری طور پر مرجاتے ہیں پر ان کی محبت ہمیشہ دلوں میں انہیں زندہ رکھتی ہے۔

میں نے اپنی مما کو غسل بھی دیا۔ سعادت ہے میرے لیے۔ کوئی واویلا نہیں کیا۔ یاد تھا اللہ عزوجل کو صبر پسند ہے۔ مما کا چہرہ روشن تھا نور ہی نور تھا۔

ہم نے حوصلے سے ماں کو رخصت کیا۔ لاڈلی بہو اپنے پیارے سسر (دادا جی) کے پہلو میں دفن ہوئیں بہت سکون ملتا ہے اس شہر خموشاں میں جا کر جہاں ماں چلی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ میری مما کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ اپنی رحمت کرے ان کی لحد پر رسول پاک کی شفاعت نصیب کرے انہیں۔ آمین۔

ماں تیرے بعد بتا کون لبوں سے اپنے
وقت رخصت میرے ماتھے پہ دعا لکھے گا

مما کا غم وقت کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے۔ ان کی کمی ہر پل دل کو چیرتی ہے۔ میرے لیے ہم سب کے لیے صبر کی دعا کیجیے گا۔

☼ ☼

وقت کا کام گزرنا ہے اور وہ گزر کر ہماری یاد کے کشکول کو بھرتا چلا جا رہا ہے۔ یادیں جو حاصل زیست ہوتی ہیں جن میں کھو کر ہم موجودہ وقت کی تلخی کو بھول جاتے ہیں جو اپنے آپ میں ایک جہان ہوتی ہیں جو اپنی رنگینی سے موجودہ وقت کی سنگینی کو ختم نہیں تو کم ضرور کر دیتی ہیں۔

یاد کا سرا کبھی کسی واقعہ سے جڑا ہوتا ہے، کبھی کسی انجان چہرے کو دیکھتے ہوئے کوئی اپنا یاد آ جاتا ہے، کبھی کسی تقریب میں موجود ہوتے ہوئے بھی ماضی کی کسی تقریب کو یاد کر رہے ہوتے ہیں، کبھی کوئی قطعہ کوئی اقتباس کسی بچھڑے ہوئے اپنے کی یاد دلا دیتا ہے، کبھی کسی پرانے گانے کے بول اس وقت کی یاد دلا کر آنکھیں پرنم کر دیتے ہیں۔ یاد کا تعلق کسی خوشی سے ہو تو وہ وقت ہمارے ذہن کے افق سے کبھی غروب نہیں ہوتا بلکہ اپنی خوشی کی شعاعوں سے ہمارے دکھوں کی دبیز چادر کو تار تار کر دیتا ہے اور ہم اس یاد سے توانائی لے کر وقت کی کٹھنائیوں کو جھیلنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

کرن کے سالگرہ نمبر کے لیے اپنے قارئین کی یادوں کو پھر سے تازہ کرنے کے لیے کچھ سوالات کیے تھے۔ آئیے پڑھتے ہیں قارئین اس حوالے سے کیا کہتے ہیں۔

سوالات:

1۔ کیا سالگرہ کا دن آپ پر آپ کی زندگی کے مقصد کو واضح کرتا ہے؟
2۔ سالگرہ کا یادگار اہتمام آپ نے کب اور کس کے لیے کیا؟
3۔ سالگرہ پر ملنے والا کوئی حیران کن گفٹ جو آپ کو ملا یا آپ نے کسی کو دیا؟
4۔ اب تک کی گزری زندگی میں آپ نے کیا کھویا کیا پایا؟

یادوں کے روشن رنگ

ادارہ

مقدس رباب ——— چکوال

سب سے پہلے تو میں دعا گو ہوں کہ کرن تم جیو ہزاروں سال اور اپنی روشنی سے تاریک ذہنوں کو جلا بخشتے رہو اور تم قیامت کی سحر ہونے تک یوں ہی چمکا کرو۔

1۔ میری ذاتی رائے ہے کہ زندگی کا مقصد پانے کے لیے صرف سالگرہ کا دن مخصوص نہیں ہے۔ زندگی کا مقصد تو ہر آنے والی سانس کے ساتھ جڑا ہے۔ رب کائنات نے تو کسی ذی روح کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ میرے خیال میں ہر انسان کی زندگی میں ایک ایسا لمحہ آتا ہے جب وہ اپنے جینے کا جواز تلاش کرتا ہے یا دوسرے معنوں میں یوں کہنا چاہیے کہ وہ سوچتا ہے کہ آیا میں اپنی زندگی بامقصد طریقے سے جی رہا ہوں یا پھر یوں ہی خانہ پری کر رہا ہوں اور ایسا لمحہ کبھی بھی اور کسی بھی وقت رحمت خداوندی کی بدولت آشکار ہو سکتا ہے۔

2۔ ہمارے ہاں سالگرہ کا کبھی بھی اہتمام نہیں کیا جاتا بلکہ اسے ایک ہندوانہ رسم سمجھا جاتا ہے البتہ تحائف وغیرہ لینے دینے پر کوئی پابندی نہیں، بہت پہلے ایک دفعہ میں نے اپنے طور پر بیٹے کی سالگرہ کا اہتمام کیا تھا اور بہت ایمرجنسی میں کیا تھا۔ ان دنوں میں اپنے شوہر کے ساتھ ملیر کینٹ میں مقیم تھی۔ میری ایک پڑوسن بہت اچھی دوست تھی ان کا تعلق سادات سے تھا۔ صرف انہی ماں بیٹی کو انوائٹ کیا تھا کیک اور دوسرے لوازمات وغیرہ منگوا کر چھوٹی سی دعوت کر ڈالی اور مووی بھی بنائی تھی میری دوست چونکہ ناراض تھی کہ تم نے پہلے نہیں بتایا میں کوئی گفٹ لے لیتی تو دوسرے دن ہم نے کینٹ بازار سے جا کر گفٹ لیا اور خوب ہلا گلا کیا وہ دن میری زندگی کی خوشگوار یادوں کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

3۔ تحائف وغیرہ لینا دینا تو سنت نبویؐ ہے اس سے پیار و محبت بڑھتا ہے اور میری ذاتی رائے کے مطابق سب سے اچھا تحفہ پرخلوص دعائیں ہیں اور الحمد للہ اس معاملے میں بہت خوش قسمت ہوں کہ دعاؤں کے تحفے تو مجھے دن میں کتنی ہی بار ملتے ہیں اور میں اتنی ہی فراخدلی سے وصولتی

بھی ہوں۔ میری شادی کے دوسرے سال سالگرہ پر میرے شوہر نے گولڈ کی چین دی تھی جس میں مقید خوب صورت سے لاکٹ پر میرا نام بھی کندہ تھا اور دوسرا گفٹ لاسٹ ایئر میرے بچوں نے میری برتھ ڈے پر دیا تھا اپنی پاکٹ منی سے کرن اور شعاع کا سیٹ لا کر دیا تھا میری زندگی کے یہ دونوں تحفے بہت قیمتی ہیں۔

4۔ بہت مشکل سوال پوچھا ہے کیا بتائیں کہ ہم نے اب تک کی زندگی میں کیا کچھ کھو دیا۔ بہت سے اپنے پیارے چہروں کو کھو دیا جن کے دم سے ہماری زندگی تھی زندگی کی رونقیں تھیں۔ ہمارے والد جن کی وفات کے بعد ہم تپتے صحرا میں آ گئے۔ دکھوں اور مصیبتوں نے گویا ہماری دہلیز ہی پکڑ لی۔ کہیں سے کوئی امید کی کرن نظر نہیں آتی تھی۔ بہت مشکلوں کے بعد زندگی کو پھر سے جینا سیکھا تھا کہ جنوری 2012ء میں ہماری پیاری آنی ہمیں داغ مفارقت دے گئیں لیکن یہ بھی سچ ہے کہ خالق کائنات نے ہمیں نعمتوں سے بھی خوب نوازا ہے میں نے ہمیشہ مایوسی اور نا امیدی میں اپنے دوستوں (کرن اور شعاع) سے ہی رجوع کیا ہے۔ جنہوں نے میری ذات کو نئی جلا بخشی میری ہمت بندھائی مجھے یہ دوست بہت عزیز ہیں۔ اس کے علاوہ پیارا سا گھر لونگ اور کیئرنگ شوہر اور پیارے پیارے سے بچے ہیں جن کی اچھی تربیت ہی میری زندگی کا نصب العین ہے۔

صائمہ امتیاز ساہی۔۔۔ منگووال غربی

1۔ جی بالکل سالگرہ کا دن مجھ پہ میری زندگی کے مقصد کو واضح کرتا ہے۔ ایک بیٹی ہونے کی حیثیت سے اپنی اور اپنے والدین کی عزت کا ہر ممکن خیال رکھنا اور ہر 17 اکتوبر کو میرے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ میں ویسی بن جاؤں جیسی میرے گھر والے، میرے ماں باپ چاہتے ہیں اور سب سے بڑا مقصد تو یہ ہے کہ اس دنیا میں آ ہی گئے ہیں تو بلاوجہ کسی کو ہماری وجہ سے تکلیف نہ ہو (یہ الگ بات ہے کہ میں باعث تکلیف ہی ہوں۔)

2۔ سالگرہ کا یادگار اہتمام تو ایسا خاص کبھی کسی کے لیے نہیں کیا۔ میرے لیے سب رشتے ایک جیسے ہیں تو بس نارملی وش کرتی ہوں یا پھر موڈ ہو تو گفٹ دے دیتی ہوں اور اس دفعہ تو بھائی کو وہ بھی نہیں دیا (ابھی تک مانگ رہا ہے)

3۔ سالگرہ پر ملنے والا حیران کن گفٹ مجھے میرے ابو نے اس دفعہ دیا ہے جی ہاں "ہوائی جہاز" (چھوٹے بچے جس کے ساتھ کھیلتے ہیں) سفید اور نیلا جہاز جس کا دھاگہ کھینچیں تو وہ چلتا ہے۔ حیران کن اس لیے ہے کہ میں بی اے کر چکی ہوں اب ایسے کھلونوں والی عمر رہی ہی نہیں نا (میرے ابو وہ گفٹ دے کر بہت خوش ہیں) جبکہ میں حیران پریشان.....!

اور میں نے اپنی چھوٹی سسٹر اسماء کو پچھلے سال سات اپریل کو ایک ڈائری لکھ کر دی ہے اور ساتھ میں ڈھیر سارے سکے (جو بہت سارے جمع ہو گئے تھے۔)

4۔ اب تک کی گزری زندگی میں میں نے بہت کچھ کھویا ہے۔ ہمارے رشتہ دار تو اتنے خاص نہیں ہیں جو ہیں ہمارے ان کے ساتھ گہرے روابط نہیں ہیں۔ میری زندگی بس میرے والدین اور بہن بھائیوں پر محیط ہے اور کچھ عزیز دوستیں۔ اسلام آباد میں (روات کے سیکنڈری اسکول) میں اک دوست تھی عائشہ اس کو میں مکمل طور پر کھو چکی ہوں آٹھ سال ہو گئے نجانے کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ اور اللہ کے فضل و کرم سے بہت کچھ پایا بھی ہے۔ امی کی دعاؤں کی بدولت ڈھیر ساری کامیابی۔ ابو کی مکمل توجہ اور بہت سارا پیار (جو میری زندگی کا اثاثہ ہے) چونکہ بہن بھائیوں میں بڑی ہوں تو چھوٹے بہن بھائیوں کی طرف سے عزت اور احترام.....!

قرۃ العین خرم ہاشمی۔۔۔ لاہور

میں ازل سے جس کا ہوں منتظر
مجھے اس ابد کی تلاش ہے
نہ میں گیت ہوں نہ میں خواب ہوں
نہ سوال ہوں، نہ جواب ہوں
نہ عذاب ہوں، نہ ثواب ہوں
میں مکاں میں ہوں اک لا مکاں
میں ہوں بے نشان کا اک نشان
نہ میں خواب گر، نہ میں کوزہ گر!

1۔ ویسے تو بنی نوع انسان اپنے ازل سے ہی اپنے ابد کی تلاش میں ہے۔ سفر در سفر میں ہے اور اس سفر میں کوئی بھی لمحہ، کوئی بھی پل ایسا ہو سکتا ہے جو ہمیں ہماری ذات سے روشناس کرا دے۔ مقصد کے تعین کا تعلق کسی لمحہ مخصوص یا دن کا محتاج نہیں ہے اس کا ادراک یا اس کا طے کیا جانا بعض دفعہ لمحوں میں ہوتا ہے۔

"سالگرہ" کا دن میرے لیے فطری طور پر بہت خوشگوار ہوتا ہے۔ ہاں اس دن اپنی عمر کی ایک اور منزل طے ہو جانے پر اپنے رب کا شکر ادا کرتی ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ زندگی میں جس چیز کو زاد راہ کے طور پر ساتھ لیا ہے۔ اسی میں میری کامیابی ہو۔ اس دنیا میں بھی اور اس دنیا میں بھی

دراصل میرا تعلق ان لوگوں میں سے ہے جو اپنی زندگی میں چھوٹے چھوٹے مقصد بنا کر چلتے ہیں اپنے ظاہر اور باطن کو سامنے رکھ کر دراصل یہ دنیا، یہ زندگی قدم قدم پر امتحان مانگتی ہے۔ کبھی اپنے ظرف کا، کبھی اپنے نفس کا، کبھی اپنے صبر کا..... سو بغیر مقصد کے جینا بھی کوئی جینا ہوتا ہے کیا؟

2۔ ہوں..... اس سوال سے بہت سے منظر پھر سے زندہ ہو گئے ہیں۔ اپنے پیاروں کی، دوستوں کی، تاریخ پیدائش کو میں ہمیشہ یاد رکھتی ہوں۔ مجھے اپنے سے وابستہ لوگوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی خیال رہتا ہے اور "سالگرہ" سے زیادہ کسی کی اہمیت کو ثابت کرنے کے لیے کوئی اور دن نہیں ہو سکتا۔

میری سالگرہ ہو یا میرے آس پاس رہنے والوں میں سے کسی کی بھی، میں بہت ایکسائیٹڈ ہوتی ہوں مجھے چھوٹی چھوٹی خوشیاں منانا، انہیں محسوس کرنا بہت اچھا لگتا ہے۔ میں اپنے پیاروں، اپنے دوستوں کو سرپرائز گفٹس دینا پسند کرتی ہوں۔ جہاں تک اہتمام کرنے کی بات ہے تو اپنی شادی کی سالگرہ پہ ایک دو بار بہت سے لوگوں کے کہنے پر ضرور چھوٹی سی دعوت ارینج کی ہے۔ ویسے ایسے موقعوں پر ہم لوگ اپنی پسندیدہ جگہ پر کھانا کھانے جاتے ہیں۔

3۔ اس سوال کے جواب میں بہت ساری خوب صورت یادیں ہیں۔ کچھ باتیں، کچھ موقع کبھی بھی نہیں بھولتے ہیں۔ انٹرن شپ کے دوران مینٹل ہاسپٹل میں سب ٹیچرز، ڈاکٹرز اور فرینڈز کے سامنے سرپرائزنگ کیک کاٹنا حالانکہ اس سے ایک دن پہلے میری سالگرہ سلیبریٹ ہوئی تھی فرینڈز کے ساتھ ہی۔ مگر لیکچرار کے ساتھ سرپرائزنگ کیک اور چاکلیٹس کا آنا..... آج بھی چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دیتا ہے۔ (تھینک یو سلیمان بھائی..... یہ ہمارے مریض تھے۔ اب نجانے آپ کہاں ہوں گے۔)

خیر اس کے علاوہ میرے ہزبینڈ خرم یوسف کو ہمیشہ سرپرائز گفٹس دینے کی عادت ہے میری سالگرہ ہو یا شادی کی، کیک کے ساتھ کوئی نہ کوئی سرپرائزنگ گفٹ ضرور ہوتا ہے۔ مجھے گفٹس سے زیادہ ان کا انداز اچھا لگتا ہے۔ آج سے پانچ سال پہلے انہوں نے مجھے میری سالگرہ پر Laptop گفٹ کیا تھا۔ یہ گفٹ اور اس کا انداز آج بھی ہونٹوں پر ہنسی لے آتا ہے۔ باقی جہاں تک میرے گفٹس کی بات ہے وہ تو اب دوسروں پہ منحصر کرتا ہے کہ انہیں اچھے لگے یا نہیں۔

4۔ وہ ایک پل ہی سہی جس میں تم میسر ہو
اس پل سے زیادہ تو زندگی بھی نہیں.....!

یہ سوال وقت کی راکھ کو کریدنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ بعض دفعہ "زندگی" میں سب کھونا یا پانا کسی ایک ذات سے وابستہ ہو جاتا ہے کہ جس کے ہونے سے ہی زندگی، زندگی لگتی ہے۔ زندگی میں ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ کھونے اور پانے کا عمل ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اب اس کا حساب لگانا مشکل ہے مگر الحمد للہ..... جو بھی ہے جیسا بھی ہے اس کا احسان ہے اور جو نہیں ہے یا نہیں رہا ہے سب اس کی مصلحتیں ہیں وہ بہتر جانتا ہے۔

ابھی وقت ہے ابھی سانس ہے
ابھی لوٹ آ میرے گمشدہ
مجھے ناز ہے میرے ضبط پہ
مجھے پھر رلا میرے گم شدہ

وقت نے اتنی گرد اڑائی کہ کچھ چہرے ہیں جو اس دھول میں گم ہو گئے ہیں کچھ بہت اپنے، بہت پیارے مٹی میں سو گئے ہیں۔ ہاں یہ کچھ رشتے کچھ لوگ ہیں جو زندگی میں پلٹ کر نہیں آ سکتے اگر اسے کھونا کہتے ہیں تو..... ویسے کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ زندگی کے سفر میں "بچھڑ جانا اور کھو جانا" دو مختلف چیزیں ہیں بچھڑ وہ گئے جنہیں وقت کہیں اور لے گیا۔ اور کھو وہ گئے جنہیں ہم نے اپنی غلطی سے گنوا دیا۔ خیر.....

جہاں تک پانے کی بات ہے تو اس کی رحمت سے بہت کچھ ملا ہے، وہ بھی جس کا گماں بھی ہمیں نہیں تھا سب اس کے کرم کی بات ہے۔ "کھونے" کا دکھ زیادہ ہوتا ہے یا "پا" لینے کی خوشی..... ابھی یہ سوچنا ہے مگر پھر بھی۔

جب آنکھ میں نیند اتر آئے
کب وصل کا خواب نہیں ہوتا
اور بے داوی کے عالم میں
کب ہجر عذاب نہیں ہوتا؟
کب تیری دید کی خواہش میں
پاگل یہ نین نہیں ہوتے؟
بس ہم سے بین نہیں ہوتے!!!

ثنا بختاور۔۔۔ حاصل پور

1۔ سب سے پہلے تو کرن کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ سالگرہ کا دن ہم سب کی زندگی میں بہت اہم ہوتا ہے۔ اس دن یہ احساس شدت سے ہوتا ہے کہ ہماری زندگی کا ایک سال کم ہوگیا۔ اس احساس کے ہوتے ہی یاد آتا ہے کہ ہم نے اپنی پچھلی زندگی میں کوئی بھی کام قابل بیان نہیں کیا جو ہماری زندگی کے مقصد کا حصہ ہو۔ ہر آنے والا لمحہ جہاں نیا شعور دیتا ہے وہاں ہماری بے وقوفیوں کا اور اک بھی دے جاتا ہے جو پچھتاوا بن کر ساتھ رہتا ہے مگر پھر اس دن خود کو ہر سال کی طرح بہلا لیتی ہوں کہ نہیں اس سال مجھے اپنی زندگی کے اصل مقصد کو پانا ہے مجھے اس سال بہت کچھ کرنا ہے جو میری زندگی کے پچھلے پچھتاووں، ندامتوں کو دھو دے۔

2۔ سالگرہ پر کوئی خاص اہتمام تو نہیں کرتی لیکن اپنی دوستوں کے ساتھ مل کر تھوڑا بہت اہتمام ضرور کر لیتی ہوں اور یہی اہتمام ہمیشہ کے لیے یادگار بن جاتا ہے۔

3۔ حیران کن گفٹ کسی سے لیا تو نہیں لیکن دیا ضرور تھا میری دوست نے مجھ سے عمر بھر دوستی کو قائم رکھنے کا عہد لیا تھا اور کہا تھا کہ یہ میرے لیے سب سے اسپیشل گفٹ ہوگا اب تک تو اس عہد کو نبھا رہی ہوں اور ان شاء اللہ آگے بھی نبھاؤں گی۔

4۔ وقت کا کام تو گزرنا ہے ہاتھ سے پھسلے ریت کے ذروں کی طرح گزرتا ہی جاتا ہے لیکن زیست کے صفحات پر اپنے نقش و نگار ضرور چھوڑ جاتا ہے اگر اپنی گزری زندگی پر نظر دوڑاؤں تو یاد آتا ہے کہ بہت کچھ کھویا ہے۔ جن میں سر فہرست اپنے پیارے دادا ابو کی ابدی جدائی ہے۔ وہ ہم سب کے لیے سایہ دار شجر کی مانند تھے اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین) لیکن گزرے وقت نے اگر کچھ چھینا ہے تو بہت کچھ دیا بھی ہے۔ میرے دامن کو خوشیوں، محبت، عزت، اعتبار اور مخلص رشتوں سے بھر دیا ہے۔

نفیسہ بلوچ ۔۔۔ ڈیرہ غازی خان

1۔ 6 جون کا دن میرے لیے بہت ہی خاص ہوتا ہے سالگرہ کے دن کی خوشی ایک انوکھی خوشی ہوتی ہے سالگرہ کا دن میرے لیے تو خاص ہوتا ہی ہے لیکن جب میرے والدین اور بہن بھائی پیار سے وش کرتے ہیں تو میری خوشی کئی گنا بڑھ جاتی ہے گھر والوں کا پیار بتاتا ہے کہ میں کتنی اہم ہوں ان کے لیے۔ کوئی بھی انسان بغیر مقصد کے پیدا نہیں کیا گیا سالگرہ کے دن میں اپنی زندگی کے گزرے دنوں کو یاد کر کے سوچتی ہوں کہ میں نے کیا اچھا کام کیا اور کیا غلط کام کیا اپنی غلطیاں سدھارنے کی اور سب اچھا کرنے کی پلاننگ کرتی ہوں میری زندگی کا بڑا مقصد اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنا اور اپنے والدین کی خدمت کر کے ان کی دعائیں سمیٹنا ہے کیونکہ والدین کی دعاؤں میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ انسان زندگی کے ہر موڑ پر اپنے ہر نیک مقصد میں کامیابی پاتا ہے۔

2۔ 12 اگست کو میرے بڑے بھائی عمران حیدر کی سالگرہ ہوتی ہے ہر دفعہ بھائی اپنے سالگرہ کی تاریخ بھول جاتے ہیں تو جناب بھائی کی سالگرہ والے دن شام ہوتے ہی میں نے خفیہ طریقے سے ان کی سالگرہ کی تیاری شروع کر دی اس تیاری میں باقی بہن بھائی اور امی بھی شامل تھیں مزے کی بات یہ کہ اس دن بڑے بھائی شدید غصے میں تھے اب خدا جانے گرمی کا اثر تھا یا کوئی اور وجہ تھی میرے پاس ٹائم کہاں تھا بھلا جو میں ان سے غصے کی وجہ پوچھتی عرفان بھائی سے کہہ کر میں نے بھائی کا فیورٹ کریمی کیک منگوالیا تھا ان کی پسند کی سویٹ ڈش اور بریانی بنائی وہ بھی کچن کے اندر گرمی میں باہر بناتی تو بڑے بھائی اس اہتمام کی وجہ پوچھتے سرپرائز خطرے میں پڑ جاتا تھا؟ بریانی دم پہ تھی جب بڑے بھائی نے کچن میں جھانکا اور پوچھا اتنی گرمی میں کچن کے اندر کیا بنا رہی ہو کوئی مہمان آرہا ہے کیا؟ تو میں نے فوراً ”ہاں“ کہا اور بھائی چلے گئے میں نے بھائی کے کمرے کی سجاوٹ کی کینڈلز سیٹ کیں تیاری مکمل تھی اور بارہ بجنے کا انتظار تھا لیکن بھائی 11 بجے ہی سو گئے باہر صحن میں ابھی بھائی کو وش بھی کرنا تھا ڈر بھی تھا کہ ان کو نیند سے کیسے جگاؤں آخر ساڑھے گیارہ بجے امی اور باقی بہن بھائی بڑے بھائی کے کمرے میں اکٹھے ہو گئے میں نے بھائی کو جگایا کہ امی ان کو بلا رہی ہیں کوئی بہت ضروری بات کرنی ہے بھائی نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے میرے سر پر سینگ نکل آئے ہوں لیکن امی کا نام سن کر اٹھ گئے بس اتنا کہا کہ بات صبح بھی تو ہو سکتی تھی جب بھائی اپنے کمرے میں داخل ہوئے تو سب نے ان کو ہیپی برتھ ڈے ٹو یو گا کے وش کیا بھائی کا غصہ یوں غائب ہوا جیسے ۔۔۔ جی جی جیسے گدھے کے سر سے سینگ بھائی کے چہرے پر بے تحاشا خوشی تھی اور وہ بے ساختہ ہنس رہے تھے بھائی کو خوش دیکھ کر میرے دل میں ڈھیروں سکون بھر گیا بھائی نے کیک کاٹ کر ہم سب

کو اپنے ہاتھوں سے کھلایا پھر ہم نے کافی دیر تک گپیں لگائیں اور خوب انجوائے کیا۔

3۔ ہمارے گھر میں جس کی بھی سالگرہ ہو صرف ہم فیملی ممبرز سیلی بریٹ کرتے ہیں (زیادہ تر) اپنی سالگرہ کے دن میں اپنی پسند کی اچھی اچھی ڈشز بنا لیتی ہوں کیوں کہ کھانا بنانے میں نا بھی میں ماہر ہوں نا صرف ماہر ہوں بلکہ ہاتھ میں ذائقہ بھی خوب ہے ارے یار اپنے منہ میاں مٹھو والی بات ہرگز نہیں ہے میری سالگرہ کے دن گھر والوں کی طرف سے زیادہ تر پین اور ہینڈ واچ کا گفٹ ہی ملتا ہے ایک گفٹ میرے لیے یادگار ہے میری کزن گلشن (جو میری دوست بھی ہے) نے میری سالگرہ کے دن گفٹ بھیجا ساتھ میں برتھ ڈے کارڈ بھی تھا کارڈ پر ساری مزاحیہ شاعری تھی جسے پڑھ کر میری ہنسی نہیں رک رہی تھی مسکراتے ہوئے میں نے گفٹ کا ڈبا کھولا لیکن ڈبا کھولنا ہی قیامت ہو گیا کیوں کہ ڈبے کے اندر موجود موٹی تازی زندہ چھپکلی دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے خوف کے مارے زوردار چیخ کے ساتھ ہی میں نے ڈبے کو پرے پھینکا میری اس قدر زوردار چیخ سن کر گھر کے افراد بھی گھبرا گئے لیکن ڈبے سے نکلتی چھپکلی دیکھ کر وہ سب سمجھ گئے اور میرا خوب مذاق اڑایا کیوں کہ گھر والے سب جانتے ہیں میں موت کے فرشتے سے اتنا نہیں ڈرتی جتنا ڈر مجھے چھپکلی سے لگتا ہے تب تو میں خوف زدہ ہو گئی تھی لیکن اب اس بات کو یاد کر کے میں خوب انجوائے کرتی ہوں۔

4۔ پانے اور کھونے کا عمل دولت میں ہو تو اتنا دکھ نہیں ہوتا رشتوں میں یہ عمل بہت تکلیف دہ ہوتا ہے میں نے اپنی وہ دوست کھوئی ہیں جن کو میں اپنی بیسٹ فرینڈز مانتی تھی اور میرے ساتھ زیادہ تر یہی ہوتا ہے میں جس پر یقین بھروسہ رکھوں دھوکہ بھی اسی کی طرف سے ملتا ہے اور اپنوں سے بھی گلہ ہے مجھے اگر کچھ کھویا ہے تو بہت کچھ پایا بھی ہے۔ نئی نئی پرخلوص دوستیں ملی ہیں مجھے زندگی میں ایک چیز سیکھی ہے میں نے وہ یہ کہ کسی پر بھی حد سے زیادہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیے انسان کو اپنے آپ پر بھروسہ رکھنا چاہیے اب لوگوں کو پرکھنے کا تھوڑا بہت فن آگیا ہے۔ مجھ میں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مجھے کرن کا ساتھ ملا ہے جو میرے لیے اس دوست کی طرح ہے جو خوشی اور غم دونوں صورتوں میں میرے پاس ہوتا ہے اور میرا ساتھ دیتا ہے اس دوست کو میں کبھی کھونا نہیں چاہوں گی اسی دوست کی وجہ سے تو میری زندگی میں اتنی خوش کن تبدیلیاں آئی ہیں جو میں بتا نہیں سکتی خدا کرے کرن کا اور میرا ساتھ ہمیشہ رہے۔ (آمین)

عنبر وسیم ۔۔۔ گوجرانوالہ

(1) سب سے پہلا سوال پوچھ کر آپ نے میرے دل کے پھپھولے پھوڑ ڈالے۔ چونکہ میری سالگرہ 28 فروری کو انجام پاتی ہے تو اسی مناسبت سے گرم گرم لوہے پر چوٹ بھی لگی ہے۔

سالگرہ کے دن عموماً ”گزشتہ سال زیادہ رلاتا ہے کہ زندگی کے باب سے ایک صفحہ کم ہوگیا۔ آئندہ کی زندگی کی پلاننگ تو ہر انسان اچھی ہی کرتا ہے مگر رحمت خداوندی ساتھ دے تب! عورت کی زندگی کا مقصد تو اول روز سے ہی قربانی ہے۔ کبھی وہ باپ کے ہاتھوں قربان ہوتی ہے۔ کبھی بھائی اور شوہر اور کبھی اولاد۔ میرا ماضی کیا تھا اس بات کو پس پشت ڈال کر آج کل میں اپنی اولاد کے پلے پڑی ہوئی ہوں۔ دوسرے الفاظ میں اولاد میرے پلے پڑی ہوئی ہے۔ ان کی تعلیم و تربیت میں اپنی زندگی کے تمام آرام و آسائش بھلا کر دن رات ایک کر رکھا ہے اور میرے بچے مجال ہے ٹک کر کبھی بیٹھیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ میرے رویے میں لچک کی بجائے کھردرا پن آتا جا رہا ہے۔

(2) سالگرہ تو میں پڑھائی کے زمانے میں دھوم دھام سے مناتی تھی۔ پھر بیچلر لائف میں اپنی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بہن لاریب گل اور بھانجے عبدالرحمن اور بھانجی عدن فاطمہ کی اور اپنی فرینڈز کی بھی دھوم دھام سے مناتی تھی۔ اب اپنے دونوں بچوں کی سالگرہ بہت اہتمام سے مناتی ہوں ہر ڈش اپنے ہاتھوں سے تیار کرتی ہوں اور تمام کھانوں میں ذائقوں کے علاوہ میری ممتا بھی شامل ہوتی ہے۔ بیک وقت پانچ چھ ڈشز تیار کرنا میں کچھ نہیں سمجھتی۔ ابھی پچھلے دنوں حریم فاطمہ (بیٹی) کی برتھ ڈے سیلیبریٹ کی ہے۔ تمام کام اپنے ہاتھوں سے سرانجام دے کر میری ممتا کی تسکین ہوئی ہے۔ خداوند کریم سے دعا ہے کہ مجھے زندگی اور تندرستی دے میں اسی طرح اپنے بچوں کی ہر خوشی مناتی ہوں۔

(3) میری اسکول کے زمانے کی دوست نے مجھے قرآن پاک گفٹ کیا تھا۔ وہ آج تک یاد ہے اور ہمیشہ میرے ساتھ رہے گا۔ ہاں نبینا، رضوانہ، عاشی، کہکشاں، فاخرہ کا سرپرائز بھی یاد رہے گا جو انہوں نے میری برتھ ڈے کو نہ آ کر دیا۔ میں اکیلی ہی کیک سمیت گھر واپس آ گئی۔

نبیلہ عزیز

درگاہ

بڑی حویلی کے تمام مکین وقار آفندی سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں اور علیزے تو اپنے بابا کی شخصیت سے بہت ہی متاثر ہے۔

مدحیہ اور نبیل حیات دوہی بہن بھائی ہیں۔ مدحیہ انتہائی بگڑی ہوئی اور خود سر لڑکی ہے وہ انگلینڈ کی رنگینیوں میں مکمل طور پہ رنگ چکی ہے جس کے پیش نظر فائزہ بیگم نبیل کو پاکستان شفٹ ہونے کا مشورہ دیتی ہیں۔ لیکن مدحیہ پاکستان جانے سے انکار کر دیتی ہے جس پہ نبیل اور فائزہ بیگم بے حد پریشان ہیں۔

زری کو اپنے بھائی عبداللہ کے دوست سے محبت ہے مگر وہ کسی کو بھی اس راز میں شامل نہیں کرنا چاہتی اور یہ جذبہ اندر ہی اندر پنپ رہا ہے۔

عدیل کافی عرصہ سے نوکری کی تلاش میں ہے مگر ہر روز مایوسی اور ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بے بسی اور مجبوری اسے تنگ آ کر خود کشی کرنے کا سوچتا ہے لیکن ایسے میں ایک روز اسے ڈھابے میں چائے پیتے ہوئے باذ امتیاز مل جاتا ہے جو اسے کام کی آفر کرتا ہے جس پر عدیل کافی خوش ہوتا ہے اسی خوشی میں وہ کام کی بابت پوچھنا بھول جاتا ہے۔

منصور حسین ایک غریب اور میٹرک پاس آدمی ہے وہ مبارک خان کے توسط سے بڑی حویلی میں وقار آفندی سے نوکری مانگنے آتا ہے وقار آفندی کوئی بھی جگہ خالی نہ ہونے کے باعث اسے دوبارہ آنے کا کہہ کر واپس بھیج دیتے ہیں اور وہ مایوسی سے واپس لوٹ جاتا ہے۔

داراب آزر شاہ کا شمار ملک کے بہترین اور منجھے ہوئے وکیلوں میں ہوتا ہے وہ اپنے قول و فعل کا بہت پکا آدمی ہے اس نے کبھی ہارنا نہیں سیکھا اس کی ماں بتول شاہ کو اپنے بیٹے کی قابلیت اور ذہانت پہ بہت بھروسہ ہے اور اس کا یقین وہ دوسروں کو بھی دیتی ہیں۔

تیسویں قسط

کیونکہ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے اتنا بڑا ہنگامہ مچ گیا تھا۔

وہ آدمی کون تھا اور کون نہیں؟ مریم یہ نہیں جانتی تھی مگر وہ جو بھی تھا اس وقت اس کے عزائم بہت خطرناک لگ رہے تھے وہ خاصے جارحانہ تیوروں سے جودت کی طرف بڑھا تھا اور اس نے نیچے زمین پہ گرے ہوئے جودت کو اس کی شرٹ کے کالر سے دبوچ کر اک جھٹکے سے اپنے سامنے کھڑا کر دیا تھا۔

"جودت آفندی! تم نے آج ثابت کر دیا ہے کہ تم واقعی ایک ذلیل اور گندے گھرانے کی اولاد ہو۔ مگر اتنا یاد رکھنا کہ تمہاری یہ گندگی اگر کسی اور کے گھر تک پہنچی تو تمہارے اس جوانی کے نشے میں ڈوبے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کو ڈال دوں گا۔ اور تمہارے گھر والوں کو تمہارا نام و نشان بھی نہیں ملے گا۔" اس نے جودت کو اس کی شرٹ کے گریبان سے پکڑ کر ذرا سا جھنجھوڑتے ہوئے انتہائی غضب ناک لہجے میں اسے وارننگ دی تھی اور جودت اپنے اعصاب ٹھکانے پہ آتے ہی اس کی دھمکی پہ نہیں بلکہ اس کی شکل و صورت دیکھ کر دم بخود سا رہ گیا تھا۔ اسے اپنی چوٹ اور افتاد بھول گئی تھی۔ وہ بس آنکھیں پھیلائے بے یقین سے انداز میں اس کے چہرے کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"منصور حسین! تت... تم؟" جودت کی زبان لڑکھڑا گئی تھی اسے اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے ان کی حویلی کو برباد کرنے والا علیزے کا ڈرائیور منصور حسین کھڑا ہے۔

"ہاں! میں اور تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو لیکن اگر نہیں بھی جانتے تو کوئی بات نہیں تمہارے ڈیڈ تو جانتے ہی ہیں۔ اس لیے، بہت جلد تم لوگ بھی جان جاؤ گے اور یہ بھی جان جاؤ گے کہ کسی دوسرے کی عزت کو عزت نہ سمجھنے والے کا میں کیا حال کرتا ہوں؟ کسی کی بہن یا بیٹی پہ بری نظر ڈالتے ہوئے تمہیں شرم بھی آئے گی اور تمہیں برا بھی لگے گا لیکن یہ شرم تمہیں تب ہی آئے گی جب تمہیں اپنی یا کسی اور کی عزت کا خیال آئے گا۔ اور جہاں تک میرا اندازہ کہتا ہے تو وہ یہی ہے کہ تمہیں یہ خیال کبھی نہیں آئے گا اس لیے میں تمہیں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ اگر آئندہ کبھی تم مجھے اس لڑکی کو یا پھر کسی بھی لڑکی کو چھیڑتے ہوئے یا تنگ کرتے ہوئے نظر آئے تو تمہارا وہ حشر کروں گا کہ پورا شہر تماشا دیکھے گا اور تم اپنی شناخت پہ منہ چھپاتے پھرو گے اور اس لیے، بہتر ہے کہ تم اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ۔ ورنہ آج جس گاڑی سے میں نے تمہیں ٹھوکر ماری ہے کل میں تمہیں اس گاڑی سے روند کے بھی گزر سکتا ہوں۔ یہ ٹھوکر تو تمہارے لیے محض ایک اشارہ تھی تاکہ تم سنبھل جاؤ ورنہ میں تمہارے ساتھ کس طرح پیش آسکتا ہوں تم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے اور میں ہمیشہ کرتا بھی وہی ہوں جو کسی نے سوچا بھی نہیں ہوتا اور اس کی ایک مثال تو تم دیکھ ہی چکے ہو گے؟" دل آور نے غصے سے بھری کاٹ دار آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اسے بہت کچھ باور کروا دیا تھا اور پھر اسی ایک جھٹکے سے اس کی شرٹ کا گریبان چھوڑتے ہوئے اسے پیچھے دھکیل دیا تھا اور خود واپسی کے لیے قدم موڑ لیے تھے۔ جبکہ جودت کا دھیان یکدم علیزے کی طرف چلا گیا تھا جو ان لوگوں کے درمیان شناسائی کا ایک حوالہ تھی۔

"علیزے! علیزے کہاں ہے منصور حسین؟ تت... تم نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا ہے؟ کیوں دھوکا دیا ہے ہمیں؟ کیوں؟" جودت پیچھے سے بلند آواز میں چلایا تھا۔ دل آور نے مریم کے قریب پہنچ کر ذرا کی ذرا پلٹ کر جودت کی سمت دیکھا تھا جو چہرے پہ تکلیف اور الجھن کے آثار لیے کھڑا اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"جو دوسروں کی علیزے کے ساتھ ایسا کرتے ہیں ان کی اپنی علیزے کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔" دل آور نے کافی تلخ اور چبھتے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے مریم کی طرف اشارے سے اسے کچھ جتایا تھا اور پھر مزید اسے دیکھے بغیر دوبارہ مریم کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"اگر آپ کو مسئلہ نہ ہو تو آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔" اس نے مریم کو دیکھتے ہوئے اپنی گاڑی کی

طرف اشارہ کیا تھا اور مریم اپنے سامنے کھڑے اس آدمی کی شاندار پرسنالٹی اور اتنی بڑی گاڑی دیکھ کر اندر سے تذبذب کا شکار ہو گئی تھی کہ وہ کیا کرے؟ انکار کر دے یا اقرار کر لے؟ آخر وہ آدمی جو بھی تھا اس کے لیے تو بالکل اجنبی ہی تھا نا وہ اتنی آسانی سے کیسے اس کی گاڑی میں بیٹھ جاتی۔

"آپ پریشان مت ہوں۔ میری بھی ایک بہن ہے اس لیے دوسروں کی بہنوں کی عزت کرنا کافی اچھی طرح جانتا ہوں البتہ میں آپ سے زیادہ اصرار نہیں کروں گا اگر آپ جانا چاہیں تو ٹیکسی سے بھی جا سکتی ہیں، میں آپ کو ٹیکسی ہائر کر دیتا ہوں۔" دل آور اس کے لیے اپنی گاڑی کا بیک ڈور کھولتے کھولتے رک گیا تھا اور مریم اس کی بات پہ سنبھل گئی تھی اس نے اپنے آپ کو فوراً "کمپوز" کر لیا تھا۔

"نن... نہیں! ٹیکسی کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے دل آور کو ٹیکسی کرنے سے روک دیا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ اس کے ساتھ جانے کو تیار تھی اس لیے دل آور نے اس کے روکنے کا مفہوم سمجھتے ہوئے پلٹ کر دوبارہ اپنی گاڑی کا بیک ڈور کھول دیا تھا اور مریم دھڑکتے دل کے ساتھ حوصلہ بلند کرتی ہوئی آگے بڑھ کے گاڑی کے اندر بیٹھ گئی تھی اور دل آور نے اس کے بیٹھنے کے بعد گاڑی کا ڈور بند کر کے خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی اور اگلے دو منٹ میں وہ جودت کے سامنے ہی گاڑی نکال لے گیا تھا اور اس کی گاڑی کی بیک سیٹ پہ بیٹھی مریم چپ کی چپ رہ گئی تھی۔

آج جو کچھ ہو چکا تھا وہ واقعی بہت غلط اور چپ ہو جانے والا تھا اسی لیے اس کے ذہن کو خاموشی کیا ملی تھی کہ سوچوں نے الگ شور مچا دیا تھا جس کی وجہ سے اس کے تمام محسوسات بیدار ہو گئے تھے اور اس کے ہاتھ پہ ثبت جودت آفندی کے ہونٹوں کا لمس انگارے کی طرح دہکنے لگا تھا۔ جلن دینے لگا تھا۔ اسے اپنے ہاتھ کی جلد پہ کسی تیزاب کی سی تکلیف کا احساس ہونے لگا تھا اور اسی احساس کے تحت وہ لاشعوری طور پہ ہی اپنے ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے مسلنے لگی تھی، اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اپنے ہاتھ کی جلد وہاں سے کاٹ کے پھینک دے جہاں پہ اس کے ہونٹوں کا لمس سلگ رہا تھا۔ کیونکہ اس کے ہاتھ کا وہ حصہ وہ جگہ اور وہ نقش اسے اذیت دے رہے تھے، وہ اندر ہی اندر جل رہی تھی کڑھ رہی تھی اور اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ رہی تھی اور اس سارے چکر میں اس کے ذہن سے یہ بھی نکل گیا تھا کہ وہ اس وقت ایک اجنبی کی گاڑی میں سوار ہے اور کہاں جا رہی ہے؟ وہ بے خبری میں تھی اس وقت نکرا گلے ہی پل دل آور کے موبائل کی رنگ ٹیون نے اس کو خبردار کرنے کے ساتھ ساتھ چونکا دیا تھا۔

"یس دل آور شاہ اسپیکنگ۔" اس آدمی نے کال ریسیو کرتے ہی اپنا تعارف کروایا تھا اور مریم اس کے تعارف پہ ششدر سی رہ گئی تھی اس نے اک جھٹکے سے سر اٹھا کر ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے اس آدمی کو دیکھا تھا جو اب اپنا تعارف کروانے کے بعد کسی سے بات کر رہا تھا۔

"ایس پی کامران مہدی بات کر رہا ہوں۔" ایس پی کامران مہدی نے کسی لینڈ لائن نمبر سے کال کی تھی اسی لیے اسے بھی اپنا تعارف کروانا پڑا تھا۔

"اوہ... ایس پی صاحب کیسے ہیں آپ؟" دل آور کی ساری توجہ اب ایس پی کامران مہدی کی طرف مبذول ہو چکی تھی۔

"شکر ہے اللہ کا بیرسٹر صاحب! آپ سنائیں کیا چل رہا ہے آج کل؟" ایس پی کامران مہدی نے بھی کافی فریش لہجے میں جواب دیا تھا۔

"وہی سب کچھ جو آپ کی طرف چل رہا ہے۔ کام کام اور صرف کام۔" دل آور نے ہلکے سے کندھے اُچکائے تھے۔

"چلیں بیرسٹر صاحب! اچھے کی امید رکھتے ہیں۔ اللہ کبھی ہمیں بھی تو فرصت دے گا، ہم بھی کام کے علاوہ کچھ

اور انجوائے کریں گے۔" ایس پی کامران مہدی نے ٹھنڈی آہ بھری تھی اور دل آور اس کے انداز پہ بے ساختہ قہقہہ لگا کے ہنسا تھا۔

"سنا تھا کہ امید پہ دنیا قائم ہے، مگر آج تو اس محاورے پہ یقین بھی آگیا ہے۔ کیونکہ ایس پی صاحب بھی اسی محاورے پہ قائم ہیں۔" دل آور نے ایس پی کامران مہدی کی بات کو خوب انجوائے کیا تھا۔

"تو پھر اور کیا کریں؟ دل کو کچھ تو تسلی دینی ہی ہے بیرسٹر صاحب۔" ایس پی کامران مہدی نے بھی ــــ مسکرا کر جواب دیا تھا۔

"خیر! یہ تسلیاں تو ہم اپنے آپ کو دیتے ہی رہیں گے آپ یہ بتائیں کہ آج یاد کیسے کرلیا؟ کوئی نئی تازہ؟" دل آور نے اس سے اصل بات کے لیے استفسار کیا تھا۔

"نئی تازہ یہی ہے کہ ملک حق نواز کی بیل کے لیے کچھ سرگرمیاں نظر آرہی ہیں۔ ملک اسد اللہ اور ملک شرافت علی اس سے ملاقات کے لیے بھی آئے تھے اور اس کی بیل کی بات بھی ہورہی تھی آخر ان کا اپنا اثر ورسوخ بھی بہت ہے۔ بیل تو وہ کرواہی لیں گے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کیس میں میڈیا کو بھی انوالو کرلیں تاکہ یہ مسئلہ جن لوگوں کی نظروں سے چھپا ہوا ہے ان کے سامنے بھی آجائے اور ملک حق نواز کی بیل ناممکن ہوجائے ورنہ وہ بہت آسانی سے بچ کے نکل جائے گا۔"

ایس پی کامران مہدی نے اسے مسئلہ بتانے کے ساتھ ساتھ مسئلے کا حل بھی بتادیا تھا، جس پہ دل آور کے ماتھے پہ سلوٹیں پڑگئی تھیں اور لہجہ بھی بدل گیا تھا۔

"نہیں ایس پی صاحب! ایسا ممکن نہیں ہے۔ میں اس ذلیل انسان کو سزا دینے کے لیے مومنہ بی بی کو میڈیا والوں کے ننگے سوالوں کے سامنے کھڑا نہیں کرسکتا۔ میں اس کو سزا دلاؤں گا تو اپنے طریقے سے۔ یہ طریقہ میرے معیار کا نہیں ہے۔ میں اس مظلوم لڑکی کا استعمال نہیں کرسکتا۔" دل آور نے کافی سختی سے نفی میں سرہلایا تھا کیونکہ وہ اس مسئلے کے ایسے حل پہ تیار نہیں تھا۔ وہ مومنہ بی بی کو پوری دنیا کی نظروں کے سامنے نہیں لاسکتا تھا وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا مگر ایس پی کامران مہدی اس کی اس سوچ کو اتنی جلدی سمجھ نہیں سکا تھا اسی لیے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"لیکن بیرسٹر صاحب! یہ مسئلہ یہ کیس بھی تو اسی لڑکی کا ہے نا؟ آپ اسے کون سا کسی اور کیس میں انوالو کررہے ہیں؟ وہ اس کیس میں انوالو نہیں ہوگی تو کیس مضبوط کیسے ہوگا؟ اور اگر ملک حق نواز کی بیل ہوگئی تو سب سے زیادہ مسئلہ آپ کو ہوگا۔ وہ اب آپ کو اپنا دشمن اور اپنا ٹارگٹ سمجھ رہا ہے۔ اس کا پہلا حملہ آپ پر ہی ہوگا۔" ایس پی کامران مہدی بھی اپنی جگہ پہ درست تھا۔

مگر دل آور کی بھی اپنی ہی منطق ہوتی تھی وہ ایسی باتوں کے ذرا کم ہی نوٹس لیتا تھا کیونکہ اس نے کرنا وہی ہوتا تھا جو اس کی اپنی مرضی ہوتی تھی اس لیے ادھر ادھر کے مشوروں پہ دھیان دینا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا اور اس وقت بھی اس کا ایسا ہی ردعمل تھا، وہ کسی بھی مشورے پہ دھیان دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"ایس پی صاحب! اس لڑکی پہ ظلم ہوا ہے زیادتی ہوئی ہے اس کے ساتھ اسے بے چادر اور بے آبرو کیا گیا ہے اور اسی ظلم، زیادتی اور آبروریزی سے بلبلا کر اس نے انصاف کے لیے آواز اٹھائی ہے، احتجاج بلند کیا ہے یہاں تک کہ اس انصاف کی خاطر اپنے گھر اور گھر والوں کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ گھر سے بے گھر ہوگئی ہے وہ اور آپ اچھی طرح جانتے ہوں گے کہ کسی لڑکی کے لیے بے آبرو ہونا اور بے گھر ہونا کتنی بڑی اذیت ہوگی؟ کتنا بڑا عذاب ہوگا؟ اور اس لڑکی نے تو یہ دونوں اذیتیں دیکھی ہیں دونوں عذاب اٹھائے ہیں اور ایسے میں ہمیں ہی اس کے اس احتجاج کو اس کے لیے مشکل بنادوں تو آپ کا کیا خیال ہے کہ پھر کبھی کوئی بھی مظلوم عورت انصاف کے لیے آواز

اٹھا پائے گی؟ یا کبھی کسی زیادتی پہ احتجاج کرپائے گی؟ ہونہہ! نہیں ایس پی صاحب ایسا کبھی نہیں ہوگا پھر ہر مظلوم عورت ظلم کو انصاف سے بہتر سمجھنے لگے گی، پھر کبھی کوئی عورت احتجاج نہیں کرے گی اور نہ ہی کبھی انصاف کے لیے کوئی آواز اٹھائے گی اور میں لوگوں کو انصاف دلانے والا ایسا کبھی نہیں چاہ سکتا میری وجہ سے کوئی انسان انصاف سے محروم رہ جائے اور انصاف کی طلب سے دور ہوجائے۔ اسی لیے آپ یہ خیال ذہن سے نکال دیں کہ میں اس معاملے میں میڈیا سے کوئی ہیلپ لوں گا، بے شک ملک حق نواز بیل کرواکے لاک اپ سے باہر آجائے، مجھے کوئی پروا نہیں ہے، اس کی بیل سے بھلا کیا ہوگا؟ میں اسے دیکھ لوں گا اس کی بیل کا پوائنٹ تو پہلے روز سے ہی میرے ذہن میں تھا وہ لوگ اس کی بیل تو کسی بھی وقت کسی بھی طرح کرواسکتے تھے۔ بہرحال میں کوشش کروں گا کہ اس کی بیل کی اپیل ریجیکٹ ہوجائے۔ اس لیے آپ بھی بے فکر رہیں اور آگے آگے دیکھیے کہ کیا ہوتا ہے لیکن پھر بھی میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے انفارم کیا ہے اور امید ہے کہ آپ آئندہ بھی اسی طرح میرا ساتھ دیں گے بغیر کسی بات کو مائنڈ کیے۔"

دل آور نے ایس پی کامران مہدی کو کافی اچھے طریقے سے اپنے پوائنٹ آف ویو سے آگاہ کیا تھا اور ایس پی کامران مہدی نے اس پوائنٹ آف ویو کو اچھی طرح سے سمجھ بھی لیا تھا۔ اسی لیے اسے مزید کچھ بھی سمجھانے کی کوشش نہیں کی تھی اور سارا معاملہ اس کے پوائنٹ آف ویو پر چھوڑ دیا تھا۔

"ٹھیک ہے بیرسٹر صاحب! جیسے آپ بہتر سمجھتے ہیں، آپ ویسا ہی کریں کیونکہ آپ اگر بغیر کسی غرض کے ایک مظلوم عورت کا ساتھ دے رہے ہیں تو اس اچھے کام میں ہم کیسے پیچھے رہ سکتے ہیں؟ ہم ان شا اللہ ہمیشہ ایسے معاملے میں آپ کا ساتھ نبھائیں گے۔ آپ جو بھی کہیں گے ہماری طرف سے آمین ہے۔" ایس پی کامران مہدی نے اسے اپنی طرف سے پوری طرح سے مطمئن کیا تھا اور دل آور کو اس کی بات پہ خوشی ہوئی تھی کہ چلو کسی اور نے تو اس جیسا سوچا۔!

"تھینک یو ایس پی صاحب تھینک یو سوچ! مجھے آپ سے یہی امید تھی، بہرحال میں اس وقت فون بند کرتا ہوں، مجھے اس وقت کہیں جانا ہے، آپ سے پھر فرصت میں بات ہوگی۔" دل آور نے مریم کے خیال سے گاڑی کی اسپیڈ کم کرتے ہوئے ایس پی کامران مہدی سے اجازت چاہی تھی کیونکہ آخر اس نے اس لڑکی سے اس کا ٹھکانہ بھی تو پوچھنا تھا۔

"او کے بیرسٹر صاحب اللہ حافظ" ایس پی کامران مہدی نے جلدی ہی فون بند کردیا تھا اور دل آور فون بند ہوتے ہی بیک سیٹ پہ بیٹھی حیرت سے گنگ مریم فاروق نیازی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"آپ نے کس طرف جانا ہے؟ کہاں ڈراپ کروں؟" دل آور نے بغیر اس کی طرف دیکھے ذرا نرمی سے دریافت کیا تھا اور مریم اس کے پوچھنے پہ ایک بار پھر چونک کر متوجہ ہوئی تھی۔

"جج ــــ جی! کیا کہا آپ نے؟" اس نے غیر حاضر دماغ سے دوبارہ استفسار کیا تھا۔

"آپ نے کس طرف جانا ہے؟ کہاں ڈراپ کروں آپ کو؟" دل آور نے دوبارہ دہرایا تھا اور مریم نے آہستگی سے اپنے گھر کا ایڈریس بتادیا تھا کیونکہ وہ جس آدمی کو اجنبی اور نجانے کیسا سمجھ رہی تھی وہ آدمی ہی اصل اعتماد کے قابل ہے یہ تو وہ جانتی ہی نہیں تھی۔ اسی لیے اس نے بغیر کسی حیل وحجت کے اپنے گھر کا ایڈریس بتادیا تھا اور دل آور نے ٹھیک پانچ منٹ کے بعد گاڑی اس کے مطلوبہ ایڈریس پہ جا روکی تھی۔

"آگے گلی تنگ ہے؟" دل آور نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"جی! آگے گلی تنگ ہے۔" مریم کی آواز دھیمی تھی اور دل آور نے اب کی بار گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا کیونکہ مریم نیچے اترنے کے لیے دروازے کی سمت ہاتھ بڑھا رہی تھی۔

"دیکھیے... !مجھے غلط مت سمجھیے گا' دراصل آپ کو اپنے ساتھ اپنی گاڑی میں لانے کا صرف یہی مقصد تھا کہ جودت آفندی کو کم از کم اتنا اندازہ ہو جائے کہ آپ کی مجھ سے کوئی جان پہچان ضرور ہے اس لیے وہ آئندہ آپ کو تنگ کرنے اور آپ کی طرف دیکھنے سے بھی گریز کرے 'کیونکہ آپ تو نہیں لیکن وہ مجھے اچھی طرح جانتا ہے اور اس طرح آپ کو میرے ساتھ دیکھ کر اور بھی جان جائے گا ورنہ میں آپ کو ٹیکسی سے بھی بھیج سکتا تھا بس اسی وجہ سے میں نے آپ کو اپنے ساتھ آنے کی آفر کی تھی۔"

دل آور نے اس کے جانے سے پہلے بات کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھا تھا تاکہ وہ لڑکی اسے غلط نہ سمجھے اور اس کا ذہن کسی بھی ایسے ویسے خیال سے پاک ہو جائے حالانکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس لڑکی کا ذہن تو اس کا نام سن کر ہی ایسے ویسے خیال سے پاک ہو گیا تھا وہ اسے اس کے نام سے ہی پہچان گئی تھی۔

"نہیں سر! آپ ایسا مت سوچیے آپ نے مشکل وقت میں میری مدد کر کے مجھ پہ احسان کیا ہے۔ جس کے لیے میں آپ کی شکر گزار ہوں اور ہمیشہ رہوں گی۔ آئی ایم ریئلی تھینکس فل ٹو یو' اور رہی بات آپ کو جاننے کی تو یہ سچ ہے کہ میں بھی آپ کو اچھی طرح جانتی ہوں کیونکہ آپ پہلے ہی ہماری دعاؤں میں شامل ہیں۔ میری ماں' میری بہنیں اور میں خود آپ کے لیے خدا کے حضور دعا گو ہو چکی ہوں۔ اس لیے کہ آپ نے ہمارے واحد سہارے کا ہمارے اکلوتے بھائی کا ساتھ دیا ہے۔ ہمیں بے سروسامان ہونے سے بچایا ہے۔ عدیل عمر نیازی کی ضمانت کروائی ہے اور اسے آزادی دلائی ہے اور عدیل عمر نیازی کی بہن ہونے کے ناتے میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی سر۔ تھینک یو سو مچ۔ آپ واقعی ایک اچھے انسان ہیں' مجھے آپ سے مل کر اور آپ کو دیکھ کر واقعی بہت خوشی ہوئی ہے۔ اللہ آپ کو کامیابیاں و کامرانیاں عطا کرے اور آپ کی عمر دراز کرے آمین۔"

مریم نے بھی جواباً کھل کے جواب دیا تھا اور جو دل میں تھا سب کہہ دیا تھا جبکہ دوسری طرف دل آور خود بھی اس لڑکی کی بات پہ اور اس کے تعارف پہ حیران رہ گیا تھا۔ وہ عدیل عمر کی بہن تھی یہ تو اسے پتا ہی نہیں تھا۔ جسے جان کر اسے واقعی بہت حیرانی ہوئی تھی۔

"اللہ حافظ سر!" وہ دل آور کو اسی طرح حیران چھوڑ کر گاڑی سے نیچے اتر گئی تھی اور وہ چند سیکنڈ یونہی اس لڑکی کو گلی مڑتے دیکھ کر پھر گاڑی آگے بڑھا چکا تھا۔!

☼ ☼ ☼
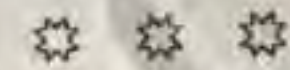
"السلام علیکم سر!" وہ ابھی شوروم کی پارکنگ میں گاڑی پارک کر کے گاڑی سے نیچے اترا ہی تھا کہ اچانک عدیل عمر اس کے سامنے آ گیا تھا۔

"ارے! وعلیکم السلام کیسے ہو؟" دل آور نے جواباً خاصی گرمجوشی کا مظاہرہ کیا تھا جس پہ عدیل کو کافی تسلی ہوئی تھی کہ اس کا موڈ خوشگوار ہے۔

"جی! اللہ کا احسان ہے' میں ٹھیک ہوں' آپ سنائیں کہاں تھے اتنے دنوں سے؟ میں اتنی بار آفس آیا مگر ہر بار آپ کی غیر موجودگی کا سن کر مجھے واپس جانا پڑا' آج بھی مجھے امید نہیں تھی کہ آپ سے ملاقات ہو گی لیکن پھر بھی اپنے آپ کو تسلی دے کر چلا آیا کہ شاید آج مایوس نہ لوٹنا پڑے اور دیکھیں آج اللہ نے مایوسی کا منہ دیکھنے سے بچا لیا ہے۔ آج آپ سے ملاقات ہو ہی گئی ہے۔" عدیل نے اس سے ملاقات ہو جانے پہ خاصی خوشی کا اظہار کیا تھا جبکہ دل آور اس کی بات پہ اور اس کے انداز پہ مسکرا دیا تھا۔

"مسٹر عدیل! میں تو آپ کو خاصا سمجھ دار سمجھ رہا تھا لیکن آپ تو پہلے قدم پہ ہی سمجھ داری سے دستبردار ہو گئے ہیں' بہت افسوس ہوا یہ جان کر!" دل آور نے جیسے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا اور عدیل نے

اس کے افسوس پہ الجھی ہوئی اور ناسمجھ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"کیا مطلب سر! کیا کیا ہے میں نے' جس پہ آپ کو اتنا افسوس ہو رہا ہے؟"

"ابھی بھی تم پوچھ رہے ہو کہ تم نے کیا کیا ہے؟ ارے واہ! کمال کی بات ہے یار۔ اتنے دن ہو گئے میں نے تمہیں کہا تھا کہ تم آفس آ جانا اب میں آفس میں ہوتا ہوں یا نہیں ہوتا تمہیں بھلا اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ بے شک آفس میں میں نہیں تھا لیکن میرا پارٹنر تو ہے نا اور نبیل حیات تو میرا پارٹنر ہی نہیں میرا بھائی بھی ہے اور میرا دوست بھی۔ اس کے سامنے تم میرا نام ہی لے لیتے تو وہ فوراً تمہیں جاب پہ رکھ لیتا اتنے دن مس کر دیے تم نے آخر کیا فائدہ؟ اتنے دنوں میں تو تم یہاں ایڈجسٹ ہو سکتے تھے مگر سمجھ داری سے کام لیتے تب نا۔"

دل آور نے اسے جیسے سرزنش کی تھی' جس پہ عدیل کو کافی شرمندگی ہوئی تھی۔

"سر! مجھے اس طرح منہ اٹھا کے ان کے سامنے جانا اچھا نہیں لگا کیونکہ میرے پاس نہ سیل فون ہے اور نہ ہی آپ کا کوئی نمبر تھا کہ میں آپ سے بات ہی کروا دیتا تاکہ ان کو یقین آ جاتا کہ مجھے آپ نے ہی بھیجا ہے اور جب میرے پاس ایسا کوئی ثبوت ہی نہیں تھا تو مجھے لگا کہ میرا جانا فضول ہے اسی لیے میں باہر سے ہی واپس لوٹ جاتا تھا۔" عدیل نے اسے اپنی سوچ اور اپنی عقل کی بات بتائی تھی' جس پہ دل آور ایک بار پھر مسکرا دیا تھا۔

"یہ تمہاری سوچ اور تمہاری عقل کی بات ہے نا ورنہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ تم میرے پارٹنر کے پاس جاتے اور وہ اپنے سیل فون سے میرا نمبر ڈائل کر کے مجھ سے ہی پوچھ لیتا کہ میں نے کسی کو بھیجا ہے یا نہیں؟ تمہارے سیل فون اور نمبر کی تو ضرورت ہی پیش نہیں آ سکتی تھی؟" دل آور کے جواب پہ عدیل کو لاجواب ہونا پڑا تھا بلکہ یہ بھی تسلیم کرنا پڑا تھا کہ وہ ایک وکیل سے بات کر رہا ہے' جس سے جیتنا آسان کام نہیں تھا۔

"سوری سر! میں سمجھ گیا ہوں کہ میں غلطی پر تھا۔" عدیل نے بلاجھجک اعتراف کر لیا تھا۔

"ارے نہیں یار! سوری کی ضرورت نہیں ہے' میں نے تو تمہیں اس لیے تمہاری غلطی کا احساس دلایا ہے کہ تم نے اتنے دن مس کر کے اپنا اور ہمارا نقصان کیا ہے' اتنے دنوں میں تم سب کچھ سیکھ سکتے تھے' سمجھ سکتے تھے اور آج تم اس وقت تک میرا انتظار کرنے کی بجائے اندر آفس میں اپنی سیٹ پہ ہو سکتے تھے۔ خیر کوئی بات نہیں ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا' آؤ میرے ساتھ میں تمہیں ملواتا ہوں اپنے پارٹنر نبیل حیات سے۔" دل آور اس کا کندھا تھپک کر خود بھی اندر کی طرف قدم بڑھا چکا تھا اور عدیل اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا شوروم کے اندر آ گیا تھا۔

"نبیل صاحب کہاں ہیں؟" اس نے کسی ورکر سے استفسار کیا تھا۔

"سر! نبیل صاحب اور عبداللہ صاحب آفس روم میں ہیں' شاید آپ کا ہی انتظار کر رہے ہیں۔" ان کا ورکر جواب دے کر وہاں سے ہٹ گیا تھا اور دل آور عدیل کو ساتھ لیے نبیل کے روم کی طرف آ گیا تھا اور باہر رک کر دروازے کو ناک کیا تھا۔

"یس کم ان!" اندر سے نبیل کی ہی آواز سنائی دی تھی۔

"السلام علیکم!" دل آور دروازہ دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ شکر ہے کہ آپ کو بھی اس شوروم کا خیال آیا۔" نبیل نے اسے دیکھتے ہی خفگی کا اظہار کیا تھا اور دل آور نے اس کی کسی بھی خفگی کا کوئی نوٹس لیے بغیر عبداللہ سے ہاتھ ملانے کی طرف دھیان دیا تھا۔

"لگتا ہے کہ کوئی خاص میٹنگ ہو رہی ہے؟" دل آور نے عبداللہ کے چہرے کی سمت دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا تھا۔

"جی جناب! میٹنگ تو ہو ہی رہی ہے اور ارادہ تھا کہ آپ کو بھی اس میٹنگ میں شریک کیا جائے مگر آپ جناب کو فرصت ہی کہاں کہ تھوڑی دیر ہمارے ساتھ بیٹھ کر کچھ ضروری مسئلے مسائل ہی ڈسکس کر لیں۔ اس لیے

مجبوری تھی یہ میٹنگ ہمیں خود ہی اسٹارٹ کرنا پڑی۔" عبداللہ نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے اس سے شکوہ بھی کیا تھا اور اپنی مجبوری بھی بتائی تھی۔

"خیر چھوڑو! یہ مسئلے مسائل بھی ڈسکس ہوتے ہی رہیں گے۔ تم ان سے ملو یہ ہیں عدیل عمر نیازی ہمارے اس شوروم کے نئے منیجر اور عدیل عمر یہ ہیں ہمارے جگر کے ٹکڑے ملک عبداللہ صاحب ان کی دوستی اور ان سے یاری کی وجہ سے ہی ہماری زندگی کا نظام چل رہا ہے ورنہ زندگی ہمارے لیے بالکل بے کار ہوتی۔" دل آور نے خاصا تفصیلی تعارف کروایا تھا جس پہ عبداللہ نے اٹھ کر مسکراتے ہوئے عدیل عمر سے ہاتھ ملایا تھا۔

"اور یہ رہے اس شوروم کے اونر اور ہمارے پارٹنر نبیل حیات۔ یہ اگر نبیل حیات نہ ہوتے تو ضرور ہماری محبوبہ ہوتے کیونکہ ہمیں ان سے اتنا ہی پیار ہے جتنا کسی انسان کو اپنی محبوبہ سے ہوتا ہے۔ ہر طرح سے کوشش کی جاتی ہے کہ ان کا پورا پورا خیال رکھوں مگر پتا نہیں کہ کامیاب ہو تا بھی ہوں یا نہیں۔ بہرحال نبیل صاحب یہ ہیں آپ کے منیجر عدیل عمر نیازی ان کے بارے میں پہلے بھی آپ کو بتا چکا ہوں اب خود ہی آپس میں دعا سلام بڑھالیں اور مجھے ریسٹ دیں۔" دل آور نے تعارف کروانے کی بھی فارمیلٹی نبھادی تھی اور نبیل کو اٹھ کر عدیل سے ہاتھ ملانا پڑا تھا۔

"کیسے ہو یار! بیرسٹر صاحب کے منہ سے تمہاری کافی تعریف سنی ہے انہیں یقین ہے کہ تم اپنا کام اچھے طریقے سے ہینڈل کروگے۔" نبیل نے اس کی تعریف کا برملا اظہار کیا تھا جس پہ عدیل نے ذرا نروس ہوتے ہوئے سر جھکا لیا تھا اور پھر اک نظر دل آور کی سمت دیکھا تھا۔

"سر! ان کے الفاظ صرف تعریف نہیں ہیں بلکہ میرے لیے تو اعزاز ہیں کہ انہوں نے میرے لیے ایسا کہا ہے اور مجھے اس قابل سمجھا ہے ورنہ میں کہاں اور یہ کہاں۔"

"ارے یار! ہم لوگوں کے ساتھ رہنا ہے تو یہ ڈائیلاگ "میں کہاں اور وہ کہاں" نہیں چلے گا ہم لوگ تو یاروں کے یار ہیں' یہ ذات پات' اونچ نیچ اور امیری غریبی کے چکر ہمیں نہیں آتے بس ہم بندہ دیکھتے ہیں اور بندے کا دل دیکھتے ہیں۔" عبداللہ نے بڑے فرینڈلی انداز میں عدیل کو تینوں دوستوں کے مزاج سے اور خیالات سے آگاہ کیا تھا جس پہ عدیل کو واقعی کافی ڈھارس اور تسلی ہوئی تھی۔

"تھینک یو سر! یہ تو آپ لوگوں کا بڑا پن ہے' ورنہ آج کل لوگ ایسا نہیں سوچتے یہاں سارا چکر ہی امیری غریبی کا چل رہا ہے یہ دور نفسانفسی کا دور ہے' کسی کو کسی دوسرے کی کوئی پروا نہیں ہے اور نہ ہی کسی سے کوئی غرض ہے اور ایسے میں اگر آپ لوگ ایسی سوچ رکھتے ہیں میں آپ لوگوں کو دل سے سلام پیش کرتا ہوں۔" عدیل نے ذرا سا سر خم کرتے ہوئے جیسے سلام کیا تھا اور دل آور نے اس کے کندھے کو تھپکتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"بیٹھ جاؤ! بیٹھ کے بات کرتے ہیں۔" دل آور خود بھی اس کے ساتھ والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

"تھینک یو!" عدیل شکریہ ادا کرتے ہوئے بیٹھ گیا تھا۔

"کیا بات ہے؟ تم کس سوچ میں ہو؟" دل آور کے سوال کا رخ نبیل کی طرف تھا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ میں نے انہیں پہلے کہاں دیکھا ہے؟" نبیل اپنی سوچ سے الجھ رہا تھا۔

"آپ نے مجھے وہاں دیکھا ہے جہاں آپ سے ایک لڑکی ——— کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔" عدیل پہلی نظر میں ہی اسے پہچان گیا تھا اسی لیے اس نے فوراً" ہی نبیل کی الجھن بھی دور کردی تھی۔

"اوہ اچھا اچھا تو آپ وہی ہیں جنہوں نے مجھے اس لڑکی کو اسپتال لے جانے سے منع کیا تھا۔" نبیل کو بھی یاد آگیا تھا۔

"ہو جی! یہاں تو پرانی جان پہچان نکل آئی ہے۔" عبداللہ اور دل آور ہاتھ پہ ہاتھ مارتے ہوئے ہنس پڑے تھے۔
"ویسے ایکسیڈنٹ کس لڑکی کا ـــــ ہوا تھا؟" عبداللہ نے نبیل کو شرارتی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ارے یار! مومنہ بی بی کی بات کر رہے ہیں' اس روز اسی ـــــ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔" نبیل نے فوراً" صفائی پیش کی تھی۔

"وہ! تو اس ایکسیڈنٹ کی بات ہو رہی ہے۔" عبداللہ اور دل آور دونوں دھیمے پڑ گئے تھے۔

"تو اور کیا ورنہ ہماری ایسی قسمت کہاں کہ ہمارا ایکسیڈنٹ کسی ایسی جگہ پہ ہو جہاں ہم چاہتے ہوں۔" نبیل نے جیسے اداسی سے سرد آہ بھری تھی اور دل آور اس کی اس سرد آہ سے نجانے کیوں چپ سا ہو گیا تھا۔

"تم ایکسیڈنٹ کہاں چاہتے ہو؟" عبداللہ نے نبیل کو خاصی گہری' ذو معنی اور جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا جس پہ نبیل ذرا اسنبھل گیا تھا۔

"ابھی تیاری میں ہوں، بہت جلدی بتا دوں گا تمہیں۔" نبیل نے ریلیکس انداز میں کندھے جھٹکے تھے۔

"ہیں! واقعی؟ یہ میں کیا سن رہا ہوں دل آور یہ کسی ایکسیڈنٹ کی تیاریوں میں ہے اور ہمیں پتا ہی نہیں۔" عبداللہ نے ایکدم حیرت اور اچنبھے کا اظہار کیا تھا مگر دل آور نے پھر بھی کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تھا بلکہ وہ بات ہی بدل گیا تھا۔

"تم ایکسیڈنٹ کو چھوڑو یہ بتاؤ کہ کام کی تیاری کہاں تک پہنچی ہے؟ کیا پروگرام بنایا ہے تم لوگوں نے؟" وہ ڈائریکٹ کام کی بات پہ آگیا تھا۔

"بس پروگرام وہی ہے جو تمہیں بتایا ہے ہم دونوں کل کراچی جا رہے ہیں اس لیے اب وہاں جا کر ہی پتا چلے گا کہ آگے کیا کرنا ہے۔" نبیل بھی کام کی بات کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

"کچھ اندازہ ہے کہ کتنے دن لگیں گے۔" دل آور مزید سوال پوچھ رہا تھا۔

"فی الحال تو کچھ اندازہ نہیں ہے یار! اسی لیے تو رات کو تم لوگوں کو ڈنر پر انوائٹ کیا ہے کہ نجانے کتنا ٹائم لگ جائے ہمیں فرصت ملنے میں' اس لیے بہتر ہے کہ ہم پہلے ہی تھوڑا بہت انجوائے کر لیں۔" نبیل نے اسے دعوت کی وجہ بتائی تھی۔

"ہوں! بہتر ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ فیجر کی سیٹ کے لیے کچھ انتظام کرنے کو کہا تھا میں نے؟" دل آور نے عدیل کی سمت اشارہ کرتے ہوئے نبیل سے کچھ استفسار کیا تھا۔

"ہاں! کر دیا ہے انتظام۔ یہ لو۔" نبیل نے کہتے ہوئے ٹیبل کا لاک کھولا اور ایک لفافہ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا تھا جسے ہاتھ بڑھا کے دل آور نے اٹھا لیا تھا۔

"عدیل عمر! تم آج سے اس شوروم کے منیجر ہو اور اس شوروم کے منیجر کے لیے ہم نے کچھ سہولیات فراہم کرنے کا سوچا ہے کیونکہ ان کے بغیر نہ ہمارا کام چل سکتا ہے' نہ تمہارا! اس لیے یہ سہولتیں بہت ضروری ہیں باقی اس جاب کے حوالے سے جو بھی ضروری کاغذی کارروائی رہتی ہے وہ بھی تھوڑی دیر تک کمپلیٹ ہو جائے گی' پہلے تم یہ چیک کرو۔" اس نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے وہ لفافہ عدیل کے سامنے رکھ دیا تھا۔

"لیکن سر! یہ ہے کیا؟" عدیل لفافہ اٹھانے سے پہلے ذرا دیر کے لیے ٹھہر گیا تھا۔

"خود چیک کر لو۔" دل آور نے اشارہ کیا تھا۔

اور مجبوراً" عدیل کو وہ لفافہ خود ہی کھولنا پڑا تھا اور کھولنے کے بعد وہ حیران سا دیکھتا رہ گیا تھا کیونکہ اس کی نظروں کے سامنے ایک پن پیک سیل فون' ایک چابی اور کچھ ہزار ہزار کے نوٹوں پہ مشتمل رقم تھی جس کی اسے کچھ سمجھ

نہیں آرہی تھی اور اس کی نا سمجھی دور کرنے کے لیے دل آور کو ایک بار پھر بولنا پڑا تھا۔

"یہ تمہارے لیے موبائل ہے' تم آج ہی نیا نمبر لو اور سیل کو آن کرو' اس طرح کسی بھی کام کے حوالے سے تم ہمارے ساتھ رابطے میں رہو گے' نہ تمہیں مسئلہ ہوگا' نہ ہمیں اور یہ بائیک کی چابی ہے' تم جب تک اس جاب پہ رہو گے' یہ بائیک تمہارے استعمال میں رہے گی اور اگر اس جاب پہ نہیں رہو گے تب بھی یہ تمہاری ملکیت رہے گی اور یہ ہے تمہاری پہلی ایڈوانس سیلری۔ اس میں کمی بیشی کا تمہیں کوئی اعتراض ہو تو تم بلا جھجک بتا سکتے ہو' کیونکہ ہر انسان کو اپنے رائٹ کے لیے بولنے کا پورا اختیار ہوتا ہے۔ باقی تمہاری اپنی کوئی ڈیمانڈ ہو تو وہ بھی بتا دو' ہم پوری کوشش کریں گے کہ وہ ڈیمانڈ پوری کر سکیں۔" دل آور نے اس کی پوری تسلی کروائی تھی اور اسے سب کچھ تفصیل سے بتایا تھا' جس کے بعد عدیل کے پاس بولنے کے لیے الفاظ بھی نہیں رہے تھے' وہ چپ کا چپ رہ گیا تھا۔

"ارے یار! اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تم پہ کوئی احسان نہیں ہے؟ بلکہ یہ سب تو تمہاری جاب کا ایک حصہ ہے' ہاں تم اچھا کام کرو گے تو پروموشن بھی ہو سکتی ہے۔"

اب کی بار نبیل نے مداخلت کی تھی اور عدیل حقیقتاً" دل آور شاہ کے سامنے اس کا دل سے مشکور ہوا تھا۔ حالانکہ عدیل نہیں جانتا تھا کہ دل آور شاہ اس وقت اس کی عزت اس کی بہن کو بھی باحفاظت گھر پہنچا کے آیا ہے جس کا مطلب تھا کہ وہ اس پہ ایک اور احسان کر کے آیا ہے' مگر دل آور ایسا نہیں تھا کہ اسے اس احسان کے متعلق بھی بتاتا۔

بس جو بات ڈھکی چھپی تھی وہی اچھی تھی' ورنہ ہو سکتا تھا کہ عدیل اپنی بہن پہ گھر سے باہر نکلنے کی پابندی ہی لگا دیتا۔ لہٰذا بہتر تھا کہ عدیل کو نہ ہی بتایا جاتا اور اس نے ایسا ہی کیا تھا۔ البتہ ان لوگوں کی باتیں اور کاروباری مسئلے مسائل کافی دیر تک چلتے رہے تھے۔ کیونکہ ان لوگوں نے کام کے سلسلے میں کراچی جانا تھا' اس لیے بہتر تھا کہ سب کچھ پہلے سے ہی طے کر لیا جاتا۔

☼ ☼ ☼

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" اسرار آفندی تیار ہو کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے ہٹے ہی تھے کہ ثروت بیگم سامنے آکھڑی ہوئی تھیں۔

"آفس اور کہاں؟" انہوں نے تعجب سے جواب دیا تھا۔

"اور اسپتال بھی جائیں گے؟" ان کا اگلا سوال سامنے آیا تھا۔

"ظاہر ہے بھئی اسپتال بھی جانا ہی ہے۔" وہ لاپروائی سے بولے تھے۔

"ٹھیک ہے۔ پھر اگر اسپتال جائیں تو اپنے صاحبزادے سے کہیے گا کہ ذرا گھر کا بھی چکر لگا لے' ہمارے لیے تو وہ ابھی بھی ایسے ہی ہے جیسے امریکا میں بیٹھا ہوا ہے۔ کسی اور کا تو اسے خیال ہی نہیں ہوتا سوائے بھائی صاحب کی فیملی کے۔" ثروت بیگم نے برملا اپنی خفگی کا اظہار کیا تھا اور اسرار آفندی سمجھ گئے تھے کہ وہ آذر کی بات کر رہی ہیں۔

"آجائے گا' آجائے گا' بس بھائی صاحب بھی دو روز میں اسپتال سے ڈسچارج ہو جائیں گے' تم فکر نہ کرو' دانیال بھی تو ہے نا' اتنے دنوں سے بھاگ دوڑ کر رہا ہے۔" اسرار آفندی نے بیوی کو ریلیکس کرنا چاہا تھا۔

"پتا ہے! سب پتا ہے' وہ اتنی بھاگ دوڑ کیوں کرتا ہے؟ یہ بھی جانتی ہوں' لیکن مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں ہے' میں تو بس اپنے بیٹے کی بات کر رہی ہوں کہ وہ اتنی بھاگ دوڑ کیوں کر رہا ہے آخر؟ اسے کیا مطلب ہے بھلا؟ جتنا بھائی صاحب کے ساتھ اس کا رشتہ ہے اتنا ہی باقی سب کا بھی تو ہے نا؟ اسے ان کی اتنی فکر ہے اور اپنی پروا ہی نہیں ہے۔" ثروت بیگم خاصی برہم ہو رہی تھیں' اسرار آفندی ان کے تیور دیکھ کر جزبز سے ہو گئے تھے کہ اب ان

سے کیا کہیں اور کیا نہ کہیں۔

"لیکن خیر! جو بھی ہے، جیسے ہی بھائی صاحب اسپتال سے ڈسچارج ہو کر گھر آتے ہیں میں فوراً ہی آذر اور کومل کے رشتے کا اعلان کر دوں گی اور کچھ عرصے میں ہی شادی بھی کر دیں گے، آخر اور کتنا انتظار کروانا ہے، بچوں کو؟ یہی تو عمر ہوتی ہے ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے کی۔ آپ کو نہ سہی، لیکن مجھے تو بہت فکر ہے اس کی، آخر سب بہن، بھائیوں سے اور کزنز سے بڑا ہے وہ۔ بس یہ کام اب ہو ہی جانا چاہیے۔" انہوں نے اپنی طرف سے پکا ارادہ باندھ رکھا تھا۔ جو کہ اسرار آفندی کو کچھ مناسب نہیں لگا تھا، جس کا انہوں نے اظہار بھی کر دیا تھا۔

"دیکھو ثروت! تم جو جی چاہے کرو، مگر ابھی نہیں، ابھی ان دنوں میں ایسا کچھ بھی کہنا اور کرنا ہماری خود غرضی ہوگی، جو کہ مجھے پسند نہیں ہے اور نہ ہی میں ایسا چاہتا ہوں، بھائی صاحب کچھ بہتر ہو گئے تو پھر سب کچھ سیٹ ہو جائے گا، ہم کومل اور آذر کی شادی ان شاء اللہ بہت دھوم دھام سے کریں گے۔ بس تھوڑا اور صبر کر لو، بھائی صاحب نے ہمیشہ ہمارے لیے اتنا کچھ کیا ہے، ہماری زندگیاں سنوار دی ہیں، ہمارے اور ہمارے بچوں کے مستقبل بنا دیے ہیں، تو کیا ہم ان کے لیے اتنا سا بھی نہیں کر سکتے؟ کیا ہم سے ذرا سا انتظار بھی نہیں ہو سکتا؟" سرار آفندی نے ذرا سنجیدگی سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی اور آخر میں سوال کرتے ہوئے بات ان پہ چھوڑ دی تھی، جس کے بعد ثروت بیگم ذرا دیر کے لیے خاموش ہو گئی تھیں۔

"ثروت آنٹی وہ۔۔!" کومل اچانک کچھ کہتی ہوئی دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی تھی، لیکن ان دونوں کو بڑے سنجیدہ موڈ میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑا دیکھ کر وہیں کی وہیں رک گئی تھی۔

"ایم سوری! میں سمجھی کہ آنٹی اکیلی ہوں گی۔" کومل بے ساختہ معذرت کرتے ہوئے پلٹ رہی تھی۔

"ٹھہرو بیٹا!" سرار آفندی نے اسے روک دیا تھا۔

"جی انکل؟" کومل کے قدم رک گئے تھے۔

"تم اپنی آنٹی سے بات کر لو، میں آفس جا رہا ہوں۔" وہ بریف کیس اٹھا کر کومل کا سر تھپکتے ہوئے باہر نکل گئے تھے اور کومل ان دونوں کے چہرے کے تاثرات دیکھتی رہ گئی تھی۔

"کیا بات ہے آنٹی؟ کیا ہوا ہے آپ لوگوں کو؟ کوئی مسئلہ ہے کیا؟" کومل ثروت بیگم کے قریب چلی آئی تھی۔

"نہیں! کوئی مسئلہ نہیں ہے، سب ٹھیک ہے۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہاں سے ہٹ کے اپنے بیڈ پہ بیٹھ گئی تھیں، لیکن کومل کو پتا تھا کہ ضرور کوئی ایسی بات ہوئی ہے، جو آنٹی کے موڈ پہ اچھی ثابت نہیں ہوئی، ورنہ اس طرح وہ چپ نہیں ہوتی تھیں۔

"کیا آپ بتانا نہیں چاہتیں؟" اس نے پھر کریدنے کی کوشش کی تھی۔ "نہیں چھپانا بھی نہیں چاہتی بیٹا! مگر جب تک کوئی بات فائنل نہ ہو جائے تب تک کچھ کہنا بھی تو فضول ہے۔" وہ کافی عجیب سے انداز میں بول رہی تھیں۔

"کیا بات فائنل نہ ہو جائے؟" کومل کو تجسس ہو رہا تھا کہ آخر بات کیا ہوئی ہے۔ کیونکہ جب وہ اندر داخل ہوئی تھی تو ان دونوں میاں، بیوی نے بے ساختہ ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا، جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اسی کے متعلق کوئی بات ہو رہی تھی اور حقیقتاً "ایسا ہی تھا" بات اسی کے متعلق ہو رہی تھی، اس لیے اس کا تجسس بھی ایک فطری عمل تھا، اس نے تو کریدنا ہی تھا۔

"تمہارے اور آذر کے رشتے کی بات!" ثروت بیگم نے بھی پردہ اٹھا ہی دیا تھا۔

"کیا؟ رشتے کی بات؟" کومل کو اپنی سماعتوں پہ جیسے یقین نہیں آیا تھا۔

"ہاں میں چاہتی ہوں کہ جلدی سے جلدی تمہاری اور آذر کی انگیجمنٹ ہو جائے اور پھر کچھ عرصے بعد ہم

لوگ شادی بھی کر دیں گے۔"

"آپ۔۔۔ آپ سچ کہہ رہی ہیں آنٹی؟" کومل کے چہرے پہ تو خوشیوں کے ہزاروں رنگ بکھر گئے تھے۔ اس پہ تو جیسے شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

"ہاں بیٹا! سچ کہہ رہی ہوں، مجھے بھلا کیا ضرورت ہے مذاق کرنے کی، مگر تمہارے انکل کہتے ہیں کہ تھوڑا صبر کر لو، پہلے بھائی صاحب کو ٹھیک ہونے دو، پھر جو چاہے کر لینا، ابھی ایسا کچھ کرنا مناسب نہیں ہوگا، بس اسی لیے چپ ہو گئی ہوں۔"

وہ آخر میں کافی دھیمے سے لہجے میں بولی تھیں، لیکن فی الحال کومل کے لیے اتنی خوشی ہی کافی تھی کہ اس کے اور آذر آفندی کے رشتے کی بات تو چل نکلی ہے نا اور اب امید تھی کہ یہ بات ہو کر ہی رہے گی، اسی لیے اسے ایک دم عجیب سی سرشاری کا سا احساس ہوا تھا۔

"او کے! اس میں تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ڈیڈ کے ٹھیک ہونے کے بعد بھی ایسا ہو سکتا ہے، بس چند دن سے کیا فرق پڑتا ہے، آپ انتظار کر لیں۔" کومل نے بڑے سکون اور بڑی شانتی سے انہیں مشورہ دیا تھا۔

"وہ تو کرنا ہی پڑے گا، لیکن خیر کوئی بات نہیں، میری بچی، بہو تو تم ہی ہو گی بھلا تمہارے علاوہ کوئی اور اچھی لگ سکتی ہے میرے شہزادے کے ساتھ؟"

انہوں نے پاس بیٹھی کومل کا چہرہ تھام کے اس کے ماتھے پہ پیار کیا تھا اور کومل کی بے ساختہ نظریں جھک گئی تھیں، اس کے دل میں ایک عجیب سی ہلچل ہونے لگی تھی۔ آج تک جو کچھ وہ چاہتی تھی، وہی ہونے والا تھا، اس لیے اسے اور کیا چاہیے تھا بھلا، خواب سچ ہونے لگے تھے۔

☼ ☼ ☼

"جودت!" آذر کافی دیر سے جودت کو اسپتال کے وزیٹنگ روم کے صوفے پہ مسلسل ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے ہوئے دیکھ رہا تھا اور اسے اس طرح بیٹھے دیکھ کر آذر کو خاصی تشویش بھی ہوئی تھی، کیونکہ وہ ایک ہی جگہ پہ ٹک کر بیٹھنے والا نہیں تھا اور اگر بیٹھ ہی گیا تھا تو ضرور اس کے پیچھے کوئی وجہ بھی تھی، اسی لیے آذر اس کے قریب چلا آیا تھا اور اسے مخاطب بھی کیا تھا، لیکن جودت پھر بھی متوجہ نہیں ہوا تھا۔

"جودت! میں تم سے مخاطب ہوں، کیا ہوا ہے تمہیں؟ اس طرح کیوں بیٹھے ہو؟" آذر اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے اسے متوجہ کرتے ہوئے خود بھی اس کے برابر ہی بیٹھ گیا تھا، جس پہ جودت کو متوجہ ہونا ہی پڑا تھا۔

"بس ایسے ہی طبیعت کچھ فریش نہیں ہے۔" جودت عجیب کشمکش کی سی کیفیت میں بیٹھا ہوا تھا اور ذہن طرح طرح کی سوچوں سے الجھ رہا تھا، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے؟ کیونکہ اس کے ذہن پہ صرف اور صرف "منصور حسین" سوار تھا وہ اس وقت سے لے کر اب تک صرف اسی کے متعلق سوچے جا رہا تھا اور ساتھ ساتھ تذبذب کا بھی شکار تھا کہ باقی سب کو منصور حسین کے متعلق بتائے یا نہ بتائے؟ کیونکہ یہاں کی سچویشن بھی ایسی تھی کہ یہاں کوئی بات کرنا بھی نئے سرے سے کوئی ہنگامہ کھڑا کرنے کے مترادف تھا۔ لہٰذا وہ یہی سوچ رہا تھا کہ وہ چپ ہی رہے۔ مگر جو اندر ابال اٹھ رہے تھے وہ چپ بیٹھنے ہی نہیں دے رہے تھے، منصور حسین کو دیکھ کر اس کا ذکر ضبط کرنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔

"طبیعت خراب ہے کیا؟" آذر اسے بغور دیکھتے ہوئے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

"نہیں، خراب نہیں ہے، بس فریش نہیں ہے، ذہن کچھ اپ سیٹ سا ہو رہا ہے، سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا کروں؟" جودت کے لہجے سے ہی لگ رہا تھا کہ وہ خاصا پریشان اور الجھا ہوا ہے، جس پہ آذر کو مزید تشویش ہوئی تھی۔

"صاف صاف بتاؤ کہ مسئلہ کیا ہے؟ کیوں اتنے اپ سیٹ ہو رہے ہو۔" اب تو آذر کو بھی پریشانی ہونے لگی تھی۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے بھائی' آپ پریشان نہ ہوں' ایسا کوئی خاص مسئلہ نہیں ہے' جس پہ اتنا پریشان ہوا جائے۔" اس نے آذر کو ٹالنے کی کوشش کی تھی۔

"لیکن مسئلہ ہے تو سہی نا؟" آذر جھنجلا گیا تھا۔

"ٹھیک ہے کہ کوئی مسئلہ ہے مگر جب مناسب ہوا تب بتادوں گا۔"

جودت فی الحال آذر کو کچھ بھی بتانا نہیں چاہتا تھا' جبکہ اس کے نہ بتانے پہ آذر کی تشویش اور بھی بڑھ رہی تھی' کیونکہ اس نے جودت کو اس قدر الجھے ہوئے اور متفکر انداز میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"کسی کے ساتھ کوئی جھگڑا ہوا ہے کیا؟" آذر بس اسی نتیجے پہ پہنچا تھا کہ وہ کسی کے ساتھ لڑ جھگڑ کر آیا ہے۔

"نہیں۔" اب کی بار اس نے خاصا مختصر سا جواب دیا تھا۔

"جودت!" آذر نے ذرا غصے سے اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنی سمت دیکھنے پہ مجبور کیا تھا۔

مگر جودت اس کی سمت دیکھنے کی بجائے تکلیف سے "آہ" کر کے رہ گیا تھا' کیونکہ جہاں سے آذر نے اس کا بازو پکڑا تھا' وہیں پہ اس کے چوٹ لگی ہوئی تھی اور جودت اس چوٹ پہ بینڈیج بھی کروا کے آیا تھا' مگر تکلیف تو ہنوز تھی' جس کو وہ ضبط کیے صرف اور صرف "منصور حسین" کو سوچے جا رہا تھا' لیکن اب اس تکلیف سے بھی پردہ اٹھ گیا تھا' آذر نے بے ساختہ اس کے منہ سے نکلنے والی "آہ" سے چونکتے ہوئے اس کے بازو کو ایک بار پھر چھو کر ٹٹولا تھا' جودت کو پھر تکلیف ہوئی تھی۔

"یہ سب کیا ہے جودت؟ کیا ہوا ہے تمہیں؟" آذر کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

"زیادہ پریشانی والی بات نہیں ہے بھائی' بس میری بائیک کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور بائیک سے گرنے کی وجہ سے یہ چوٹیں آئی ہیں' مگر اللہ کا شکر ہے کہ زیادہ نقصان نہیں ہوا' کافی بچت ہو گئی ہے۔" جودت نے پھر بھی اسے تسلی ہی دی تھی۔

"صرف ایکسیڈنٹ ہوا ہے یا کچھ اور بھی؟" آذر اسے ہر طرح سے کرید رہا تھا۔

"نہیں اور کچھ نہیں ہوا' بس ایکسیڈنٹ ہی ہوا ہے۔" جودت اسے مطمئن نہیں کر پا رہا تھا' کیونکہ آذر یہ ماننے کو تیار ہی نہیں تھا کہ جودت اس ذرا سے ایکسیڈنٹ اور ذرا سی چوٹ سے اتنا اپ سیٹ سا بیٹھا ہے' اسے یقین تھا کہ ضرور کوئی اور وجہ ہے' جس سے وہ اتنا ڈسٹرب لگ رہا ہے۔

"آذر بیٹا! تم یہاں بیٹھے ہو' تمہیں ڈاکٹرز اندر بلا رہے ہیں۔" آسیہ آفندی آذر کو ڈھونڈتی ہوئی وزیٹنگ روم میں آ گئی تھیں اور آذر ان کے بتانے پہ اک نظر جودت کو دیکھتا ہوا وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"خیر! جو بھی ہے تم اس وقت گھر جاؤ' باقی بات بعد میں ہو گی۔" اس نے جودت کا کندھا تھپک کر اسے وہاں سے جانے کا کہا تھا اور خود آسیہ آفندی کے ساتھ ڈاکٹرز کے پاس چلا آیا تھا' کیونکہ اسے پتا تھا کہ ضرور ڈیڈ کے ٹیسٹ کی رپورٹس آئی ہوں گی' جب ہی ڈاکٹر نے اسے خاص طور پہ بلایا ہے' اسی لیے اس نے آسیہ آفندی کو اپنے ساتھ ڈاکٹرز کے روم میں جانے سے منع کر دیا تھا اور اکیلا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گیا تھا' آسیہ آفندی باہر کی باہر ہی کھڑی رہ گئی تھیں اور انہیں پتا تھا کہ آذر نے انہیں ساتھ آنے سے کیوں منع کیا ہے۔

☆ ☆ ☆

"چلیں؟" وہ کافی بجھے بجھے سے انداز میں تیار ہو کر نیچے آیا تھا اور ڈرائنگ روم میں دائیں بائیں ٹہلتی بتول شاہ کو چلنے کا سگنل دیا تھا۔

"ہوں۔۔ چلو۔" انہوں نے اک نظر ٹھہر کر اسے سرتاپا گہری نظر سے دیکھا تھا اور پھر اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی اور دل آور ان کی طرف سے جواب ملتے ہی باہر کی سمت قدم بڑھا چکا تھا۔ پھر گاڑی نکالنے تک وہ دونوں ماں' بیٹا خاموش ہی رہے تھے' لیکن آخر کب تک' کب تک بتول شاہ اس کی یہ خاموشی برداشت کر سکتی تھیں؟ انہوں نے کچھ تو بولنا ہی تھا۔

"کیا بات ہے' اتنے خاموش کیوں ہو؟" انہوں نے دل آور کی سمت گردن موڑتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

"تو اور کیا کروں؟" دل آور نے الٹا ان سے پوچھ لیا تھا۔

"جو میں نے کیا ہے وہ کرو۔" بتول شاہ بھی جواباً "نپے تلے سے انداز میں بولی تھیں۔

"کر تو رہا ہوں' جو بھی' جو کچھ کہہ رہا ہے' چپ چاپ سب کر رہا ہوں۔"

دل آور آج نبیل کی دعوت پہ جاتے ہوئے خوش نہیں ہو رہا تھا' شاید اس لیے کہ اس کے ذہن میں صبح سے نبیل کے الفاظ گونج رہے تھے اور دل آور صبح سے اسی "دعوت اور دل داری" کے گھیراؤ میں پھنسا ہوا تھا' حالانکہ اس نے دن میں ہزاروں کام نبٹائے تھے' سب سے بات چیت بھی کی تھی' مگر پھر بھی اس کے دل و دماغ پہ وہی دعوت اور دل داری والا قصہ سوار رہا تھا اور اس وقت بھی ذہن کی اسکرین پہ یہی سب کچھ چل رہا تھا۔

"لیکن جو کچھ میں کہہ رہی ہوں' وہ تم سمجھ نہیں رہے۔" بتول شاہ نے اسے یاد دلانا چاہا تھا۔

"میں سب سمجھ رہا ہوں اماں' پہلے مجھے زہر کا ایک پیالہ تو پی لینے دیں' دوسرے کی باری تو بعد میں آئے گی نا اور پتا نہیں تب تک یہ سینے میں چھپا کافر زندہ بھی رہے گا یا نہیں۔" دل آور نے خفگی اور افسردگی سے کہتے ہوئے سر جھکا تھا اور بتول شاہ اس کی بات کا مفہوم سمجھتی رہ گئی تھیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ فیصلہ تو تم پہلے سے ہی کر چکے ہو' اب زہر پینے نہ پینے کی بات کہاں سے آ گئی ہے؟" وہ اس کا موڈ دیکھتے ہوئے الجھ پڑی تھیں کہ وہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

"ایک انسان زہر پینے کا فیصلہ کر چکا ہو تو اس کا کیا مطلب ہے کہ اسے زہر پیتے ہوئے تکلیف بھی نہیں ہو گی؟" دل آور نے خاصے تلخ سے انداز میں سوال کیا تھا۔

"تکلیف تو انسان کو اسی وقت ہوتی ہے جب وہ کسی بھی قسم کا زہر پینے کا فیصلہ کرتا ہے اور جب فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر بعد میں تکلیف کیسی؟ مجھے دیکھو' کتنے فیصلے کیے ہیں زندگی میں؟ مگر جب کر لیے تو کر لیے؟ پھر نہ درد۔۔ نہ تکلیف۔۔ اور نہ ہی کوئی پچھتاوا' زندگی میں ایسا کرو گے تو کبھی کسی بات پہ اور کسی کام میں مایوسی نہیں ہو گی اور ہمیشہ ثابت قدم رہو گے اور میں تم سے ایسی ہی امید رکھتی ہوں۔" بتول شاہ اسے اپنے جیسا ہی دیکھنا چاہتی تھیں۔

"آپ نہیں سمجھیں گی اماں' کہ دل کے معاملے اور دل کے فیصلے کتنے پیچیدہ ہوتے ہیں؟ یہاں درد بھی ہوتا ہے' تکلیف بھی ہوتی ہے اور پچھتاوا بھی ہوتا ہے۔" دل آور کا لہجہ جیسے تلخی سے رس رہا تھا' دکھ کی چاشنی اس کے اک اک لفظ سے محسوس ہو رہی تھی۔ "صرف دل کے معاملے اور دل کے فیصلے ہی پیچیدہ نہیں ہوتے ہیں' مگر انسان کو کرنا ہی پڑتے ہیں' تم کو بھی کرنا ہی پڑیں گے۔ بس سب کچھ اللہ کی ذات پہ چھوڑ دو' سب کچھ ہی بہتر ہو جائے گا۔" بتول شاہ نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے ہلکے سے اس کا کندھا دبایا تھا' جیسے اس کا حوصلہ اور اس کی ہمت بڑھانے کی کوشش کی ہو۔ "چھوڑ دیا ہے' سب کچھ چھوڑ دیا ہے' زری کو چھوڑ دیا تو سمجھ لیں کہ سب کچھ چھوڑ دیا' آج میں نبیل کی دعوت میں زری کو چھوڑنے ہی تو جا رہا ہوں اور نبیل کی یہ دعوت میں زندگی بھر بھول نہیں سکوں گا' دل پہ لکھی رہے گی۔" دل آور کا لب و لہجہ بھی دل آور کا نہیں لگ رہا تھا اور بتول شاہ اس کی کیفیت دیکھ کر چپ ہو گئی تھیں' اتنے میں اس نے نبیل کے گھر کے سامنے گاڑی کو بریک لگا دیے تھے۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆

سعدیہ عزیز آفریدی
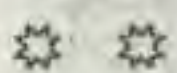
میں نے اور کراچی نے ایک ساتھ آنکھ کھولی تھی۔ میری اور اس کی بھاگ دوڑ ایک ساتھ شروع ہوئی۔ کراچی بالکل اک سادہ مزاج دوست کی طرح تھا جس نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے نہ میری حیثیت پوچھی نہ میرے رنگ و نسل کا حساب کتاب لگایا' اور بہت سارے محنت کرتے ہاتھوں میں کھڑے ہونے کی جگہ کسی سخی کی طرح بخشش کردی۔

میں نے اسی بھاگ دوڑ اسی ہماہمی میں ایک دن شادی بھی کرلی' زندگی نے کروٹ لی پھر پتا نہیں پہلے کون بدلا میں' یا زندگی؟

مگر گھر میں تین بچوں کے ساتھ زندگی کو نئے ڈھنگ سے جینے کا ایک نیا پنڈورا بکس کھل گیا۔ بچوں کو یا تو صرف پالنا تھا یا انسان ہونے کے شرف سے روشناس بھی کروانا تھا۔ بیوی نے کہا جو ہم جی رہے ہیں ہم نے وہی زندگی کی تھالی میں رکھ کر اپنے بچوں کو نہیں پروسنا' یوں طے ہوا بچوں کو تعلیم بھی دلوانی ہے۔

روشنی کی کرن گھر میں آنے لگی تو زندگی کی کچھ بدصورتیاں اور نمایاں ہونے لگیں' اچھا کھانا' کھلانا ضروری نہیں مگر بچوں کو اچھا کھلا کر پہنا کر بھیجنے میں' میری اور نیلم کی بہت ساری آرزوئیں زندگی کے مہاجن کے ہاتھ گروی رکھ دی گئیں۔

"حالات اچھے ہوئے تو یہ آرزوئیں یہ خواب ہم پھر سے جئیں گے۔" میں اسے اور وہ مجھے دلاسے دے دے کر جینے کی امنگ بھرتی رہتی یہاں تک کہ بچوں نے اچھا پڑھ لکھ کر میرے اور نیلم کے سلائی کے کام کو بوتیک کا نام دے کر بہتر انداز میں شروع کردیا۔

گھر میں آسانیاں اور ریل پیل ہونے لگی میرے بڑے بیٹے کا ایک رائیڈر تھا جو اس کے کام کے سلسلے میں بہت اہم تھا عامر اکثر اسے گھر لانے لگا تھا بہت جی حضوری والا بچہ تھا گھر بھر کا واحد سپورٹر تھا دوسرے بہن بھائی ابھی چھوٹے تھے اور اسی پر انحصار کرتے تھے بہت محنت کرنے والا اور اپنی جگہ بنانے کا ہنر جانتا تھا اس میں مجھے اپنی بے سرو سامانی کی ساری کہانی تہ در تہ سانس لیتی محسوس ہوتی تھی اس کی آنکھیں بہت چمکیلے خواب دیکھا کرتی تھیں۔

"کراچی سے دوستی کب ہوئی۔۔۔؟" میں نے اک دن سوال کیا اور وہ ہولے سے ہنس پڑا۔

"جب بچپن سے دوستی ختم ہوئی" میں نے چونک کر دیکھا۔

"بچپن سے دوستی کب ختم ہوئی۔۔۔؟" اس نے میرے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"جب زندگی بہت زیادہ تلخ سچ بولنے لگے' پیٹ روٹی مانگے تو بچپن سے دوستی ختم ہو ہی جاتی ہے انکل' یہ تو احسان ہے تمہارے کراچی کا اس نے دھکے دے کر نکالا نہیں اپنے اندر سے' بلکہ ہاتھ پکڑ کر کہا جاؤ جتنا حوصلہ ہے محنت کرو جتنا اس شہر سے اپنا حصہ لے سکتے ہو لے لو۔۔۔"

"اس شہر نے کبھی کان میں کہا جتنا چاہو چھین لو۔۔۔" میں نے نئے طریقے سے اسے جانچنا چاہا اور وہ مسکرا دیا۔

"کراچی سمندر کی طرح ہے برائیاں پی جاتا ہے خاموش رہتا ہے چپ کے کان لگا کر ہمیں سنتا ہے اور وہی دیتا ہے جو ہم چاہتے ہیں' حق مانگو حق ملتا ہے خیرات مانگو خیرات ملتی ہے ڈاکہ ڈالو تو ہاتھ نہیں روکتا مگر بری اولاد کی طرح واپس پلٹ آنے کی امید لہروں میں ہر روز بہاتا ہے۔"

"تم تو لکھاری ہو اچھے خاصے" میں نے اسے سراہا اور وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"سچ سوچنا اتنا مشکل نہیں جتنا کہنا اور لکھنا' سو انکل جی میں بھی لکھاری نہیں بن سکتا۔"

"کیوں نہیں بن سکتے تم لکھاری۔۔۔"

"کیوں کہ میرا قلم جھوٹ لکھنے میں بڑا ضدی ہے بڑی آنا کانی دکھاتا ہے۔۔۔"

وہ روز آتا اور میں ہر روز اس کی باتوں سے کچھ نہ کچھ سیکھتا رہتا پھر پتا چلا اس کی بہن کی شادی طے ہو گئی' میں نے عامر کو مقدور بھر مدد کرنے کو کہا اور انہی دنوں کراچی میں ہنگامے پھوٹ پڑے' عامر کے دو کنسائنمنٹ بری طرح نشانے کی زد میں آ گئے۔

تب آفاق کرائسس میں آ گیا۔

"بہن کی شادی کے لیے ایک لاکھ ہے مگر دو لاکھ کی بہت ضرورت ہے اپنی کلاس سے اوپر رشتہ جوڑ دیا ابا نے۔" وہ پریشان تھا اور عامر الگ پریشان کہ وہ اس کی کیسے مدد کرے اور انہی کرائسس کے دنوں میں ایک جگہ دھماکا ہو گیا' عامر گھبرایا ہوا گھر سے باہر نکلا۔ آفاق اس کا سامان لے کر ایک بازار میں اپنے ایک پرانے کلائنٹ کے پاس گیا تھا۔ میں اس کے ساتھ تھا پوری رات ہم پریشان سے تھے' مر جانے والوں کی لسٹ لگ گئی تھی تبھی عامر نے آ کر اس کے باپ کے کندھے پر دکھ سے ہاتھ رکھا تھا۔

"انکل صبر کریں۔۔۔"

اس کا باپ ڈھے سا گیا تھا اور خود میں دیوار سے جا لگا اس تلخ سچ کو پینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی وقت حکومتی نمائندہ آیا تھا اس دھماکے میں ہر مرنے والے کو تین تین لاکھ کی گرانٹ دی جائے گی' میں نے دکھ سے سوچا تھا اس کی آرزو مندی اس کی موت بن گئی تھی۔

مگر وہ پھر بھی اپنے گھر والوں کو بہت کچھ دے گیا تھا' عامر نڈھال تھا تب اس کے نمبر پر کال آئی تھی اس کے چہرے کا جوش زندگی میں سمجھ نہیں پایا۔

"وہ اسی اسپتال میں ہے ابا۔۔۔" وہ بھاگا تھا ہم دونوں بوڑھے اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔

وہ زخمی تھا اس کی مرہم پٹی ہو رہی تھی شاید دو تین مہینے لگنے تھے اسے صحت یاب ہونے میں مگر اس کے باپ کے چہرے کا دکھ۔

"اب میری بیٹی کی شادی کیسے ہوگی' جمیل صاحب اب میری بیٹی کی شادی۔۔۔" اس کا باپ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا اور میں سکتے کی کیفیت میں آفاق کو دیکھ رہا تھا' باپ کا جملہ اس نے پتا نہیں سنا تھا یا نہیں مگر اس کی آنکھوں کا سمندر جوار بھاٹے اٹھا رہا تھا۔

عامر اس کی خیریت پوچھ رہا تھا اور مجھ میں اس کے باپ کا بس ایک جملہ گونج رہا تھا۔

"اب میری بیٹی کی شادی کیسے ہوگی جمیل صاحب اب میری بیٹی کی شادی۔۔۔؟"

کراچی بہت سے دکھوں کی طرح شاید اسے بھی پی جائے مگر میرا دل آج بھی اس جملے میں چھپی ہوئی بے بسی پر کانپ اٹھتا ہے۔

کیا ایسا آپ کے دل کے ساتھ ہوتا ہے۔۔۔؟؟؟

☆ ☆

راشدہ علی

ہوٹل کا مالک پوری قوت سے چلایا مگر دونوں فریقین پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ اس افراتفری کے عالم میں اس کی آواز کون سن سکتا تھا۔ توڑ پھوڑ، شور، چیخ و پکار سے ماحول گرج رہا تھا۔ ہوٹل کا نہ صرف پورا عملہ ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں موجود تھا بلکہ ہوٹل میں موجود ہر فرد یہ تماشا دیکھ رہا تھا ان سب کے چہروں پر تجسس کے علاوہ سنسناہٹ بھی تھی۔ ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں جمگھٹا لگا ہوا تھا۔ جس کے عین وسط میں ایک سیاہ فام اور سفید فام آپس میں گتھم گتھا تھے۔ میزیں الٹی پڑی تھیں کانچ کے برتن فرش پر چکنا چور تھے۔ ہوٹل کا مالک ان کی منت سماجت کر رہا تھا۔

نالہ و لیلیٰ

"کیا کر رہے ہو؟ دیکھو جانے دو، ہوا کیا ہے؟ کچھ بتاؤ بھی جو بھی مسئلہ ہے اسے بیٹھ کر سلجھایا جا سکتا ہے، چھوڑو۔۔۔" اس نے دونوں کو علیحدہ کرنا چاہا جنہوں نے ایک دوسرے کے گریبان پکڑ رکھے تھے اور گالیاں بک رہے تھے۔ ان کے چہرے تمتما رہے تھے۔ ہوٹل کے مالک کی یہ کوشش بھی ناکام گئی ایک نے اپنے بازو سے زور سے دھکا دیا وہ لڑکھڑا گیا۔ ہوٹل کے اندر سے کچھ لوگ نکل آئے تھے اور کچھ ٹیرس کی گرل سے جھک کر دیکھ رہے تھے۔ وہ ان سب سے الگ تھلگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

وہ تیرہ سال کا دبلا پتلا لڑکا تھا۔ اپنی لائف میں فرسٹ ٹائم وہ اس سچویشن کا سامنا کر رہا تھا۔ اس کی رنگت خطرناک حد تک زرد پڑ چکی تھی۔

لڑائی اس کے والدین میں بھی ہوتی تھی مگر۔۔۔ اتنی شدید نہیں۔ خوف سے اس کی گھگھی بندھ گئی۔ دونوں کسی طور مالک کے قابو نہیں آ رہے تھے۔ اب دونوں میں ہاتھا پائی شروع ہو چکی تھی۔ اس سے پہلے کہ ہوٹل کا مالک پولیس کو کال کرتا سیاہ فام نے اپنی پتلون کی نیفے سے چاقو نکالا اور سفید فام لڑکے کو گھونپ دیا۔ پورے کمپاؤنڈ میں سناٹا چھا گیا۔ ہر کوئی آنکھیں پھاڑے ششدر سا کھڑا تھا۔ اتنے میں پولیس بھی پہنچ گئی۔ اس لڑکے کی آنکھیں پوری طرح پھیل گئیں۔ اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھا تھا۔

وہ پہلے بھی بہادر نہیں تھا اب تو صورت حال ایسی تھی کہ ہوٹل میں موجود ہر شخص خوفزدہ تھا۔ وہ تو پھر کمزور وجود۔۔۔ کمزور دل کا مالک تھا۔ اس کا دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا کہ وہ اپنی دھڑکن اپنے کانوں سے سن سکتا تھا۔ پولیس انویسٹی گیشن کر رہی تھی ہر سو بھانت بھانت کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اس کے عین سامنے سفید فام کی خون میں لت پت لاش پڑی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ پورے قد سے گرتا اچانک ایک ویٹر جس سے اس کی کچھ شناسائی تھی وہ تین لوگوں کو چیرتا اس تک پہنچا اور اسے گھسیٹتا ہوا کچن میں لایا اور وہاں رکھی کرسی پر بٹھا دیا۔ اسی ویٹر نے اسے پانی پلایا تھا جسے وہ غٹاغٹ پی گیا۔ وہ گلاس کو رکھ کر تیزی سے کچن سے نکل گیا۔ باہر سے آوازیں اب بھی آ رہی تھیں۔ وہ خوفزدہ تو اب بھی تھا مگر دل کی دھڑکن کچھ نارمل ہوئی تھی۔ اس کی شرٹ پسینے میں بھیگی ہوئی تھی۔ اور لاش اس کے ذہن کے پردے پر ابھی تک پڑی ہوئی تھی۔

وہ پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے اس کا انتظار کر رہا تھا اور وہ تھی کہ آنے کا نام نہیں لے رہی تھی وہ پہلے سیڑھیوں پر بیٹھ کر اس کا انتظار کر رہا تھا پھر تھک کر یونیورسٹی کے گراؤنڈ میں ٹہلنے لگا کوئی پچاس چکر لگا چکا تھا اب تو ٹانگیں بھی جواب دینے لگیں۔ اس نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا سوا نو ہو چکے تھے۔ وہ تنگ آ کر اندر جا ہی رہا تھا جب وہ ہنستی مسکراتی دور سے نظر آ گئی۔ پنک ڈریس میں ملبوس وہ ہاتھ میں پکڑے بیگ کو اسٹائل سے پکڑ کر یہاں وہاں جھلاتی چلی آ رہی تھی۔ دو منٹ میں وہ اس کے سامنے تھی۔

"ہائے"

"کہاں تھیں تم!" وہ غصے سے اسے دیکھنے لگا۔

"ڈیٹ پہ"

"شرم نہیں آتی"

"آتی ہے کیوں نہیں آتی" وہ کندھے پر جھولتے دوپٹے کا پلو دانتوں میں دبا کر شرمانے کی ایکٹنگ کرنے لگی۔

"میں یہ والا شرمانا نہیں کہہ رہا" وہ جھنجلا گیا۔

"لو تو پھر شرماتے کیسے ہیں، میں نے تو کڑیوں (لڑکیوں) کو ہمیشہ ایسے ہی شرماتے دیکھا ہے۔" وہ مزے سے بولی۔

"شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے تمہارے لیے"

"شرم سے کوئی مرا بھی ہے حیرت ہے، فرسٹ ٹائم سن رہی ہوں میں"

"میشا"

"جی فرمائیے"

"تم بہت خراب لڑکی ہو"

"تو" وہ ادائے بے نیازی سے بولی۔ وہ چلتے ہوئے اندر جا رہے تھے۔

"مگر کیا کروں یہ خراب، سلی گرل میری فرینڈ ہے"

"سچ سچ ترس آرہا ہے تم پر" وہ جیسے مزا لیتے ہوئے بولی۔

"ترس آتا تو جلدی آجاتیں"

"او کم آن حسنین! اب اتنی بھی لیٹ نہیں ہوں جتنا تم کہہ رہے ہو۔"

"اچھا سچ، سچ بتاؤ کہاں تھیں ابھی تک"

"سچ سچ" وہ اس کے سوال پر رکی

"بالکل سچ"

"تو سنیے حضور ہم گھر پر تھے اور بھائیوں کو زبردستی اسکول بھیج رہے تھے۔"

"لے دس اتنی سی بات" حسنین نے افسوس سے سر ہلایا۔

"یہ محض اتنی سی بات نہیں ہے، میرے بھائیوں کو اسکول بھیجنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے"

"بھائی کس کے ہیں آخر" حسنین کے کہنے پر وہ رک کر اسے گھورنے لگی جبکہ وہ کھل کر ہنسا۔

"ہنس کیوں رہے ہو؟"

"خفا خفا کتنی کیوٹ لگتی ہو" حسنین کو جیسے اسے تنگ کرنے کا موقع مل گیا۔

"اور ویسے"

"ویسے۔۔۔" وہ سر کھجائے مصنوعی انداز میں سوچنے لگا۔

"ویسے۔۔۔" وہ دوبارہ بولی۔

"وہ سامنے جو آنٹی کھڑی ہیں، اس کی طرح" میشا سامنے کھڑی کام والی ماسی کو دیکھ کر غش کھا گئی۔

"حسنین تم بہت برے ہو"

"اور تم بہت اچھی" دونوں کھل کر ہنس دیے۔ اور ڈیپارٹمنٹ میں داخل ہوگئے۔

وہ دونوں ایسے ہی تھے آپس میں چوبیس گھنٹے لڑتے رہتے مگر ایک دوسرے کے بغیر رہ نہ سکتے تھے دونوں چچا زاد تھے۔ حسنین کی والدہ میشا کی سگی خالہ بھی تھیں یوں دونوں کا رشتہ دہرا تھا۔ حسنین کی والدہ فاطمہ کے فقط دو بیٹے تھے۔ حسین اور حسنین، حسین بڑا تھا اور کسی ٹیکسٹائل کمپنی میں جاب کرتا تھا۔ اس سے چھوٹا حسنین ایم بی اے کر رہا تھا۔ وہ اپنے بھائی کی نسبت لاپروا اور شرارتی قسم کا لڑکا تھا ان کے واحد چچا اور واحد ہی خالا کی ایک بیٹی اور دو بیٹے تھے۔ میشا بڑی تھی جبکہ اس کے دونوں بھائی اس سے بہت چھوٹے تھے۔ ایک آٹھ سال کا اور ایک بارہ سال کا۔

میشا بہت شوخ و چنچل لڑکی تھی۔ اس کی اور حسنین کی بہت گہری دوستی تھی اس کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ میشا حاضر جواب اور ہر کسی کے ساتھ فری ہوجانے والی تھی تو یہی خصوصیات حسنین میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ میشا فزکس میں ماسٹرز کر رہی تھی جبکہ حسنین ایم بی اے۔ گھر میں ہم عمر ہونے کی وجہ سے دونوں کی خوب بنتی تھی سچ تو یہ تھا کہ گھر میں رونق ہی ان کے دم سے تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے جلدی جلدی برتن دھوتے ایک نظر سنک پر ڈالی وہاں برتنوں کا انبار موجود تھا۔ وہ جتنے برتن دھوتا

اس سے دگنے آن موجود ہوتے۔ ہوٹل کی گہما گہمی اس وقت عروج پر ہوتی تھی رات کو اس وقت امیر کبیر لوگ عیاشی کے لیے اس ہوٹل میں آتے تھے۔ جہاں بیسمنٹ میں ہر طرح کی عیاشی کا سامان موجود تھا۔ ہوٹل کا مالک بہت کرپٹ انسان تھا اپنے معاملوں میں وہ اتنا ہوشیار تھا کہ کوئی اسے پکڑ نہ سکتا تھا ہمیشہ وہ صاف بچ جاتا۔ دوسرا یہ دنیا کے ترقی یافتہ ملک کا ماڈرن علاقہ تھا یہاں یہ سب جائز تھا۔ یہاں ہر قسم کی خواتین بھی آتی تھیں برطانوی، ہسپانوی، فرانسیسی سرخ بالوں والی وغیرہ۔

وہ دن ڈھلائی سے رات دس بجے تک ہوٹل میں کام کرتا تھا۔ وہ صرف بارہ سال کا تھا جب فرسٹ ٹائم اس نے کام شروع کیا تھا۔ وہ چیزیں صاف کرتا تھا تھوڑا بڑا ہونے پر اسے برتن دھونے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ اب بھی وہ زیادہ بڑا نہیں تھا محض تیرہ سال کا تھا مگر دبلی پتلی ٹانگوں اور بازوؤں کی وجہ سے وہ زیادہ چھوٹا لگتا البتہ اس کا قد لمبا تھا۔ وہ بہت بدصورت تھا یہ وہ واحد صفت تھی جسے وہ اچھی طرح سے جانتا تھا۔ جب وہ چھوٹا سا تھا تب سے وہ لوگوں سے اپنی بدصورتی کے متعلق اتنا سن چکا تھا کہ اب اسے عجیب نہیں لگتا تھا حالانکہ اس کے والدین تک اس کی بدصورتی سے نالاں تھے۔ وہ سیاہ فام تھا اس کی والدہ سیاہ فام تھیں اور باپ ایشین۔

اس کا باپ پاکستانی اور مسلمان تھا۔ وہ تین بہنوں اور چار بھائیوں میں پانچویں نمبر پر تھا عثمان مرزا۔ وہ پڑھنے کے لیے انگلینڈ آگیا تھا۔ پڑھائی تو بہانہ تھی دراصل وہ یہاں اسٹیبلش ہونا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا پاکستان میں وہ کچھ نہیں کرسکتا مگر یہاں کا شہری (Citizen) کہلانے کے لیے اسے یہاں کی کسی لڑکی کی تلاش تھی اور اس کی تلاش ایمی نارڈیو پر ختم ہوئی۔

ایمی گو سیاہ فام تھی مگر وہ دوسرے حبشیوں کی نسبت بہت خوبصورت تھی۔ لچکدار بل کھاتا جسم اور سلکی بال تو اسے منفرد بناتے ہی تھے مگر اس کی سب سے خوبصورت چیز کھڑی ستواں ناک تھی۔ دوسرے حبشیوں کی طرح پھیلی ہوئی نہیں تھی اگرچہ وہ حبشی ہی تھی مگر چست لباس میں ملبوس، کھلے بالوں کے ساتھ ستواں ناک اسے دلکش عورت بناتی تھی۔

عثمان مرزا میں اور کچھ نہیں تو خوب صورتی تو تھی جسے اس نے نہایت خوب صورتی سے کیش کیا تھا۔ ایمی اس کی دلکش شخصیت سے ہی متاثر ہوئی تھی۔ مضبوط کلائیاں، کشادہ سینہ اور ماتھے پر پڑے گھنے بال ایمی اس پر تبھی تو فدا ہوئی تھی۔ دونوں نے جلد ہی شادی کرلی تھی۔ عثمان مرزا کو جیسے گوہر مقصود مل گیا۔

وہ ایمی کی ہر بات مانتا تھا اور اسے بہت محبت کرتا تھا تاکہ ایمی اسے ویزا لگادے۔ اس کا ویزا ختم ہونے والا تھا اور اس کے پاس چار پانچ ہزار پونڈز نہیں تھے کہ وہ بروقت ویزا بڑھا سکتا۔ ایمی نے متاثر ہو کر اسے دس سال کا ویزا لگادیا تھا۔ وہ بھی اس سے بہت محبت کرتی تھی مگر ان دونوں کی شادی محض چار سال تک ہی نبھ سکی تھی۔

احد مرزا کی پیدائش دونوں میاں بیوی کے لیے ناخوشگوار تھی وہ دونوں اسے رکھنے کو رضامند نہ تھے۔ ایمی علیحدگی کے بعد لندن سے برمنگھم چلی گئی تو عثمان مرزا اسے لے کر اسکاٹ لینڈ آگیا۔ انگلینڈ کا سب سے مہذب، ماڈرن علاقہ تھا یا اسے لگتا تھا۔ وہ احد کو رکھنے پر تیار نہ تھا مگر مجبوری تھی وہ بہت چھوٹا تھا تین سال کا۔

جب وہ پانچ سال کا تھا تو عثمان مرزا پاکستان گیا۔ واپس وہ چھ ماہ بعد آیا اور بہت خوش تھا۔ اس کے والدین نے پاکستان میں اس کی دوسری شادی کردی تھی۔ وہ جلد ہی اپنی بیوی کو لانا چاہتا تھا اور اس سلسلے میں تگ و دو میں مصروف تھا اور وہ احد سے بھی چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔

اگلے چھ ماہ میں عثمان مرزا کی بیوی انگلینڈ آگئی تھی، ارسہ عثمان مرزا۔ احد ساڑھے چھ سال کا ہو رہا تھا اس کے سمجھنے کی حس بہت تیز تھی۔ اس کی شخصیت میں جو واحد خوبی تھی وہ یہ تھی کہ وہ بہت ذہین تھا۔ وہ بہت

کم پڑھتا تھا مگر رزلٹ اچھا آتا تھا۔ عثمان نے تنگ آکر ہی اسے اسکول میں داخل کیا تھا ورنہ اس کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

عثمان مرزا کی بیوی بہت خوبصورت اور کم عمر تھی۔ وہ قدرے فربہ اور بہت اچھی لڑکی تھی۔ روایتی ماؤں کی طرح اس سے انتقامی رویہ نہ رکھتی تھی۔ بلکہ وہ تو امی سے بھی خوش دلی سے ملی تھی۔ ارسہ کا رویہ احد کے ساتھ دیکھ کر عثمان پرسکون ہوگیا تھا۔ اس نے اپنا گاڑیوں کا بزنس شروع کر دیا اور شروع میں ہی اسے بہت منافع ہوا تھا۔

احد آٹھ سال کا تھا جب اس کا بھائی سلمان مرزا پیدا ہوا۔ وہ بہت خوبصورت تھا اپنی ماں کی طرح۔ وہ احد کو بہت اچھا لگتا تھا وہ اس سے کھیلنا چاہتا تھا باتیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ ڈرتا تھا اپنے باپ سے۔ جس کا رویہ اس کے ساتھ بہت ہتک آمیز تھا۔ وہ بہت چھوٹی عمر میں ان کا رویہ محسوس کرنے لگا تھا۔ جیسے تیسے وہ زندگی گزار رہا تھا۔ وہ بہت کم گو اور ڈرپوک قسم کا لڑکا تھا۔ اعتماد سے عاری اور احساس کمتری کا شکار۔ وہ جب بارہ سال کا تھا تو اس کا دوسرا بھائی پیدا ہوا سلمان چار سال کا ہو چکا تھا۔ وہ بہت تیز اور شرارتی تھا۔ اکثر اسے بھی تنگ کرتا رہتا تھا۔ ارسلان مرزا کی پیدائش کے بعد دنیا اس پر اس طرح تنگ ہوگی وہ جانتا نہ تھا۔

ارسلان دو ماہ کا تھا جب ارسہ ماما کے کچن میں جانے پر احد نے جلدی سے اسے اپنے کمزور ہاتھوں میں اٹھا لیا۔ بچہ چیخ چیخ کر رونے لگا۔ وہ گھبرا گیا اس نے ڈرتے ڈرتے کچن کی طرف دیکھا جہاں سے عجلت میں ارسہ آرہی تھی وہ حواس باختہ ہوگیا اسے کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔ خوفزدہ انداز میں اس نے ارسلان کو بستر پر ڈالنا چاہا مگر۔۔۔۔ وہ اسے بستر پر ڈال نہ سکا بلکہ بستر کے کنارے ڈالا ارسلان بستر کے کنارے سے ٹکرا کر نیچے گر پڑا۔ ارسہ نے جھپٹ کر اسے اٹھایا تھا۔ اسی وقت عثمان مرزا دوڑتے ہوئے آئے اور ایک زور کا تھپڑ اسے رسید کیا۔ احد ہکا بکا انہیں تکنے لگا وہ کچھ کہنے کے قابل نہ رہا تھا عثمان مرزا اسے گالیاں دے رہے تھے پھر اس کی ماں کو دینے لگے۔ ارسہ روتے ہوئے ارسلان کو کندھے سے لگائے تھکائے ہوئے ٹہل رہی تھی۔ عثمان شاید اپنے لاڈلے کا دکھ برداشت نہ کر سکے اور اپنی برسوں کی خواہش کو عملی جامہ پہنا دیا وہ اسے گھر سے نکل جانے کا کہہ رہے تھے۔ وہ یہاں سے جانا نہیں چاہتا تھا کتنی منتیں کی تھیں اس نے ڈیڈی کی مگر انہوں نے ایک نہ سنی اور اسے بازو سے پکڑ کر باہر کی جانب دھکیل دیا۔ وہ انہیں اصل بات بتانا چاہتا تھا مگر خوف سے اس کی گھگھی بندھ گئی۔ وہ یہ بھی جان گیا تھا کہ اب عثمان اس کی ایک نہ سنیں گے۔

تبھی مختصر سا سامان بیگ میں پیک کر کے وہ سست روی سے بیرونی گیٹ کی جانب بڑھا تھا۔ جاتے وقت ایک نظر پر امید انداز میں ارسہ کی طرف دیکھا اسے امید تھی وہ اسے روک لیں گی مگر شاید اب وہ بھی تنگ آچکی تھیں انہوں نے اس سے رخ موڑ لیا۔ سسکتے ہوئے اس نے اس گھر کی دہلیز پار کرلی جس میں اس کے بارہ سال گزرے تھے۔ وہ وہاں سے آنے کے بعد بہت رویا تھا شاید زندگی میں پہلی بار اتنی شدت سے رویا تھا۔ اس نے وہ رات مون ہوٹل کی ریسپشن کے ساتھ بنی جگہ پر بیٹھ کر گزاری تھی۔ ہوٹل کے منیجر نے جان بوجھ کر اسے کچھ نہ کہا تھا۔ وہ بہت جہاں دیدہ تھا۔ اس قسم کے بچوں کو وہ جانتا تھا اور ان سے خوب فائدہ اٹھاتا تھا۔ ہوٹل کے مالک نے اگلی صبح اسے ہوٹل میں رہنے کی جگہ اس شرط پر دی کہ وہ ٹیبلیں صاف کرے گا یوں وہ اس ہوٹل کا ٹیبل مین بن گیا۔ وہ پانچویں جماعت میں تھا۔ وہ جانتا تھا پڑھائی کی کتنی امپورٹنس ہے۔ اگر وہ کچھ بننا چاہتا ہے تو صرف پڑھائی واحد ذریعہ ہے۔

اس نے ایک ہفتے کے بعد ہوٹل کے مالک سے ریکویسٹ کر کے دوبارہ اسکول جانا شروع کر دیا تھا۔ اب وہ چھٹی کلاس میں تھا تو ہوٹل کے مالک نے اسے برتن دھونے کا کام سونپ دیا تھا۔ اب بھی وہ دھڑا دھڑ برتن دھو رہا تھا۔ تھکن نے بدن چور چور کر دیا مگر ابھی دو گھنٹے مزید باقی تھے۔ وہ دس بجے کے بعد دو گھنٹے پڑھتا تھا پھر

بارہ بجے سوتا تھا۔ اس نے بے بسی سے بلیو سوٹ میں ملبوس اس ویٹر کو دیکھا جو برتنوں کا ایک اور ڈھیر سنک میں بھر رہا ہے وہ پھر سر جھکا کر برتن دھونے لگا۔

اتنی سی عمر میں وہ اتنا تو جان گیا تھا انگلینڈ جیسے ملک میں مقام بنانا بہت مشکل کام ہے۔ اس نے اکثر دیکھا تھا پاکستان سے آئے پڑھے لکھے لڑکے ہوٹل میں کام کرتے تھے۔ انگلینڈ میں یہ سب سے آسان کام تھا جس کے بہت پیسے ملتے تھے۔ وہ خود ایک سو نوے پونڈ لیتا تھا ہفتہ وار جس میں سے پڑھائی پر خرچ کرنے کے بعد وہ کچھ نہ کچھ پس انداز کرتا رہتا تھا۔ اسی ہوٹل میں ایک پاکستانی لڑکا تھا اس نے کیمسٹری میں ایم ایس سی کر رکھا تھا وہ اپنے کالج کا بہترین اسٹوڈنٹ تھا مگر وہ انگلینڈ میں اس مون ہوٹل میں کھانا پکاتا تھا وہ بھی یہاں پڑھنے کے لیے آیا تھا۔ اس نے سر جھٹک کر برتنوں کو دھویا پھر شیلف پر ترتیب دینے لگا اور اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد باہر آگیا تھا۔

ریسپشن کے ساتھ نیچے بنی جگہ پر وہ پرسکون انداز میں بیٹھ گیا۔ ہوٹل کے ایک بیرے کے ساتھ مل کر اس نے بچا کھچا کھانا کھایا تھا۔ اس دوران وہ گاہے بگاہے ادر گرد لوگوں پر بھی نگاہ ڈال لیتا۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ اے کاش وہ بھی ان کی طرح ہوتا۔ آزاد، بے فکر اور میز کرسی پر بیٹھ کر مزے سے آرڈر دیتا۔ ابھی وہ محض ایسا سوچ سکتا تھا۔ اس خواب کو پورا کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ اسے انتظار تھا اس وقت کا جب وہ خود مختار ہوگا۔ اس نے اپنے سامنے کرسی پر بیٹھے شخص کو دیکھا جو کرسی کی پشت سے کمر ٹکائے سگار کے کش پہ کش لے رہا تھا۔ اس وقت وہ اس شخص پر بہت رشک محسوس کر رہا تھا پندرہ منٹ بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ رات کے دس بج کر بیس منٹ ہوگئے تھے۔ اسے ابھی پڑھنا تھا وہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

☆ ☆ ☆
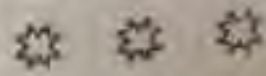
جب سے اس نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا وہ اس لڑکے کو روزانہ فزکس ڈیپارٹمنٹ کے سامنے کھڑا دیکھتی تھی یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی مگر مسلسل پانچ ماہ سے وہ نہ صرف کھڑا ہوتا بلکہ اسے گھورتا بھی رہتا تھا۔ اس نے نظر انداز کرنا چاہا مگر دیگر کلاس فیلوز نے جب اس لڑکے کے بارے میں پوچھا تو وہ ٹھنک گئی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کی جانب متوجہ ہو ہی جاتی تھی۔ وہ اس لڑکے کے متعلق صرف اتنا جان پائی تھی کہ وہ حسنین کے ساتھ ایم بی اے کر رہا ہے۔ حسنین بھی توجہ دینے پر مجبور ہوا تھا۔ اور اس وقت بھی وہ ڈیپارٹمنٹ کے باہر کھڑا تھا اور حسب معمول بیشا کو دیکھ چکنے کے بعد چلا گیا تھا جبکہ وہ ایک مرتبہ پھر اس کے متعلق سوچتے ہوئے الجھن بھرے انداز میں ڈیپارٹمنٹ میں داخل ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس نے تھکے تھکے انداز میں بیڈ روم میں قدم رکھا تو ایک خوشگوار احساس اس کے رگ و پے میں سرائیت کر گیا۔ وہ شروع سے ہی نفاست پسند تھی اور صفائی اس کے اعصاب پر اچھا اثر ڈالتی تھی۔ اس وقت بھی کمرے کی صفائی نے اس کی تھکن اور تنے ہوئے اعصاب کو کسی حد تک کم کر دیا۔

اسی تھکے تھکے انداز میں اس نے ہینڈ بیگ بیڈ پر رکھا اور خود بیڈ پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگی۔ جوتوں کو ان کے ریک میں رکھ کر وہ واش روم میں چلی گئی۔ کتنی ہی دیر وہ شاور کے نیچے کھڑی رہی۔ ٹھنڈے یخ پانی نے اس کی تھکن بہا دی۔ تولیے سے سر رگڑتی وہ واش روم سے نکلی اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر بال سلجھانے لگی برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر وہ دوبارہ بیڈ کی جانب آئی۔ بیڈ پر پڑے موبائل کو اٹھا کر چارجنگ پر لگایا۔ وہ اب آرام کرنا چاہتی تھی۔ یونیورسٹی سے آنے کے بعد وہ دو گھنٹے ضرور آرام کرتی تھی۔

اب بھی وہ سونے کے ارادے سے سائیڈ ونڈو کے پردے برابر کرنے کے لیے آگے بڑھی جب اسے ٹھٹک جانا پڑا۔ سائیڈ ٹیبل پر پڑے پھولوں کو اس نے

تعجب سے دیکھا۔

"وائیٹ روز۔۔۔ سفید پھول۔۔۔ کون بھیج سکتا ہے؟"

اس نے خود کلامی کی۔ ٹیبل پر ایک کارڈ بھی پڑا ہوا تھا جسے اٹھا کر اس نے کھول لیا۔ اس نے الجھن بھرے انداز میں تحریر پڑھی۔ لکھائی کسی انجان شخص کی تھی۔ کس کی؟ یہ وہ نہیں جانتی تھی۔ گھر میں موجود ہر فرد کی رائٹنگ وہ بخوبی پہچانتی تھی۔ پھر۔۔۔ وائٹ روز۔۔۔ انتظار کی علامت۔

"حیرت ہے کون بھیج سکتا ہے" وہ بڑبڑائی۔ پردے برابر کرکے وہ بیڈ پر لیٹ گئی۔ سفید پھولوں کا گلدستہ اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ آج تک کسی نے اسے پھول نہیں دیے تھے ہمیشہ مادی اشیاء کا تبادلہ کیا جاتا۔ گلدستہ اس نے اپنے بائیں جانب رکھ دیا۔ پھر کسی وقت پر چھوڑ کر سونے کی کوشش کرنے لگی وہ اتنی تھکی ہوئی تھی کہ دس منٹ میں ہی سو گئی۔ سفید پھول اب بھی اس کے بائیں جانب پڑے تھے۔

☼ ☼ ☼

آج اتوار کا دن تھا اس کی واحد چھٹی کا دن۔ اسکول اور کام دونوں سے چھٹی کا دن۔ وہ اس دن کچھ بھی اسپیشل نہیں کرتا تھا سرونٹ کوارٹر میں بیٹھ کر پڑھائی کرتا پھر باہر نکل جاتا۔ عام دن اس کی دو ہی مصروفیات ہوتی تھیں پڑھائی اور کام مگر وہ سنڈے کو اسکاٹ لینڈ کے اس سرسبز و شاداب حصے میں ضرور آتا جو ہوٹل سے پندرہ منٹ کے فاصلے پر تھا وہ یہ فاصلہ پیدل طے کرتا۔ وہ پیسے بچانا چاہتا تھا۔ اور کسی حد تک اپنی اس کوشش میں وہ اب تک کامیاب رہا تھا۔ وہ چونکہ ہوٹل کے سرونٹ رومز میں سے ایک روم میں رہتا تھا جہاں اس کے ساتھ دو ملازم کمرہ شیئر کرتے تھے۔ کھانا پینا بھی مفت تھا۔ پڑھائی پر رقم صرف ہوتی تھی۔ اسکول کی فیس اور دیگر اخراجات کے لیے ہی تو وہ اتنی محنت کرتا تھا۔

پورا ہفتہ کام کرنے کے بعد اتوار اس کے لیے فراغت لاتا تھا۔ کبھی کبھار اگر اسے پیسوں کی ضرورت پڑتی تو وہ سنڈے کو بھی ڈیوٹی دے دیتا۔ اس دن کے الگ سے پیسے دیے جاتے تھے بیس پونڈ۔ عام طور پر وہ سنڈے کو اس بلند و بالا بلڈنگ کے سامنے بنے ٹرائی اینگل فاؤنٹین کی تین چار سیڑھیوں میں سے ایک پر بیٹھ جاتا۔ فاؤنٹین سے مدھم آواز سے پانی گرتا تو اسے بہت اچھا لگتا۔ وہ تقریباً" ایک سال سے یہاں آرہا تھا۔ بہت کم دن ایسے تھے جب اس نے اس روٹین سے ناغہ کیا ہو اور حیرت کی بات یہ تھی کہ اسی فاؤنٹین کی سیڑھی پر ایک عورت بھی ایک سال سے آکر بیٹھ رہی تھی۔ وہ بھی اس کی طرح سیاہ فام تھی بھدے نقوش اور بے ڈول جسم کی مالک یہ عورت بھی شاید احساس تنہائی کا شکار تھی جس طرح وہ تھا۔ وہ ہر سنڈے کو اسے دیکھتا پھر سیڑھی پر بیٹھ کر اردگرد بھاگتے دوڑتے لوگوں کو دیکھتا رہتا۔ اتنی سی عمر میں اس نے ہر قسم کے لوگوں کو جانچ لیا تھا۔ امیر، غریب، خوبصورت، بدصورت، بے رحم، ہمدرد، مسکراتے، غصیلے حتیٰ کہ ہر قسم سے وہ متعارف ہو چکا تھا۔ یہاں بیٹھ کر جب وہ سوٹڈ بوٹڈ لوگوں کو بریف کیس پکڑے نفاست اور پروقار انداز میں چلتے اعلا گاڑیوں میں بیٹھتے دیکھتا تو بے اختیار ان جیسا بن جانے کی خواہش کرتا۔

آج بھی وہ اپنی مخصوص جگہ آکر بیٹھ گیا حسب عادت ایک نظر اس سیاہ فام عورت پر بھی ڈالی جو وہاں پہلے سے موجود تھی۔ دونوں ہاتھوں کے پیالوں میں چہرہ ٹکا کر وہ لوگوں کی حرکات و سکنات نوٹ کرنے لگا۔ وہ اسی طرح لوگوں کو دیکھنے میں مشغول تھا جب اسے عجیب سا احساس ہوا۔ اس نے گردن دائیں جانب موڑ کر اس عورت کو دیکھا جو رو رہی تھی۔ آنسو کی لڑیاں اس کے چہرے پر بہہ رہی تھیں۔ وہ حیرت کا شکار ہو گیا۔ وہ اسے افسردہ، غم زدہ اور پتھر کی طرح سرد تو دیکھتا تھا۔ مگر روتے ہوئے آج وہ پہلی بار اسے دیکھ رہا تھا۔ پورے سال میں ایسا پہلی بار ہوا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ تعجب کا شکار ہوا۔ وہ کچھ دیر تذبذب سے بیٹھا رہا پھر آہستگی سے اٹھا اور اس عورت کے ساتھ سیڑھی پر بیٹھ گیا۔ فاؤنٹین سے پانی گر رہا تھا۔ لوگ اسی طرح آجا رہے تھے ان میں سے کسی کو بھی اس روتی عورت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ یہ ترقی یافتہ ملک تھا جہاں زندگی مشین کی مانند تھی دوسرے کے لیے ٹائم نکالنا تقریباً" ناممکن تھا۔

"Excuse me maam! Every thing is all right" وہ اس سے مخاطب تھا۔

روتی ہوئی عورت نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر زور و شور سے رونا شروع کر دیا۔ اس کی آواز مزید بلند ہو گئی تھی۔ اردگرد لوگ رک کر انہیں دیکھ کر پھر گزر جاتے۔ کسی کے پاس رکنے کے لیے ٹائم نہیں تھا۔ وہ بہت زیادہ کنفیوز ہو چکا تھا۔ یہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا کہ وہ کیسے اس روتی عورت کو چپ کروائے جو اب ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ اس عورت نے گرے میلی سی اسکرٹ پہن رکھی تھی نیچے بلیک ٹاپ تھا۔ گلے میں براؤن مفلر تھا جس سے وہ وقتاً" فوقتاً" آنکھیں اور ناک پونچھ رہی تھی۔ بیس منٹ بعد وہ خود ہی چپ ہو گئی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"احد۔۔۔ احد مرزا"

"آ۔۔۔ حد۔۔۔" وہ چونکی "آر یو مسلم؟"

"یس" کچھ دیر وہ عورت چپ رہی تب ہی احد نے اس سے پوچھا۔

"وٹ از یور نیم؟"

"یو کین کال می ماما جینی' میرا نام جینفر واٹسن ہے"

"ماما جینی آپ رو کیوں رہی تھیں؟" اس کے پوچھنے پر وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

"روتے کیوں ہیں؟"

"آئی تھنک' جب تکلیف پہنچے"

"مثلاً"

"کوئی مارے' گھر سے نکال دے' فیل ہو جائے' بھوک لگے تو"

"بس"

"ہوں" وہ کیا کہتا' خاموش ہو گیا۔ وہ اپنی زندگی میں صرف ان موقعوں پر ہی رویا تھا اسے ماما جینفر سے بھی اس کی توقع تھی۔ اسے حیرت ہوئی تھی جب اس کی thoughts غلط ہوئی تھیں۔ اس نے ماما جینفر سے پوچھ بھی لیا تھا۔

"کیا آپ کے رونے کی اور کوئی وجہ ہے؟"

وجہ کیا ہو سکتی تھی۔ ماما جینی کی زرد گدلی آنکھیں اداس ہو گئیں۔ انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا جو حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کوئی اس کی طرح بھی ہو سکتا ہے۔ ماما جینفر شکل و صورت اور اپنے خدوخال سے اس کے جیسی تھیں البتہ وہ کچھ موٹی تھیں۔ کھنچی ہوئی آنکھیں' پھیلی ہوئی ناک' زرد دانت' پھیلا ہوا وجود اسے ایک نظر دیکھنے پر عجیب سا احساس ہوتا تھا۔ وہ خود بھی ایسا ہی تھا۔ موٹی موٹی پھٹی ہوئی آنکھیں' موٹے موٹے ہونٹ' نہایت کرلی بال' ایسا لگتا تھا گول گول سے کڑے کسی نے اس کے سر پر رکھ دیے ہوں نہایت دبلا پتلا جسم اور سب سے بڑی بدصورتی اس کے دانت تھے۔ باہر کو اتنے نکلے ہوئے تھے کہ منہ بند کرکے اوپر کے چار دانت نچلے ہونٹ کو ٹچ کرتے بولنے پر وہ بار بار نچلے ہونٹ کو چھوتے زرد دانت۔ اسے آج تک ہر کسی نے نفرت کی نظر سے دیکھا تھا۔ جس میں استہزا' طنز اور کراہیت نمایاں ہوتیں۔ ہر کسی کو اس سے گھن آتی تھی حتیٰ کہ ٹیچرز بھی اسے قابل نفرت گردانتے مگر اسے اب تک اسکول سے خارج نہیں کیا گیا یہ برطانوی رول کے خلاف تھا۔ اسے حیرت تھی ماما جینی کو ابھی اس سے گھن' کراہیت اور نفرت نہیں محسوس ہوئی کہ وہ اٹھ کر چل پڑتیں۔

"کون سی کلاس میں پڑھتے ہو؟" خاموشی کے ایک لمبے وقفے پر انہوں نے پوچھا۔

"سکس اسٹینڈرڈ میں ہوں"

"گڈ۔۔۔" انہوں نے ستائش سے اسے دیکھا۔

"پڑھنا ضرور' پڑھائی بہت اہم ہوتی ہے' بہت کام آتی ہے یہ" وہ سر ہلا کر سامنے دیکھنے لگا۔

پھر وہ ہر سنڈے کو ماما جینی کے سنگ سیڑھیوں پر بیٹھنے لگا۔ وہ آپس میں ہفتہ بھر کی باتیں، واقعات خیالات شیئر کیا کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ ماما جینی اسے اپنے متعلق بتانے لگیں۔ انہوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ دو بہنیں اور تین بھائی تھے۔ ماما جینی بچپن ہی سے موٹی تھیں۔ انہیں اس کی طرح اسکول پھر کالج، راہ میں، کسی تقریب میں کسی ہوٹل میں دھتکار دیا جاتا تھا۔ خصوصاً" گوریوں کی جانب سے۔ سیاہ فام لوگوں میں وہ کچھ معقول تھیں مگر اصل مسئلہ اس ہی کی طرح ان سفید فاموں کا تھا جو اس علاقے میں ان گنت موجود تھے۔ سیاہ فام کی تعداد تو کم تھی۔ ماما جینی نے اسے یہ بھی بتایا تھا کہ افریقہ میں عورت جتنی موٹی ہوتی اسے اتنا ہی پسند کیا جاتا۔ مگر یہ انگلینڈ تھا جہاں دبلی پتلی عورتوں کی اہمیت تھی۔ ماما جینی کی سیاہ فام لڑکیاں اور لڑکے دوست تھے مگر سفید فام نہیں۔ وہ انہیں کسی قابل ہی نہ گردانتے۔ انہوں نے ایک ایسے شخص سے شادی کی جو کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ مگر ماما جنیفر کو پسند تھا۔ شادی کے بعد ماما بہت خوش تھیں ان کا شوہر واٹسن ایزک انہیں بہت چاہتا تھا۔ وہ سفید فام تھا اور ایجڈ شخص تھا۔ ماما جینی کا ایک ہی بیٹا تھا۔ جیمز واٹسن۔ وہ بہت خراب اور کرپٹ شخص تھا۔ پچیس سال کی عمر میں بے حد شراب پینے اور اینٹی ڈرگز یوز کرنے کی وجہ سے ایک دن ہوٹل میں مردہ پایا گیا۔ یہ ایسا دکھ تھا جس نے ماما جینی کو توڑ دیا لیکن سب سے بڑا دھچکا انہیں اپنے شوہر کی موت کا لگا وہ صرف دو سال مزید جی سکا تھا اپنے بیٹے کی وفات کے بعد۔

ماما جینی سرکاری فلیٹ میں رہتی تھیں۔ وہ ایک کمپنی میں پیکنگ کرتی تھیں اور انہیں معقول معاوضہ ملتا تھا ان کے پاس پرانی سوزوکی ایف ایکس گاڑی تھی جس پر وہ ہر اتوار کو آتی تھیں۔ اسے ماما جینی کے متعلق اتنا ہی پتا چل سکا تھا۔ وہ دو تین مرتبہ ان کے فلیٹ بھی جا چکا تھا وہ اسے بہت اچھی لگی تھیں۔ وہ واحد خاتون تھیں جن کا رویہ اس کے ساتھ بہت اچھا تھا محبت اور شفقت بھرا اس نے انہیں اپنے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا۔ ان کی ہمدردی اور محبت میں مزید اضافہ ہوا۔ اب وہ ہر سنڈے کو کچھ نہ کچھ کھانے کے لیے لے آتیں۔ وہ خود بنا کر لاتی تھیں اسی لیے وہ بہت شوق سے ان کے ہاتھ کے بنے کھانے کھاتا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اسے ماما جینی کی عادت پڑ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ایک کے بعد دوسرا جوتا بدلتے وہ قطعاً" بے زار نہیں ہوئی تھی۔ وہ ایسی ہی تھی شاپنگ کے معاملے میں کریزی۔ چن چن کر چیزیں پسند کرتی تھی۔ سنہری کلر کے سینڈل اس نے اب تک تین سپر مارکیٹس میں ڈھونڈے مگر مطلوبہ سینڈل میسر نہیں آسکا۔ اب وہ چوتھی دکان پر کھڑی جوتوں کے ڈبے اتروا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر تھکن کا ہلکا سا نشان بھی نہیں اسے ایک سینڈل پسند آہی گیا۔ اس کے سفید ملائم پاؤں میں وہ ایسے فٹ آگئے جیسے بنے ہی اس کے لیے ہوں۔ مطلوبہ جوتے لے کر وہ پلٹی تو نگاہ اس لڑکی پر پڑی وہ اسے پچھلی دونوں مارکیٹوں میں جوتے خریدتے دیکھ چکی تھی شاید وہ بھی اس کی طرح تھی، چوزی۔

اب وہ جیولری شاپ پر کھڑی ہوگئی۔ یہاں پر بھی اس نے بہت ڈھونڈ کر جھمکوں کی ایک جوڑی خریدی تھی۔ سنہری جھمکوں پر گہرے سبز نگ جڑے تھے اس کے سوٹ سے ہو بہو میچ کرتے۔ خریداری کے بعد وہ سڑک کے پار دائیں جانب کافی شاپ میں آگئی۔ وہ کافی کا انتظار کر رہی تھی جب اسی لڑکی کو اپنی جانب آتے دیکھا۔ وہ اس کے قریب پہنچ چکی تھی۔

"ہیلو"

"ہائے" وہ جواباً" بولی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟" وہ شائستگی سے پوچھ رہی تھی۔ اس نے سر ہلا دیا۔ سفید اسکارف کے ہالے میں اس کی بے داغ جلد چمک رہی تھی۔ اس لڑکی کی آنکھوں اور چہرے پر بے پناہ شفافیت تھی وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی، اتنا خوبصورت چہرہ اس نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔

"میرا نام شنزا ہے"

"میشا"

"گڈ نیم" شنزا نے بے ساختہ تعریف کی۔ وہ بغور اسے دیکھنے لگی۔ ویٹر کافی لے آیا تھا ایک کپ مزید کافی کا آرڈر دے کر وہ شنزا کی طرف مڑی۔

"آپ کرتی کیا ہیں؟"

"اسکول ٹیچنگ اور آپ؟"

"اسٹوڈنٹ ۔۔۔ میں ایم ایس سی ان فزکس کر رہی ہوں"

"میں نے آپ کو پہلے بھی کبھی دیکھا ہے مگر یاد نہیں" شنزا مسکراتے ہوئے اسے بتا رہی تھی۔

"آپ بہت پیاری ہیں"

"شکریہ۔۔۔" شنزا اس کی بے ساختہ تعریف پر جھینپ گئی۔

"میں نے سوچا اکیلی ہوں کیوں نہ آپ کے ساتھ پی لوں آپ بھی تو اکیلی ہیں"

"ٹھیک سوچا آپ نے کافی اور چائے پارٹنر کے بغیر بے مزا ہوتی ہے"

"مجھے آپ کی آنکھیں بہت اچھی لگیں" میشا نے کافی کا گھونٹ بھر کر مگ میز پر رکھ دیا۔

"بہت سے لوگوں کو میری آنکھیں پسند آتی ہیں" اس نے دور سے ہاتھ ہلا کر ویٹر کو بلایا اور پے کرنے لگی۔ شنزا ابھی اپنا پرس کھول رہی تھی جب اس نے ٹوک دیا۔

"میں دے دوں گی"

"نہیں پلیز۔۔۔ میں اپنا بل خود دوں گی" میشا نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"آپ مہمان ہے اور ہمارے ہاں بل میزبان دیا کرتی ہے"

"لیکن۔۔۔" شنزا کے ہچکچانے پر اس نے دوبارہ اسے ٹوک دیا۔

"نو افس اینڈ بٹس پلیز"

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی" نرمی انداز میں وہ شنزا سے مصافحہ کرنے لگی۔

"مجھے بھی"

"اوکے سی یو گڈ لک بائے" بیگ اٹھا کر وہ بیرونی گیٹ کی جانب بڑھی۔ شنزا نے دور تک اسے دیکھا پھر کرسی پر بیٹھ گئی۔ میز پر رکھے بیگ سے فون نکال وہ کسی کو کال کرنے لگی۔

"ہاں مل لی میں میشا سے۔۔۔"

☼ ☼ ☼

ہاتھ میں پکڑی ٹرے کو احتیاط سے پکڑے وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترنے لگا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑی ٹرے میں "خاص" مشروب تھا۔ قدیم اور امپورٹنٹ جو خاص الخاص لوگوں کے لیے تھا۔ اسے خاص لوگوں تک ہی اسے پہنچانا تھا۔ ہوٹل مون کی زیر زمین منزل مخصوص طبقے کی تفریح گاہ تھی۔ کلب + میٹنگ پلیس + فاسٹ فوڈ + فن ۔۔۔ اسے عام طور پر بیسمنٹ کہا جاتا تھا۔ ایک وسیع و عریض نیچی چھت والی دیواریں گہرے نیلے، نارنجی اور سرخ رنگ کی تھیں۔ جن پر اسپاٹ لائٹس آڑی ترچھی پڑتی تھیں۔ Basment کے اندر جدید ترین ساؤنڈ سسٹم پر وائلڈ پاپ اور ایسٹرن میوزک گونجتی تھی۔ بیسمنٹ کے اندر ہی بائنگ ریلے تھی جہاں مقابلوں پر شرطیں لگائی جاتیں۔ ایک جانب اسٹیج پر نیم برہنہ لڑکیاں ڈانس کرتیں۔ وہ سیاہ سیلولیس ٹاپ پہنتی تھیں جو باریک اور ریشمی ڈوری سے گلے اور پشت پر بندھا ہوتا۔ یہ لباس ان کی جسم کے خدوخال چھپانے میں قطعاً" ناکام رہتا تھا۔ یہاں اعلا طبقے کے مرد اور عورتیں آتی تھیں۔ وہ ایشوریہ رائے جیسی ملکوتی حسن کی مالک ہوتیں اور حیوانی کشش رکھتی تھیں۔ وہ سترہ سال کا ہو چکا تھا۔ ابھی وہ میٹرک کا امتحان دے کر فارغ ہوا تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے نائیٹ میں بیسمنٹ کی ڈیوٹی بھی سنبھال لی تھی۔ اب وہ رات دو بجے تک کام کرتا تھا۔ اس کا واحد مقصد پڑھنا اور پیسہ کمانا تھا۔ پونڈز ۔۔۔ ڈھیروں پونڈز ۔۔۔ بانگ ریلے میں شارٹ لگاتے ان امیر

مردوں کو مشروب کے گلاس تھما کر وہ اس روم میں آگیا جہاں سے بیئر کے ٹن، وہسکی کے پیگ اور دوسری اعلا برانڈ کی شراب لوگوں تک پہنچائی جاتی تھی۔ یہاں لوگ اکثر اپنے غموں کو بھلانے کے لیے شراب کے ساتھ ٹرنکولائزر اور اینٹی ڈرگز یوز کرتے تھے۔ اینٹی ڈپریسٹ کو شرابوں کے ساتھ نگلنے کے بعد وہ کئی کئی گھنٹوں ہوش و خرد سے بے گانہ رہتے تھے۔

وہ ایک ماہ سے یہ مشکل ڈیوٹی سنبھالے ہوا تھا مگر مجبوری نے قدم جکڑ رکھے تھے۔ اسے کسی اچھے کالج میں داخلے کے لیے محنت کرنی تھی دن رات، ان تھک محنت، اور وہ کر رہا تھا۔ وہ اور لمبا ہو گیا اس عرصے میں اس میں اس کے علاوہ جو تبدیلی رونما ہوئی تھی وہ اس کی مسیں تھیں جو بھیگ رہی تھیں۔ وہ جوانی کی حدوں کو چھو رہا تھا۔ اس کا جسم بھی آہستہ آہستہ بھرنا شروع ہو چکا تھا۔ وہ اب ماما جینی کے ساتھ ان کے فلیٹ میں رہ رہا تھا۔ وہ پچھلے دو سالوں سے وہاں رہ رہا تھا۔ ماما جینی مزید بوڑھی ہو چکی تھیں انہوں نے اس کا ساتھ متعدد بار دیا تھا کبھی کتابیں خریدتے وقت، فیس بھرتے وقت بیماری میں خدمت کی تھی پھر انہوں نے اسے فلیٹ میں ایک کمرہ دے دیا تھا جہاں وہ یکسو ہو کر پڑھ سکتا تھا ہوٹل کی چہل پہل سے دور۔

جوں جوں وہ جوان ہوتا جا رہا تھا اپنی کم مائیگی کا احساس اور شدید ہو رہا تھا۔ اس دوران وہ اپنے والدین سے ایک مرتبہ بھی نہیں ملا تھا۔ ماں جانے کہاں تھی اور ڈیڈی۔۔۔ ان کے گھر جانے کی اب اس میں ہمت نہیں تھی۔ اب وہ خود مختار ہوتا جا رہا تھا اور باشعور بھی۔ جوان ہونے کے ساتھ اس نے اس کھلے ماحول کو دیکھا جہاں اس کی انجوائمنٹ کے لیے بہت کچھ تھا مگر وہ یہ سب افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔ ابھی اسے کیریئر بنانا تھا۔ اس قدر آزاد معاشرے میں رہنے کے باوجود وہ ان آلائشوں سے دور تھا۔ دو بجنے میں ابھی ایک گھنٹہ تھا وہ بری طرح تھک چکا تھا یہاں سے وہاں چکراتے، لوگوں کی بکواس سنتے اور ان کی نفرت، تمسخر سہتے اب وہ آرام کرنا چاہتا تھا مگر ابھی۔۔۔ اس نے ایک نظر سامنے ٹرے پر ڈالی پھر برا سا منہ بنا کر اٹھالی اور باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼
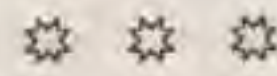
چائے کا کپ ہاتھ میں پکڑے وہ کمرے میں آئی تو نگاہ سیدھی سائیڈ ٹیبل پر پڑی وہاں پھر سفید پھول بمع کارڈ کے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے آگے بڑھ کر پہلے پھولوں کو اٹھا کر سونگھا پھر کارڈ کھول لیا۔

Love is the name of alter

"پیار قربانی کا دوسرا نام ہے" اتنی مختصر اور جامع تحریر۔ کون بھیج سکتا ہے؟ اس نے پھول اٹھا کر دوبارہ سونگھے۔ اسے سفید پھول پسند نہیں تھے حیرت تھی کس نے بھیجے ہوں گے۔ کون ہے جو اسے جانتا ہے۔ کیونکہ کارڈ کے اوپر واضح اس کا نام لکھا ہوا تھا البتہ لکھنے والے کا نام نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے میری کوئی دوست ہو اب بھی اس نے ان پھولوں کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی مگر پہلی مرتبہ وہ چونکی تب جب پورا ہفتہ مسلسل پھول اور کارڈز ملتے رہے مختلف تحریروں اور ایک ہی رائٹنگ میں۔ تب وہ دوسرے رخ پر سوچنے پر مجبور ہوئی تھی کہ کون ہے آخر، اتنی مستقل مزاجی سے پھول بھیجنے والا پھر اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی جب اگلے دو ہفتے مزید اسے خط ملتے رہے بمعہ سفید پھولوں کے۔ سفید پھول۔۔۔ آخر بھیجنے والا ظاہر کیا کرنا چاہتا یا چاہتی ہے ابھی تک وہ جنس کا تعین نہیں کر پائی تھی۔ یہ ایک معمہ تھا جو اسے حل کرنا تھا۔

☼ ☼ ☼
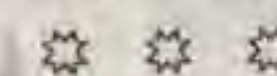
آج پھر سنڈے تھا۔ پڑھنے کے بعد کپڑے چینج کر کے وہ حسب معمول ماما جینی کو ناشتا کروا کر گھر کی صفائی کے بعد باہر نکل آیا۔ اب وہ اس فاؤنٹین کے پاس نہیں جاتا تھا۔ اب اس کی ذمہ داریاں بڑھ گئی تھیں۔ ماما جینی مزید بوڑھی اور بیمار ہو گئی تھیں۔ انہیں بظاہر تو کوئی خطرناک بیماری نہ تھی مگر بڑھاپا بذات خود ایک بیماری ہے۔ اسے ان کی خدمت کے لیے بہت وقت صرف کرنا پڑتا تھا۔ بڑھاپے میں بھی ان کا موٹاپا غضب کا تھا۔ ماما جینی کے لیے اس نے ایک میل نرس رکھ لی تھی جو ہمہ وقت ان کے پاس موجود ہوتی لیکن وہ صرف ماما جینی کے کام کرتی تھی۔

وہ انیس سال کا تھا اور ان سات آٹھ سالوں میں اس کی ملاقات اس کے والدین سے نہیں ہوئی تھی۔ ہاں۔۔۔ اپنے ڈیڈی کو اس نے ایک شاپنگ مال میں دیکھا تھا اپنے بڑے بیٹے کے ساتھ۔ ماں کہاں تھی؟ وہ نہیں جانتا تھا۔ البتہ کبھی کبھی والدین کی محبتوں سے محرومی کا احساس دل میں جاگزیں ہوتا تھا وہ والدین کی توجہ اور پیار کا ترسا ہوا تھا اور اس محبت کو وہ ہر جگہ، ہر شخص میں تلاش کرتا۔ یہ علیحدہ بات تھی کہ اسے اس کوشش میں محرومی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ماسوائے ماما جینی کے کسی نے اسے محبت اور شفقت کے قابل نہ گردانا۔ اس نے خود کو مزید مصروف کر لیا۔ وہ اس محرومی کے لیے اپنا مستقبل تیاگ نہیں سکتا تھا۔

وہ اب بھی اس ہوٹل میں کام کرتا تھا۔ اب وہ کھانا بناتا تھا وقت کے ساتھ اس نے کھانا پکانا سیکھ لیا تھا۔ وہ بہترین کک تھا جب ہی ہوٹل کے مالک نے اسے جانے نہیں دیا اور اس کی پے میں اضافہ کر دیا گیا تھا۔ اب وہ ہفتہ وار تین سو پونڈ کما لیتا تھا۔ وہ اس عرصے میں کچھ رقم پس انداز کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ ابھی بہت محنت درکار تھی۔ ہاتھ پتلون کی جیبوں میں پھنسائے بے فکر انداز میں چلتا ہوا ہمیشہ کی طرح ہوٹل آگیا۔ اب وہ سنڈے کو بھی کام کرنے لگا۔ وہ سنڈے کو کھانا بنانے کی بجائے ویٹر کا کام کرتا تھا۔ راستہ چلتے وہ بغور اب بھی لوگوں کے چہرے دیکھتا رہا۔ وہ لوگوں کے تاثرات پڑھنے کا اب عادی ہو چکا تھا۔ وہ چونکہ ہوٹل میں پچھلے سات آٹھ سالوں سے کام کر رہا تھا تو اسی لمبے عرصے میں وہ لوگوں کی مختلف قسموں سے متعارف ہو چکا تھا۔ ان میں سے وہ کسی سے شخصیت کے لحاظ سے متاثر نہیں تھا البتہ ان کے اسٹیٹس سے تھا۔

ہوٹل میں آکر ویٹروں کا مخصوص لباس پہن کر اس نے ہوٹل کے ہال میں جھانکا۔ وہاں صبح گیارہ بجے بھی کافی گہما گہمی تھی۔ اتوار کو لوگ رات گئے دیر سے سوتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی صبح دیر سے ہوتی۔

ایک ٹیبل کا آرڈر لے کر وہ ٹرے میں مطلوبہ مشروب کے گلاس رکھے دوبارہ ہال میں آگیا۔

وہ نفاست سے ٹرے پکڑے مطلوبہ ٹیبل کی جانب بڑھنے لگا تھا جب ٹھٹک گیا۔ اسے لگا تھا وقت تھم گیا ہو، ہر چیز ساکت و جامد ہو گئی ہو۔ اس نے بے یقینی سے اس عورت کو دیکھا جو اپنے ساتھ بیٹھے گورے سے باتوں میں مشغول تھی۔ دس بارہ سال گزرنے کے باوجود اس کے ننھے ذہن میں موجود ماں کی شبیہ آج سر عام آگئی تھی۔ شبیہ حقیقت کا روپ دھار کر سامنے تھی بے یقینی سے وہ آنکھیں پھاڑے اس عورت کو گھور رہا تھا۔ اسی وقت امی کے ساتھ موجود مرد کی نگاہ اس پر پڑی وہ اسے ایک ہی جگہ اسٹیچو بنا دیکھ کر حیران ہوا پھر اس کے چہرے پر ناگواری چھا گئی۔ امی نے اس شخص کی نظر کے تعاقب میں دیکھا۔ ناگواری کا ایک گہرا احساس اس کے رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ ان کے احساسات سے بے پروا وہ یک ٹک ماں کو دیکھنے لگا۔ وہ اب بھی ویسی ہی تھیں اسمارٹ اور ینگ۔۔۔ بے ساختہ دو تین قدم چل کر وہ ان کی ٹیبل پر پہنچا اس کے ہاتھ میں پکڑی ٹرے لرزنے لگی، ان پر پڑے کرسٹل کے نازک گلاس ڈول رہے تھے۔ اس نے ٹرے ان کے سامنے میز پر رکھ دی۔

"ماما" بمشکل سنسناتا ہوا اس کے لبوں سے نکلا۔

امی کے ماتھے پر ناگواری کی سلوٹیں نمودار ہو گئیں۔ وہ اسے پہچان چکی تھیں اور اس سے کسی قسم کا کوئی رشتہ نہیں چاہتی تھیں تب ہی سرد اور اجنبی انداز میں پوچھا۔

"کون؟"

"ماما۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔ احد آپ کا بیٹا" وہ ہکلا کر بولا۔

"پھر۔۔۔ کیا کروں میں۔۔۔ پلیز گو ناؤ" ماں کی نگاہوں کے سرد تاثر کو اس نے بے یقینی سے دیکھا۔

"سنا نہیں تم نے جاؤ۔۔۔ اس سے پہلے کہ۔۔۔" ماما کے ساتھ بیٹھے شخص نے دھمکی دی۔ وہ اسے نظر انداز کرتا ماما کو دیکھنے لگا۔

"پلیز ماما۔۔۔ میں احد ہوں۔۔۔ سمجھنے کی کوشش کریں۔۔۔ میں کب سے انتظار کر رہا تھا آپ کہاں تھیں؟" اس کے لہجے میں اسی طرح بے تابی تھی۔ اسے ٹکٹکی لگائے دیکھ کر اس نے زور سے دھاڑ دی۔

"آئی سے گو" اس کی آواز اتنی اونچی تھی کہ اردگرد کے لوگ متوجہ ہو گئے۔ ریسپشن پر مصروف منیجر دوڑتا ہوا آیا تھا۔

"اینی پرابلم میڈم"

"اسے کہو جائے یہاں سے" انہوں نے ناگواری سے اس کی جانب اشارہ کیا۔ منیجر نے حیرت سے اسے دیکھا۔ آج تک اس کی کوئی شکایت نہیں ملی تھی۔ وہ کم عمری سے ہی کافی سمجھا ہوا تھا۔

"کچھ کہہ دیا اس نے؟"

"میں نے کیا کہا ہے سنائی نہیں دیا آپ کو۔۔۔" اب کے وہ زور سے چلائی تو سچویشن دیکھتے ہوئے وہ اسے ہاتھ سے پکڑ کر لے جانے لگے۔

"مم۔۔۔ مگر۔۔۔ ما۔۔۔" اس کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے منیجر اسے اپنے ساتھ تقریباً "گھسیٹتا" ہوا ریسپشن کے ساتھ موجود کمرے میں لے گیا۔ وہ تب تک پلٹ پلٹ کر انہیں دیکھتا رہا جب تک دروازہ پیچھے بند نہیں ہو گیا۔

"کیا ہوا آ۔۔۔ حد کیا کہہ رہی تھی وہ عورت؟" کمرے میں آتے ہی منیجر نے پوچھا۔

"شی از مائی مدر" اس کے کہنے پر منیجر کچھ نہ بولا وہ شاید سمجھ گیا تھا۔

"تمہیں احتیاط کرنا چاہیے احد! اس طرح تمہاری ریپوٹیشن خراب ہو جائے گی آئندہ خیال رکھنا۔" وہ اسے سمجھاتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔ وہ ابھی تک بے یقینی کے حصار میں تھا۔ کوئی ماں یوں بھی کر سکتی ہے۔ وہ پچھلے آٹھ نو سالوں سے ان سے ملنے کی دعا کر رہا تھا اور وہ۔۔۔ انہیں شاید میں یاد بھی نہیں ورنہ وہ ایسا نہ کرتیں۔ وہ تو پاپا سے بھی زیادہ سخت نکلیں اور وہ شخص کون تھا شاید بوائے فرینڈ یا ہسبینڈ۔ اس کے دل کا بوجھ ایک دم بڑھ گیا تھا۔ امڈتے آنسوؤں کو اس نے ہاتھ کی پشت سے صاف کیا۔ اٹھ کر وہ کمرے کی کھڑکی میں آن کھڑا ہوا۔ سامنے ہی وہ عورت تھی جس نے اسے جنم دیا تھا اس کی ماں اس کی جنت مگر وہ جنت اس سے کتنی دور تھی۔ وہ کھڑکی میں کھڑا جانے کتنی دیر انہیں دیکھتا رہا۔

میں سویا نہیں ہوں مجھے سلا دو ماں
آجاؤ مجھے لوری سنا دو ماں
اشک میری آنکھوں میں جم سے گئے ہیں
کر کے جبر دل پر مجھے رلا دو ماں
دیکھو کتنی بے ترتیب ہو گئی ہے زندگی
بکھرے ہیں میرے بال بنا دو ماں
اک کرب سے آشنا رہتا ہوں ہر گھڑی
اس درد کا احساس مٹا دو ماں
بہت ڈر لگتا ہے مجھے دنیا سے
تم مجھے دنیا سے چھپا لو ماں
جل رہا ہوں میں ان دیکھی آگ میں
چوم کے میرا ماتھا آگ بجھا دو ماں

☆ ☆ ☆

چھٹی ہونے سے قبل اس نے حسنین کو مس کال دی۔ آج انہیں لنچ پر جانا تھا۔ کافی دنوں سے ارادہ بن رہا تھا آج کرنے کا دن تھا۔ وہ صبح ہی ماں کو کہہ آئی تھی آج حسنین کے ساتھ جانا ہے۔ اسکول کی چھٹی کے بعد وہ اچھی طرح اسکارف اوڑھ کر باہر نکلی۔ سامنے ہی حسنین کھڑا تھا اپنی سوک کے ساتھ ٹیک لگا کر۔ وہ اسے دیکھتی مسکراتی ہوئی آگے بڑھی۔

"کیسے ہو؟"

"ایک دم فرسٹ کلاس تم کیسی ہو؟" وہ بھی جواباً بولا۔

"فائن" گلابی شلوار قمیص کے اوپر ہم رنگ اسکارف باندھے وہ سادگی میں بھی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ وہ بے ساختہ مسکرایا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟ نظر لگانے کا ارادہ ہے کیا؟"

"آج تو لگتا ہے نظر لگ ہی جائے گی" اسے

نگاہوں کے حصار میں لیتا وہ شوخی سے بولا۔ اس کی نگاہیں خود پر جمی دیکھ کر وہ پزل ہو گئی۔ گلابی ڈریس میں رنگت بھی گلابیاں چھلکانے لگی۔ پلکیں رخسار پر رقص کرنے لگیں۔ حسنین نے دلچسپی سے یہ منظر دیکھا۔ وہ اسے تنگ کر کے یوں ہی لطف لیتا تھا۔ اس کا معصوم و دلکش سراپا اسے کسی اور دنیا کی باسی دکھاتا۔

"کیا کھاؤ گی؟" کارڈ کھولے وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

"جو تم کھاؤ" وہ برجستہ بولی پھر جھینپ گئی۔ حسنین نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔

"او کے چکن بریانی و چنا چاٹ کافی ہے نا شزا؟"

"ہاں۔۔۔ ٹھیک ہے" وہ اور کیا کہتی۔

"میں نے سوچا ہے بچ جائیں" وہ مزے سے بولا تو شزا اسے گھورنے لگی۔

"نہ نہ بابا! ایسے نہ گھورو جان نکل جائے گی۔" وہ ہنس کر بولا تو وہ بھی اس کے ساتھ ہنس پڑی۔

شزا پانچ بہن بھائیوں میں چوتھے نمبر پر تھی۔ وہ چوبیس سال کی حسین دوشیزہ تھی۔ ایک بہن سب سے بڑی تھیں عینی آپا جب وہ میٹرک میں تھی تب ان کی شادی ہو گئی تھی پھر دو بھائیوں کے بعد وہ تھی پھر ایک اور بھائی تھا۔ اس کے تینوں بھائی بھی شادی شدہ تھے اور اپنی لائف میں مگن تھے وہ علیحدہ رہتے تھے۔ شزا اپنے ماں باپ کے پاس رہتی تھی۔ اس نے بی اے کے بعد ایک پرائیویٹ اسکول میں جاب کر لی۔ گو تنخواہ کچھ کم تھی مگر گزارا اچھا ہو جاتا تھا۔ بھلا اس ایجوکیشن کے ساتھ وہ کسی آفس میں جاب کیسے کر سکتی تھی۔ وہ شروع ہی سے ذہین اور خوبصورت تھی اس کے اخلاق کردار اور ذہانت کی خاندان میں دھوم تھی کہ "لڑکی ہو تو شزا جیسی" اب تک کی اس کی زندگی بہت سادہ گزری تھی۔ اس میں ہل چل تب پڑی جب اس کی ملاقات حسنین سے ہوئی۔

حسنین نے اسے ایک مرتبہ برستی بارش میں لفٹ دی تھی تب سے ان کے درمیان دوستی کا رشتہ استوار ہو چکا تھا۔ وہ اسے خاص اہمیت دینے لگی۔ حسنین کے کیا احساسات تھے وہ نہیں جانتی تھی ہاں مگر وہ خود۔۔۔ اس کی محبت میں مبتلا ہو گئی تھی۔ حسنین کے کہنے پر وہ بیشا سے ملی تھی بیشا۔۔۔ حسنین کی کزن وہ لڑکی اسے اچھی لگی تھی گو کہ ان کی ملاقات بہت مختصر رہی مگر پھر بھی وہ جان گئی تھی بیشا ایک اچھی لڑکی ہے۔

محبت۔۔۔ یہ لفظ اپنے اندر کتنی گہرائی رکھتا ہے۔ محبت۔۔۔ ٹھنڈک کا احساس۔۔۔ محبت کا لفظ اب اس کی زندگی میں شامل ہو چکا تھا۔ محبت کے وہی اصول تھے وہی ضوابط محبوب اور محب۔۔۔ گہرے جذبوں سے سرشار اس کا وجود سحر کی شبنم کی طرح نرم اور شام کی بارش کی مانند کن من کے نیچے بھیگا ہوا تھا۔ وہ اس محبت کو جانتی تھی جس نے اس کی دل کی دنیا بدل دی تھی۔ کتنی عجیب بات تھی اس ایک محبت نے اسے سراپا بدل دیا۔ جو چیزیں بری لگتی تھیں اب وہ اچھی لگنے لگیں اس۔۔۔ محبت کی بدولت۔

☆ ☆ ☆
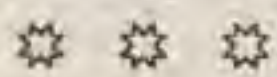
"اللہ اکبر اللہ اکبر" آذان کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تو وہ چونک اٹھا۔ یہی آواز کہیں پہلے بھی سنی تھی کہاں اسے پتا نہیں تھا۔ وہ فطرت کی آواز تھی اس کے کانوں میں گونجنے والی اللہ اکبر کی پہلی صدا اسے یہ آواز بہت شناسا لگی۔ غیر ارادی طور پر اس کے قدم اس آواز کی سمت اٹھنے لگے۔ اس آواز میں ایک سروز تھا سوز تھا تازگی تھی۔ موذن کی آواز رقت آمیز تھی۔ وہ مسجد کے باہر کھڑا ہو گیا۔

کچھ پل ٹھہر کر وہ اندر چل پڑا۔ ابھی اس نے دو قدم ہی اٹھائے تھے جب کسی نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی سمت گھما لیا۔ وہ اس شخص کو دیکھ کر چونک اٹھا۔ گھنی داڑھی سے سجا پر نور چہرہ وہ چالیس پینتالیس سال کا سانولا سا ایک شخص تھا۔ اس نے اس کے پاؤں کی جانب ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کیا۔

"جوتے اتارو" میکانکی انداز میں اس نے جوتے اتار دیے۔ وہ اس شخص کی رہنمائی میں اندر آگیا اور ایک کونے میں کھڑا ہو کر لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھنے لگا۔ وہ مسلمان تھا کیونکہ اس کا باپ مسلمان تھا لیکن کبھی

اس طرح انہیں کرتے نہیں دیکھا تھا وہ کچھ دیر انہیں دیکھتا رہا وہاں ایشین' سفید فام اور سیاہ فام ہر قسم کے لوگ تھے تھوڑی دیر بعد وہ باہر نکل آیا۔

مسجد کے کچھ فاصلے پر بیٹھ کر وہ سوچنے لگا۔ وہ کیا کررہے تھے؟ جو آواز اس نے سنی وہ کیسی تھی؟ وہ الجھا ہوا تھا اور کوئی سرا اس کے ہاتھ نہیں آرہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کوئی اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ یہ وہی شخص تھا جو مسجد کے باہر اسے ملا تھا۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد وہ شخص بولا۔

"آپ نے نماز نہیں پڑھی"

"نماز؟" اس نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"ہاں نماز۔۔۔ عبادت کیا آپ عبادت نہیں کرتے؟"

"عبادت۔۔۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ پھر نفی میں سرہلانے لگا۔

"نو۔۔۔ نو۔۔۔"

"آپ مسلم ہیں؟" اس شخص نے دوبارہ پوچھا۔

"ہاں پھر" اب کے اس شخص کے چہرے پر حیرانی تھی۔

"مسجد جاکر نماز نہیں پڑھی"

"مجھے نماز نہیں آتی"

"کیوں؟"

"پتا نہیں۔۔۔" وہ خود الجھا ہوا تھا اسے کیا جواب دیتا۔

"میرا نام بلال طارق ہے اور آپ"

"احد مرزا"

"کوئی پرابلم ہے تو شیئر کریں میں شاید کوئی ہیلپ کرسکوں۔"

"گاڈ مجھ سے محبت کیوں نہیں کرتا وہ بھی لوگوں کی طرح مجھ سے نفرت کرتا ہے۔"

"تمہیں کس نے کہا' اللہ اپنے بندوں سے نفرت ہرگز نہیں کرتا وہ تو غفور و رحیم ہے وہ تو بڑے بڑے گناہ گاروں تک کو معاف کردیتا ہے کیا آپ نے کوئی گناہ کیا ہے؟" اس نے بے اختیار نفی میں سرہلایا۔

"آپ اپنے ذہن سے نکال دو کہ وہ آپ سے نفرت کرتا ہے وہ تو ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے اپنے بندوں سے۔"

"ماں۔۔۔ ماں پیار بھی کرتی ہے۔" اس کے لہجے میں بے یقینی تھی۔ بلال طارق نے بغور اسے دیکھا۔

"ہاں۔۔۔ اس دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ کوئی انسان سے سب سے زیادہ پیار کرتا ہے تا تو ماں ہے' ماں۔۔۔ جس کا کوئی نعم البدل نہیں وہ اس دنیا کا واحد سچا اور بغیر کسی مفاد کے کھرا رشتہ ہے۔" وہ حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"آر یو شور؟"

"لیکن نہ تو میری ماں مجھ سے پیار کرتی ہے نہ گاڈ"

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟" بلال طارق نے پوچھا۔

"میری ماں مجھے چھوڑ گئی جب میں بہت چھوٹا تھا اب تو مجھے یاد بھی نہیں مجھے وہ ملی تھیں کچھ عرصہ پہلے مگر۔۔۔ انہوں نے محبت یا عام سی نگاہ بھی مجھ پر نہیں ڈالی اور جہاں تک بات ہے گاڈ کی تو۔۔۔ انہیں اگر مجھ سے محبت ہوتی تو وہ مجھے خوبصورت بناتے انہوں نے مجھے بدصورت بنایا کوئی میرا دوست نہیں! کوئی ایک نہیں' پھر آپ کہتے ہیں وہ تو پیار کرتا ہے اپنے بندوں سے وہ ایسا کرتا تو مجھے پیارا بناتا دوسرے لوگوں کی طرح حسین و دلکش' نہیں تو کم از کم دولت دے دیتا ماں باپ دے دیتا"

"جانتے ہو اس دنیا میں کوئی بھی شخص مکمل نہیں ہر کسی میں کوئی نہ کوئی کمی ضرور ہے۔ کچھ پیدائشی غریب ہوتے ہیں۔۔۔ ذرا سوچو ذہنی معذور شخص کے متعلق وہ شخص تو اس دنیا کو جان ہی نہیں پاتا اور نابینا لوگ انہوں نے زندگی کے رنگوں کو دیکھا ہی نہیں کچھ کو ماں کی کمی سے نوازا تو کسی میں خاندان' اولاد اور جسمانی کمزوری پیدا کی اور وہ ساری زندگی ان ہی کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں۔ تم شکر کرو تم دیکھ سکتے ہو سن سکتے ہو' ہاتھ پاؤں ہلاسکتے ہو' ذہنی لحاظ سے صحت مند ہو اور پھر۔" انہوں نے کچھ توقف کیا۔

"سب سے زیادہ خوش قسمتی تمہارا مسلمان ہونا ہے تم اس خوش قسمتی کو بھی شاید نہیں جانتے۔" وہ واقعی حیران ہوا تھا۔ کیا وہ خوش قسمت تھا۔ وہ مسلمان تھا یہ واحد احسان تھا جو اس کے باپ نے اس پر کیا اور اس کی ماں کا واحد احسان یہ تھا کہ انہوں نے اسے جنم دیا اس دنیا میں لائی۔

"آپ کیا کرتے ہیں؟" اس نے بلال طارق سے پوچھا ان کی باتیں اسے بہت اچھی لگ رہی تھیں۔

"میں تبلیغ کے سلسلے میں یہاں موجود ہوں پانچ سال کے لیے آیا تھا اور اب۔۔۔" ان کے چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ ابھری۔

"اب تو ایک سال رہ گیا ہے۔ میں چار سالوں سے یہاں ہوں اپنے خاندان' بیوی' بچوں' ماں باپ سے دور۔"

"آپ چلے جائیں گے؟" اچانک یاد آنے پر وہ بولا۔

"آپ کس ملک کے ہیں؟"

"پاکستان کا رہنے والا ہوں۔ پاکستانیوں کو یہاں کے لوگوں کی نسبت زیادہ تبلیغ کی ضرورت ہے کیونکہ وہ پیدائشی مسلمان ہیں اور آج کل کے مسلمان۔۔۔ خیر اب میں دیر نہیں کرنا چاہتا لوٹنا چاہتا ہوں" ان کے لہجے میں افسردگی اتر آئی۔

"میرے فادر بھی پاکستانی ہیں۔"

"اچھا" وہ چونکے۔

"پھر کبھی پاکستان گئے ہو؟"

"نہیں۔۔۔ بچپن میں کبھی نہیں گیا پھر ان سے علیحدگی ہوگئی۔"

"تمہارے ماں باپ۔۔۔" وہ دانستہ رکے۔

"ان کے درمیان سیپریشن ہوچکی ہے۔ ڈیڈی نے تو دوسری شادی کرلی تھی اور ماما کا پتا نہیں" بلال طارق نے گھڑی پر ٹائم دیکھا پھر اسے۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے کچھ کام ہے ابھی میں چلوں گا۔"

"آپ پھر آئیں گے؟"

"ہاں میں یہاں نماز پڑھنے روز آتا ہوں" انہوں نے سامنے مسجد کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ مجھے نماز سکھائیں گے۔ اور۔۔۔ اور بھی۔۔۔"

"آف کورس۔۔۔ آپ اس پتے پر آجائیے گا۔" انہوں نے جیب سے کارڈ نکال کر اسے دیا۔ پھر چل دیے وہ انہیں دور تک دیکھتا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

بیگ بیڈ پر رکھ کر اس نے میز سے کارڈ اٹھا کر پڑھا۔

Being Beautiful is not important being important is beautiful

ہمیشہ کی طرح سفید پھول بھی پڑے تھے۔ وہ لاشعوری طور پر ان کی عادی ہوچکی تھی۔ انجان شخص کی جانب سے بھیجے جانے والے پھول۔ مختصر اور جامع ترین تحریر۔ دو ماہ میں بغیر کسی ناغے کے اسے پھول اور کارڈ ملتے رہے تھے۔ سفید پھول۔۔۔ انتظار۔

☼ ☼ ☼
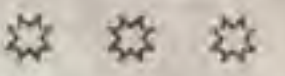
وہ روز بلال طارق کے پاس جانے لگا تھا۔ اس عرصے میں اتنا جان گیا تھا کہ بلال طارق کے پاس جانا اس کی زندگی کا سب سے بہترین فیصلہ تھا۔ وہ اس کی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی پریشانیوں کو اس طرح سلجھاتے کہ وہ ایک دم ہلکا پھلکا ہوجاتا۔ اس نے نماز سیکھ لی تھی اسے عبادت میں بہت سکون محسوس ہوتا تھا۔ ماما جینی کو اب اس کی ضرورت پہلے سے زیادہ تھی۔ وہ بچوں کا سایہ ہوا کرتی تھیں' وہ ان سے بہت محبت کرتا تھا۔ اپنی ماں سے زیادہ مگر لاشعوری طور پر وہ اپنی ماں کا منتظر اب بھی رہتا تھا۔

وہ بی ایس سی کرچکا تھا۔ اب وہ ہوٹل کو چھوڑ کر ایک کمپنی میں جاب کرنے لگا تھا۔ وہ ڈریس پریس کر کے پیک کرتا تھا' معاوضہ اچھا ملتا تھا۔ بلال طارق پاکستان جانے والے تھے اور وہ بے چین تھا۔ پاکستان دیکھنے کا اسے بھی اشتیاق تھا وہ جگہ جہاں اس کے فادر

پیدا ہوئے' جوان ہوئے وہ اس دھرتی کی خوبصورتی کو محسوس کرنا چاہتا تھا۔ یہی بات جب اس نے بلال طارق سے کی تو وہ بہت خوش ہوئے تھے۔

"تم' پاکستان ضرور جاؤ' دیکھو اس سرزمین کو' میں جانتا ہوں وہ پرکشش زمین تمہیں چھوڑے گی نہیں' اس کی مٹی میں بہت وفا ہے' تمہیں پسند نہ آئی تو لوٹ آنا۔"

"میں آپ کے ساتھ جاؤں گا"

"ٹھیک ہے میں تمہارے پاسپورٹ کا انتظام کرتا ہوں۔" اس نے ماما جینی کو بتایا تو وہ خفا ہونے لگیں۔

"میں کیسے رہوں گی احد تمہارے بغیر' پلیز مائی سن! ابھی مت جاؤ" وہ ان کے ہاتھ پکڑ کر ان کے پاس بیٹھ گیا۔

"ایک مرتبہ میں جانا چاہتا ہوں پلیز ماما مت روکیں مجھے' آپ کے پاس کرسٹینا ہے نا جلد لوٹ آؤں گا میں" وہ نرمی سے انہیں سمجھانے لگا۔

"مگر۔۔۔ احد۔۔۔"

"پلیز' کچھ مت کہیں۔۔۔ میں صرف وہاں کا سسٹم دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کس طرح وہاں کی مائیں بچوں سے پیار کرتی ہیں' میں بلال طارق سے سن کر مزید پر تجسس ہو گیا ہوں۔ آخر کیسے لوگ ہیں وہ" ماما جینی نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر خاموش ہو گئیں۔

"ٹھیک ہے' لیکن جلدی آجانا احد"

"اوکے۔۔۔" اس نے ان کے ٹھنڈے یخ ہاتھ پر بوسہ دیا۔

☼ ☼ ☼
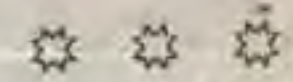
آج اس کی سالگرہ تھی۔ صبح سے ہی وہ ایک بہترین لنچ کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ بارہ بجے تک لنچ تیار ہو چکا تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد اس نے کھانا میز پر لگا دیا۔ کھانا بے حد لذیذ تھا یہ گھر والوں کی تعریفوں نے اسے بتایا۔ رات کو اس نے کیک کاٹا تھا اور گفٹ وصول کیے تھے۔ اسے موبائل پر تمام دوستوں کی طرف سے مبارکباد کے پیغام وصول ہو چکے تھے۔ رات کے وقت تمام کاموں سے فارغ ہونے پر وہ بیڈ پر بیٹھ کر گفٹ کھولنے لگی۔ اسے یہ کام بہت اچھا لگتا تھا تجسس کے ساتھ کہ کس نے کون سا گفٹ دیا ہے۔ ایک ایک کر کے وہ گفٹ کھولنے لگی۔

"پین۔۔۔ سنہری پین" اسے ماما نے گفٹ کیا تھا۔ مسکراتے ہوئے دوسرا گفٹ کھولنے لگی۔ تبھی بیڈ پر پڑا موبائل بج اٹھا۔ اس نے اٹھا کر دیکھا اجنبی نمبر تھا۔ اس نے کال کاٹ کر موبائل پھر بیڈ پر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر بجنے لگا نمبر وہی تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے کال اٹینڈ کر لی۔

"گفٹ مل گیا آپ کو کیسا لگا؟" بھاری۔۔۔ آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ اس نے موبائل ہٹا کر حیرت سے اسکرین کو گھورا۔

"کون ہیں آپ؟ کس لیے فون کیا ہے؟"

"سوچا گفٹ کا پوچھ لوں برا تو نہیں لگا" وہی گمبھیر آواز۔ دفعتاً" وہ چونکی۔ پلٹ کر میز پر دیکھا پھر اٹھ کر اس پر رکھا چھوٹا سا گفٹ پیک اٹھا لیا۔ ساتھ میں وہی سفید پھول۔

"آ۔۔۔ آپ کیوں بھیجتے ہیں پھول اور ہیں کون؟" اس کے لہجے میں الجھن تھی۔

"آپ کا خادم آپ کا غلام اور کچھ۔۔۔"

"مم۔۔۔ مگر۔۔۔ پھول بھیجنے کی کوئی تک بھی بنتی ہو میں کیا آپ کو جانتی ہوں" کچھ یاد آنے پر وہ بولی۔

"اچھی طرح۔۔۔" فون بند ہو چکا تھا۔ اس نے لب کچل کر اسکرین کو دیکھا پھر میز پر رکھ دیا۔

☼ ☼ ☼
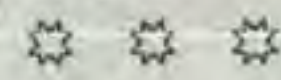
وہ فوٹو اسٹیٹ شاپ سے نکلی تو ہر سو اندھیرا پھیل چکا تھا۔ وہ گھبرا گئی۔ اتنی دیر ہو گئی اسے پتا ہی نہ چلا۔ وہ نوٹس فوٹو اسٹیٹ کروانے آئی تھی جو اس نے ایک کلاس فیلو سے ایک دن کے لیے مانگے تھے۔ جلدی اور آج ہی کام مکمل کرنے کے چکر میں اتنا وقت گزر گیا پتا ہی نہ چلا۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلنے لگی۔ اس وقت جانے رکشہ یا کوئی اور سواری میسر آئے گی یا نہیں۔ پریشانی اس کے چہرے پر پھیلنے لگی۔ دفعتاً" اسے لگا کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔ اس نے ذرا کی ذرا مڑ کر دیکھا تو اور گھبرا گئی۔ کوئی شخص واقعی اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس کے قدموں کی رفتار اور بڑھ گئی۔ وہ شخص مسلسل اس کے پیچھے آرہا تھا۔ باوجود پر اعتماد ہونے کے اس کے پسینے چھوٹ گئے۔ وہ مڑ مڑ کر اس شخص کو دیکھ رہی تھی۔ پہلے وہ اپنا وہم سمجھی تھی مگر اب یقین ہو چلا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر مڑ کر دیکھا۔ جب ہی ایک کار اس کے پاس سے گزری پھر ریورس ہوتے ہوئے اس کے پاس رکی۔

"انی پرابلم؟" وہ کھڑکی پر جھکا اس سے پوچھنے لگا۔ وہ اس لڑکے کو دیکھ کر چونک اٹھی۔ وہی لڑکا تھا۔ یونیورسٹی والا جو روز اسے دیکھتا تھا۔

"نو۔۔۔ نو پلیز۔"

"اگر آپ اعتبار کریں تو ڈراپ کر دوں"

"جی نہیں شکریہ" وہ روکھے انداز میں کہتی آگے بڑھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہی اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا تھا۔ شام کے سائے بڑھ رہے تھے اور ابھی اس نے صرف دس منٹ کا راستہ طے کیا تھا۔ ابھی بھی وہ شخص اس کے تعاقب میں تھا۔ گاڑی دوبارہ اس کے پاس رکی۔

"میشا۔۔۔" وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

"پلیز۔۔۔ آئیں" نہایت شائستگی اور نرمی سے بولتا وہ لڑکا۔ کچھ سوچ کر وہ فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی۔

"کہاں جانا ہے؟" وہ اسے راستہ سمجھانے لگی۔ گاڑی میں مکمل خاموشی تھی۔

"آپ غیر ملکی لگتے ہیں"

"جی۔۔۔" وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"یہاں تعلیم حاصل کرنے آیا ہوں" وہ سرہلا کر باہر دیکھنے لگی' یاد آنے پر وہ بولی۔

"آپ کو میرا نام کیسے پتا چلا؟"

"آپ میری یونیورسٹی کی ہیں' مشکل تو نہیں نام پتا کرنا" وہ شرمندہ ہو گئی حالانکہ ہونا نہیں چاہیے تھا۔

"آپ کا نام۔۔۔"

"احد۔۔۔"

"اوگڈ۔۔۔" جانے کس چیز کو اس نے سراہا وہ قطعاً" نہیں جانتا تھا۔

"آپ کا شکریہ باحفاظت گھر پہنچانے کا" جواباً" وہ مسکرا کر رہ گیا۔ وہ گھر کی بیل بجا چکی تھی۔ وہ تب تک دیکھتا رہا جب تک وہ اندر چلی نہیں گئی۔ گاڑی واپسی کے راستے پر ڈالتے اس کا دل بہت خوش اور مطمئن تھا۔ اس نے کیسٹ پلیئر آن کر دیا۔

"تو ہی حقیقت خواب تو' دریا تو ہی ساحل تو۔۔۔"
تو ہی دل کی بے قراری' تو سکون۔۔۔ تو سکون۔۔۔
ہم سفر تو ہم قدم تو۔۔۔ تو ہم نوا میرا

☼ ☼ ☼
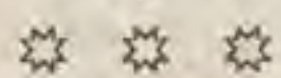
وہ بلال طارق کے ساتھ سیدھا مدرسے سے آیا تھا۔ یہاں غریب اور امیر ہر قسم کے طالب علم تھے اور اسے بہت اچھے لگے۔ سادہ اور پرخلوص۔ بلال طارق نے ہی اس کا تعارف کروایا تھا۔ شروع میں انہوں نے اس سے انگلش میں بات کی بعد میں جب وہ اردو بولنے لگا تو وہ سب طالب علم بھی اس کے ساتھ اردو بولنے لگے۔ اس کے والد اردو بولتے تھے۔ اس نے اپنی زندگی کے ابتدائی بارہ سال ان کے ساتھ گزارے تھے وہ اور ان کی بیوی اس کے ساتھ اردو میں بات کرتے تھے۔ اسکول میں وہ انگلش بولتا تھا۔ بعد میں اس نے اردو بولنا تو چھوڑ دی تھی مگر وہ بھولا نہیں تھا۔ وہ پہلی زبان تھی جو اس کے والد نے اسے سکھائی اسے وہ کیسے بھول سکتا تھا۔

ایک سال سے وہ یہیں پر تھا۔ اس عرصے میں وہ ایک مرتبہ بھی انگلینڈ نہیں گیا تھا۔ ماما جینی ہر دفعہ فون پر ایک ہی جملہ بولتیں۔

"When Will you be back from Islamabad"

(تم اسلام آباد سے کب آؤ گے؟)

وہ ہر مرتبہ انہیں ٹال دیا کرتا تھا۔ اسے پاکستان اور

یہاں کے لوگ بہت اچھے لگے تھے۔ طالب علم۔۔۔ وہ اس کی شکل و صورت کا مذاق نہیں اڑاتے تھے یہی وہ واحد بات تھی جس نے اسے روکا ہوا تھا۔ بلال طارق کے ہی کہنے پر اس نے اسلام آباد میں اچھے علاقے میں دو ہزار اسکوائر فٹ کا فلیٹ دیکھا تھا۔ اسے لگژری فلیٹ کہتے ہیں۔ گو وہ زیادہ بڑا نہیں تھا مگر وہ خوش تھا اب تک اس کے پاس کافی رقم جمع ہو چکی تھی۔ جو وہ استعمال کر رہا تھا۔

واپس جانے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اس نے اسلام آباد کی یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ یہیں پر اس نے یشا کو دیکھا۔ پہلی دفعہ اس نے کہاں دیکھا تھا۔ یونیورسٹی کے ہال میں زور زور سے ہنستے ہوئے۔ ہنستے ہوئے اس کا جسم ہولے ہولے ہل رہا تھا۔ گردن کبھی وہ پیچھے کی جانب گراتی کبھی آگے کو جھکا لیتی۔ تین منٹ تک وہ کسی بات پر مسلسل ہنستی رہی تھی۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں میں پانی آگیا۔ دوسری مرتبہ یونیورسٹی کے گراؤنڈ میں۔۔۔ وہاں بھی وہ کچھ لڑکیوں کے ساتھ کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔ تب بھی وہ چونکا تھا۔ اس کے بعد اس نے اسے اپنے کزن کے ساتھ متعدد بار دیکھا تھا۔ وہ ہر بار نئے سرے سے اس لڑکی سے متاثر ہو جاتا تھا۔ آج فرسٹ ٹائم اس کی براہ راست گفتگو ہوئی تھی۔ یشا سے۔۔۔ وہ بہت خوش تھا۔۔۔ بے تحاشا خوش اور مسرور۔

☼ ☼ ☼

وائیٹ روز اس نے اٹھا کر گلدان میں ترتیب سے رکھے۔ چھ ماہ سے اسے سفید پھول اور کارڈز مل رہے تھے۔ یہ معمہ اب تک حل نہیں ہو سکا تھا۔

"ہیلو' السلام و علیکم"

"وعلیکم اسلام" گمبھیر آواز وہ فوراً "پہچان گئی۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"آپ فرمایئے فون کیسے کیا؟"

"آپ سے بات کرنا چاہتا تھا کچھ اپنے کچھ آپ کے متعلق" وہی گمبھیر آواز۔

"کیا بات!"

"آج آپ بہت پیاری لگ رہی تھیں۔" سر پر برش چلاتا اس کا ہاتھ رک گیا۔

"کہاں دیکھا آپ نے مجھے؟"

"بس کہیں دیکھا نا"

"ایک بات پوچھوں آپ سے؟"

"کہیے۔۔۔"

"آپ میرے خاندان کے ہیں' سچ سچ بتایئے گا۔"

"آپ ہنٹ لینا چاہ رہی ہیں"

"جو آپ سمجھ لیں۔۔۔ بتایئے نا"

"نہیں" وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔

"اچھا یہ بتایئے میں آپ کو اچھی لگتی ہوں"

"اچھی۔۔۔" وہ ہولے سے ہنسا۔

"آپ سے میں محبت کرتا ہوں" وہ ساکت رہ گئی۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ ہوش میں تو ہیں نا؟"

"پورے ہوش و حواس میں ہوں' برا لگا آپ کو۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ لیکن آپ کی جرات پر حیرت ہوئی ہے۔ چلیے یہ بتایئے پھول کیوں بھیجتے ہیں وہ بھی سفید۔۔۔"

"میں چاہتا ہوں آپ انتظار کریں میرا اور میں انتظار کروں گا آپ کے اظہار کا۔۔۔ اظہار محبت کا"

"محبت۔۔۔" وہ حیران رہ گئی۔

"آپ نے کیسے سوچ لیا میں آپ سے محبت کر لوں گی"

"سوچا نہیں یقین ہے' اچھا اب مجھے کچھ کام ہے بعد میں بات کریں گے؟"

"ارے۔۔۔" وہ پکارتی رہ گئی۔ فون بند ہو چکا تھا اس نے مایوسی سے موبائل ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا دفعتاً" کچھ یاد آنے پر وہ موبائل اٹھائے باہر نکل آئی لاؤنج میں حسنین کھٹا کھٹ میسجز سینڈ کر رہا تھا اسے یہاں دیکھ کر اس کے پاس آگئی۔

"کیا کر رہے ہو حسنین؟"

"کچھ نہیں۔۔۔" میسج سینڈ کیا۔

"تم کیا کر رہی تھیں۔۔۔"

"ہوں۔۔۔ مجھے تم سے کام ہے" حسنین سیدھا ہو بیٹھا۔

"حیرت صد حیرت! آج آنسہ کو ہم ناچیز سے کام پیش آگیا۔"

"بکواس حسنین' یہ دیکھو یہ نمبر پہنچانتے ہو کیا؟" حسنین نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر نمبر دیکھا پھر نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں۔۔۔ میں تو اس نمبر کو نہیں جانتا کیوں خیریت ہے۔۔۔"

"ہاں بس خیریت ہی ہے' تم پتا کروا سکتے ہو یہ کون ہے"

"کوشش کروں گا"

"ارے یاد آیا' منگنی بہت مبارک ہو تمہیں۔"

"شکریہ۔۔۔ اب یاد آیا ہے تمہیں۔"

"کیسے بھول سکتی ہوں۔۔۔" وہ مبہم سا مسکرائی۔

اس کی منگنی شزا کے ساتھ ہو رہی تھی ان کے ایگزامز کے بعد حسنین اور حسین دونوں بھائیوں کی اکٹھی شادی طے تھی۔ وہ اس سے موبائل لے کر کچن میں ماما کے پاس آگئی۔

☼ ☼ ☼

یونیورسٹی کے گیٹ پر احد کو دیکھ کر وہ خلاف معمول مسکرائی۔

"کیسے ہو احد؟" "الحمدللہ آپ سنایئے۔۔۔"

"اللہ کا شکر ہے۔۔۔ کل آپ نے مجھ پر ایک احسان کیا میں سوچ رہی ہوں احسان چکا دوں۔"

"ارے احسان کیسا میں تو۔۔۔"

"آپ میرے ساتھ چائے پئیں گے۔۔۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔ وہ کبھی اپنوں کا احسان نہیں لیتی تھی یہ تو پھر غیر تھا۔

"چلیں ٹھیک ہے۔۔۔ تیسرے پیریڈ کے بعد چلیں گے۔"

"او کے۔۔۔ حسنین صاحب آپ پہلے سے موجود ہیں یہ نہ ہو کہ مجھے بھی ساتھ لے آتے" وہ حسنین کو دیکھتے ہی طنزیہ بولی۔

"بشرطیکہ تمہاری صبح جلدی ہو جاتی۔۔۔" وہ بھی حسنین تھا۔

"آپ چائے پئیں گی یا کافی" تیسرے پیریڈ کے بعد وہ کینٹین میں بیٹھے تھے۔ آرڈر دینے سے پہلے احد نے اس سے پوچھا تھا۔

"جو آپ منگوالیں"

"ٹھیک ہے چائے لے آؤ' سموسے بھی۔۔۔"

"ایک بات تو بتاؤ احد' تم مجھے گھورتے کیوں رہتے ہو؟"

"گھورتا نہیں دیکھتا ہوں" اس نے فوراً" تصحیح کی وہ سر ہلا کر بولی۔

"چلو یہ بتاؤ دیکھتے کیوں ہو۔" "ویسے ہی"

"ایسے تو کوئی کسی کو نہیں دیکھتا۔۔۔"

"مجھے آپ اچھی لگتی ہیں" میز کی سطح پر دونوں کہنیاں ٹکائے' بند مٹھی پر ٹھوڑی رکھے وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"اچھا۔۔۔" اس نے کچھ توقف کیا۔۔۔

"تم پاکستان کب آئے؟"

"دو سال تو ہو ہی چکے ہیں"

"آپ اردو کافی اچھی بول لیتے ہیں۔ صرف دو سال میں سیکھ لی۔"

"مجھے پہلے سے آتی تھی وہ ایکچوئیلی میرے فادر

پاکستان [illegible] ڈر اسٹیپ مدر بھی۔“

”وہ [illegible]۔۔۔“ وہ سر ہلا کر چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے بولی جو ابھی ابھی ویٹر رکھ کر گیا تھا۔

”واپس جائیں گے آپ۔۔۔“

”فی الحال نہیں۔۔۔ ایک ضروری کام ہے وہ کر کے جاؤں گا۔“ وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ وہ اس کی طرف دیکھے بنا سموسہ توڑنے لگی۔

وہ اسے بتا نہیں سکا کہ اس کے قدموں کو پاکستان میں جکڑنے والی وہ تھی۔ وہ چاہ کر بھی واپس نہیں جا سکا تھا۔ پاکستان آنے کے بعد اس میں ایک تبدیلی آئی تھی۔ اس نے یہاں کے معروف ڈینٹل سرجن سے اپنے اوپر کے چار دانت نکلوا کر نئے لگوائے تھے۔ قیمتی دانت اس طرح ایڈجسٹ ہو گئے کہ وہ اصل لگتے تھے۔ قد اس کا بہت لمبا تھا چھ فٹ سے زیادہ۔

اسے یقین تھا کہ آج کی ملاقات بھی ضرور یادگار ہو گی۔

☼ ☼ ☼

فون زور زور سے بج رہا تھا۔ وہ الماری میں کپڑے تہہ کر کے رکھ رہی تھی۔ کئی مرتبہ تو اس نے نظر انداز کیا مگر جب فون مسلسل بجتا رہا تو اس نے جھنجلا کر کپڑے وہیں چھوڑ کر موبائل کو تلاشا۔ وہ تکیے کے نیچے پڑا تھا۔ اسکرین پر نمبر دیکھ کر وہیں اپنی مصروفیت بھلا کر بیڈ سے ٹیک لگائے موبائل کان سے لگا لیا۔

”خیریت تو ہے نا فون کیوں نہیں ریسو کیا؟“ وہ بے تابی سے پوچھ رہا تھا۔ آج اس نے سب کچھ صاف صاف کہہ دینے کا تہیہ کر لیا تھا۔ تبھی بے نیازی سے بولی۔

”آپ کو کیا؟ کون ہوتے ہیں آپ یہ سب پوچھنے والے۔“ وہ خاموش سا ہو گیا۔

”کچھ غلط کہہ دیا میں نے۔۔۔ یشا آئی ایم سوری۔۔۔ میں۔“

”مجھے صرف آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ کون ہیں آپ اور آواز بدل کر بات کیوں کر رہے ہیں۔“

”یہ جاننا ضروری ہے کیا؟۔۔۔“ چند لمحوں بعد پو[illegible] گیا۔

”بالکل ضروری ہے میں یہ سوچ سوچ کر پریشا[illegible] کون ہیں آپ اور یہ پھول، کارڈ اور میری برتھ ڈے [illegible] اتنا قیمتی بریسلٹ بھیجنے کا کوئی تو جواز ہو نا۔“

”کیا چاہتی ہیں آپ؟“

”آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔۔۔ دیکھنا چاہتی ہو[illegible] کون ہیں آپ؟ کہاں ملے تھے ہم۔“ وہ سخت لہجے [illegible] کہہ رہی تھی۔ دوسری طرف سے لمبا سانس لیا گیا۔

”او کے اگلے سنڈے کو ملتے ہیں۔۔۔ شکایت م[illegible] کیجیے گا مجھ سے یشا۔۔۔ میں آپ کا رویہ برداشت [illegible] کر سکا تو۔۔۔“ بولتے بولتے وہ رک گیا پھر اسے ایڈر[illegible] سمجھانے لگا۔ موبائل بند کر کے وہ آنکھیں بند [illegible] مسکرا دی۔ وہ ان پھولوں اور کارڈز کی نہ صرف عا[illegible] ہو چکی تھی بلکہ کچھ اور بھی تھا کیا۔۔۔ ابھی وہ نہیں جا[illegible] تھی۔

☼ ☼ ☼

حسنین اسے مطلوبہ پارک تک ڈراپ کر گیا تو وہ اس سے سہیلی کا بہانہ کر کے آئی تھی۔ گلابی [illegible] آسمانی سوٹ میں ملبوس اس نے اپنے گھنے بال پشت [illegible] بکھیر رکھے تھے۔ پارک میں اکا دکا لوگ موجود تھے [illegible] قدرے سنسان بینچ پر بیٹھ گئی۔ اس کی نگاہیں گی[illegible] جمی تھیں۔ اور دل دھک دھک کر رہا تھا۔ کیسے پہچا[illegible] گی میں، حلیہ تو پوچھا نہیں، وہ ایک دم پریشان ہو [illegible] کوئی بات نہیں وہ تو مجھے جانتا ہے نا دل کو دلاسا د[illegible] گیٹ میں کھڑے شخص کو دیکھ کر وہ چونکی۔

”احد یہاں کیا کر رہا ہے۔“ احد لمبے لمبے ڈگ [illegible] اس کے پاس آ گیا تو اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی۔

”ہیلو کیسی ہو؟“

”تت۔ تت۔۔۔ تم۔۔۔“ بمشکل وہ بولی۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو احد!“

”تم ہی نے تو بلایا ہے یشا!“ وہ اس کی آنکھوں [illegible] دیکھتا ہوا بولا۔

”تم مجھے فون۔۔۔ پھول۔۔۔ کارڈ بھیجتے رہے۔۔۔“

”ہاں بیٹھو نا کھڑی کیوں ہو گئیں۔“

”تمہاری اتنی ہمت۔۔۔ سمجھتے کیا ہو اپنے آپ کو۔۔۔ مجھے پھول اور کارڈز بھیجنے کی جرات کیسے کر لی تم نے خود کو کبھی آئینے میں دیکھا ہے۔“ اس نے خود کو چیختے پایا تھا اسے حیرت ہوئی تھی وہ اتنی شاؤٹ کیوں ہو رہی ہے۔

اس کی بات پر احد کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔

”ایسے نہیں کہتے یشا۔۔۔ شکل و صورت تو اللہ نے بنائی ہے ہمارا کیا دوش۔“ بہت نرمی اور حلاوت سے وہ اسے سمجھا رہا تھا۔ جو سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

”بہت گھٹیا انسان ہو تم احد۔ تمہیں میں اچھا سمجھتی تھی مگر تم۔۔۔ سوچا بھی کیسے ایسا کرنے سے پہلے خود کو مجھے ایک بار غور سے دیکھ تو لیتے۔۔۔“ زہر خند لہجے میں بولتی وہ پرس کندھے پر ڈالتی تن فن کرتی گیٹ کراس کر گئی۔

احد لب بھینچے کھڑا رہ گیا۔ وہ یہ جانتا تھا وہ پسند نہیں کرے گی مگر اس طرح نفرت سے پیش آئے گی یہ اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ اب تک بہت سے لوگوں نے اس سے نفرت کا اظہار کیا تھا اس کا مذاق اڑایا تھا اس کی شکل و صورت پر سوال اٹھایا تھا مگر اسے ان سب لوگوں کے کمنٹس سے اتنی تکلیف نہیں پہنچی تھی جتنی کہ یشا کے الفاظ نے پہنچائی تھی۔ اسی ڈر سے وہ اس سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ سینے میں درد سا اٹھا تھا۔ وہ لب کچلتا اسی بینچ پر بیٹھ گیا جس پر کچھ دیر پہلے یشا بیٹھی تھی۔

☼ ☼ ☼

”آخر وہ احد ہی کیوں تھا، احد۔۔۔ یونیورسٹی کا وہ لڑکا جو مجھے دیکھا کرتا تھا مگر وہ۔۔۔ مجھے۔۔۔ حیرت ہے۔“ وہ کمرے میں یہاں سے وہاں ٹہل رہی تھی۔ جب سے وہ گھر آئی تھی بے چینی حد سے سوا تھی۔ وہ خود اپنی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ کسی کو بھی قبول کر سکتی تھی مگر احد۔۔۔ آواز اتنی خوبصورت اور شکل و صورت۔۔۔ تو یہ میں کیا سوچ رہی ہوں۔ اس نے سر جھٹکا۔ ذرا کی ذرا رک کر کچھ سوچا پھر ٹہلنے لگی۔

Being Beautiful is not important being important is beautiful (خوبصورت ہونا اہم نہیں اہم ہونا خوبصورتی ہے) الفاظ اس کی ذہن کی سطح پر ابھرے تو وہ اونہہ کہہ کر رہ گئی۔

through love misfortune becomes goood fortuhe

(محبت سے بدقسمتی خوش قسمتی میں بدل جاتی ہے) اس لیے وہ ایسی تحریریں بھیجتا رہا اور خود گمنام رہا۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر نگاہ کی آج وہ عرصے بعد خالی پڑی تھی سفید پھولوں سے خالی۔ آج واحد دن تھا جب پھول وہاں نہیں تھے اسے لگا پورا کمرہ سنسان ہے۔ ساری رات وہ سو نہ سکی۔ دوسرے دن یونیورسٹی سے واپسی پر وہ ڈرائنگ روم سے آتی آوازوں کو سن کر چونک اٹھی۔ پردے سے جھانک کر دیکھا تو حلق تک کڑوا ہو گیا۔ احد مرزا، بلال طارق اور ان کی وائف کے ساتھ آیا تھا۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اپنے روم میں آئی۔ وہ کھانے کے لیے نیچے اتری تو وہ لوگ جا چکے تھے۔ ماما سے ان کی آمد کا مقصد سن کر وہ ساکت رہ گئی۔

”اتنی جرات تم میں مسٹر احد۔“ زیر لب بڑبڑا کر بمشکل نوالہ نگلا۔

”احد کیسا لڑکا ہے یشا؟“ ماما نے اسی سے پوچھا۔

”پتا نہیں ماما۔۔۔“

”بہت اچھا لڑکا ہے آنٹی، ریئلی نیچرلی بہت لوونگ ہے اور بہت انٹیلی جنٹ بھی۔“ ٹیبل کی دوسری سائیڈ پر بیٹھا حسنین فوراً بولا تو وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

”لڑکا اچھا ہے، مجھے بھی اچھا لگا، لیکن اس کے ماں باپ بھی نہیں دوسرا ساری زندگی باہر گزاری کس کے بھروسے پر ہاں کروں۔ بلال صاحب تو معقول انسان تھے مگر وہ بھی کتنا جانتے ہوں گے اسے، پھر میری یشا کے لیے رشتوں کی کمی تھوڑی ہے۔ اچھے خاصے خاندانی رشتے موجود ہیں ابھی۔“

”یشا بیٹا! تمہارا کیا خیال ہے۔“ بولتے بولتے ماما نے

اس سے پوچھا پانی کا گلاس لبوں تک لے جاتا اس کا ہاتھ رک گیا۔

"آئی ڈونٹ نو ماما' یہ تو آپ کی فیلڈ ہے' بہرحال فی الحال میں شادی کرنا نہیں چاہتی۔"

"چلو جیسے تمہاری مرضی۔" رات کو کمرے میں آکر اس نے فوراً" احد کو کال ملائی تھی۔ وہ شاید منتظر تھا تب ہی فوراً" کال ریسو کرلی۔

"ہیلو السلام و علیکم!"

"مسٹر احد مرزا! تمہاری اتنی ہمت کہ تم میرے گھر پروپوزل لے کر آؤ۔ خود کو سمجھتے کیا ہو کبھی آئینے میں خود کو دیکھا ہے کیا چیز ہو تم۔ میری جیسی لڑکی کے خواب دیکھنے سے پہلے سوچ تو لیتے مگر شاید۔ سوچنے' سمجھنے کی صلاحیت تم میں ہے نہیں۔ آج تو تم نے ایسی دلیرانہ حرکت کرلی مگر آئندہ تم ایسی حرکت کرو تو سہی۔" چبا چبا کر وہ بولی۔

"شکل و صورت کا کیا ہے یشا! ہم اس کے متعلق کیوں بات کریں جس پر ہمارا زور نہیں۔ اگر اللہ مجھے شکل و صورت کے انتخاب کا حق دیتا تو میں خود کو دنیا کا خوبصورت ترین مرد بنالیتا مگر قدرت کے کاموں میں کسی کو دخل نہیں اگر تم میرے اخلاق' کردار' میری زبان اور ان چیزوں پر تنقید کرو جن پر میں قابو رکھتا ہوں تو بات ہے لیکن شکل و صورت کو میں کیسے تبدیل کرسکتا ہوں ہاں۔" وہ بڑی نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

"شکل و صورت کو چھوڑو دل دیکھو جس انسان کے پاس خوبصورت دل ہے نا۔ سمجھو اس کے پاس دنیا کی سب سے قیمتی متاع ہے۔ جس کے پاس یہ نہیں اس کی شکل و صورت کا اچار ڈالنا ہے کیا۔ اور پھر شکل و صورت تو ایک دن ڈھل ہی جاتی ہے مگر دل' اخلاق' کردار انسان کے کبھی نہیں تبدیل ہوتے یشا!"

"ہوگئی تمہاری تقریر ختم میں تمہاری اس قسم کی باتوں میں آنے والی نہیں تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں" غصے سے پھنکارتے ہوئے وہ بولی۔

"میں تم سے محبت کرتا ہوں' کیسے تم سے دستبردار ہوجاؤں محض اپنی صورت کی وجہ سے ہاں۔ بولو۔"

"ہاں۔ کیوں کہ میرے لیے صورت بہت اہمیت رکھتی ہے تم۔ اب بہتر ہے کہ مجھے بھول جاؤ" وہ بولی اس کے لہجے میں پہلے والی سختی نہیں تھی۔

"میں کیسے بھول سکتا ہوں تمہیں۔ اب نہیں یشا۔ ٹھیک ہے میں تمہیں وقت دیتا ہوں جتنا چاہو سوچ لو پھر بات کریں گے۔" فون کے ٹوں ٹوں پر اس نے گھور کر اسکرین کو دیکھا پھر موبائل بیڈ پر پھینک سر دونوں ہاتھوں میں گرالیا۔

☼ ☼ ☼

"نہیں یہ والا' ارے نہیں وہ والا' چھوڑو اس پر پیارا نہیں ہے۔ میرا خیال ہے دوسری دکان پر چلتے ہیں" شادی کی شاپنگ کرتے حسنین اور شزا کے ساتھ وہ پچھلے دو گھنٹوں سے بور ہورہی تھی۔ وہ تھے کہ اتنی فرصت سے شاپنگ کررہے تھے جیسے زندگی میں اس سے اہم تو کوئی کام نہیں۔ شزا نے کوئی بارہواں لہنگا ریجیکٹ کیا اور آگے بڑھ گئی۔ وہ بھی ان کے پیچھے چلنے لگی۔

اللہ اللہ کرکے انہیں لہنگا پسند آیا تو اس نے پرسکون سانس لیا۔ جیولر شاپ سے جیولری کی چیزیں خریدنے کے بعد وہ ریسٹورنٹ میں لنچ کے لیے آگئے۔ اس کا دل کھانے کو بالکل نہ چاہ رہا تھا مگر ان کی کمپنی کے لیے آگئی۔ جانے آج کل دل کو کیا ہورہا تھا وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ چاول اپنی پلیٹ میں ڈال کر بے دلی سے انہیں فورک سے گھمارہی تھی جب ایک پہچانی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

"ایکسکیوزمی۔ السلام علیکم گائیز۔ کیسے ہو حسنین؟" ان پر طائرانہ نگاہ ڈال کر وہ حسنین سے مخاطب تھا۔ حسنین اور شزا نے سلام کا جواب دیا جبکہ وہ چپ بیٹھی رہی۔

"ہم ٹھیک ہیں! احد! تم بیٹھو نا" حسنین نے خوشدلی سے کرسی کی جانب اشارہ کیا تو وہ بے تکلفی سے بیٹھ گیا جبکہ وہ جز بز ہو کر رہ گئی۔ وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

"اور سناؤ کیا چل رہا ہے اور۔ یہ۔" اس نے شزا کی جانب اشارہ کیا۔

"یہ از شزا' مائی فیانسی۔" حسنین نے شزا کا تعارف کروایا۔

"اوہ۔" وہ سرہلا کر سالن پلیٹ میں ڈالنے لگا۔

"اور آپ سنایئے یشا کیسی ہیں؟" وہ سٹپٹا کر اسے دیکھنے لگی وہ محظوظ ہوتا بغور اسے دیکھنے لگا۔

"الحمد للہ" یک لفظی جواب دے کر وہ دوبارہ کھانا کھانے لگی۔ احد حسنین اور شزا کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھا۔ گاہے بگاہے اس پر بھی نگاہ ڈال لیتا جس پر وہ جز بز ہو کر رہ جاتی۔ وہ تینوں اتنی بے تکلفی سے گفتگو کررہے تھے جیسے برسوں سے دوست ہوں۔ اس نے ایک کھلی سی نگاہ حسنین پر ڈالی مگر وہ ادھر متوجہ نہ تھا۔ احد اسے دیکھ کر چونکا۔ "کھانا کھایئے نا یشا" وہ کھانا نہیں کھارہی تھی صرف چمچ گھمارہی تھی کبھی کبھار بے دلی سے نوالہ منہ میں ڈال لیتی۔ احد کے کہنے پر حسنین نے بھی اسے دیکھا۔

"ارے ہاں یشا! کھاؤ نا' کیا بات کھانا اچھا نہیں ہے کیا؟" وہ ان تینوں کو اپنی جانب متوجہ دیکھ کر جلدی سے کھانا کھانے لگی۔ یہ نہیں کہ وہ کنفیوز تھی۔ ہاں آج کل اس کی طبیعت کچھ عجیب سی ہورہی تھی۔ پتا نہیں اس کا دل کیوں اتنا بے چین تھا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ جب سے احد نے اسے پروپوز کیا تھا وہ عجب دوراہے پر کھڑی ہوگئی۔ دماغ کچھ کہتا دل کچھ۔ دماغ کی اپنی دلیلیں تھیں تو دل کی اپنی حکایتیں' خواہشات وہ کبھی سوچتی تو الجھ جاتی کبھی دوستوں سے پوچھتی تو بے چین ہوجاتی۔ بقول رابعہ کے۔

"شادی اس سے کرو جو تم سے محبت کرتا ہو نا کہ تم اس سے محبت کرتی ہو" رابعہ کی بات اس کے دل کو لگی تھی مگر دماغ۔ آج کل وہ عجیب کشمکش میں تھی وہ اپنا تجزیہ کررہی تھی۔ احد کی موجودگی اس کے اعصاب کو متاثر کررہی تھی اور شاید وہ اس کی کیفیت سمجھ چکا تھا۔ تبھی معذرت کرتا اس جانب چلا گیا جہاں اس کے دوست کھڑے تھے۔ اس کے جاتے ہی جیسے وہ پرسکون ہوگئی۔

☼ ☼ ☼

اپنی بڑھتی بے چینی کو وہ کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھی۔ الجھن اس کی ابھی تک برقرار تھی۔ دل عجیب لے پر دھڑک رہا تھا۔ جسے وہ سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔

"کیا میں احد۔ سے محبت کرنے لگی ہوں۔ نہیں۔ نہیں۔" وہ خود اپنے خیالات جھٹلانے لگتی۔ "ہوسکتا ہے میرا وہم ہو مگر۔" اس کے سامنے دوراستے تھے وہ کسے چنے۔ کنفیوژن سی کنفیوژن تھی۔ وہ اپنے مختلف خیالات سے گھبرا کر آج یونیورسٹی چلی آئی۔ وہ دو ہفتوں سے یونیورسٹی نہیں جارہی تھی۔ اب وہ احد کا سامنا نہیں کرسکتی تھی۔ دن کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ اس نے دور سے رابعہ کو چند لڑکیوں کے ساتھ محو گفتگو دیکھا تو وہیں چلی آئی۔

"ارے تم۔" رابعہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"بد تمیز۔ اتنے دن کہاں غائب تھیں کچھ اتا نہ پتا خیریت تو تھی نا۔"

"ہاں خیریت ہی تھی۔ بس کچھ طبیعت خراب تھی" وہ ان کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگی تاہم اس کی بے زاری رابعہ سے چھپی نہ رہ سکی۔ اسی لیے پندرہ منٹ بعد وہ دوسری دوستوں سے اجازت لے کر یشا کے ساتھ کینٹین آگئی۔ سموسوں اور کوک کا آرڈر دے کر رابعہ نے اسے دیکھا جو میز پر پڑے گلاس کو گول گول گھمارہی تھی۔

"یشا! اوری تھنگ از آل رائیٹ؟" یشا نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔

"ہاں بس۔"

"کیا بات ہے پھر۔ الجھی ہوئی کیوں ہو؟" رابعہ نے تشویش سے اسے دیکھا۔

"پتا نہیں رابعہ یار! کچھ سمجھ نہیں آرہا کیا کروں۔ عجیب دوراہے پر ہوں۔ مجھ سے فیصلہ نہیں ہو پارہا۔" رابعہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں اس احد سے شاید متاثر ہو چکی تھی جو مجھے پھول بھیجتا تھا اور کال کرتا تھا میں نے اس کا آئیڈیل ذہن میں جو بنایا تھا وہ حقیقی احد کو دیکھ کر پاش پاش ہو گیا مگر میں اس احد کو بھول نہیں پا رہی جو مجھے ابھی بھی پھول بھیجتا ہے۔ پتا نہیں دل کیوں احد کی جانب ہمکتا ہے" الجھے الجھے لہجے میں وہ رک رک کر بول رہی تھی۔

"دوسرا مما کا خیال ہے احد نے چونکہ ساری زندگی باہر گزاری ہے اسی لیے گارنٹی نہیں دے سکتے اس کے متعلق۔۔۔ میں۔۔۔ احد دل کا بہت اچھا ہے۔۔۔ پھر۔۔۔"

"پتا ہے یشا! اب تک تم احد کی شکل و صورت کے متعلق کشمکش میں ہو۔ میری بات یاد رکھنا یشا' صرف شکل و صورت کے ساتھ کوئی زندگی نہیں گزار سکتا۔ فرض کرو اگر کوئی ایسا لڑکا تمہیں مل گیا جو خوبصورت ہو! لیکن تم سے پیار نہ کرے تمہاری عزت نہ کرے اور اس کا کردار بہترین نہ ہو تو ایسی شکل کا کیا کرو گی۔ شکل و صورت کو معیار بنا کر فیصلہ مت کرو اور جذباتیت مت دکھاؤ۔ دیکھنے والی آنکھ پہچان لیتی ہے اور میں جانتی ہوں احد ایک بہترین لڑکا ہے۔ تم ایسا ہم سفر ڈھونڈو جو تمہارے لیے اہم ہو نہ کہ خوبصورت۔ اہم ہونے اور خوبصورت ہونے میں فرق ہوتا ہے یشا" یشا نے چونک کر رابعہ کو دیکھا۔ احد نے بھی ایسی ہی بات کی تھی۔

Being beautiful is not important being important is beautiful

"خوبصورت ہونا اہم نہیں' اہم ہونا خوبصورت ہے۔"

"دماغ اور دل میں سے کس کا فیصلہ ماننا چاہیے؟"

"دل کا کیونکہ دل دلائل نہیں دیتا' دل اپنائیت' محبت اور خلوص دیکھتا ہے جبکہ دماغ دلائل دیتا ہے فائدہ اور نقصان دیکھتا ہے۔"

"ہوں۔۔۔" یشا نے سموسے کا ٹکڑا منہ میں ڈالا جو اس دوران سرد ہو چکا تھا۔ رابعہ سے مل کر اس کی بڑی کنفیوژن حل ہو چکی تھی۔ اس کے دل سے ان دیکھا بوجھ سرک گیا۔ جاتے وقت اس نے احد کو دیکھا تھا۔ گراؤنڈ کے دائیں جانب گول چبوترے پر وہ کچھ لڑکوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ وہ اسے ایک نظر دیکھنے کے بعد رکی نہیں تھی جبکہ احد کی نگاہوں نے اس کا پیچھا دور تک کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

کافی بنا کر وہ کچن کا دروازہ مقفل کر کے لاؤنج میں آگیا۔ کپ میز پر رکھ کر وہ لاؤنج کی بڑی گلاس ونڈو کے پاس جا کھڑا ہوا۔ باہر موسم کافی خوشگوار تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ اس نے کھڑکی کھولی تو تیز ہوا کے جھونکے نے اس کے بال بکھیر دیے۔ وہ کپ اٹھا کر دوبارہ کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

شام کے وقت اس نے ماما جینی سے بات کی تھی۔ وہ اب بھی اسے واپسی پر اکسا رہی تھیں۔ وہ انہیں آج بھی ٹالتا رہا تھا۔ وہ کیسے جا سکتا تھا اس کے بغیر جس نے اس کے قدم اس سرزمین پر جکڑ دیے تھے۔ پاکستان کا سفر اس کے لیے محبتوں کا سفر بن گیا تھا۔ پہلے بلال طارق کی محبت نے اسے پاکستان آنے پر مجبور کیا پھر ان کے گھر والوں کی شفقت اس کی تشنگی مٹا گئی۔ مدرسے کے ساتھیوں کا رویہ۔۔۔ اس کا دل مدتوں بعد جینے کی تمنا کرنے لگا تھا۔ اسے جینے میں مزا آنے لگا۔ وہ واپس پہلے بھی نہیں جانا چاہتا تھا مگر یشا سے ملنے کے بعد اس نے اپنے فیصلے پر یقین کی مہر لگا دی تھی۔ یشا کے رویے سے وہ بہت ڈسٹرب تھا۔ وہ یہاں سے خالی ہاتھ جانا نہیں چاہتا تھا۔ ایک خوبصورت تعلق ایک خوبصورت رشتے کو ہمراہ لے کر ہی جانا چاہتا تھا۔ اسے یہاں کا خاندانی سسٹم بہت پسند آیا تھا۔ وہ ایسی زندگی جینا چاہتا تھا۔ جہاں کبھی خوشیاں تھیں کبھی غم' خلوص تھا' وفا بھی اور۔۔۔ ایک گھر تھا۔

اس نے آخری گھونٹ بھر کر باہر دیکھا۔ ہوا اب تیز ہو گئی تھی۔ لان کے پودے لہرا رہے تھے۔ ٹھنڈی میٹھی ہوا میں اس نے گہرا سانس لے کر اندر کی گھٹن

باہر نکالی۔ تبھی فون بجنے لگا۔ احد نے پلٹ کر دیکھا فون مسلسل بج رہا تھا۔ نمبر دیکھ کر وہ چونکا موبائل تب تک بند ہو چکا تھا۔ چند منٹ کے وقفے کے بعد اس نمبر پر اسے میسج ملا۔

"تدبیر کبھی تقدیر سے جیت نہیں سکتی اگر میں تمہاری قسمت میں ہوئی تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے تم سے چھین نہیں سکتی۔" اتنا خوبصورت اظہار وہ خوشی سے سرشار اسے جواباً" میسج کرنے لگا۔

"کل ملو گی؟"

"ہاں۔۔۔" جواب فوراً" آیا۔

"کہاں" وہ اسے کے ایف سی لکھ کر سینڈ کرنے لگی۔ احد نے کھڑکی کے باہر دیکھا ہلکی ہلکی کن من شروع ہو چکی تھی۔ اس کا من اندر تک شانت ہو گیا۔ وہ بے چینی سے کل کا انتظار کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

سی گرین شرٹ جس پر سنہری دبکے کا کام ہوا تھا کے نیچے سنہری چوڑی دار پاجامہ پہن کر وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ ڈریسنگ ٹیبل سے کاجل اٹھا کر وہ آنکھوں میں بھر بھر کر ڈالنے لگی۔ اس کی موٹی موٹی براؤن آنکھیں چمک اٹھیں۔ ہلکی سی لپ اسٹک لگا کر اس نے بال اپنے دائیں کندھے پر ڈال لیے۔ کانوں میں سنہری جھمکے جن میں موٹے موٹے نگ لگے ہوئے تھے ڈالے اور ہاتھوں میں دو نازک سے گولڈ کے بریسلٹ۔ بیڈ کے کنارے پر بیٹھ کر وہ سنہری سینڈل پہننے لگی جو اس نے بہت مشکل سے ڈھونڈ کر خریدی تھی سی گرین دوپٹہ جس کے کنارے پر سنہری دبکے کا کام تھا اس نے بائیں کندھے پر ڈالا۔ ہاتھ میں سنہری پرس اٹھا کے وہ باہر آگئی۔ لاؤنج میں بیٹھے حسنین نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ پھر نظر انداز کر کے شہزاد کو میسج کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

اس نے بے چینی سے گیٹ کی طرف دیکھا اور کلائی موڑ کر گھڑی دیکھی۔ پانچ منٹ اوپر ہو چکے تھے۔

وہ ایکسائنٹمنٹ میں بیس منٹ پہلے آگیا تھا۔ تب سے وہ دو مرتبہ مشروب پی چکا تھا۔ یشا کا دور تک اتا پتا نہیں تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ بدگماں ہوتا گیٹ سے یشا آتی دکھائی دی۔ بے اختیار ایک گہری سانس اس کے لبوں سے خارج ہوئی۔ یشا مسکراتی ہوئی قریب آئی تھی۔

"السلام علیکم!" وہ مبہوت سا اسے دیکھ رہا تھا۔ یک ٹک سحر زدہ سا منہ کھولے۔ وہ اس قدر دلنشین لگ رہی تھی کہ اس سے نگاہ ہٹانا مشکل ہو رہا تھا۔ یشا نے گلا کھنکھار کر اسے متوجہ کیا۔ وہ ہڑبڑا کر ہوش کی دنیا میں واپس آگیا تھا۔

"کیسے ہو؟"

"آں... ہاں... ٹھیک ہوں" وہ اپنی بے خودی پر شرمندہ تھا۔

"کچھ آرڈر نہیں کرو گے؟" یشا اسے شرمندگی سے نکالنے کے لیے فوراً بولی۔

"ہاں... کیوں نہیں..." احد نے ہاتھ کے اشارے سے ویٹر کو بلایا جو پہلے بھی دس چکر لگا چکا تھا۔ چکن جلفریزی، نہاری اور بریانی کا آرڈر دینے کے بعد وہ یشا کو میز سے سرخ گلابوں کا بکے اٹھا کر دینے لگا۔ یشا نے حیرت سے سرخ بکے کو دیکھا۔

"سرخ گلاب... تم تو مجھے سفید گلاب دیتے تھے نا پھر سرخ کیوں...؟"

"سفید اس لیے دیتا تھا کہ انتظار جو تھا مگر اب انتظار نہیں ہے سو سرخ گلاب قبول کرو"

"سرخ گلابوں کا مطلب جانتے ہو؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر دلکشی سے مسکرایا۔

"اچھی طرح..." اسی دوران ویٹر میز پر مطلوبہ ڈشز رکھنے لگا۔ یشا نے گلابوں کو سونگھ کر آہستگی سے انہیں اپنی دائیں جانب میز پر رکھ دیا۔

"بہت خوبصورت لگ رہی ہو تم" وہ اس کی پلیٹ میں چاول ڈالتے ہوئے بولا۔

"اچھا... خوبصورت تو تم بھی لگ رہے ہو بلیک ڈنر سوٹ میں"

"یعنی تعریف کا بدلہ تعریف" احد کے کہنے پر یشا زور سے ہنس پڑی۔

"مجھ سے شادی کرو گی؟" احد نے اچانک پوچھا۔ یشا حیران نہیں ہوئی تھی شاید اسے پہلے سے توقع تھی۔

"میرا یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟" وہ الٹا اس سے پوچھ رہی تھی۔ احد اس کی رضامندی پہ مسکرا دیا۔

"میرے ساتھ اسکاٹ لینڈ چلو گی؟"

"تم جہاں لے کر جاؤ گے میں وہاں جاؤں گی" یشا نوالہ منہ میں ڈالتے اطمینان سے بولی۔

"اور تم جو کہو گی میں وہ کروں گا" احد برجستہ بولا تو یشا ہنس دی۔

"یشا! تمہاری مما مان جائیں گی نا، پہلے تو انہوں نے انکار کر دیا تھا" اچانک یاد آنے پر وہ یشا سے پوچھنے لگا۔

"یہ تو تمہارا کام ہے انہیں کنوینس کرنا ویسے..." وہ ذرا کی ذرا رکی۔

"میرا ووٹ تمہارے حق میں ہے اور اتنے بڑے ووٹ کے بعد مما کو تو ماننا پڑے گا نا"

"یشا! تم بہت اچھی ہو، جانتی ہو پاکستان آنا میرے لیے بڑا لکی ثابت ہوا ہے ڈھیر ساری محبتیں مل گئیں مجھے جن کے لیے میں ساری عمر ترستا رہا" یشا نے اپنا ہاتھ احد کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"تم بھی بہت اچھے ہو احد! بس مجھ سے یونہی محبت کرتے رہنا اور کوئی مطالبہ نہیں۔"

"ان شاءاللہ" وہ وثوق سے بولا۔ یشا نے بغور اسے دیکھا تھا۔ رابعہ سچ کہتی ہے کوئی کسی کے چہرے کے ساتھ زندگی نہیں گزارتا اہمیت تو انسان کی ہے۔ اس کی نگاہ احد سے ٹکرائی تو احد اور وہ مسکرا دیے۔ ارد گرد جیسے پھول کھل گئے تھے۔ اور احد بھی سچ کہتا ہے۔ خوبصورت ہونا اہم نہیں، اہم ہونا خوبصورت ہے۔

☆ ☆

کبھی رک گئے۔۔۔ کبھی چل دیے
کبھی چلتے چلتے بھٹک گئے
یونہی عمر ساری گزار دی
یونہی زندگی کے ستم سہے
کبھی نیند میں۔۔۔ کبھی ہوش میں
تو جہاں ملا۔۔۔ تجھے دیکھ کر
نہ نظر ملی۔۔۔ نہ زبان ہلی
یونہی سر جھکا کر گزر گئے
کبھی زلف پر، کبھی چشم پر
کبھی تیرے حسین وجود پر
جو پسند تھے میری کتاب میں
وہ شعر سارے بکھر گئے
مجھے یاد ہے کبھی ایک تھے
مگر آج ہم ہیں جدا جدا
وہ جدا ہوئے۔۔۔ تو سنور گئے
ہم جدا ہوئے تو بکھر گئے
کبھی عرش پر۔۔۔ کبھی فرش پر
کبھی ان کے در۔۔۔ کبھی دربدر
غم عاشقی تیرا شکریہ
ہم کہاں کہاں سے گزر گئے

کوریئر کے ذریعے بوکے اور کارڈ مجھے وصول ہوا تھا۔ ارشاد اسے میری ٹیبل پر رکھ کر چلا گیا تھا میں نے کارڈ اٹھایا آج 13 اگست تھی ایک لطیف دکھ کی لہر میں نے دل سے اٹھتی محسوس کی۔ میری آنکھوں میں نمی امڈ آئی تھی۔

"بہت برا کیا تم نے میرے ساتھ۔۔۔" کافی دفعہ دل سے اٹھتے اس فقرے کے ذریعے میں اس سے مخاطب ہوا تھا۔

"تم واپس آجاؤ میری زندگی میں سکون نہیں۔" ایک ٹیکسٹ لکھ کر میں نے اسے send کردیا۔

"لوگوں کو بھولنے کا ہنر سیکھو۔" اس کے جوابی جملے بلکہ حملے نے مجھے ہیجان میں مبتلا کردیا۔

اس ایک سال میں، میں اسے سمجھا سمجھا کر تھک چکا تھا۔ اس کے پاس ایک سے بڑھ کر ایک دلیل تھی اور میں جو جملوں اور لفظوں کا کاریگر تھا۔ جو مخاطب کو تکنیکی جملوں کی بوچھاڑ سے مات دے دیا کرتا تھا۔ اب کی بار سارے الفاظ ہی بھول چکا تھا۔ وہ میرے لیے عالم برزخ منتخب کرچکی تھی۔

الماری سے اپنا سوٹ نکالنے۔۔۔ اور پہننے تک۔۔۔ شوز کے تسمے باندھنے اور ٹائی کی ناٹ لگانے تک وہ میرے اردگرد ہی رہی۔ وہ کہتی ہے کہ میں بھول جاؤں۔۔۔ میں اسے یہ بتانے سے قاصر ہوں کہ اسے بھولنے کے لیے اگر میں دل کو ٹرانسپلانٹ بھی کروالوں تو میرے احساسات اور خیالات میں وہ یوں مدغم ہے کہ میں چاہوں بھی تو انہیں ٹرانسپلانٹ نہیں کرا سکتا۔

"صاحب! ناشتا آپ بی بی جی کے ساتھ کریں گے کہ اندر لے آؤں۔"

"نہیں ناشتا نہیں کروں گا۔" میرا دل اچاٹ تھا۔ آج کا دن تو کم از کم میں اسے نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے گاڑی نکالی اور آفس چلا آیا۔

میری ڈیسک پر پیپرز کا پلندہ تھا۔ ہر کام بے ترتیب۔۔۔ میں نے کبھی آج کا کام کل پر نہ چھوڑا تھا۔ بڑا کیلکولیٹ سا شخص تھا۔ پچھلے کچھ دنوں کی بے توجہی میرے دفتری کاموں پر بھی اثر انداز ہوچکی تھی۔

"تم نے کامران گوالیار سے کوئی اپائنٹمنٹ لے رکھی تھی۔" شاہد نے اندر آتے ہی کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہی پوچھا میں نے نظریں چرالیں۔ فی الوقت مجھے کوئی جواب نہ سوجھا تھا۔

"ویسے کسی کی غیر موجودگی میں اس کی ڈاک چیک کرنا غیر اخلاقی فعل ہے؟" میں نے تھوڑا ناراضی سے کہا۔

"اخلاقیات کا سبق تو مجھے بعد میں پڑھانا اتنے لیٹرز میں ایک غیر معمولی لیٹر کو دیکھ کر تجسس نہیں، دوست کی فکر جاگی تھی، ہر ایک کو اپنی عینک اور اخلاقیات کے پیمانے سے مت دیکھا کرو تمہارے اخلاقی لیول کا مجھے اندازہ ہے۔" میری بات اسے طیش دلا گئی تھی اور وہ حقیقتاً "میرا بہت پیار" خیال کرنے والا دوست تھا۔

"شاید مجھے ہی محبتوں کی قدر نہیں۔" میرے دھیمے سے کہے جملے کو سن کر وہ ساری خفگی بھول چکا تھا۔

"یار! تمہارا علاج ان لوگوں کے پاس نہیں۔" اس کا اشارہ کامران گوالیار کی طرف تھا۔

"تو پھر۔۔۔ کیا کروں؟ یہ لوگ اسی لیے ایسے پروفیشن میں آتے ہیں کہ ہمارے جیسے پاگلوں کو سنبھال سکیں۔" میں تلخ ہو رہا تھا۔

"اچھا چھوڑو۔۔۔ کافی منگواؤ۔۔۔ میرے لیے۔۔۔ بڑی سردی ہے آج۔" وہ شاید اس کیفیت سے مجھے نکالنا چاہتا تھا۔

"خیریت ہے تمہیں اگست میں سردی لگ رہی ہے۔" مجھے کول ڈاؤن کرنے کی اس کی بے تکی وجہ پر میں چبا کر بولا وہ جواباً "بلند قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔

☼ ☼ ☼
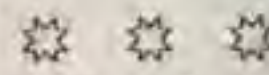
میری زندگی میں کہیں کوئی کمی نہیں تھی زندگی کی ہائی وے پر گاڑی اپنے بہترین انداز میں چل رہی تھی۔ میں اور وہ گاڑی کے پرفیکٹ پہیے تھے جنہیں مرمت کروانا پڑتا تھا اور نہ وہ بری کوالٹی کے تھے اور شاید یہ گاڑی یوں ہی چلتی رہتی مگر۔۔۔ ہوتا ہے نہ کہیں قدرت آزمانے کے لیے کسی سخت پتھر اس کے درزوں میں پھنسا دے یا کوئی کیل پھنسا کر اسے ناکارہ کردے۔

شمائل میری فرسٹ کزن تھی اور کوئی طوفانی محبت بھی نہ تھی۔ بچپن تو بس لڑتے جھگڑتے گزرا تھا وہ اکلوتی تھی جبکہ ہم چار بھائی اور دو بہنوں پر مشتمل اچھے خاصے فیملی ممبرز تھے۔ اس نے زوولوجی میں ایم ایس سی کی تھی اور میں جرنلزم میں ماسٹرز کرکے صحافت میں قدم رکھ چکا تھا۔

اماں نے شادی کے لیے لڑکیاں دیکھنی شروع کیں تو ردا باجی کی شادی پر مجھے محسوس ہوا کہ اماں ادھر ادھر دیکھنے کی بجائے شمائل کو کیوں نہیں دیکھ لیتیں۔ اتنی ساری رنگ رنگیلی۔۔۔ چھیل چھبیلی دوشیزاؤں میں وہ سادگی کا نمونہ بنی بیٹھی تھی۔ لپ اسٹک کے نام پر ہلکا سا گلوز لگایا ہوا تھا اس کی بڑی بڑی نمایاں ہوتی آنکھیں اور شفاف رنگت، دل گڑبڑ کر رہا تھا۔

بس میں ساری رات سو نہ سکا تھا میں مزید آنکھوں کی لالی اور رت جگا نہیں چاہتا تھا مجھے کوئی سوبر۔۔۔ سادہ پیاری سی لڑکی ہی چاہیے تھی۔ فیصلہ ہوچکا تھا۔ میں نے امی سے بات کی۔

"تمہارا دماغ خراب ہے؟ حیدر!" اماں نے منہ بنایا۔

"شمائل پیاری، سگھڑ سی بچی ہے پر اس کی ماں۔۔۔ مجھے طاہرہ باجی کی شوخیاں ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔" اماں کی طاہرہ تائی سے کبھی نہ بنی تھی۔ مجھے یہ ہی ڈر تھا۔

"پر امی شمائل تو آپ کو شروع سے اچھی لگتی تھی۔" گھر میں اکثر وقتاً "فوقتاً" میں امی کے منہ سے اس کی تعریفیں سنتا آیا تھا۔

"ذرا نہیں ماں پر گئی۔۔۔ ماں کو تو بس ہمارے سے ذرا اونچا بن جانے کا غرور ہی نہیں جاتا۔ چلے جاؤ کبھی اس پورشن میں شمائل بچی اتنا پوچھتی ہے۔۔۔ اتنا خیال کرتی ہے کہ طاہرہ کی کوئی بات بری ہی نہیں لگتی ہر آئے گئے کو سنبھالنا۔۔۔ تمیز و آداب والی ہے کیسے کیسے متکبر اور غرور والے لوگوں کے ہاں انکساری کے پیکر پیدا ہوجاتے ہیں۔"

اماں کے تبصرے اسی طرح کے ہوتے پر آج مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ اسی انکساری کے پیکر کو اماں صرف تائی کی وجہ سے رد کر رہی تھیں۔ میں اپنے فیصلوں میں پکا تھا۔ ابا کہتے تھے کہ یہ عادت دادا ابو سے مجھ میں ٹرانسفر ہوئی تھی وہ بھی فیصلوں میں اٹل تھے ایک فیصلہ کرلیتے تو پھر نفع نقصان کی پروا نہ کرتے تھے۔

میں نے ابو سے بات کی وہ حسب توقع فوراً "مان گئے۔ ردا باجی نے بھی کافی ساتھ دیا ریشم آپا تو بس اللہ میاں کی گائے تھیں میں بات کرتا تو میری طرف ہوجاتیں اگر امی بات کرتی تو ان کے ساتھ مل جاتیں۔ بھائیوں میں سے سارے اپنی دنیا میں مست۔۔۔ انہیں البتہ کوئی اعتراض نہ تھا ایک ہفتے تک بحث و تکرار

یوں ہی جاری رہی۔
میری ان دنوں نئی نئی جاب ہوئی تھی اور جلد ہی مجھے آفس والے کراچی تعینات کررہے تھے فی الحال میں میڈیا ایڈوائزر کے عہدے پر تھا اور مجھے ابھی بڑی محنت کرنی تھی۔ صحافت میں مقام بنانا کچھ ایسا ہی کام تھا جیسے طویل سرنگ سے گزر کر کسی کو اپنے زندہ ہونے کی نوید سنانا۔

میں جانے سے پہلے شادی کے موڈ میں تھا۔ ہاسٹل لائف میں اپنی کوکنگ سے مستفید ہوچکا تھا اب وہ تجربہ دوبارہ کرنے کی ہمت نہیں تھی وہ تو کالج کا زمانہ تھا جو رنگ برنگی جرابیں پہن کر بوٹوں میں چھپالی جاتیں اور اپنی پینٹ کے پائنچے یوں سیٹ کرلیے جاتے کہ کسی کو پتا نہ چلے کہ دائیں پاؤں والی جراب کا کلر لال ہے اور بائیں والی کا میرون۔۔۔ اب تو اگلے نوکری سے کان پکڑ کر نکال دیں گے۔

مقدمے کا فیصلہ میرے حق میں ہی ہونا تھا۔ میری ضد کا اماں کو بھی پتا تھا اسی لیے زیادہ مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

ادھر سے بھی رشتہ قبولیت کی سند پاگیا تھا میرے شور مچانے پر شادی کی تیاریاں شروع کردی گئیں ـــــ ابھی کچھ ہی ہفتوں پہلے ردا باجی کی شادی کی تھی امی بدستور تھوڑی خفا تھیں پر باقی سب میری پریشانی سمجھ رہے تھے۔ تائی کا غیر متوقع طور پر رنگ ڈھنگ ہی بدل گیا تھا اب وہ امی والا رول نبھا رہی تھیں اور امی تائی والا۔

باجی ردا اور ریشم آپا مجھے روز ہی نیلے، پیلے، سرخ، سفید خوب صورت تلّے، موتی، کڑھائی اور پتا نہیں کیا الابلا والے کاموں سے مزین ملبوسات دکھاتی رہتیں میری صحافتی سرگرمیاں بھی عروج پر تھیں پر دل میں بھی ایک دلفریب احساس جاگزیں رہتا۔ بلاوجہ ہی لان میں بیٹھے بیلوں اور پھولوں سے لپٹ لپٹ کر گلے ملتی ہوا مجھے اپنی طرف آتی محسوس ہوتی۔ اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے مجھے یوں ہی سا احساس ہوتا کہ ساتھ والے پورشن کی بالکنی سے کوئی مجھے جھانک کر دیکھ رہا ہے یا موبائل پر بات کرتے بے اختیار نظریں ساتھ والی دیواروں کا طواف کرنے لگتیں۔

بڑے حسین پل تھے اور مجھے اندازہ نہ تھا کہ اس کی سنگت میں یہ حسین تر ہوجائیں گے۔ وہ مجھے ٹوٹ کر چاہتی تھی اس کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ وہ بڑی امیجینٹیو (تصوراتی) لڑکی ہے۔ اس کے پاس خوابوں کا ایک جہاں تھا بقول اس کے اس نے مجھے ساری عمر کے جذبے دان کردیے تھے۔ میں اس کی محبت میں مغرور اور سرشار سا یوں تن جاتا جیسے بادشاہ کو یقین ہوجائے کہ ساری رعایا اس کے لیے اپنی ہتھیلیاں تک زمین پر بچھانے کے لیے راضی ہوگئی ہے۔

میں بھی اس کی محبت کا جواب محبت سے ہی دیتا۔ میرے ہر کام کو وہ اپنا فرض سمجھتی مرد کو نیک اور محبت کرنے والی خوب صورت بیوی مل جائے تو میرے خیال میں اس سے بڑی کوئی نعمت ہو ہی نہیں سکتی مجھے ڈیوٹی آورز میں تھوڑی تاخیر ہوجاتی تو وہ مجھے کبھی کال کرکے تنگ نہ کرتی۔

بے جا سوالات سے مجھے چڑ تھی اس نے مجھے کبھی نہیں کہا کہ آپ کیوں اتنا لیٹ ہوئے؟ میرے ساتھ کھانا کیوں نہیں کھایا؟ فلاں جگہ کیوں گئے؟ مجھے کیوں کم ٹائم دیا؟ اور ہر وہ فضول سوال جو میری نظر میں ازدواجی رشتے کو کمزور کرنے کے مترادف تھا وہ کبھی اس نے نہ دہرایا میری خبرگیری ضرور کرتی، پر سوالات کی بوچھاڑ یا اپنی دھونس اور حاکمیت جو عموماً" میں اپنے کولیگز کے منہ سے ان کی بیویوں سے متعلق سنتا رہتا تھا۔ لیکن اس خوفناک تجربہ سے کبھی دوچار نہیں ہوا۔ میں بلاشبہ خود کو خوش قسمت تصور کرتا۔ وہ محبت میں سکون دینے کی قائل تھی۔

میرے دوستوں میں شاہد میرے قریب تھا وہ بھی شمائل کی خوبیوں کا معترف تھا۔ پر ہوتا ہے نہ کہ کبھی خوش گوار موسم میں تیز دھوپ نکل آتی ہے یا تیز دھوپ میں بھی بادل امڈ آنے کا امکان بڑھ جاتا ہے اور گرج چمک طوفان، بادوباراں یوں شروع ہوتا ہے کہ ہر بچہ بوڑھا حیران ہی رہ جاتا ہے کہ یہ ہوا کیا؟ ابھی تو موسم ٹھیک ٹھاک تھا اب اچانک کیا ہوا؟ یہ زندگی بھی امکانات کی جنگ ہے بس کبھی امکانات تسلسل سے آتے ہیں تو کبھی یک دم اچانک۔۔۔

میری زندگی میں یہ امکان کسی حادثے سے کم نہیں تھا۔ جب میں نے اپنے کیمرہ مین یوسف کی لاش اور طارق محمود میرا ہم پیالہ، ہم نوالہ۔۔۔ لنگوٹیا یار۔۔۔ جو میرے ساتھ ہی تھا۔۔۔ ابھی کچھ دیر پہلے اور جیسے ہی میں ۔ بارڈر لائن سے پیچھے کوریج کا ٹارگٹ دے کر خود عباس صاحب کو فون کرنے کے لیے کسی پرسکون جگہ کی تلاش میں پیچھے مال سے مڑ کر ٹاور کے پاس آیا کہ یہاں سکون تھا میں آرام سے کچھ پوائنٹس، ہدایات کے طور پر عباس صاحب کو بتا سکتا تھا۔

پتا نہیں ایک دم کیا ہوا تھا کوئی چیز پھٹی تھی یوں لگا جیسے میرے دل پر کسی نے زور سے گھونسا مارا ہو میرے حواس معطل ہوچکے تھے۔ بم دھماکے میں یوسف اور طارق محمود جو قریب ترین تھے مارے گئے جبکہ میں اور ذکی ڈینجر زون سے پیچھے ہی تھے اسی لیے اتفاقاً" بچ گئے۔

یہاں بم بلاسٹنگ کی قطعی امید نہ تھی ہمارا پیشہ کم از کم اس طرح کا تھا کہ ہمیں خطرے کی جگہ کا پہلے ہی اندازہ ہوجاتا تھا۔ مگر اس بار ہمارے اندازوں کے برعکس ہوا تھا پاکستان میں دہشت گرد عناصر کے اندازے بے معنی تھے وہ شاید بغیر ٹارگٹ اور اندازوں والی پالیسی اختیار کرچکے تھے اب تو بس اندھا دھند جہاں موقع ملے وہیں مار دو والا کام تھا۔

ہمارا سارا عملہ سوگوار تھا طارق سے دیرینہ دوستی مجھے مار دینے کو کافی تھی۔ میں اتنا ڈسٹرب تھا کہ میرے لیے اگلے کچھ دن کام کرنا ناممکن تھا۔ شمائل اور شاہد نے مجھے بڑا جذباتی سہارا دیا۔ شمائل نے جس طرح مجھے اس فیز سے نکالا کہ میں مزید اس کی خوبیوں کا معترف ہوگیا وہ دنیا کی سب سے اچھی بیوی تھی۔

عباس صاحب کے فون نے مجھے پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کا احساس دلایا اور میں پھر میدان کارساز میں اتر گیا۔ جان کی حقیقت صرف اتنی سی ہی ہے کہ بندہ چلا جائے تو آنکھیں بھی اتنی صلاحیت نہیں رکھتیں کہ تین دن سے زیادہ روئیں اور دل بھی اتنا حوصلہ نہیں کرتا کہ زیادہ دکھ کو سہار سکے۔ دنیا کھینچ لیتی ہے اپنی طرف بس خلا رہ جاتا شاید نفسیاتی یا شاید جذباتی۔۔۔ کسی کے نہ ہونے کا احساس بس۔ کچھ کھو جانے کا احساس۔

میں افسردہ افسردہ آفس چلا آیا۔ اس کی ٹیبل اور چیئر خالی تھی میری کیفیت کا سب بخوبی اندازہ لگا سکتے تھے۔ نامحسوس طریقے سے سب ہی باری باری میری خیریت دریافت کرنے میرے ٹیبل پر آئے انکل ریاض، سعدیہ رضا، سر عباس اور شاہد تو آج شاید اپنا سارا کام موقوف کرکے میرے پاس ہی منڈلا رہا تھا اتنی ساری چاہتوں نے میرا دل پھر سے بھر دیا۔ گھر میں شمائل اور دفتر میں یہ مخلص لوگ۔

ہم ایک فیملی کی طرح تھے گھر کے ممبرز تو پھر بھی کبھار ہی مل پاتے ہیں لیکن جہاں آپ کام کرتے ہیں وہاں عمر کا ایک حصہ بتادیتے ہیں اگر وہ لوگ اچھے ہوں تو دفتر بھی گھر ہی لگنے لگتا ہے۔ طارق اور میری دوستی تو ہمیشہ یوں ہی تھی کہ اسکول بھی اکٹھے۔۔۔ کالج بھی اکٹھے اور جاب بھی اکٹھی۔۔۔ فیلڈ بھی ایک۔۔۔ بس موت الگ الگ ہوگئی۔

میں کام کے سلسلے میں اسلام آباد آگیا یہاں رکنے کا ارادہ تھا سو شمائل کو بھی لیتا آیا۔ ایک تو وہ اپنی امی کے لیے اداس تھی دوسرا میں خود سب سے ملنے کے لیے بے چین تھا۔ پچھلے دنوں کی جذباتی کیفیت نے پل دو پل کی اس زندگی میں مجھے رشتوں کے لیے مزید حساس کردیا تھا۔

امی مجھے دیکھ کر نہال ہوگئیں شمائل کے ساتھ خود ساختہ ناراضگی کبھی کی دور ہوچکی تھی۔ وہ بڑی محبت سے اسے اپنے ساتھ لپٹائے کھڑی تھیں ردا اور ریشم آپا نے شکایتوں، گلوں کا ایک دفتر کھول لیا تھا میں نے یہ پورا ہفتہ رہنے کا وعدہ کیا۔

آج موسم بھی اچھا تھا میں چھوٹے بھائی کو کمپنی دینے کی غرض سے کرکٹ کھیلنے کے لیے اس کے ساتھ

باہر لان میں چلا آیا ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی، جب شمائل نے مجھے دور سے پکارا۔

"حیدر! آپ کی کال آرہی ہے کب سے۔" گھر آکر میں موبائل کو جان بوجھ کر بھولتا۔ میں گھر میں ریلیکس رہنا چاہتا تھا ہر وقت کی ٹوں ٹوں سے آزاد۔

"آف کرو۔۔۔" میں نے دور سے ہانک لگائی وہ اثبات میں سر ہلا کر اندر چلی گئی۔ کافی دیر کھیل کر اور نہا دھو کے ہشاش بشاش میں لاؤنج میں چلا آیا۔

امی نے بیسنی روٹیاں اور مختلف چٹنیوں کا اسٹاک میرے آگے ٹیبل پر لگا دیا تھا مجھے بیسنی روٹی بے حد پسند تھی۔ شمائل نے مجھے فون پکڑا دیا۔

"چیک کرلیں۔۔۔ شاہد بھائی کی بھی کافی دیر سے کال آرہی ہے۔" وہ نرمی سے بولی۔

"اوہو۔۔۔ مجھے پہلے بتانا تھا وہ تو مجھے اچھی خاصی سنائے گا۔"

"آپ نے خود ہی منع کردیا تھا۔"

"تم اتنا تو سکتی تھیں کہ شاہد کا ہے۔"

"تب میں نے چیک نہیں کیا تھا ابھی آن کیا تھا آپ کو پکڑانے کے لیے، تب ان کی کالز پھر آنی شروع ہوئیں۔"

"لوگوں کی بیویاں اپنے ہزبینڈ کے موبائلز کا پورا ریکارڈ رکھتی ہیں اور تم صرف ایک نظر اسکرین کو نہیں دیکھ سکیں کہ کس نام سے کال آرہی ہے۔"

"مجھے ایسی چیپ حرکتوں کی ضرورت نہیں انہیں اپنے شوہروں پر شک ہوگا مجھے اپنے شوہر پر ایسا کوئی شک نہیں اور اسکرین کی طرف دیکھ کر ہی بتایا ہے کہ شاہد بھائی کی کال ہے۔" وہ استحقاق کے ساتھ مان بھرے لہجے میں بولی میں نثار ہوتی نظروں سے اسے دیکھ کر شاہد کو کال کرنے لگا۔

"یار! کراچی آؤ جلدی۔" وہ چھوٹتے ہی بولا۔

"کیوں؟ خیریت۔"

"خیریت۔۔۔ ہی خیریت ہے۔۔۔ جتنی جلدی ہوسکے پہنچو اگر تمہیں میری خیریت نیک مطلوب ہے۔" اس کی بات پر میں ہنس دیا۔ پھر میں نے سنجیدہ ہوکے پوچھا۔

"کچھ بتاہی دو۔۔۔ ہوا کیا ہے؟" میرے اصرار پر اس نے مختصراً بتایا۔ میں بھی حقیقتاً پریشان ہوگیا وہ بے چارا واقعی میں پھنسا ہوا تھا۔

رافعہ بھابھی نے تو اس کا جینا حرام کردیا ہوگا۔ وہ کس قبیل کی عورت تھیں، میں بخوبی جانتا تھا۔ لڑائی کے لیے انہیں بس چھوٹی سی وجہ چاہیے ہوتی۔ شاہد بے چارے کی ازواجی زندگی کی دگرگوں حالت ملکی حالات کی طرح مسلسل زوال کا شکار ہوتی جارہی تھی اوپر سے بغیر منصوبہ بندی کے اتنے بچے۔۔۔ مہنگائی۔۔۔ اور پھر آج کی صورت حال۔۔۔ میں چشم تصور سے وہ منظر ملاحظہ کرسکتا تھا کہ شاہد کو فرائی پین یا چپل کس اینگل سے پڑ رہے ہوں گے۔ شمائل کے ساتھ نے مجھے اللہ کا شکر گزار بندہ بنادیا تھا اس کی ساری نعمتیں ایک طرف اور شمائل کا ساتھ ایک طرف، میں جتنا بھی شکر ادا کرتا اتنا کم تھا۔ وہ اس طرح کی عورت کی پرچھائی سے بھی میلوں فاصلے پر کھڑی تھی۔ وہ میرا ہاتھ تھامے اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی محبت کی وادی میں اتار کر خراماں خراماں زندگی کی راہ گزر پر چل رہی تھی۔

میں نے جانے کا عندیہ سنایا تو امی، باجی، آپا تقریباً سارے ہی میرے پیچھے پڑگئے۔ شمائل نے بھی ان کے اصرار کو دیکھ کر پہلی دفعہ مجھے رکنے کے لیے کہا جو ہر دم میرے ساتھ میرے وقت بے وقت بنے پروگراموں کی شریک کار تھی میں نے مختصراً اسے مجبوری بتائی پھر اس نے ہی سب کو رام کیا امی نے اگلے پروگرام میں زیادہ دن رہنے کا وعدہ لے کر رخصت کیا۔ میں ایک ہی دن میں کراچی پہنچ جانا چاہتا تھا۔ شاہد کی مجبوری کے ساتھ ایک نئی مجبوری بھی مجھے پریشان کیے دے رہی تھی۔

میں نے آفس پہنچتے ہی اسے کال ملائی۔ وہ میری آواز سنتے ہی گھر سے نکل پڑا تھا شاید۔۔۔ اسی لیے آدھے گھنٹے کے اندر اندر دفتر چلا آیا۔ چادر میں لپٹا وجود بھی اس کے ساتھ تھا۔ مجھے دیکھتے ہی چادر کے اندر سے السلام علیکم! کی سریلی سی آواز آئی وہ طارق محمود کی بیوہ تھی جسے کرائے اداروں نے دس دن کے نوٹس پر گھر خالی کردینے کا کہہ دیا تھا۔

مجھے خود پر بے حد بلکہ جی بھر کے افسوس ہوا ویسے لنگوٹیا یار، لنگوٹیا یار۔۔۔ کی رٹ لگائی رکھی۔ اس کی یاد کے کچھ آنسو بہا کر بچپن کی رفاقت کا حق ادا کردیا مجھے اتنی توفیق نہ ہوئی کہ اس کے لواحقین کا ہی اتا پتا کرلوں۔ خود پر بے حد جھنجلاہٹ اور لعن طعن کرکے میں اس کی طرف متوجہ ہوا۔

میری معلومات کے مطابق طارق کا رشتے داروں کے نام پر صرف ایک چچا ہی تھا وہ بھی سگا نہیں تھا۔ اس کے والدین کی وفات کے بعد اسی چچا نے اسے پالا تھا اور اسی کی بیٹی سبرینہ شہزاد سے اس نے شادی کی تھی یہ شاید وہی سبرینہ شہزاد ہے جس کی گزری زندگی کے کچھ پل میرا جگری دوست میرے ساتھ شیئر کرچکا تھا۔

شاہد نے مختصراً طارق کی وفات سے لے کر اب تک کی اس کی مالی و ذہنی پریشانیوں کا حوالہ دے کر اس کے یہاں آنے کا سبب بتایا۔ وہ پناہ کی تلاش میں تھی، وہ تحفظ کی متلاشی تھی اس کے بے آواز آنسو مجھے بے چین کرگئے۔

"یار! تم انہیں اپنے گھر لے جاؤ بھابھی کی نیچر تو بے حد اچھی ہے کم از کم رافعہ کی طرح اوور ری ایکٹ تو نہیں کریں۔" میں نے کچھ سوچ کر سر ہلایا۔

شمائل کو فون کھڑکا کر میں نے ساری صورت حال سے مطلع کیا۔ اس نے فوراً اسے ڈرائیور کے ساتھ گھر بھیجنے کے لیے کہہ دیا۔ اپنی پیاری بیوی کی پیاری فطرت نے مجھے مزید معتبر کردیا تھا۔ شاہد بھی مجھے رشک سے دیکھتا رہ جاتا۔

شمائل نے غالباً اسے اچھی کمپنی دی تھی کچھ دنوں میں ہی وہ جذباتی کیفیت سے نکل آئی تھی۔

"السلام علیکم!" میں دفتر سے لوٹا تو بلند آواز سے سب کو سلام کیا لاؤنج میں رونق لگی ہوئی تھی۔ ردا آپی اور سہیل بھائی کی سرپرائزنگ آمد نے مجھے خوش گوار سی خوشی عنایت کی میں بھی وہیں براجمان ہوگیا۔

شمائل اور سبرینہ بھابھی نے خاصا اہتمام کر رکھا تھا۔

باتوں باتوں میں ٹائم کا اندازہ ہی نہ ہوا۔ 12 بجے کے قریب مجھے خیال آیا کہ مجھے دفتر بھی جانا ہے صبح اٹھا بھی نہیں جاتا میں معذرت کرکے بیڈ روم میں آگیا پیچھے پیچھے ردا آپی چلی آئیں۔

"حیدر! مجھے تم سے یہ کہنا ہے کہ میں سبرینہ کو لے کر اسلام آباد جارہی ہوں۔" ان کے خطرناک تیور اور دوٹوک انداز پر میں بھونچکا رہ گیا۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟"

"ہوا تو کچھ نہیں۔ مگر کچھ ہو ضرور جائے گا۔ دنیا کیا کیا نہ باتیں بنائے گی۔ وہاں کم از کم ایک پوری فیملی تو ہے وہاں پہ رہے گی تو کسی کو محسوس بھی نہ ہوگا جبکہ یہاں تم دونوں۔۔۔ اور تیسری یہ۔۔۔ اب ننھے سے تو نہیں، جو سمجھ نہ سکو۔" ان کی ناراضی بدستور تھی۔ میں کچھ، کچھ نہیں بلکہ کافی بات سمجھ چکا تھا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔" میں نے کندھے اچکا دیے۔

"بس خیال رکھیے گا یہ طارق کی بیوہ ہے اسے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔" میری بات سمجھ کر انہوں نے مجھے یقین دہانی کرادی۔

میں دفتری امور میں ایسا الجھا کہ سبرینہ نام کے کسی جیتے جاگتے وجود کی میں نے ذمہ داری لے رکھی تھی یکسر فراموش کرچکا تھا۔ ہوش تو مجھے تب آیا جب رات کے دو بجے موبائل پر ابھرتی سسکیوں کی آواز سن کر میں ہڑبڑا کر اٹھا۔ وہ رو رہی تھی، بے تحاشا۔

"آپ مجھے ذمہ داری بنا کر لائے تھے۔۔۔ تو کسی دارالامان میں دے دیتے۔ مجھے یہاں کیوں بھجوایا؟ مجھے چھت دے کر آپ نے میری ساری ذمہ داری پوری کردی چھت تو میں کہیں محنت کرکے بھی حاصل کرسکتی تھی مجھے تحفظ چاہیے حیدر صاحب!" اور پھر اس کی بات سن کر میرے دل و دماغ میں آندھیاں سی چل گئیں۔

مجھے ردا آپی پر بے حد غصہ آیا تھا اگر یہی سب کرنا تھا تو کیوں ایسا کیا۔ میں شمائل کو وہیں کراچی چھوڑ کر

اسلام آباد چلا آیا۔
"امی! آپ انہیں ادھر نہیں رکھ سکتی تھیں۔" سب سے پہلے میں امی سے لڑا تھا۔
"میں اپنے جوان ہوتے بیٹوں کے درمیان کسی غیر لڑکی کو رکھ کر سو، سو باتیں نہیں سن سکتی۔" ان کے دوٹوک جواب پر میں روہانسا ہو گیا۔ ردا آپی سے تو میں خوب لڑا اور انہوں نے بھی کھری کھری سنا ڈالیں۔
"میرے شوہر پر الزام لگانے سے پہلے تمہیں یہ تو سمجھنا چاہیے کہ یہ محترمہ جہاں بھی رہیں گی، وہاں ہر ایک کے لیے مسئلہ ہی بنا رہے گا۔"
"آپ کے اتنے بڑے گھروں میں کسی انسان کے لیے اتنی سی بھی جگہ نہیں۔" میری آواز سے دکھ جھلکنے لگا تھا۔
"سہیل بھائی بے کار مال سمجھ کر منہ ماری کرنے کی بجائے اگر تمیز سے اسے بہن، بیٹی بنا کر رکھ بھی لیتے تو کیا قیامت آجاتی تھی۔" میری آواز اونچی ہو رہی تھی۔
"سہیل نے کچھ نہیں کیا یہی بدفطرت ہے۔" ردا آپی چمک کر بولیں۔
"بس۔۔۔ کریں۔۔۔ پلیز۔۔۔ سہیل بھائی کے قصے شادی سے پہلے بھی مشہور تھے اور اگر آپ کی ضد نہ ہوتی۔۔۔ تو ہم کبھی آپ کی شادی بھی نہ یہاں کرتے۔"
"ہاں سہیل تو ہیں ہی برے۔۔۔ تمہیں اتنا درد جاگ رہا ہے تو خود کر لو اس سے شادی۔" وہ پھنکاریں۔ جبکہ میرے اندر ان کے لب و لہجے پر سناٹا سا اتر آیا۔
حیدر ملک کو دو منٹ نہیں لگے تھے فیصلہ کرنے میں فوراً "کراچی شمائل کو کال کی۔
"تم مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو۔۔۔"
"کیا مطلب؟" وہ حیران سی ہوئی۔
"میں آپ کی بیوی ہوں اور آپ سے بے حد محبت کرتی ہوں۔"
"بہت سارے لوگوں کی بیویاں ہوتی ہیں پر میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ تم مجھ سے اتنی محبت کرتی ہو کہ میرے لیے کسی بھی حد تک جاسکو۔" دوسری طرف سے ایک سیکنڈ میں جواب آیا تھا۔
"یس!" سرشاری سی رگ و پے میں سرائیت کر گئی۔
"میرے کیے گئے کسی بھی فعل کو میری خاطر قبول کر سکتی ہو؟"
"حیدر! کیا ہوا ہے؟" وہ سہم جانے کی حد تک پریشان ہو گئی اس کا غیر متعلقہ جواب مجھے جھنجلا گیا تھا۔
"میں جو پوچھ رہا ہوں وہ بتاؤ۔"
"میں آپ سے اتنی محبت کرتی ہوں کہ سب کچھ قبول کر سکتی ہوں۔" جو میں سننا چاہتا تھا وہ جان گئی تھی اور مجھے سنا بھی چکی تھی۔ مجھے اطمینان ہوا۔

☼ ☼ ☼

"میں سبوینہ سے نکاح کروں گا۔ مجھے شمائل کی طرف سے بھی اجازت ہے۔" میں اپنا فیصلہ سنا کر اپنے دوست احباب اور نکاح خواں کو بلانے چل دیا۔ ردا نے پیچھے طوفان سا برپا کر دیا میں سبوینہ کو مضبوط رہنے کا کہہ کر چلا گیا۔ راستے میں مجھے شمائل کی کال آرہی تھی۔
"حیدر! ردا باجی۔۔۔" میں جانتا تھا کہ وہ کیا شوشا چھوڑیں گی۔
"تم اطمینان رکھو۔" میں اس کی بات کاٹ کر کال منقطع کر چکا تھا۔
نکاح کے بعد میں اسے اسلام آباد لے آیا وہ سارے راستے سوں سوں کرتی آئی میں اسے کافی تسلیاں دیتا آیا۔
"تم ٹینشن نہ لو۔ شمائل بڑی اچھی ہے۔ وہ تمہیں قبول کرلے گی۔"
"ہمارے رشتے کی نوعیت بدل گئی ہے۔ پتا نہیں شمائل کا رویہ میرے ساتھ کس طرح کا ہو۔" وہ ابھی بھی اندیشوں میں تھی۔
"دیکھو یہ سچ ہے کہ رشتے کی نوعیت وہ نہیں رہی پر بہت سو میں سے وہ اچھی خاتون ہے تھوڑا بہت غصہ اگر ہو بھی جائے تو درگزر کر دینا اتنا تو ہو ہی جاتا ہے۔" بہت مبہم طریقے سے اسے سمجھا کر مطمئن ہوا تھا۔

شاہد کو میں نے فون پر سب بتا دیا تھا۔ وہ ایئرپورٹ مجھے ریسیو کرنے آیا۔ اس کے چہرے کی غیر معمولی سنجیدگی میرے لیے کوئی حیران کن نہ تھی غیر معمولی واقعات میں غیر معمولی سنجیدگی تو در ہی آتی ہے۔ اب اصل چیز شمائل کی فیس کرنا تھا۔ میرا دل کراچی میں قدم رکھتے ہی عجیب انداز میں دھک دھک کرنے لگا میں جو اپنی نظر میں ایک عظیم کارنامہ سرانجام دے کر آیا تھا اب تھوڑا چور سا ہو کر بیٹھ گیا۔
شاہد مجھے ڈراپ کر کے چلا گیا۔ میں سبوینہ کو بیل بجانے کا کہہ کر خود ڈگی سے سامان اتارنے لگا سامان لے کر میں اندر آیا تو سبوینہ پریشانی سے صوفے پر بیٹھی انگلیاں مسل رہی تھی۔
"شمائل اندر چلی گئی ہیں انہوں نے کمرہ لاک کر دیا ہے۔" میں بے اختیار ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔ سامان وہیں پھینک کر میں دروازہ کھٹکھٹانے لگا اس نے دروازہ کھول دیا تھا سوجی سوجی آنکھیں کوئی اور ہی داستاں رقم کر رہی تھیں۔
"شمائل! یہ سب کیا؟"
"محبت چوائسز نہیں دیتی محبت تکلیف بھی نہیں دیتی اور نہ ہی ایسے دوراہے پر لا کھڑا کرتی جب کچھ کہنے سننے کو بچے ہی نہ۔۔۔" میں نے لب بھینچ لیے۔
"ہم اندر چل کر بات کرتے ہیں۔"
میں اسے بازو سے تھام کر کمرے کے وسط میں لے آیا۔ وہ نڈھال سی بیڈ پر بیٹھ گئی۔
"تم نے خود ہی کہا تھا کہ تم میرے لیے ہر چیز قبول کر سکتی ہو کسی بھی حد تک۔۔۔"
"ہاں! میں آپ کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتی ہوں کیونکہ میں نے آپ کو شوہر سے زیادہ ایک محبوب کی حیثیت دی ہے میرے زندگی میں آپ وہ پہلے اور آخری انسان ہیں جنہیں میں نے ہمیشہ اپنی تخیلاتی دنیا کا بادشاہ بنا کر رکھا میرے خوابوں کے محل میں رعایا کے طور پر صرف میرا ہی وجود تھا میں نے تو خوابوں میں بھی کسی کی شراکت برداشت نہیں کی پھر حقیقی دنیا میں۔۔۔" وہ سسکنے لگی۔
"دیکھو عورت تو وفا اور قربانی کا نام ہے اور ایسی محبت۔۔۔ محبت نہیں جنوں ہو سکتا ہے۔" میری آواز سرسرانے لگی۔
"جنوں تب ہوتا نا اگر میں آپ کی راہ میں روڑے اٹکاتی اگر میں آپ کو صرف اپنے لیے ہی رکھتی نہ ماں باپ سے ملنے دیتی نہ دوست احباب سے۔۔۔ وہ ہوتی ہے پاگل محبت دیوانگی اور جنوں۔۔۔ میں ان فضولیات میں نہیں پڑی۔ آپ مجھے سمجھ ہی نہیں سکے میں نے بہت خالص احساسات رکھے تھے آپ کو صرف خود تک باندھنے کی بجائے معاشرے میں سوشل ہونے کا

حوصلہ عطا کیا تھا میں یونہی آپ کے ساتھ۔۔۔ اور آپ میرے ساتھ رہ لیتے بڑے اچھے طریقے سے ہم زندگی گزار رہے تھے مگر آپ کا مطالبہ سر کٹانے سے بھی زیادہ جان لیوا ہے۔ آپ مجھے کہہ رہے ہیں کہ میں کسی دوسری عورت کو برداشت کروں اسے قبول کروں یہ ایسا ہی ہے کہ آکسیجن ختم کر کے کسی کو سانس لینے کی ترغیب دی جائے۔" میں بھونچکا رہ گیا۔

"دیکھو اعلا ظرفی بھی تو کوئی چیز ہے۔"

"آپ اتنے اعلا ظرف کیوں بنے؟ کہیں اور نہیں ان کی شادی ہو سکتی تھی۔" میری ساری دلیلیں ایک ایک کر کے ختم ہوتی جا رہی تھیں۔

"پتا نہیں عجیب ہی عورتیں ہو ادھر ممی کے پاس اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ اسے رکھ لیتی یا بیٹی ہی بنا لیتیں اور ردا آپی اپنے شوہر کی کرتوت کو سمجھنے کے باوجود اسے ہی مورد الزام ٹھہرا رہی تھیں میرے خیال میں تم اس مسئلے میں میرا ساتھ دے سکتی تھیں۔ مگر تم بھی۔۔۔" وہ بدستور خاموش اور خشمگیں نگاہوں سے مجھے گھورنے لگی۔

"آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ مجھے اور سبرینہ کو ایک جتنا مقام دیں گے۔" میں نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔ یہ سچ تھا کہ شائل میری محبت تھی اور سبرینہ صرف ذمہ داری۔۔۔

"پھر میں کیا کرتا؟" میں نے بے بس سا ہو کر کہا۔

"آپ اسے یہاں لے آتے ہم خود کہیں اچھا سا رشتہ دیکھ کر ان کی شادی کرا دیتے۔"

"بیوہ کی ذمہ داری کون لیتا ہے؟" میں نے پھر بھونڈی سی دلیل دی۔

"ہاں صرف آپ ہی تو بیواؤں کے علم بردار ہیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ طنز کر گئی تھی۔

"میں نے شجاع کو فون کیا ہے وہ مجھے لینے آ رہا ہے مجھ میں تو فی الحال اتنا ظرف نہیں کہ آپ کو اس کے ساتھ یہاں اپنے سامنے دیکھوں روز روز کی تکلیف سے بہتر ہے ایک ہی دفعہ کا درد سہا جائے۔ زندگی میں کبھی اگر اپنے اندر اتنی ہمت مجتمع کر سکی تو لوٹ آؤں گی ورنہ آپ میرا انتظار بھی نہ کرنا۔" وہ زار و قطار روتے ہوئے سامان پیک کرنے لگی اور میرا دماغ تو بالکل ماؤف ہو چکا تھا میری سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ کروں کیا۔۔۔

"میں تمہارے بغیر کیسے رہوں گا شائل! پلیز اپنا فیصلہ بدلو۔"

"فیصلوں میں اٹل ہونا آپ سے ہی سیکھا ہے میں نے۔" وہ آہستہ آواز میں بولی۔

"میں تمہارے وجود کا اتنا عادی ہوں میرے لیے تو ایک لمحہ بھی گزارنا مشکل ہو جائے گا۔" میں سہمے ہوئے بچے کی مانند ہو گیا تھا۔

"میں بھی آپ کے وجود کی عادی ہوں۔ مشکل تو میرے لیے بھی ہے اور یہ مشکل آپ کی اپنی پیدا کردہ ہے۔"

وہ فیصلہ سنا چکی تھی میری تقلید میں اٹل۔۔۔ بس مجھ اور اس میں اتنا فرق تھا وہ جلد باز نہیں تھی اور میں جلد باز تھا شاید۔۔۔ عورت کی بھی عجیب سائیکی ہے بظاہر محبت کے دعوے مگر اتنا حوصلہ نہیں کہ قربانی دے سکے۔

وہ وفا کی دیوی اور وفا کی پیکر تو بن سکتی ہے مگر کسی دوسری کا وجود اس کے لیے ایسا ناسور ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔ حیدر کو وہ یہ سمجھانے سے قاصر تھی اور حیدر یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ بظاہر محبت میں جدائی نہ برداشت کرنے والی عورت عمر بھر کے لیے اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتی ہے کیا دوسری عورت وہ دکھ ہے جو عورت کی ساری وفاؤں کے لیے کڑا امتحان بن جائے؟ بہت سارے سوال پوری عمر کے لیے وہ میرے سامنے رکھ کر جا چکی تھی۔

☼ ☼

”شاہین اب میں تمہیں صاف صاف بتا رہی ہوں کہ میں نے تمہاری ایک نہیں سننی اور جو پرپوزل مجھے اچھا لگا‘ میں ہاں کہہ دوں گی۔ حد ہوتی ہے بے وقوفی کی۔ بی بی کی منطق تو دیکھو‘ شادی کے لیے ہاں تب کرے گی اگر لڑکے کی ماں اسے پسند آئی تو۔“ آج عفت بہت غصے میں لگ رہی تھیں۔ اسی لیے شاہین مدد کے لیے غزل بھابھی کی طرف دیکھ رہی تھی جو مسکراہٹ روکنے کی کوشش میں سرخ ہوئی جا رہی تھیں۔

”نہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے زندگی لڑکے کے ساتھ گزارنی ہے یا اس کی ماں کے ساتھ‘ جو تمہیں اس کی ماں پرفیکٹ چاہیے۔“ آج جن لوگوں کے لیے شاہین نے انکار کیا تھا‘ وہ کچھ زیادہ ہی اچھے تھے‘ اسی لیے عفت کے غصے کا گراف بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

”امی! میں تو ایک بات جانتی ہوں کہ لڑکی نے زندگی لڑکے کی ماں کے ساتھ ہی گزارنی ہوتی ہے۔ اب خود دیکھ لیں‘ بھیا صبح کے گئے رات کو واپس آتے ہیں۔ تو دن کا زیادہ حصہ بھابھی نے آپ کے ساتھ ہی گزارنا ہوتا ہے اور جو لڑکیاں گزارا نہیں کرتیں وہ یا تو اپنے ماں‘ باپ کے گھر آ بیٹھتی ہیں‘ یا پھر شوہر کو لے کر علیحدہ ہو جاتی ہیں اور پھر ظالم بہوئیں کہلاتی ہیں‘ لیکن امی میں ان دونوں صورتوں سے بچنا چاہتی ہوں اور یہ تب ہی ممکن ہے کہ میں ادھر شادی کروں جہاں لڑکے کی ماں اچھی اور ڈیسنٹ سی ہو۔ وہ اچھی ہوگی تو مجھے اس کے ساتھ رہتے ہوئے کوئی دقت نہیں ہوگی‘ میں ناراض ہو کر گھر آؤں گی اور نہ شوہر کو لے کر الگ ہوں گی‘ بلکہ اپنی ساس کے ساتھ مزے کی زندگی گزاروں گی۔ آپ مجھے جتنا بھی ڈانٹ لیں‘ لیکن اس بات پر میں کوئی کمپرومائز نہیں کرنے والی‘ ہاں لڑکے کے لیے میری کوئی خاص شرط نہیں‘ بس ٹھیک ٹھاک ہو۔“ وہ بڑی سنجیدگی سے بات کر رہی تھی اور عفت نے بے بسی سے اپنا سر پکڑ لیا۔

”غزل اب تم ہی اسے سمجھاؤ‘ تم بھی تو ہو نا‘ کتنی خوش اسلوبی کے ساتھ ہم میں گھل مل گئی ہو۔ اسے بتاؤ کہ بندہ خود اچھا ہو تو پھر کوئی مشکل نہیں ہوتی۔“ انہوں نے اپنی بہو غزل کو بھی ساتھ ملایا‘ جو اپنی نند کی باتوں پر ہنس ضرور رہی تھی‘ لیکن دل ہی دل میں وہ اس کی باتوں سے بالکل متفق تھی۔

”امی غزل بھابھی اس لیے ہم میں گھل مل گئی ہیں کہ آپ بہت اچھی ہیں۔ آپ نے بھی مجھ میں اور غزل بھابھی میں فرق نہیں کیا۔ مجھے بس آپ جیسی ساس چاہیے۔ سفید بالوں والی‘ دھیمے رنگوں کے ڈریسز والی‘ نرم مزاج سی معاملات کو سلجھانے والی اور پیار کرنے والی۔“ اب کے وہ لاڈ سے ان کے گلے میں باہیں ڈال کر بولی تو عفت اس کی باتوں پر مسکرا دیں اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سامنے بٹھا لیا۔

”تمہاری تو ماں ہوں نا‘ اس لیے اچھی لگتی ہوں‘ غزل سے پوچھو تو تمہیں معلوم ہو کہ میں اتنی اچھی ہرگز نہیں ہوں۔“ انہوں نے غزل کو آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا تو غزل جو مسکراہٹ دبائے بیٹھی تھیں‘ قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں اور ہنستے ہوئے ان کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔ ان کے ہاتھوں کو عقیدت سے چوم لیا۔

”امی‘ شاہین بالکل ٹھیک کہتی ہے۔ اگر ساس اچھی ہو تو لڑکیاں میکے کو یاد کر کے کبھی نہ روئیں اور میں شاہین کو قائل کرنے کے لیے جھوٹ بول کر اپنے رب کی ناشکری نہیں کرنا چاہتی۔ آپ جب میری ساس نہیں تھیں صرف خالہ تھیں‘ مجھے تب بھی اچھی لگتی تھیں اور اب بھی‘ اسی لیے میری دعا ہے کہ شاہین کے نصیب بھی بالکل میری طرح ہوں اور اب آپ بھی بس کریں‘ اب اتنے اچھے لوگ بھی نہیں تھے جتنا آپ پریشان ہو رہی ہیں۔“ غزل نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔

”امی غزل بھابھی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ لڑکے کی ماں کو دیکھا تھا‘ پان کھا کھا کے کیسے اپنے دانت خراب کیے ہوئے تھے اور پان کی پیک سے وائٹ دوپٹا ٹائی اینڈ ڈائی کیا ہوا تھا۔ میرا تو دل اوب گیا جب میں ان کے سامنے کچھ دیر نہیں بیٹھ سکتی تو پھر پوری زندگی کیسے گزارتی۔“ آخر میں وہ روہانسی سی ہوگئی۔

”شاہین میرے بچے اس طرح زندگی نہیں گزرتی‘ سب کچھ من چاہا اور پرفیکٹ نہیں ملتا۔ میں تو لڑکے کی وجہ سے کہہ رہی تھی‘ اچھی شکل و صورت کا برسر روزگار لڑکا تھا۔ اب پان کھانے کی عادت اتنی بری بھی نہیں کہ تم اس کو بنیاد بنا کر کسی کو ریجیکٹ کر دو اپنی فیملی کے لوگوں میں تم نے ویسے ہی اتنی مین میخ نکالی ہے‘ ورنہ آپا ثریا کے حماد میں کوئی برائی نہ تھی۔“ انہیں رہ رہ کر بیتی باتوں پر ملال ہو رہا تھا۔

”امی‘ حماد بھائی میں تو کوئی برائی نہ تھی لیکن آپ نے ثریا آنٹی کو دیکھا ہے۔ بندے کو ایسے دیکھتی ہیں کہ لگتا ہے ابھی ایکسرے رپورٹ آپ کے ہاتھ میں آ جائے گی‘ مجھے چڑ ہے ایسی سن گن لینے والی عورتوں سے‘ جو اپنی خامیوں کو دور کرنے کے بجائے دوسروں کی خوبیوں کو بھی خامیوں میں بدلنے پر مصر رہتی ہیں۔“ اب اسے بھی غصہ آ گیا۔

”اور مقصودہ آپا کے تو موٹاپے پر تمہیں اعتراض ہو گا‘ ورنہ حسن جو کمپیوٹر انجینئر ہے اس کو تو تم بھی ریجیکٹ نہ کرتی‘ ہیں نا؟“

”ارے نہیں امی‘ اب میں ایسی حسن پرست بھی نہیں ہوں کہ کسی کا موٹاپا میری نظروں میں کھٹکے‘ لیکن میں صفائی پسند ضرور ہوں اور آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ مقصودہ پھوپھو کو صفائی سے کتنی الرجی ہے اور کتنی سستی ہے ان کی ذات میں‘ اس سے تو ہر کوئی واقف ہے۔ محترمہ کنگھی کیے ہفتے گزار دیتی ہیں اور بال الجھی ہوئی وائٹ اون کی طرح سب کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ آؤ‘ آ کر ہمیں سلجھاؤ‘ گھر کی حالت اس لیے بہتر ہے کہ حسن بھائی بے چارے آفس سے آ کر سگھڑ لڑکیوں کی طرح جھاڑو پونچھا سنبھالتے ہیں اور اپنی مردانیت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے عورتوں والے سارے کام کرتے ہیں‘ امی‘ میرا مقصودہ پھوپھو جیسے لوگوں کے ساتھ گزارا بڑا مشکل ہے۔“ اس نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا اور غزل اس کے درست تجزیے پر مسلسل ہنسے جا رہی تھیں۔

”شاہین کسی اپنے کی نامناسب عادات کو بدلنا بھی تو ثواب کا کام ہے۔ وہ تم سے کتنا پیار کرتی ہیں‘ تم میں اتنی صلاحیت بھی نہیں کہ تم اپنے پیار سے ان کو بدلنے کی کوشش کرتیں۔“ عفت کو حسن سے خصوصی لگاؤ تھا۔ اس لیے انہوں نے ایک دفعہ پھر اس کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

”میری پیاری امی جن کو ہماری دادی اماں یعنی ان کی اماں نہ بدل سکیں‘ جن کو نواز انکل جیسے ڈیسنٹ انسان نہ بدل سکے اور ان کو بدلنے کی حسرت لیے قبر میں جا سوئے‘ جن کو حسن بھائی جیسے ذہین انسان نہ بدل سکے اور ان کو بدلنے کی حسرت صرف حسرت ہی رہی وہاں شاہین اخلاق جیسی ناچیز سی بندی کیسے اپنی صلاحیتوں کا استعمال کر سکتی ہے۔“ اب کے وہ زچ ہوئی تھی۔

”اور امی اب میں جا رہی ہوں“ یہ کہتے ہوئے وہ کمرے میں آ گئی۔

☼ ☼ ☼

اخلاق صاحب اور عفت کے تین بچے حسیب‘ منیب اور شاہین تھے۔ اس چھوٹی سی فیملی کی بڑی مطمئن اور پرسکون سی زندگی تھی۔ اخلاق اور عفت دونوں ہی مطمئن تھے کہ ان کے بچے بڑی اچھی عادات کے مالک پڑھے لکھے تھے۔ اخلاق صاحب خود انگلش لٹریچر کے پروفیسر تھے۔ انہوں نے کیریئر کے انتخاب کے سلسلے میں اپنے بچوں پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا۔ تینوں نے اپنے اپنے رجحان کے مطابق فیصلے کیے۔ بڑا بیٹا حسیب ایم بی اے کر کے ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں بڑی اچھی پوسٹ پر تھا۔ جس کی شادی اس کی پسند سے خالہ زاد غزل سے ہوئی تھی۔ دوسرا بیٹا منیب‘ بہت ذہین فطین اور سنجیدہ سا تھا۔ وہ ایک کامیاب ڈاکٹر تھا اور خالہ زاد مشعل کو پسند کرتا تھا‘ جو کہ غزل کی چھوٹی بہن تھی۔ ابھی باقاعدہ منگنی وغیرہ نہیں کی گئی تھی۔ لیکن بڑوں میں بات طے تھی اور منیب کا خیال تھا کہ شادی مشعل کے ہاؤس جاب مکمل ہونے کے بعد ہونی چاہیے‘ کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مشعل ڈسٹرب ہو

اور اس کا دھیان بٹے' اسی وجہ سے شادی میں ابھی تاخیر تھی۔ نیب کے بعد شاہین جو کہ اکلوتی بہن ہونے کے ساتھ سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے انتہائی لاڈلی تھی' حال ہی میں انگلش لٹریچر میں ماسٹر کیا تھا اور اب بالکل فارغ رہنے کے موڈ میں تھی۔ جاب وغیرہ سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی ہاں گھر کے کاموں میں سگھڑاپا دکھاتی پائی جاتی۔ بہت ہی مہذب اور شائستہ ہونے کے ساتھ نہایت خوب صورت بھی تھی۔ اسی لیے اس کے پرپوزل بھی دھڑا دھڑ آئے تھے۔ جنہیں اس نے کسی نہ کسی وجہ سے رد کردیا۔ عفت جو اپنے بچوں کے مزاج سے بڑی مطمئن تھیں یہاں پہ آکے پریشان ہوگئیں اپنی بچی کی جس منطق کو وہ غیر سنجیدہ کہہ چکی تھیں لیکن اس کو لیتی بڑی سنجیدگی سے تھیں۔ وہ اس کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ لیکن اب ان کی برداشت جواب دے چکی تھی۔ کیونکہ جب انہوں نے اتنے اچھے رشتوں کو ہاتھ سے نکلتے دیکھا تو فکر مند ہوگئیں اور شاہین کو سمجھانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھیں' بلکہ اب تو انہیں اچھا خاصا غصہ بھی آجاتا۔ لیکن شاہین اپنی جگہ ڈٹی ہوئی تھی اور اس پر ان کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

شاہین جو بہت ہی حساس لڑکی تھی' چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل سے محسوس کرنے والی اور گھنٹوں ان پر کڑھنے والی' وہ اپنی زندگی کے اس معاملے کو بہت سوچ سمجھ کر ہینڈل کرنا چاہتی تھی۔ اس کا خیال تھا بلکہ خیال کیا مشاہدہ تھا کہ بہت کم لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں جو شادی کے بعد بھی خوش رہتی ہیں۔ ان لڑکیوں کے ناخوش رہنے کی جہاں اور بھی بہت سی وجوہات ہوں گی' لیکن ناخوش رہنے کی سب سے بڑی وجہ ساس' بہو کی ناچاقی ہے' کیونکہ یہ وجہ مستقل بنیادوں پر قائم رہتی ہے اور پھر نسل در نسل چلتی ہے۔ جسے ختم کرنے کی کوئی بھی کوشش نہیں کرتا۔ شاہین اس صورت حال سے بچنا چاہتی تھی۔ شاہین کا جھگڑے سے دم گھٹتا تھا۔ وہ کسی کا سخت لہجہ بھی برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ یقیناً" اس کی بڑی وجہ ان کے گھر کا پرسکون ماحول تھا اور اس کا موجب وہ صرف اپنی ماں کو گردانتی تھی۔ جو بہت بدبر اور ٹھنڈے مزاج کی عورت تھیں۔ ان باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ وہ اس گھر میں شادی کرے گی جہاں ماں اچھی ہوگی یا کم از کم اس کو اچھی لگے گی' اس کے جانچنے اور پرکھنے کا پیمانہ صرف اس کے گھر کا ماحول تھا اخلاق صاحب کی نظر میں تو وہ ابھی بچی تھی' اس لیے انہیں اس کی شادی کی کوئی جلدی نہ تھی۔ لیکن عفت اس کے طرز عمل پر بہت پریشان تھیں۔ ان کے خیال میں شادی کے لیے یہی عمر مناسب تھی اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اتنے اچھے اچھے رشتے شاہین کی اس نرالی منطق کے نذر ہوجائیں کہ وہ شادی وہیں کرے گی' جہاں لڑکے کی ماں اچھی ہوگی' آج پھر عفت کا موڈ آف تھا اور وہ غزل کے ساتھ اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں یہ ان کی فطرت کا حصہ نہیں تھا' لیکن شاہین کی حرکتوں کی وجہ سے وہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھی تھیں۔

"میرے علاوہ یہ بات سب کو سمجھ میں کیوں نہیں آتی کہ شاہین اب بڑی ہوگئی ہے۔" وہ غصے سے بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئیں تو غزل بھی اس نہج پہ سوچتی روٹیاں بنانے لگیں۔

☼ ☼ ☼

اور پھر جیسے عفت بیگم کی دعائیں اللہ تعالیٰ نے سن لیں۔ کیونکہ اخلاق صاحب کے دوست کی وساطت سے اب جو پرپوزل آیا تھا۔ وہ سب کو بہت پسند آیا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ شاہین کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا۔ کیونکہ جو کپل پرپوزل لے کر آیا تھا۔ وہ دونوں ہی میاں' بیوی بڑے سوبر اور پروقار سے تھے۔ اسکن کلر کے نفیس سے سوٹ میں ملبوس وہ سنجیدہ سی آنٹی اسے پہلی ہی نظر میں بھاگئی تھیں۔ جن سے نہ جانے کیوں پہلی ہی ملاقات میں اتنی اپنائیت سی محسوس ہو رہی تھی کہ وہ اپنی فیلنگز پہ حیران ہو رہی تھی۔ اب باقی کا کام گھر والوں کا تھا۔ ان کو یہ پرپوزل اگر پسند آجاتا تب بھی وہ خوش تھی۔ اگر پسند نہ آتا تب بھی اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا' لیکن جو اس کی ڈیمانڈز تھیں وہ ہنڈرڈ پرسنٹ پوری تھیں۔

لیکن بعد میں اسے غزل بھابھی سے ملنے والی معلومات سن کر حیرانی ہوئی کہ جو آنٹی پرپوزل لے کر آئی تھیں وہ لڑکے کی ماں نہیں بلکہ بڑی بھابھی تھیں' ان کے ساس' سسر حیات نہیں تھے۔ کیپٹن طلحہ حسن یعنی ان کے دیور اپنے بڑے بھائی احمد حسن کے ساتھ رہائش پذیر ہیں۔ آنٹی کے بقول جب ان کے ساس' سسر کا کسی حادثے میں انتقال ہوا تھا اس وقت ان کے دیور بہت چھوٹے تھے' کیونکہ ان کے شوہر احمد اور دیور میں عمر کا فرق کافی زیادہ ہے۔ اسی لیے انہوں نے طلحہ بھائی کا خیال بالکل اپنے بیٹوں کی طرح رکھا ہے۔

"شاہین اخلاق صاحبہ آپ خوش ہوجائیں کہ آپ کی ڈیسینٹ ساس والی خواہش بالکل پوری ہوگئی' کیونکہ وہ جٹھانی کم اور ساس ___ کا رول پلے کرنے والی ہیں اور بونس میں ان کی ایک ایجوکیٹڈ سی نند نما بیٹی ارسہ بھی ہے۔ بتا رہی تھیں کہ وہ ماسٹرز کررہی ہے تو تقریباً" تمہاری ہم عمر ہی ہے۔ فوراً" دوستی کرلینا اور بالکل میری طرح کی بھابھی کا کردار ادا کرنا۔" شاہین کو مکمل معلومات دینے کے بعد آخر میں انہوں نے شرارت سے کہا تھا۔

"بھابھی جہاں اتنی باتیں بتادی ہیں وہاں یہ بھی بتا دیں کہ امی' بابا اور بھائیوں کا اس پرپوزل کے بارے میں کیا خیال ہے۔" شاہین نے تجسس سے مجبور ہو کر پوچھا۔

"ان کے ارادے بالکل نیک ہیں' کیونکہ یہ پرپوزل بابا جان کے دوست حامد انکل کی وساطت سے آیا ہے اور ان کی سفارش بھی ہے' اس لیے چھان بین کی کوئی ضرورت نہیں' رسماً" ٹائم لے لیا ہے' اب کچھ دنوں میں ہماری بنو پیا دیس سدھاریں گی اور گھر پر ہماری حکمرانی ہوگی۔" لیکن شاہین نے ان کی شرارت کا کوئی جواب نہیں دیا' بلکہ وہ ان کی باتوں میں لفظ کیپٹن پر اٹک سی گئی۔

"بھابھی سنا ہے یہ آرمی والے بڑے سخت طبیعت کے ہوتے ہیں۔ یہ نہ ہو کہ شوہر نامدار خود ہی ساس کا رول پلے کرنے لگیں۔ سچی بھابھی مجھے سخت نیچر والے شخص سے بڑا ڈر لگتا ہے۔" وہ حقیقت میں پریشان ہوئی تھی۔

"تو بیٹا جی یوں کہو نا کہ ڈیسینٹ سی ساس کے ساتھ مسکین شوہر چاہیے تھا' اب یہ والا تو کمبینیشن ملنے والا نہیں' تمہیں موجود پرپوزل پر ہی اکتفا کرنا پڑے گا۔" غزل نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"بھابھی میں سنجیدہ ہوں اور آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے۔" وہ خفگی سے بولی تھی۔

"لگتا ہے مجھے حسیب آوازیں دے رہے ہیں' انہوں نے کب سے چائے کا کہا ہوا ہے اور میں تمہارے ساتھ باتوں میں لگ گئی۔ ویسے تم بے فکر رہو' سب لوگ طلحہ سے ملنے کے بعد ہی بات فائنل کریں گے' ہم کون سا تمہیں اس کی بھابھی کے ساتھ رخصت کردیں گے' چلو شاباش اب ذرا مسکرا کے دکھاؤ' تاکہ میں جاسکوں۔" اور وہ ان کی باتوں پر سچ میں مسکرا دی۔

"یہ ہوئی نا بات' اب تم بے فکر ہوکے سوجاؤ' اللہ حافظ۔" غزل بھابھی اسے پیار کرتے ہوئے باہر چلی گئیں اور وہ آئندہ آنے والی زندگی کے بارے میں سوچتے ہوئے چاہنے کے باوجود نہ سوسکی۔

☼ ☼ ☼
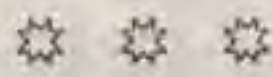
اور پھر کیپٹن طلحہ نا صرف سب کو پسند آگئے' بلکہ آناً" فاناً" شادی کی تاریخ طے ہوگئی' کیونکہ ان کی چھٹی کم تھی' اس لیے ان کے بھائی اور بھابھی چاہتے تھے کوئی رسم کرنے کی بجائے اگر اسی چھٹی میں شادی کروی جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ آج وہ سب لاؤنج میں بیٹھے شادی کے انتظامات کے متعلق ہی ڈسکس کررہے تھے۔

"ویسے ایک بات تو ماننی پڑے گی کہ آج کل کے

زمانے میں ایسے سادہ مزاج اور پر خلوص لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔" اخلاق صاحب کو چونکہ وہ لوگ بہت اچھے لگے تھے' اسی لیے تعریف میں رطب اللسان تھے۔

"ارے میں تو اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے کہ میری بیٹی کا اللہ تعالیٰ نے اتنا اچھا جوڑ لکھا ہے۔ طلحہ کی بھابھی کہہ رہی تھیں کہ ہمیں جہیز وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ کا دیا بہت کچھ ہے اور دونوں بھائیوں کا ہی ہے۔ البتہ ہماری کوئی ڈیمانڈ ہے تو انہیں بتا دیں۔ میں تو ان کے خلوص پر دنگ رہ گئی۔ آج کل کے اس دور میں جب لڑکے والوں کے مطالبات ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے' وہ الٹا ہم سے مطالبات پوچھ رہی ہیں۔ بڑی اچھی خاتون ہیں' مجھے یقین ہے میری بیٹی ان کے ساتھ بہت خوش رہے گی۔" عفت بھی اس رشتے پر خوش ہوتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کر رہی تھیں۔ جبکہ شاہین جو ان سب سے تھوڑی دور بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی اور نا چاہتے ہوئے بھی دھیان ان لوگوں کی باتوں میں تھا' بور سی ہونے لگی۔

"اس طرح کیوں منہ بنایا ہوا ہے۔" غزل بھابھی اس کو چائے پکڑا کر خود بھی اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

"میں یہاں کب سے بیٹھی ہوں کہ ہو سکتا ہے موصوف کے بارے میں کچھ معلومات مل جائیں' لیکن ان لوگوں نے بھی جیسے قسم کھا رکھی ہے کہ ان کے علاوہ ان کے پورے خاندان کے خصائل نشر کرنے ہیں۔" وہ منہ بناتے ہوئے بولی تھی۔

"اگر موصوف کے بارے میں اتنا تجسس تھا تو جس دن وہ آئے تھے اس دن ہی پورا انٹرویو کر لینا تھا تو یوں اپنے ہی گھر والوں کی کن سوئیاں نہ لینی پڑتیں۔ ویسے آگے چل کر یہ عادات کافی نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔" غزل نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مصنوعی تفکر سے کہا تھا۔

"بھابھی آپ مجھے ایسا سمجھتی ہیں۔ میں بلاؤں حسیب بھائی کو اور بتاؤں ان کو کہ آپ ان کی بہن کو کیا کہہ رہی ہیں۔" جواباً اس نے بھی مصنوعی خفگی سے کہا تھا۔

"ہاں' ہاں تم بلاؤ اپنے بھائی کو' میں ان کو ہرگز نہیں بتاؤں گی کہ تم ٹی وی دیکھنے کے بہانے طلحہ کی باتیں سننے کے لیے بیٹھی ہو۔" اور اس بات پر دونوں جو قہقہہ لگا تھا۔ امی' ابا باتیں چھوڑ کر ان کو دیکھنے لگے حسیب اور منیب جو کھانے اور شادی کے دیگر انتظامات کے متعلق ڈسکس کر رہے تھے' ہاتھ روک کر ان کو حیرانی سے دیکھنے لگے اور پھر ان کے یوں قہقہہ لگانے پر ان کے لب بھی مسکرا دیے۔

☼ ☼ ☼
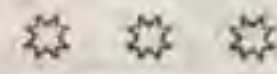
شاہین اخلاق اپنے دل میں بہت سے خدشات اور وسوسے لیے بھیگی آنکھوں کے ساتھ طلحہ کے سنگ رخصت ہو گئی اور پھر اس کے تمام خدشات طلحہ حسن کے نرم لہجے میں بہہ گئے۔ جب اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر صرف اتنا کہا تھا کہ۔

"سنا ہے آپ ڈر رہی تھیں کہ آرمی والے سخت طبیعت کے ہوتے ہیں تو یہ ڈر اور وسوسہ دل سے نکال دیں' کیونکہ ہم لوگ صرف دشمن کے لیے سخت ہوتے ہیں۔ اپنوں کے لیے تو جان دینے سے بھی دریغ نہ کریں۔" یہ بات یقیناً بھابھی کی گوہر افشانی کے جواب میں کہی گئی تھی۔ یہ سوچتے ہوئے شاہین کے لبوں پر دھیمی سی مسکان آٹھہری اور طلحہ سوچ رہا تھا کہ کیا کسی کی مسکراہٹ اتنی بھی خوب صورت ہو سکتی ہے۔ شاہین کو طلحہ کی سنگت میں یوں لگا جیسے اس کی ساری دعائیں اور خواہشات پوری ہو گئی ہوں۔ وہ اپنے گھر جیسا ایک گھر چاہتی تھی' جس میں ساس بہو والا جھگڑا نہ ہو' کوئی پروپیگنڈا نہ ہو' سب ایک دوسرے کے ساتھ مخلص ہوں اور مل کر رہیں' تو یہاں سب کچھ اس کے آئیڈیل گھر کے مطابق تھا۔ جہاں طلحہ بہت پیار کرنے والا اور کیئرنگ تھا' وہیں اس کے بڑے بھائی احمد حسن اس کو بابا جانی کا پرتو لگتے تھے اور ربیعہ بھابھی کا رویہ تو اس کی امی سے زیادہ نرم تھا۔ کیونکہ امی تو اسے کبھی کبھار ڈانٹ بھی دیتی تھیں

لیکن ربیعہ بھابھی کے ڈانٹنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ کبھی اس کے کسی کام میں دخل نہ دیتی تھیں۔ جو اس کی مرضی ہوتی وہی کچھ کرتی' لیکن ان کی بیٹی ارسہ کا رویہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اسے لگا کہ ارسہ کے ساتھ کچھ مسئلہ ہے۔ وہ بہت کھنچی کھنچی سی رہتی۔ اس کی بات کا ہوں ہاں میں جواب دیتی اور پھر جلدی سے اٹھ جاتی جہاں شاہین بیٹھی ہوتی' گھر میں ہوتی بھی کم تھی۔ یونیورسٹی سے گھر آکر تھوڑا آرام کرتی اور پھر اکیڈمی چلی جاتی۔ وہاں سے واپسی شام کو ہوتی' اس لیے شاہین کوشش کے باوجود بھی اس سے فرینک نہیں ہو پا رہی تھی اور جب اس بات کا اظہار اس نے طلحہ سے کیا تو وہ حیرانی سے اس کو دیکھنے لگا۔

"شاہین مجھے لگتا ہے تم مذاق کر رہی ہو' ارسہ اور سنجیدہ دو متضاد لفظ ہیں۔ الٹا بھابھی تو اسے ہر وقت ٹوکتی رہتی ہیں کہ ہر وقت کا ہنسی مذاق اچھا نہیں ہوتا۔" وہ حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"لیکن طلحہ میرے سامنے تو ایسا کچھ بھی نہیں' میرے خیال میں آپ لوگ دھیان نہیں دے رہے' اس کے ساتھ ضرور کچھ مسئلہ ہے۔" اسے الجھن ہو رہی تھی۔

"وہ کیمسٹری جیسے ٹف سبجیکٹ میں ماسٹرز کر رہی ہے۔ شاید پڑھائی میں اس کی مصروفیت کی وجہ سے تمہیں ایسا لگ رہا ہو' لیکن مجھے اس بات سے جیلسی ہو رہی ہے' کیونکہ مسز طلحہ میری چھٹی ختم ہونے والی ہے اور اگر آپ مجھ پہ نظر کرم کریں تو مجھے بڑا اچھا لگے گا۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے شرارت سے بولا تھا۔

"اوہو۔ مجھے یاد آیا' آج میں نے دوپہر کا کھانا بنانے کا پروگرام بنایا ہے اور سوچا کہ سب سے ان کی پسند پوچھ کر ہی مینیو تیار کروں گی' آپ سے بھی یہی پوچھنے آئی تھی اور باتوں میں لگ گئی۔" وہ اس کے التفات پہ یوں ہی بات بدلتی تھی' جبکہ وہ اسے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔

"ویسے بیوی تم اچھی خاصی نالائق ہو' آج شادی کو دو ہفتے ہو چکے ہیں اور تمہیں ابھی تک یہی معلوم نہیں ہوا کہ مجھے کھانے میں کیا پسند ہے' کیا ہوگا میرا۔" وہ مصنوعی افسوس سے بولا تھا۔

"نہیں وہ اصل میں اتنے دن تو دعوتوں میں رہے اور گھر میں ربیعہ بھابھی ہی کھانا بناتی ہیں تو مجھے اندازہ نہیں ہو سکا' لیکن آپ سے آپ کی پسند نہ پوچھنا واقعی میری نالائقی ہے۔" اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

"ارے شاہین میں تو مذاق کر رہا تھا' تم میرے لیے جو بناؤ گی' جو خاص میرے لیے ہوگا' وہ مجھے اچھا لگے گا' اتنا سنجیدہ ہو کے مجھ سے بات کرو گی تو مجھے برا لگے گا۔" اس نے شاہین کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بڑے پیار سے کہا تھا۔

"چلیں ٹھیک ہے' آپ نے تو میری مشکل ہی آسان کر دی۔" وہ مسکاتے ہوئے جلدی سے اپنے ہاتھ چھڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی' تو طلحہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

"کیوں' کیا ہوا؟" شاہین دروازے تک جاتے جاتے مڑی تھی۔

"نہیں کچھ نہیں' تم جاؤ' کھانا بناؤ' دیر ہو جائے گی" اور وہ سر ہلاتے ہوئے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد طلحہ طمانیت سے مسکرا دیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ شاہین اتنی اچھی ہے کہ گھر میں ایڈجسٹ ہو گئی ہے۔ نہ جانے کیوں اپنی شادی کو لے کر اس کے ذہن میں یہ خدشہ تھا کہ پتا نہیں اس کی بیوی جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہ پائے گی بھی یا نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی اس چھوٹی سی فیملی سے بے انتہا محبت کرتا تھا اور ہمیشہ ان کے ساتھ مل کر رہنا چاہتا تھا۔ شاہین جیسی سوفٹ نیچر کی لڑکی کو پا کر اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کی یہ خواہش پوری ہو گئی ہے۔ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے اس کی آنکھ لگ گئی اور کھانے کے ٹائم پہ ہی کھلی۔

"ارے واہ! اتنے عرصے بعد کھانے کا ذائقہ چینج

ہوا اور مزا آگیا۔ طلحہ اس معاملے میں تم مجھ سے زیادہ خوش نصیب نکلے کہ شاہین کے ہاتھ میں تمہاری بھابھی سے زیادہ ذائقہ ہے۔" احمد بھائی کی تعریف پہ شاہین نے ایک دم ربیعہ بھابھی کو دیکھا کہ کہیں وہ برا نہ منا جائیں' لیکن نہیں وہ تو خود تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے مسکرا رہی تھیں۔ شاہین پرسکون سی ہو کر کھانا کھانے لگی۔ آج اس کو کوکنگ کا پہلا دن تھا اور اس نے سب کی پسند کا کھانا بنایا تھا۔ بھابھی سے ہی طلحہ کی پسند پوچھ کر قیمہ بھرے کریلے اور شامی کباب کے ساتھ آلو بخارے کی چٹنی بنائی تھی۔ اسی لیے طلحہ اسے بار بار پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا اور وہ کھانے کی پلیٹ پہ جھکی سر اوپر ہی نہیں اٹھا پا رہی تھی۔

"شاہین بیٹا اتنا مزے دار کھانا بنانے پر یہ تمہارا انعام" احمد بھائی نے اپنی جیب سے بغیر گنے روپے نکال کر اسے تھما دیے اور وہ گھبرا کر طلحہ کو دیکھنے لگی جو صرف مسکرا رہا تھا۔

"ارے شاہین گھبرا کیوں رہی ہو۔ یہ تو تمہارا حق ہے۔ بھئی جب میں نے پہلی دفعہ کھانا بنایا تھا تو احمد اور طلحہ کی امی نے مجھے اسی طرح انعام دیا تھا اور کہا تھا کہ ملازم چاہے جتنے رکھ لینا' لیکن کھانا اپنے ہاتھوں سے بنانا' کیونکہ گھر کی عورت کے ہاتھ سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے' اس گھر کے ملازموں کے لیے بھی کھانا میں اپنے ہاتھوں سے بناتی ہوں اور شکر ہے کہ تمہیں بھی اس کام سے دلچسپی ہے' وگرنہ اگر تم بھی ارسہ کی طرح ہوتیں تو مجھے کافی مشکل ہوتی۔" ربیعہ بھابھی نے اسے تسلی دی تھی اور وہ جیسے ہلکی پھلکی ہو گئی۔ شاہین چونکہ بہت حساس تھی' اس لیے اس نے ربیعہ بھابھی کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو نوٹ کیا تھا اور اسے محسوس ہوا کہ ان میں عام عورتوں والی جیلسی تو بالکل بھی نہیں۔ نہ کوئی روک ٹوک' نہ سن گن لینے والی عادت' بس مشورہ دیتی تھیں' اپنی رائے نہ تھوپتی تھیں۔ مسکراتے ہوئے بات کرتیں جو نہ ماننے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ وہ میکے بھی جاتی تو اس کے لبوں پہ صرف ربیعہ بھابھی کی تعریفیں ہوتیں اور پھر اسی طرح ہنستے مسکراتے دنوں میں طلحہ کی روانگی کا دن آگیا۔ جس کے بارے میں ابھی اس نے سوچا بھی نہ تھا اور آج صبح سے بھیگی پلکوں اور سرخ ناک لیے گھر میں گھوم رہی تھی جبکہ طلحہ ہمیشہ کی طرح بڑی دلچسپی سے اس کے اس روپ کو بھی دیکھ رہا تھا۔ جب وہ اس کی پیکنگ کر رہی تھی تو طلحہ کو شرارت سوجھی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سامنے کھڑا کر لیا۔

"مجھے تو لگتا تھا کہ میرے جانے سے تم خوش ہو جاؤ گی' کیونکہ میں تمہیں دیکھتا بعد میں تھا اور تم بھاگ پہلے جاتی تھیں' تو آج میرے جانے سے اداس۔۔۔" اس کا فقرہ پورا ہونے سے پہلے ہی وہ اس کے سینے سے لگ کر پھوٹ کر رو دی اور طلحہ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔

"شاہین پلیز' تمہارے اس طرح رونے سے مجھے دکھ ہو رہا ہے۔ جب کوئی گھر سے سفر پر جا رہا ہو تو اسے خوشی خوشی رخصت کرتے ہیں اور ڈیڑھ' دو ماہ بعد تو گھر بھی آجاؤں گا' تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا اور پلک جھپکنے میں وقت گزر جائے گا۔" وہ اس کا سر تھپکتے ہوئے پیار سے کہہ رہا تھا۔ پھر اسے نرمی سے خود سے الگ کرتے ہوئے بیڈ پر بٹھایا' اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کر کے اس کو پانی پلایا اور اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میری بیوی اتنی بزدل ہو گی اتنی سی بات پہ یوں بے بسی سے روتے ہیں بھلا۔" وہ اس کی خوب صورت آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا تھا۔

"اصل بات یہ ہے کہ میں جن سے پیار کرتی ہوں وہ ہمیشہ سے میرے پاس ہی رہے ہیں' تو اب پہلی دفعہ یوں آپ کا مجھ سے دور جانا مجھے رلا گیا اور جو لوگ اپنے پیاروں کی دوری پر روتے ہیں وہ بزدل ہرگز نہیں ہوتے۔" اس نے بچوں کی طرح ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے یہ بات کہی تھی۔ جو طلحہ حسن کو آسمان کی بلندیوں پر لے گئی تھی۔ آج اتنے دنوں میں پہلی دفعہ اس نے شاہین سے اپنے لیے یوں اظہار سنا تھا' ورنہ تو وہ ہر وقت شرمائی شرمائی پھرتی تھی۔

"یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میں آپ کے پیاروں میں شمار ہوتا ہوں۔ اگر پہلے خبر ہو جاتی تو یقیناً" افسران کی منت کر کے چھٹی تو بڑھوا ہی لیتا۔" وہ شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا جو اس کے اس جواب پر شرما کر پہلے سے زیادہ خوب صورت لگ رہی تھی۔

"شاہین ایک بات تو بتاؤ' تم یہاں خوش تو ہو نا؟" وہ اس کے ہاتھوں کی نرمی کو محسوس کرتے ہوئے بولا۔

"یہ بھی بھلا کوئی پوچھنے والی بات ہے' میں آپ کو خوش نظر نہیں آتی۔" وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگی۔

"یہ بات نہیں شاہین' بس اپنے دل کی تسلی کے لیے تم سے پوچھ رہا تھا۔ یہ جو زبان سے کسی بات کا اظہار ہوتا ہے اس کا اثر سیدھا دل پر ہوتا ہے' جیسے ابھی تم نے کہا کہ تم مجھ سے پیار کرتی ہو تو جو خوشی مجھے اس لمحے ملی ہے یہ خوشی شاید مجھے اتنے دنوں میں نہ ملی ہو' لیکن تم اس معاملے میں کچھ زیادہ ہی کنجوس ہو' بس شرما شرما کر دھیما سا مسکرائی رہتی ہو کہ اگلا بندہ خود ہی نتیجہ اخذ کرتا رہے۔" وہ اچھی خاصی خفگی سے بولا تو شاہین اس کی بات پر مسکرا دی۔

"طلحہ میں یہاں بہت خوش ہوں اور اپنے رب کا شکر ادا کرتی ہوں' جو مجھے اتنا اچھا سسرال ملا' جیسا میں نے چاہا' میرے آئیڈیل جیسا۔" وہ سادگی سے بولی تھی۔

"یعنی میں تمہارے آئیڈیل جیسا ہوں۔" وہ آج فل شرارت کے موڈ میں تھا۔

"میں آپ کو سچی بات بتاؤں' جو یقیناً" آپ کو حیران کرے گی کہ میں نے شوہر کا نہیں بلکہ ساس کا آئیڈیل بنایا ہوا تھا جو پورا ہو گیا ہے۔" اس نے بھی جواباً" شرارت سے کہا تھا۔

"ہاں غزل بھابھی دعوت والے دن تمہاری اس عجیب و غریب لاجک کے بارے میں بتا تو رہی تھیں' پھر بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا' کیا وہ سچ کہہ رہی تھیں۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوا تھا۔

"طلحہ مجھے ساس' بہو کے جھگڑوں سے بہت ڈر لگتا ہے۔ اسی لیے میں کہتی تھی کہ ساس اچھی ہو تو گھر کا سکون قائم رہ سکتا ہے۔ میری یہ عام سی بات سب کو عجیب و غریب لگتی تھی۔" طلحہ اسے باتوں میں لگا کر اس کا دھیان بٹانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

"تمہاری یہ بات ہنڈرڈ پرسنٹ ٹھیک ہے' لیکن جانچنے اور پرکھنے کا طریقہ کار غلط تھا کہ ایک ہی ملاقات میں انسان ظاہری حلیے سے کیا کیا اندازے لگائے' یہ رویہ غلط تھا' لیکن تمہیں اس بات کا اندازا اس لیے نہیں کیونکہ ربیعہ بھابھی حقیقتاً" بہت اچھی ہیں' تم کم عمر بھی ہو اور بہت معصوم بھی ہو' لیکن آئندہ زندگی کے لیے ایک بات یاد رکھنا کہ رویوں کا رخ حالات اور واقعات متعین کرتے ہیں' ضروری نہیں کہ جو شخص آپ کو اچھا لگے وہ زندگی کے ہر معاملے میں اچھا رد عمل ہی اختیار کرے اور نہ یہ ضروری ہے کہ جو شخص آپ کو برا لگے وہ ہمیشہ برائی کی طرف راغب ہو۔ بہرحال اللہ کا شکر ہے کہ ربیعہ بھابھی کو دیکھ کر ہی سہی تم میری زندگی میں شامل تو ہو گئیں۔"

"آپ مجھ سے خوش ہیں نا؟" اس نے ایک دم طلحہ کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا تھا۔ نہ جانے کیوں وہ ایک دوسرے سے اس طرح کے سوال جواب کر رہے تھے۔ طلحہ ابھی تک اس کے سامنے نیچے کارپٹ پر بڑی فرصت سے بیٹھا تھا۔ شاہین کے ہاتھ اس کے ہاتھوں میں تھے۔

"میں نے تو جس دن تمہیں پہلی دفعہ دیکھا تھا' اسی دن تم کو اپنا مان لیا تھا اور نکاح جیسے پاکیزہ بندھن کے بعد تو لگا تم ہمیشہ سے میری ہو اور پھر جب تمہیں دلہن بنے دیکھا تو تمہاری ان خوب صورت آنکھوں اور مسکراہٹ کے سحر سے تو ابھی تک نکل ہی نہ سکا۔ اس بات کا اندازا تم اس بات سے لگا سکتی ہو کہ میرے جانے کا ٹائم ہو رہا ہے اور میں جا ہی نہیں پا رہا۔" شاہین اس کی باتوں پر بھیگی پلکوں کے ساتھ مسکرائے جا رہی تھی۔

"اپنا بہت سا خیال رکھنا میں نے تمہارا بینک اکاؤنٹ کھلوا دیا ہے۔ جس چیز کی ضرورت ہو اپنی مرضی سے لے لینا۔ گیراج میں گاڑی کھڑی ہے' ڈرائیونگ تمہیں آتی ہے' اس کے باوجود ڈرائیور کو ہمیشہ ساتھ ضرور رکھنا' بھابھی کو صرف بتا کر جہاں تمہارا دل چاہے تم جاسکتی ہو' اپنے امی' بابا کے گھر رہنے کو دل کرے تو جتنے دن چاہے رک سکتی ہو' لیکن میرا ایک کام ضرور کرنا' کہ مجھے یاد بہت سا کرنا۔" سنجیدگی سے بات کرتے کرتے وہ ایک دم شریر ہوا تھا۔

"بہت اعتماد ہے مجھ پہ۔" اس کی باتوں میں کھوئی وہ بھی اندازا لگا پائی تھی۔

"اپنی جان سے بھی زیادہ۔" روشن آنکھوں میں سچائی لیے وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

"اتنے کم وقت میں اتنا اعتماد کیوں؟" وہ وجہ جاننے کو بضد تھی۔

"شاہین انسان جس سے محبت کرتا ہے تو اعتماد اپنے آپ ہی جنم لے لیتا ہے اور محبت کی دنیا میں وقت کا کوئی تصور نہیں' کبھی سالوں ساتھ رہنے سے بھی یہ مہربان نہیں ہوتی اور کبھی ایک ہی پل میں ایسے اپنے سحر میں جکڑتی ہے کہ انسان خود بھی اس کی گہرائی کا اندازا نہیں لگا سکتا' میں تم سے ایسی ہی محبت کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ تمہیں بھی مجھ سے ایسی محبت ہوجائے۔" یہ اس کا انداز تھا کہ بڑی سنجیدگی سے بات کرتے کرتے ایک دم مذاق کے موڈ میں آجاتا تھا۔

"فون تو کریں گے نا؟" آنسوؤں کی نمی ایک دفعہ پھر آواز پہ غالب آئی تھی۔

"بالکل کروں گا اور اب اٹھو' باہر چل کر سب کے ساتھ مل کر بیٹھیں' ورنہ تم تو اپنے سارے آنسو آج ہی ختم کرنے کے موڈ میں ہو۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آیا اور پھر سب کے ساتھ تھوڑا ٹائم گزار کر وہ چلا گیا۔

شاہین کو لگا جیسے اس گھر کی ساری رونقیں صرف طلحہ کے دم سے تھیں' جو وہ اپنے ساتھ ہی لے گیا اور وہ سارا دن گھر میں بولائی پھرتی رہتی۔ ویسے تو گھر میں مکمل طور پر ایڈجسٹ ہوچکی تھی' کوئی اجنبیت کا احساس نہ تھا' لیکن ارسہ کا رویہ ہنوز تھا اور ایک بات اس نے شدت سے محسوس کی کہ ربیعہ بھابھی کا رویہ بھی ارسہ کے ساتھ بڑا اکھڑا اکھڑا سا تھا۔ پہلے تو اس نے یہ بات اس لیے محسوس نہ کی کیونکہ اس کا زیادہ وقت طلحہ کے ساتھ گزرتا تھا اور دن رات کی دعوتوں کی وجہ سے وہ زیادہ دھیان نہیں دے پائی تھی' لیکن اب گھر میں وقت گزارنے کی وجہ سے اسے یہ بات محسوس ہوئی تھی کہ دونوں ماں' بیٹی کا رویہ کچھ عجیب سا تھا' ایک دن اس نے ارسہ کے کمرے سے ربیعہ بھابھی کے اونچا اونچا بولنے کی آواز سنی تھی۔ شاہین ابھی ابھی سو کے اٹھی تھی۔ وہ دونوں شاید اسے سوا ہوا سمجھ کر احتیاط کا دامن چھوڑ بیٹھی تھیں۔

"ارسہ جو تم چاہتی ہو' وہ میں کبھی نہیں ہونے دوں گی' تمہاری شادی وہیں ہوگی جہاں میں چاہوں گی۔"

ربیعہ بھابھی کا اونچی آواز میں کہا ہوا ایک فقرہ اسے سارا معاملہ سمجھا گیا' لیکن اسے وہاں کھڑا رہنا مناسب نہ لگا اور وہ اپنے کمرے میں آگئی۔ اس کا مطلب ہے ارسہ اسی لیے اداس سی رہتی ہے کہ جہاں وہ چاہتی ہے وہاں ربیعہ بھابھی اس کی شادی نہیں کررہیں' لیکن ربیعہ بھابھی کو ایسا نہیں کرنا چاہیے' ایک دفعہ اس کی پسند کے لڑکے سے مل لینا چاہیے' بھلا اکلوتی اولاد کے ساتھ کوئی یوں کرتا ہے۔ شاہین اپنے کمرے میں بیٹھی کتنی دیر اسی بات کو سوچتی رہی۔ میں اس معاملے میں ان کی مدد بھی تو نہیں کرسکتی اور نہ ہی کوئی مشورہ دے سکتی ہوں' جب تک وہ خود مجھے ساری بات نہ سمجھائیں۔ وہ اپنے آپ کو تسلی دیتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی' کپڑے نکال کر شاور لیا اور تیار ہو کر کافی دیر کے بعد باہر آئی۔ اس وقت ربیعہ بھابھی کچن میں تھیں۔

"شاہین جلدی سے آجاؤ میں آج چائے کے ساتھ پکوڑے بنا رہی ہوں۔ تمہارے بھائی بھی آنے والے ہیں' تم اتنے میں ٹیبل لگاؤ' پھر مل کے چائے پیتے ہیں۔" انہوں نے اسے دیکھتے ہوئے بڑی خوشدلی سے کہا تھا۔ میں ان کی کچھ بھی نہیں لگتی' اگر یہ میرے ساتھ اتنی اچھی ہیں تو پھر بھلا اپنی سگی اولاد کا کیسا برا چاہ سکتی ہیں۔ اس نے کچھ دیر پہلے کے خیالات کو ذہن سے جھٹکا اور کچن کی طرف چل دی۔

☆ ☆ ☆

ان ہی الجھی سلجھی سوچوں میں مقصودہ پھوپھو کے بیٹے حسن بھائی کی شادی کا بلاوا اسے نہال کر گیا۔ حسن بھائی خود غزل بھابھی کے ساتھ ان کے گھر دعوت دینے آئے تھے اور ربیعہ بھابھی سے ریکویسٹ کی کہ وہ اس کو شادی سے دو' تین دن پہلے ہی پھوپھو کے گھر رہنے کی اجازت دیں' جو کہ انہوں نے کھلے دل سے دے بھی دی' لیکن خود انہوں نے بارات اور ولیمے کے فنکشنز میں شمولیت کا وعدہ کیا' شاہین نے فون پر طلحہ سے بھی پرمیشن لے لی اور پہنچ گئی پھوپھو کے گھر' لیکن وہاں جانے سے پہلے اس کے منع کرنے کے باوجود ربیعہ بھابھی نے اسے ڈھیروں شاپنگ کرائی اور شاہین ایک دفعہ پھر دل سے ان کی معترف ہوتے ہوئے خدا کا شکر ادا کرنے لگی۔

اس نے پھوپھو کے گھر جاکر ان کے سارے کام بڑی اچھی طرح سنبھالے۔ اس کے ہونے سے ان کو بیٹی اور حسن کو بہن کی کمی بالکل محسوس نہ ہوئی۔ آج مہندی تھی اور شاہین کچھ زیادہ ہی خوش تھی' کیونکہ آج اس کی پوری فیملی آئی ہوئی تھی۔ امی' ابا' بابا' حسیب بھائی اور غزل بھابھی تو پہلے بھی آتے رہے تھے' لیکن خوشی کی بات یہ تھی کہ آج ڈاکٹر منیب اور ڈاکٹر مشعل بھی اپنی مصروفیات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مہندی کے فنکشن کو انجوائے کرنے آئے ہوئے تھے۔ لیکن ابھی خوشیاں ادھوری تھیں۔ جب خوشی مکمل ہوئی تو وہ حیرت کی زیادتی سے گرتے گرتے بچی تھی۔ منیب بھائی کے ساتھ اندر داخل ہوتا وہ کوئی اور نہیں تھا' بلکہ ڈارک براؤن تھری پیس سوٹ میں اپنے وجود میں بے پناہ وجاہت سمیٹے وہ طلحہ حسن ہی تھا۔ وہ حیرانی سے اسے سب سے ملتا ہوا دیکھ رہی تھی اور پھر سب سے آخر میں وہ اس کی طرف بڑھا تھا اور شرارت سے جھک کر سلام کرتا ہوا اس کی خوب صورت آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ جو اس کو اتنے دنوں بعد دیکھنے پر آنسوؤں سے جھلملاتی سی لگی تھیں۔

"شاہین پلیز! یہ پبلک پلیس ہے' میں جانتا ہوں کہ تمہارا ارادہ اب یہی ہے کہ فوراً" میرے کندھے سے لگ کر اپنے آنسوؤں سے میرا قیمتی سوٹ خراب کرو' لیکن میں تمہیں ایسا ہرگز نہیں کرنے دوں گا۔" وہ مصنوعی سنجیدگی سے بولا تو شاہین خوشدلی سے مسکرا دی۔

"میں آج پہلی بار کسی کو یوں نم آنکھوں کے ساتھ مسکراتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔"

"آپ یہ ایکٹنگ کرنا چھوڑیں اور مجھے بتائیں کہ یہاں کیسے پہنچے ہیں؟"

"کیا مطلب' کیسے پہنچا ہوں' جانتا تھا کہ آج تمہارے کزن کی شادی ہے' گھر پہلے سے دیکھا ہوا تھا' کیونکہ شادی کے بعد پہلی دعوت ادھر ہی تو تھی' اس لیے گھر پہنچ کر سیدھا ادھر کی راہ لی۔ لیکن تم ان باتوں کو چھوڑو اور مجھ سے وعدہ کرو کہ میں جتنے دن بھی ادھر رہا تم ایسے ہی تیار ہو کر رہو گی۔" وہ بڑے پیار سے اس کو دیکھتے ہوئے بولا' جو نیوی بلیو کرتا پاجامہ پہنے ہوئے تھی' کرتے کے اوپر بڑی نفیس سلور کڑھائی تھی اور کندھوں پر پھیلا ہوا مقیش لگا دوپٹا' پشت پہ پھیلے ہوئے کالے سیاہ' گھنے دراز بال' گھنیری پلکوں سے سجی خوب صورت آنکھوں میں کاجل کی لکیریں' ڈارک براؤن لپ اسٹک لگائے اور شرمیلی سی مسکان سجائے شاہین طلحہ کے دل میں اترتی جارہی تھی۔ اب شاہین کو پتا تھا کہ طلحہ کی شرارتیں ختم ہونے میں نہیں آئیں گی' اس لیے اس نے وہاں سے کھسکنے میں ہی عافیت جانی اور جاکر امی اور پھوپھو کے پاس بیٹھ گئی' اس کی نظریں اب بھی طلحہ پر تھیں' جو اس کی غیر موجودگی کو محسوس کیے بغیر بڑے مزے سے گپیں ہانک رہا تھا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں وہ ان کے پاس آگیا اور امی کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔ وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی جو امی سے نہ جانے کیا باتیں کررہا تھا

اور پھر تھوڑی ہی دیر میں اسے معلوم ہو گیا کہ وہ امی سے کیا بات کر رہا تھا۔ جب امی نے آکر اسے طلحہ کے ساتھ جانے کو کہا۔

"ویسے بھی اب فنکشن ختم ہونے والا ہے' کل طلحہ کے ساتھ بارات میں شامل ہونا۔"

"لیکن امی' پھپھو برا منائیں گی' اسے یوں جانا اچھا نہ لگا۔"

"ارے برا نہیں منائیں گی' میں سنبھال لوں گی' تم کتنے دنوں سے یہاں پہ ہو' وہ تو تمہاری سسرال اور شوہر حد سے زیادہ اچھے ہیں' ورنہ کون اتنے دنوں کی اجازت دیتا ہے۔ طلحہ اتنی دور سے اگر تمہارے لیے آیا ہے تو تمہیں بھی اس کو اہمیت دینی چاہیے' جاؤ شاباش' طلحہ گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہا ہے۔" امی نے رسانیت سے اسے سمجھاتے ہوئے پیار سے کہا تو وہ بھی ان کو اللہ حافظ کہتی باہر آگئی اور خاموشی سے آکر گاڑی میں طلحہ کے برابر بیٹھ گئی۔

"اگر میری چھٹی زیادہ ہوتی تو میں کبھی بھی تمہیں یوں لے کر نہ آتا' لیکن مجھے لگتا ہے تمہارا موڈ خراب ہو چکا ہے اور تم مجھ سے ناراض ہونے کا سوچ رہی ہو۔" اس نے شاہین کی خاموشی سے خود ہی معنی اخذ کر لیے۔

"طلحہ میں آپ سے ناراض ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی' بلکہ میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ آپ کتنے اچھے ہیں' آپ مجھے بھی تو آنے کے لیے کہہ سکتے تھے نا' لیکن آپ نے پہلے امی سے اجازت لی اور پھر مجھے ساتھ لے کر آئے۔" وہ سادگی سے بولتی ہوئی اسے اپنے دل کے بہت قریب محسوس ہوئی تھی۔

"آپ بتائیں' آپ کو کتنے دن کی چھٹی ملی ہے؟"

"صرف پانچ دن کی اور وہ بھی دو دن تو آنے جانے میں لگیں گے' تو تین ہی بچے نا۔" منہ بنا کر بولتے ہوئے وہ بالکل بچوں کی طرح لگا تھا۔

"چلیں کوئی بات نہیں' تین دن بھی کافی ہیں' اگر خوب صورت طریقے سے گزر جائیں' لیکن آپ مجھے یہ بتائیں کہ میں اس بھوک کا کیا کروں جو آپ مجھے کھانا کھلائے بغیر لے آئے۔" شاہین نے اس کو تسلی دیتے ہوئے موضوع بدلا تھا اور طلحہ نے کچھ کہے بغیر مسکراتے ہوئے گاڑی اپنے فیورٹ ہوٹل کے سامنے روک دی تھی۔

"بھوک تو مجھے بھی ستا رہی تھی' لیکن کھانا صرف تمہارے ساتھ کھانا چاہتا تھا' اسی لیے تو یوں ساتھ لے آیا۔" اور پھر اسی طرح کی خوب صورت باتوں میں تین دن جیسے پلک جھپکنے میں گزر گئے۔ طلحہ جلد آنے کا وعدہ کر کے اس کے لبوں پہ مسکراہٹیں بکھیرتا ہوا چلا گیا۔

☼ ☼ ☼
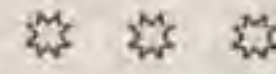
اپنی اس خوب صورت سی زندگی میں مگن شاہین کو ایسے لگا جیسے وہ اتنے دنوں سے نیند میں تھی اور سہانا خواب دیکھ رہی تھی' جو جاگنے پر چھن سے ٹوٹ گیا اور حقیقت تو وہ ہے جو اب ہونے جا رہی تھی' حواسوں کو سلب کرنے والی اور دلوں کو توڑنے والی' طلحہ کو گئے ہوئے چند دن ہی گزرے تھے' جب اس نے شاہین کو فون پہ بڑے سرسری سے انداز میں بتایا کہ اس کی پوسٹنگ وانا ہو گئی ہے اور اسے فوری طور پر جانا پڑ رہا ہے۔ اس سے بھی پریشانی کی بات یہ تھی کہ وہ اسے فون کرنے سے بھی منع کر رہا تھا" وہاں کچھ سگنلز پرابلم بھی ہوتے ہیں اور کچھ ہم خود بھی احتیاط کرتے ہیں اس لیے موقع دیکھ کر میں خود فون کر لیا کروں گا' تم پریشان نہ ہونا" مزید کچھ بھی بتائے بغیر وہ فون رکھ چکا تھا' یقیناً" وہ اس کے سوالوں سے بچنا چاہ رہا تھا یا اس کے پاس ٹائم نہیں تھا' لیکن شاہین کو دہلانے کے لیے یہ خبر کافی تھی۔

شاہین ہر وقت طلحہ کی زندگی اور خیریت کی دعائیں مانگتی رہتی' لیکن نہ جانے کیوں من کسی کام میں نہ لگتا تھا۔ وہ بے دلی سے کاموں میں الجھی رہتی تھی۔ آج بھی وہ سر شام ہی رات کا کھانا تیار کر کے لاؤنج میں ربیعہ بھابھی کے پاس آکر بیٹھ گئی' جو احمد بھائی سے فون پہ بات کر رہی تھیں' کیونکہ وہ بزنس کے

سلسلے میں دبئی گئے ہوئے تھے۔ شاہین جو ان کے پاس بیٹھنے کے لیے آئی تھی' اکتا کر جانے لگی تو ربیعہ بھابھی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے رکنے کے لیے کہا تھا اور پھر جلد ہی فون بند کر کے اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"شاہین مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنا تھی' کرنا تو بہت پہلے سے چاہ رہی تھی' لیکن نہ جانے کیوں کہتے کہتے رک جاتی تھی' آج سوچا کر ہی لوں۔" وہ بڑی خوش دلی سے بول رہی تھیں اور وہ ناسمجھی کے عالم میں انہیں دیکھ رہی تھی۔

"میں ارسہ کی شادی کرنا چاہ رہی تھی' لیکن کوئی پروپوزل نظروں میں جچ نہیں رہا تھا اور پھر اچانک مجھے ایک خیال آیا اور میں حیران رہ گئی کہ یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہ آیا اور وہ یہ کہ کیوں نہ ارسہ کی شادی تمہارے بھائی منیب سے کر دی جائے۔" شاہین تو ان کی بات پر دنگ رہ گئی' کچھ دیر تو وہ بول ہی نہ سکی تھی۔

"کیوں شاہین' تمہیں میری بات پسند نہیں آئی۔" ادھر اطمینان ہنوز تھا۔

"بھابھی' منیب بھائی کی منگنی ان کی پسند سے مشعل بھابھی سے ہو چکی ہے۔ مجھے تو لگتا تھا آپ جانتی ہوں گی' مشعل بھابھی' غزل بھابھی کی بہن ہیں' میری خالہ زاد ہیں' بچپن سے ہی منیب بھائی اور مشعل بھابھی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔" کسی انہونی کے ڈر سے وہ انہیں تفصیل بتائے جا رہی تھی۔

"منگنی ہوئی ہے تو کیا' نکاح تو نہیں ہوا' جہاں تک دونوں کی پسند کی بات ہے تو وہ سراسر ناجائز ہے' اصل محبت تو شادی کے بعد اپنی بیوی سے ہی ہوتی ہے اور کیا تم طلحہ کی بھتیجی کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتیں۔" آج وہ شاہین کو خوش مزاج نہیں بلکہ چالاک اور عیار لگ رہی تھیں' جو نہ اپنی بیٹی کی پسند کو اپنا رہی تھیں اور نہ دوسرے کی پسند کو اہمیت دے رہی تھیں' وہ ارسہ کی پسند والا ایشو تو اٹھانا ہی نہیں چاہتی تھی' کیونکہ وہ کسی کو پسند کرے یا نہ کرے' لیکن منیب بھائی سے شادی تو ناممکن ہے۔

"بھابھی منیب بھائی کبھی نہیں مانیں گے' آپ دیکھیے گا' ارسہ کے لیے منیب بھائی سے بھی اچھا پروپوزل آئے گا۔" وہ احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

"شاہین اب بس بھی کرو' میری ارسہ میں کوئی کمی ہے' جو تم یوں پس و پیش سے کام لے رہی ہو' تم تو شکر ادا کرو کہ تمہارا واسطہ اچھے سسرال سے پڑا ہے' ورنہ سسرال والے تو نہ جانے کیا' کیا من مانیاں کرتے پھرتے ہیں اور اگر بہو نہ مانے تو نہ جانے کیا' کیا دھمکیاں دیتے ہیں۔ لیکن مجھے پتا ہے تمہارا بھائی تم سے بہت پیار کرتا ہے' وہ تمہاری بات کبھی نہیں ٹالے گا اور تم میری بھی تو بہت عزت کرتی ہو' میری بات کا کچھ تو پاس رکھو گی نا۔" ان کا انداز آج بھی بڑا شائستہ تھا' لیکن بڑی کڑوی بات کو میٹھے لہجے کے ریپر میں لپیٹ کر وہ شاہین پر کوڑے پہ کوڑے برسا رہی تھیں اور شاہین تو حیرت کا بت بنی بس انہیں دیکھے جا رہی تھی۔

"میری ایک اور بات بھی یاد رکھنا شاہین کہ طلحہ نے آج تک میری کوئی خواہش رد نہیں کی' وہ مجھے ماں کا درجہ دیتا ہے' میں امید کرتی ہوں کہ بات خود بخود تمہاری سمجھ میں آجائے اور مجھے طلحہ کے ذریعے کوئی دباؤ نہ ڈلوانا پڑے۔ سوچنے کے لیے آج کی رات ہے' کل صبح میں خود تمہیں تمہارے میکے چھوڑ آؤں گی' تم سمجھ دار ہو' خود سلیقے سے بات کر لو گی۔" آخر میں وہ اس کا گال تھپتھپا کر اٹھ گئیں —— لیکن شاہین میں تو ہلنے کی بھی سکت نہ تھی' وہ نہ جانے کتنی دیر ماؤف ہوتے ذہن اور سرد ہوتے جسم کے ساتھ وہیں بیٹھی رہی' لیکن جیسے جیسے وقت گزر رہا گیا وہ خود کو یہ بات باور کرانے میں کامیاب ہو چکی تھی کہ چاہے خود کتنا نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے' لیکن منیب اور مشعل کی شادی میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالے گی' چاہے کچھ بھی ہو جائے' وہ بھائی کی خوشیوں کی قاتل کبھی نہیں بنے گی۔ ابھی اسے یہ یقین بھی نہ تھا کہ طلحہ اس کا ساتھ دے گا یا نہیں اور اس سے رابطہ

بھی فی الحال ممکن نہ تھا' ان ہی تھکی تھکی سوچوں کے ساتھ نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

☼ ☼ ☼

جب اس نے نہ چاہنے کے باوجود ربیعہ بھابھی کے ساتھ گیٹ سے اندر قدم رکھا تو اسے لگا کہ اس کے تمام بودے نظریات اس پر ہنس رہے ہیں۔ جن کا شادی سے پہلے وہ پرچار کرتی تھی۔ آج اسے طلحہ کی بات یاد آرہی تھی کہ رویوں کا رخ حالات اور واقعات متعین کرتے ہیں' ضروری نہیں کہ اچھا تاحیات اچھا اور برا تاحیات برا رہے۔ آج ربیعہ بھابھی صرف اپنی مرضی تھوپنا چاہتی تھیں' یہ سوچے بغیر کہ شاہین بھی کسی کی بیٹی ہے' آج وہ اسے خرانٹ اور ڈھیٹ لگ رہی تھیں' یوں اس کے ساتھ چلے آنا ڈھٹائی ہی تو تھی۔

"یہ آج سورج کدھر سے نکل آیا جو ہماری بہنا ہم سے ملنے آگئیں۔" ان کا سب سے پہلے سامنا منیب بھائی سے ہی ہوا جو بڑے نک سک سے تیار ہو کر شاید کہیں جارہا تھا اسے سامنے دیکھ کر وہ ضبط کھو بیٹھی اور اس کے کندھے سے لگ کر بلک بلک کر رو دی۔

"شاہین خیریت تو ہے نا' تم کیوں رو رہی ہو؟" وہ اسے روتا ہوا دیکھ کر بوکھلا اٹھا۔

"ارے بیٹا خیریت ہی ہے' بس میکے کی یاد ستا رہی تھی' تو میں نے کہا کہ چلو اٹھو تیار ہو اور مل آؤ' یوں پریشان کیا ہوتا۔" اس کی بجائے ربیعہ بھابھی نے جواب دیا۔

"بہت شکریہ آنٹی جو آپ اسے ملوانے لے آئیں۔" بڑے مودب انداز میں بولتا ہوا وہ انہیں اور بھی اچھا لگا تھا۔

"شاہین اب بس بھی کرو' ہم کون سا بہت دور ہوتے ہیں جو تم یوں رو رہی ہو۔" منیب نے اس کے آنسو صاف کرکے اس کی پیشانی چوم لی۔

"چلو اندر اور امی کو یوں پریشان نہ کرنا' آئیں آنٹی آپ بھی آئیں۔" شاہین کو بازو کے حلقے میں لیے وہ انہیں بھی اندر آنے کو کہہ رہا تھا اور پھر اس کے اندر داخل ہونے پر گھر میں ہلچل مچ گئی' سب کو خوش گوار حیرانی ہوئی۔

"شاہین بچے خیریت تو ہے نا۔" ماں تھیں یوں اس کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھ کر ان کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"کچھ نہیں امی' بس آپ لوگ یاد آرہے تھے' تو چلی آئی۔" اس نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا شاہین میں چلتی ہوں۔" ربیعہ بھابھی کچھ دیر بعد اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ارے نہیں آنٹی' آپ بیٹھیں' میں چائے لا رہی ہوں۔" غزل نے ان کو اٹھتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔

"شکریہ غزل' چائے پھر کبھی سہی' ابھی ارسہ گھر میں اکیلی تھی' جانا پڑے گا۔" بڑی نرمی سے بولتی ہوئی وہ سب کو خدا حافظ کہہ کر چلی گئیں۔

"شاہین اب تم بڑی ہو جاؤ' شادی شدہ ہو' بچی نہیں ہو کہ منہ بسور کر بیٹھ جاؤ اور سسرال والوں کو تنگ کرو' وہ تو اللہ تعالیٰ کا شکر ہے' جو ربیعہ بھلی عورت ہے' ورنہ کون یوں کسی کے نخرے اٹھاتا ہے۔" امی نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا' جو ابھی تک منیب کے بازو سے چپکی ہوئی تھی۔ وہ اب انہیں اس بھلی عورت کا مکروہ چہرہ کیسے دکھاتی جو اس کو زبردستی یہاں چھوڑ کر گئی ہیں' ورنہ وہ تو آنا ہی نہیں چاہ رہی تھی' اس بھلی عورت نے جان بوجھ کر گھر کے مردوں کی غیر موجودگی میں یہ سازش رچی تھی۔ تاکہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔

"امی اب بس بھی کریں' اب تو وہ آگئی ہے' آئندہ احتیاط کرے گی' لیکن اس دفعہ خوب بلا گلا کریں گے اور تمہیں بہت سے دن ادھر رکھوں گی۔" غزل بھابھی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے وہاں سے اٹھا لائیں اور نہ جانے کیا کیا باتیں کرنے لگی' لیکن اس کا دماغ صرف ایک ہی نقطے پر اٹکا ہوا تھا کہ اب وہ کیا کرے گی' جس کا کوئی حل بھی اس کے پاس نہ تھا' اسے تو خبر ہی نہ تھی کہ زندگی کبھی اپنا رخ یوں بھی دکھائے گی۔

☼ ☼ ☼

"یار تو نے بھابھی کو فون نہیں کرنا تھا؟" وہ آج ہی بٹالین ہیڈ کوارٹر لوٹے تھے اور فریش ہو کر چائے پی رہے تھے' جب طلحہ کے بہت اچھے دوست کیپٹن عاطف نے پوچھا تھا۔

"کرنا ہے' تھوڑا ریلکس ہو کے کرتا ہوں' اب تیرے سامنے کرتا اچھا لگوں گا۔" طلحہ شرارت سے بولا تھا۔

"اگر یہ بات ہے تو میں بھی جانے والا نہیں۔" وہ کہاں پیچھے رہتا۔

"اچھا تو میری چھوڑ' اپنی سنا' تیرے گھر میں جو مسئلہ بنا ہوا تھا' وہ کچھ حل ہوا؟" طلحہ نے عاطف سے پوچھا۔ دونوں دوستوں میں بے حد بے تکلفی تھی' اسی لیے ایک دوسرے کے بہت قریب تھے اور دکھ سکھ شیئر کرتے تھے' ان دنوں عاطف کچھ پریشان تھا' کیونکہ ان کے گھر میں بھی ساس' بہو والے جھگڑے شدید نوعیت اختیار کر چکے تھے' طلحہ کا اشارہ اسی جانب تھا۔

"کہاں یار حل کیا ہونا تھا' ابھی تک حالات جوں کے توں ہیں' میں نے تجھے بتایا تھا نا کہ میری بھابھی امی کی بھانجی ہوا کرتی ہیں' وہی روایتی عورتوں کی طرح اپنے نمبر بڑھانے کے لیے مناہل کے خلاف اماں کے کان بھرتی رہتی ہیں اور مناہل کو سوائے رونے کے اور کچھ نہیں آتا' مجھے بھی کچھ نہیں بتاتی کہ پریشان ہو جاؤں گا' وہ تو میرا چھوٹا بھائی سرمد مجھے ساری انفارمیشن دیتا رہتا ہے' تیری بھابھی بھی کب تک صبر کرے گی اور میں جانتا ہوں کہ اس مسئلے کا حل صرف علیحدگی ہی ہے' یا گھر والوں سے' یا پھر مناہل سے۔" عاطف ایک دم رنجیدہ سا ہو گیا۔

"اچھا تو پریشان نہ ہو' اللہ تعالیٰ رحم کرے گا۔" طلحہ کو اس کی حالت پر افسوس ہوا' لیکن وہ اس کو تسلی دینے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

"طلحہ جب میں تم سے تمہارے گھر کے قصے سنتا ہوں تو مجھے بڑا رشک آتا ہے' تم کتنے خوش نصیب ہو' تمہارے گھر میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں' سب پیار سے مل جل کے رہتے ہیں' اگر سب کے گھر میں ایسے حالات ہوں تو کتنا اچھا لگے۔" اس کے لہجے میں حسرت ہی حسرت تھی۔

"تم بالکل ٹھیک کہتے ہو' اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے گھر میں ایسے حالات نہیں' مجھے بٹواروں سے بہت ڈر لگتا ہے۔" اسے کیا خبر تھی کہ تقدیر اس پر ہنس رہی ہے۔

"یار طلحہ' میں تمہیں ایک بات بتاؤں' یہاں تم جس کے پاس بھی بیٹھو' ان کے گھر کے وہی حالات ہیں جو میرے گھر میں ہیں' صرف وجوہات مختلف ہیں' عورتیں خود کو مظلوم سمجھتی ہیں' کیونکہ مرد ان پر ظلم کرتے ہیں' لیکن مجھے تو مرد مظلوم لگتے ہیں' کیونکہ مرد صرف ظلم کرنے کا وسیلہ بنتے ہیں' حالات تو خود عورت ہی دوسری عورت کے لیے ایسے بنا دیتی ہے کہ مرد کٹھ پتلی بن کر رہ جاتا ہے۔" وہ اپنے حالات سے کچھ زیادہ ہی مایوس لگ رہا تھا۔

"اوئے' تو کیوں بزدلوں والی باتیں کرتا ہے' ہم آرمی والے ہی' بڑے سے بڑے دشمن کا منہ توڑ جواب دیتے ہیں' اللہ کے کرم سے اپنے ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں' تو کیا اپنے گھر کی حفاظت نہیں کر سکتے' اپنے گھروں کو بٹواروں سے نہیں بچا سکتے۔" اس نے عاطف کی ہمت بندھانے کے لیے بڑے جوش سے کہا تھا۔

"تم ایسی بات کہہ سکتے ہو' کیونکہ میرے جاننے والوں میں ایک تمہارا ہی تو گھر ہے جہاں سازشوں کے جال نہیں' اللہ تمہیں نظر بد سے بچائے' تم فون کرو' میں ذرا کیپٹن نوید کو دیکھ آؤں' اس کی طبیعت خراب ہے۔" وہ یہ کہتے ہوئے اٹھ گیا اور طلحہ بھی فون کرنے آفس میں آگیا' اسے کیا خبر تھی کہ اس کے گھر کو نظر لگ چکی ہے' سازشوں کے جال بنے جا چکے ہیں' جن کو وہ سخت جان ہو کر برداشت نہیں کر پائے گا۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم سر" وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا' اس کے جونیئر قیصر نے اسے سلام کیا تھا "شکریہ سر آپ آگئے آپ کے گھر سے بہت دفعہ کال آچکی ہے لیکن انہوں نے کوئی بھی میسج نہیں دیا آپ بات کرلیں" وہ بڑے مودب انداز میں بول رہا تھا۔ طلحہ کو ایک دم بے چینی نے گھیر اتھا۔ اس نے سب سے پہلے شاہین کا نمبر ملایا اور نجانے کتنی مرتبہ ٹرائی کیا لیکن وہ مسلسل آف جارہا تھا۔ پھر اس نے جھنجلا کر ارسہ کا نمبر ملایا' اس کا رسپانس بھی شاہین جیسا ملا' اسے وحشت ہونے لگی آخر میں اس نے گھر کا نمبر ملایا تھا جسے تیسری بیل پہ اٹھالیا گیا دوسری طرف ارسہ تھی اور اس کی آواز سنتے ہی رونے لگی۔ طلحہ کی جان پر بن آئی۔

"ارسہ میری جان تم کیوں رو رہی ہو' گھر میں سب خیریت تو ہے؟ شاہین تو ٹھیک ہے نا؟ تم لوگ کیوں بار بار کال کررہے تھے؟" لیکن وہ صرف روئے جارہی تھی۔

"ارسہ تم بھابھی کو فون دو' تمہارا رونا مجھ سے برداشت نہیں ہورہا" اسے اس لمحے بہت بے بسی محسوس ہوئی تھی۔

"نہیں نہیں چاچو' آپ پلیز ماما کو فون نہ کیجیے گا یہ سب کیا دھرا ان کا ہی ہے۔ آپ بس جلدی سے گھر آجائیں۔ ورنہ سب کچھ ختم ہوجائے گا۔ آپ پلیز آجائیں" وہ سسکیاں لیتے ہوئے اس کی منت کررہی تھی۔

"ارسہ مجھے کچھ بتاؤ' آخر کیا ہوا ہے' کیوں بھابھی کو فون نہ کروں' اچھا تم ایسا کرو شاہین کو فون دو۔"

"چاچو' شاہین چاچی کو ممانے گھر سے نکال دیا ہے' ان کا فون ادھر ہی رہ گیا ہے' اور ممانے میرا فون بھی لے لیا ہے۔ پاپا بزنس کے سلسلے میں دبئی گئے ہوئے ہیں۔ ورنہ میں ان سے بات کرتی۔ آپ کیوں نہیں میری بات سمجھ رہے۔" ارسہ نے بے بسی سے چلاتے ہوئے کہا تھا۔ اور اس بات پر طلحہ کو جیسے سانپ سونگھ گیا وہ ایک دم کرسی پر ڈھے سا گیا۔

"ارسہ خود کو سنبھالو' میں آنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

اس نے وجہ پوچھے بغیر خود کو سنبھالتے ہوئے اسے تسلی دی تھی۔

"چاچو آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ آپ جب تک گھر نہیں آجاتے' آپ مما سے کوئی رابطہ نہیں رکھیں گے" اس کے جواب میں طلحہ نے تسلی دے کر فون رکھ دیا تھا اور بوجھل ہوتا سر میبل پر ٹکا دیا۔

"آر یو او کے سر؟" قیصر جو ابھی ابھی اندر آیا تھا' اسے یوں نڈھال دیکھا تو پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"ہاں' میں ٹھیک ہوں' اور ایک دم باہر آگیا۔ ایسی کیا بات ہوئی ہے' جو شاہین کو بھابھی نے گھر سے نکال دیا اور میرا انتظار بھی نہ کیا۔ اس کے گھر والے کیا سوچتے ہوں گے۔ بجائے اس کے کہ وہ شاہین سے اس کے میکے میں ہی رابطہ کرتا اور سارا معاملہ پوچھتا' اس نے چھٹی کی کوشش شروع کردی' اور بہت کوشش کے باوجود اسے تین دن بعد چھٹی ملی تھی' اور ان تین دنوں میں وہ جیسے سولی پہ لٹکا رہا تھا۔ نہ کھانے پینے کا ہوش رہا اور نہ ہی ذہن سوچنے کے قابل رہا۔ کیونکہ یہ اس کی زندگی کی وہ تلخ حقیقت تھی جس کے بارے میں وہ بھولے سے بھی سوچنا نہیں چاہتا تھا۔

☼ ☼ ☼
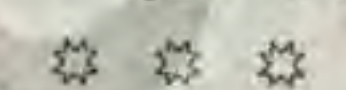
بڑی خالی الذہنی کی کیفیت میں جب وہ گھر میں داخل ہوا تھا تو اسے بھابھی کی آواز کچن سے سنائی دی تھی' لیکن وہ رکے بغیر سیدھا ارسہ کے کمرے میں گیا تھا اور اس کو دیکھتے ہی ارسہ جیسے اپنا ضبط کھو بیٹھی تھی وہ اس سے لپٹ کر بلک بلک کر رو دی۔

"چاچو آپ جلدی جائیں اور شاہین چاچی کو گھر لے آئیں' اس سے پہلے کہ کچھ غلط ہو جائے" وہ روتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔

"اچھا تم ادھر بیٹھو اور پہلے چپ ہو جاؤ۔ تمہیں پتا ہے نا چاچو تم سے کتنا پیار کرتے ہیں اور تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتے۔ یہ پانی پیو اور پھر جلدی سے ساری بات بتاؤ' اس سے پہلے کہ بھابھی آجائیں۔" وہ چیئر گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا

اور اس کو یوں سامنے دیکھ کر ارسہ کو لگا تھا وہ ساری بات نہیں بتا پائے گی۔ چاچو کے ساتھ جتنی بے تکلفی سہی' یوں اپنی پسند کا اور اس سے متعلقہ جھگڑے کا بتانا اسے مشکل لگ رہا تھا۔

"ارسہ ایسی کیا بات ہے جو تمہیں بتانے میں ہچکچاہٹ ہو رہی ہے اور وہ بھی مجھے بتانے میں" وہ اسے یوں تذبذب میں دیکھ کر حیران ہوا۔

"چاچو آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ آپ مجھ سے ناراض نہیں ہوں گے؟" اور پھر طلحہ کے تسلی دینے پر اس نے ہچکیوں کے درمیان ساری بات بتادی۔ اس دوران وہ مسلسل اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ طلحہ مسلسل خاموش تھا' اور ارسہ کی اتنی ہمت نہ تھی کہ اسے دیکھ سکے۔

"چاچو آپ مجھے معاف کردیں' مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مما میری ضد میں آکر میری وجہ سے شاہین چاچی کو پریشان کریں گی' آپ چاچی کو لے آئیں' وہ بہت زیادہ پریشان ہوں گی۔"

"سعد کیا کرتا ہے؟" طلحہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے سوال کیا تھا جو اسے ورطہ حیرت میں ڈال گیا۔

"چاچو آپ مسئلے کو چھوڑیں' آپ چاچی کو لے آئیں" اس کا ذہن ابھی بھی ادھر ہی اٹکا ہوا تھا۔

"ارسہ میں شاہین کو لے آؤں گا' تم فکر نہ کرو' تم مجھے اس لڑکے سعد کے بارے میں ذرا تفصیل سے بتاؤ تاکہ میں احمد بھائی سے اس بارے میں بات کرسکوں" طلحہ کے نرمی سے کہنے پر ارسہ کو حوصلہ ہوا تھا۔

"ایم' ایس سی کیمسٹری میں ڈگری لینے کے بعد ہمارے ڈپارٹمنٹ میں لیکچرار ہیں" مختصراً بتا کر وہ خاموش ہوگئی۔

"بھابھی کو اعتراض کیا ہے' جو ملے بغیر ہی ریجیکٹ کردیا؟"

"سعد کے والدین گاؤں میں رہتے ہیں۔ مما کہتی ہیں کہ سعد مجھے بھی گاؤں لے جائے گا اور وہ مجھے اتنی دور بھیجنے پر راضی نہیں اس لیے اس شہر میں شادی کے لیے کہتی ہیں۔" جتنی مشکل آج اسے چاچو سے بات کرنے میں ہو رہی تھی اتنی کبھی نہ ہوئی تھی۔

"یعنی بھابھی کا مطلب ہے کہ تم اتنی دور رہوگی تو خوش نہیں رہ پاؤگی اور اگر ان کے پاس اسی شہر میں رہوگی تو لازمی خوشی تمہارا نصیب ہوگی۔ حالانکہ انہیں یہ بات سوچنی چاہیے کہ نزدیکیاں یا دوریاں' خوشی یا غم کا باعث نہیں ہوتیں۔ شاہین تو اپنے والدین کے قریب اسی شہر میں ہوتی ہے' لیکن وہ تو خوش نہیں' اور اس کی وجہ صرف بھابھی کی غلط خواہش اور غلط سوچ ہے۔ خیر تم بتاؤ احمد بھائی کب تک آرہے ہیں۔" دل ہی دل میں ایک فیصلہ کرتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

"پاپا ابھی گھر پہنچنے والے ہیں' کہہ رہے تھے ڈنر ہمارے ساتھ ہی کریں گے۔ آپ پلیز ان کے آنے سے پہلے شاہین چاچی کو لے آئیں' ورنہ پتا نہیں کیا ہوجائے گا۔" وہ ایک دفعہ پھر سے رونے لگی۔

"ارسہ تم بالکل فکر نہ کرو' میں کچھ بھی غلط نہیں ہونے دوں گا۔ تم ایسا کرو' آج ہی سعد کو ڈنر پر انوائٹ کرو' میں اس سے ملنا چاہتا ہوں کوئی بھی فیصلہ اس سے ملنے کے بعد ہی کروں گا۔" بڑے قطعی انداز میں کہتا ہوا' اسے حیران پریشان چھوڑ کر وہ کمرے سے جاچکا تھا۔

☼ ☼ ☼
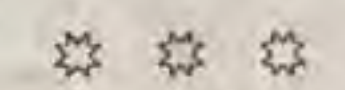
"السلام علیکم!" لاؤنج میں آکر اس نے با آواز بلند سلام کیا تھا اور ربیعہ بھابھی نے جب اسے دیکھا تو ایک پل کے لیے وہ بھول گئیں کہ اس کے پیٹھ پیچھے وہ کون سا کھیل' کھیل چکی ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ کی طرح خوشی سے اس کے لیے بازو وا کردیے۔ وہ اس سے پیار بھی تو بہت کرتی تھیں' لیکن ان کا نفس نجانے انہیں کون سے راستے پر لے کر جارہا تھا اور بھول تو طلحہ بھی گیا تھا کہ یہ مہربان ہستی کبھی اس کے لیے نامہربان ہوسکتی ہے۔ وہ بھی ان کی بانہوں میں سما گیا۔

"آج میرا بیٹا یوں بتائے بغیر" وہ اس کی پیشانی چومتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"بس بھابھی آپ لوگوں سے ملنے کو دل کیا تو آگیا۔ باقی لوگ کدھر ہیں۔" وہ سوالیہ نظروں سے بھابھی کو دیکھ رہا تھا جن کے چہرے پر ایک سایہ سا آکر گزر گیا۔

"تمہارے بھائی تو بس آنے ہی والے ہیں۔ ارسہ اپنے کمرے میں ہے۔ اور شاہین میکے گئی ہے" طلحہ کے رویے سے انہیں یہ تو اندازا ہو گیا تھا کہ طلحہ کا شاہین سے رابطہ نہیں ہوا اور وہ کچھ نہیں جانتا اسی لیے انہوں نے گول مول سا جواب دیا' کیونکہ ابھی انہیں کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ اب کیا کرنا ہے۔

"تم بیٹھو میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔" ان کے لہجے کی لڑکھڑاہٹ بڑی واضح تھی۔

"نہیں بھابھی کھانا میں بھائی کے ساتھ کھاؤں گا' پہلے فریش ہو لوں۔ آپ پلیز کھانے پہ تھوڑا اہتمام کرلیجیے گا۔ میرا ایک مہمان آنے والا ہے۔" بھائی کو اعتماد میں لیے بغیر وہ ان پر کچھ بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ "بھائی آجائیں تو مجھے بتایئے گا" اور وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں سر ہلاتے ہوئے کچن میں چلی گئیں۔

☼ ☼ ☼
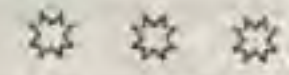
طلحہ جیسے ہی اپنے کمرے میں داخل ہوا بڑا مانوس سا احساس اس کے رگ و پے میں اترا تھا۔ سب کچھ جانتے ہوئے' بڑی متلاشی نظروں سے اپنے کمرے میں دیکھا تھا' جیسے ابھی شرمیلی سی شاہین اپنی تمام تر خوبصورتی کے ساتھ اس کے سامنے آجائے گی' لیکن فی الحال تو یہ ممکن نہ تھا' اور اس کا دل بڑی شدت سے اس کو دیکھنے کی چاہ کر رہا تھا' اس سے باتیں کرنے کے لیے ہمک رہا تھا۔ لیکن نہیں' ابھی وہ ارسہ والے مسئلے کو حل کرنا چاہتا تھا۔ فوجی بندہ تھا' دل و دماغ پر قابو پانا اچھی طرح جانتا تھا' لیکن آج دل کچھ زیادہ ہی سرکش ہوا جا رہا تھا۔ آج اسے شاہین کی باتیں یاد آرہی تھیں' جس نے صرف اچھی ساس کے لیے کتنے پرپوزل ٹھکرائے تھے۔ جسے جھگڑے سے ڈر لگتا تھا جس نے مجھ سے گلہ تک نہیں کیا' کاش میں اسے تسلی دے سکتا۔ کاش میں۔۔۔

"ہیلو ینگ مین کیا سوچا جا رہا ہے" وہ نجانے کتنی دیر تک شاہین کے بارے میں سوچتا رہتا جب احمد بھائی کے آنے سے اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا تھا۔ اور وہ خود کو کمپوز کرتا ہوا ان کے گلے لگ گیا۔

"میرا بیٹا پریشان سا لگ رہا ہے کیا ہوا؟" انہوں نے آتے ہی اس کی اداسی کو محسوس کیا تھا۔

"کچھ نہیں بھائی بس تھکن ہو گئی ہے" اس نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

"آپ بیٹھیں مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنا تھی۔" وہ سب کچھ جلد از جلد ٹھیک کرنا چاہتا تھا ٹائم ضائع کیے بغیر۔

"خیریت آتے ہی ضروری بات" احمد بھائی حیران ہوئے۔

"جی بھائی خیریت ہی ہے۔ دراصل میرے ایک جاننے والے ہیں' وہ ارسہ کے لیے پرپوزل لانا چاہ رہے تھے' آپ کو اعتراض نہ ہو تو۔" یقیناً" یہ ان کا احترام تھا جو وہ ان کو سچ نہ بتا سکا تھا۔

"ارسہ صرف میری بیٹی تو نہیں' تمہاری بھی تو ہے' اور مجھ سے زیادہ وہ تم سے پیار کرتی ہے' تم سے زیادہ قریب ہے' تم اس کے لیے جو مناسب سمجھو کرو مجھے اعتراض کیوں ہو گا۔" وہ خوشدلی سے بولے تھے۔

"نہیں بھائی آپ کے ہوتے ہوئے میں کون ہوتا ہوں کچھ کرنے والا۔ میں نے صرف آپ کو اس لیے بتایا ہے کہ اس لڑکے سے آپ ایک دفعہ مل لیں۔ اگر وہ آپ کو اچھا لگے تو پھر بات آگے بڑھائیں گے اور ساری تسلی بھی کرلیں گے۔ اسی لیے آج میں نے اسے ڈنر پر انوائٹ کیا ہے۔" وہ بڑے قرینے سے اس معاملے کو ہینڈل کرنا چاہتا تھا۔

"طلحہ' میں نے تمہاری بات سن بھی لی سمجھ بھی لی اور مان بھی لی۔ اب مجھے یہ بتاؤ کہ اصل بات کیا ہے' تمہیں پریشان کر رہی ہے۔ اور بہانہ کوئی نہیں' کیونکہ تمہارا بھائی تمہیں اس وقت سے جانتا ہے' جب تم خود کو جاننے کا دعوا بھی نہیں کرسکتے تھے۔" احمد بھائی اس کے ستے ہوئے چہرے سے اس کی پریشانی تو بھانپ گئے تھے۔

"ارے ایسی کوئی بات نہیں ہے بھائی بتایا تو ہے تھکن ذرا زیادہ ہو گئی اور طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں اسی وجہ سے تھوڑی سستی ہو رہی ہے۔" اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

"اور یہ تھکن بھی تو تیرا اپنا شوق ہے ورنہ اتنا بڑا بزنس چھوڑ کر کون ملازمتوں کے چکروں میں پڑتا ہے' لیکن تم کسی کو سنو بھی تو" احمد کی اسی طرح پیار بھری ڈانٹ اور باتیں سن کر اس کا موڈ کچھ بحال ہو گیا۔ اور اس وقت تو وہ نہال ہو گیا جب ڈنر پر اس کی ملاقات سعد سے ہوئی۔ انتہائی سلجھی ہوئی شخصیت کا مالک سعد اپنے ڈیسنٹ رویے کے ساتھ اس کو اپنا گرویدہ بنا گیا۔ اس کا تعارف سن کر جہاں احمد حسن مطمئن ہوئے (کیونکہ سعد کے تایا اور چچا کو وہ ذاتی طور پر جانتے تھے بزنس کی دنیا میں ان کا بڑا نام تھا' لیکن اس کے والد تھوڑی اور طبیعت کے مالک تھے' وہ اپنے گاؤں کو اور اپنی زمینیں چھوڑنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھے) وہیں ربیعہ بیگم کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ وہ تو اپنی بیٹی کے گریز پہ بھی چونکی تھیں جو کھانے کی میز پہ آنے کی بجائے کھانا کمرے میں منگوا چکی تھی' لیکن اب یہاں موجود افراد کی باتیں سن کر وہ بہت کچھ سمجھ چکی تھیں۔ طلحہ کا یوں اچانک آنا' اپنے دوست کی دعوت کرنا' اور احمد حسن کا سعد سے یوں انٹرویو لینا انہیں بہت کچھ سمجھا گیا۔ اور سب سے زیادہ حیران تو وہ اپنی بدلتی ہوئی سوچ پہ ہو رہی تھیں' انہوں نے تو ارسہ کو کم عمر اور نا سمجھ خیال کرتے ہوئے اس کی پسند کو دیکھے بنا رد کر دیا تھا' لیکن آج انہیں سعد کو دیکھ کر اور اس سے مل کر اپنے خیالات پر شرمندگی ہو رہی تھی کہ انہوں نے اپنی ہی بیٹی کی خوشی اور پسند کو اتنا ارزاں جانا' سعد کو دیکھ کر وہ سوچ رہی تھیں کہ اگر وہ غیب سے بہت اچھا نہیں تھا تو اس کا ہم پلہ ضرور تھا۔

"آنٹی کھانا بہت اچھا بناتی ہیں بڑے دنوں بعد اتنا مزے کا کھانا کھایا ہے اب تو میرا روز یہاں آنے کو دل کرے گا" سعد کی تعریف انہیں خیالوں کی دنیا سے باہر لے آئی۔

"ارے بیٹا یہ تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔ جب جی چاہے آجایا کرو۔" ربیعہ بھابھی کی اس خوشدلی کے جواب میں طلحہ نے انہیں چونک کر دیکھا تھا۔ اتنی جلدی کایا پلٹ جائے گی۔ اس نے سوچا نہ تھا کھانے کے بعد سعد پھر آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ بھیا بھی مطمئن سے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ جب طلحہ کچن میں آیا تھا' جہاں ربیعہ بھابھی چائے بنا رہی تھیں۔

"کچھ چاہیے تھا طلحہ؟" انہوں نے جلدی سے پوچھا تھا۔

"نہیں بھابھی آپ سے صرف یہ کہنے آیا تھا کہ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے یہ ضرور سوچیے گا کہ سعد صرف ارسہ کو نہیں مجھے بھی پسند ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھیے گا کہ سارے معاملات بالا ہی بالا طے نہیں ہوئے ابھی ارسہ کا باپ اور چچا زندہ ہیں" بڑے سرد سے لہجے میں بات کر کے وہ رکا نہیں تھا اور ربیعہ بیگم جو سوچوں کی یلغار سے نبرد آزما ہوتے ہوئے نڈھال ہو چکی تھیں اب طلحہ کے لہجے اور بات سے بالکل ڈھے گئیں۔ کیونکہ اپنے پورے پلان میں انہوں نے اس رخ کے بارے میں تو سوچا ہی نہ تھا اب اپنے چکراتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

یہ حقیقت تھی کہ انہوں نے زندگی کو بڑے مثبت طریقے سے گزارا تھا۔ کبھی سسرال کو سسرال نہ سمجھا۔ بلکہ ہمیشہ میکے پر فوقیت دی۔ اور خاص کر طلحہ کے معاملے میں تو وہ بہت حساس تھیں۔ اس کا ماں سے بڑھ کر خیال رکھا۔ کبھی یتیمی کا احساس نہ ہونے دیا اس کے ہوتے ہوئے انہیں کبھی اولاد نرینہ کی محرومی کا خیال نہ آیا اور ان کی زندگی کا یہ رنگ یک طرفہ نہ تھا بلکہ بدلے میں انہیں محبت' عزت' خلوص جھولی بھر بھر ملے تھے۔ کبھی ایسا نہ ہوا کہ زندگی کے کسی معاملے میں ان کی رائے کو رد کر دیا جائے۔

طلحہ نے شادی جیسے اہم معاملے میں بھی سب کچھ انہیں سونپ کر جو مان دیا تھا وہ سب سے بڑھ کر تھا اور پھر شاہین تو ان کی امیدوں سے بڑھ کر ثابت ہوئی

تھی۔ ایک حد میں رہنے والی وہ محبتوں سے گندھی لڑکی انہیں اپنا گرویدہ بنا گئی۔ جو ہر کام کرنے سے پہلے ان کی رائے ضرور لیتی کہ کہیں انہیں برا نہ لگے اور انہوں نے بھی اپنے اچھے رویے سے اس کے ہر ڈر اور جھجک کو دور کر دیا۔

راوی چین ہی چین ——— لکھتا رہتا اگر درمیان میں ارسہ کی پسند والا مسئلہ نہ سر اٹھاتا، جس نے ہر شرم و حیا کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا کہ وہ سعد کو پسند کرتی ہے اور اس کے والدین یہاں آنا چاہتے تھے۔ اگر ربیعہ بیگم مثبت طریقے سے سوچتیں تو یقیناً انہیں اپنی تربیت پر فخر ہوتا کہ ان کی بیٹی نے ان پر اعتماد کر کے ان کو ساری بات بتائی اور کوئی بھی غلط قدم نہیں اٹھایا۔ انہیں چاہیے تھا کہ وہ سلیقے سے اس معاملے کو ہینڈل کرتیں۔ پہلے سعد اور اس کے والدین سے ملتیں، اگر وہ ان کے معیار پر پورے نہ اترتے تو پھر اپنی بیٹی کو زندگی کی تلخ حقیقتوں سے آگاہ کرتیں لیکن نہیں یہاں پہ ربیعہ بیگم کی انا کو دھچکا لگا تھا کہ جس گھر میں ہر کوئی ان کی رائے اور مرضی کے مطابق زندگی گزارتا ہے، وہاں پہ ان کی اپنی ہی بیٹی ان کے سامنے آکھڑی ہوگی اور اپنا فیصلہ ان پر لاگو کرے گی۔ بس اس معاملے میں دونوں ماں بیٹی میں ٹھن گئی۔ اگر ربیعہ بیگم اپنی انا کے خول سے باہر جھانکتیں تو انہیں اپنے خون اور پرورش پر فخر ہوتا جو اپنی ماں کی مرضی سے ہی سعد کی زندگی میں داخل ہونا چاہتی تھی۔ لیکن نہیں، انہیں جیسے ضد ہو گئی۔ اسی ضد میں منیب اخلاق پہ ان کی نظر کسی اور ہی زاویے سے پڑی اور انہیں جیسے کچھ بھی یاد نہ رہا۔ حتیٰ کہ اپنی احتجاج کرتی ممتا کو بھی یہ کہہ کر سلا دیا کہ میں اپنی بیٹی کا بھلا ہی چاہوں گی اور اس بھلے میں انہیں یہ احساس ہی نہ رہا کہ وہ کتنے لوگوں کی زندگی سے کھیل گئی ہیں۔ جن میں سعد اور ارسہ تو ہیں ہی لیکن انہوں نے تو اپنے بیٹے جیسے دیور طلحہ اور شاہین کے علاوہ اس کے پورے خاندان کو ہلا ڈالنے کی سازش کی تھی۔ یہ جانے بغیر کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔

اور آج سعد سے ملنے کے بعد تو ان کے اپنے ہی دلائل ان کا منہ چڑا رہے تھے۔ منفی سوچیں تو مثبت سوچوں کے سامنے ہار گئیں لیکن دیر بہت ہو چکی تھی کیونکہ خون کے رشتوں کو تو ہو سکتا ہے انسان جذباتی بلیک میلنگ سے منا لے لیکن جو رشتے صرف اور صرف مان کے ہوتے ہیں جب وہ ٹوٹتے ہیں تو پھر کبھی نہیں جڑتے کیونکہ وہ رشتے انسان کے اعمال اور رویوں سے جڑتے ہیں جب ان میں کھوٹ آجائے تو دلوں کے بال کو کوئی نہیں مٹا سکتا، یہی سب کچھ سوچتے ہوئے وہ ٹرانس کی کیفیت میں اٹھی تھیں۔ میں طلحہ کو منا لوں گی۔ اس سے معافی مانگ لوں گی۔ میں شاہین سے بھی معافی مانگ لوں گی، وہ دل ہی دل میں کہتے ہوئے طلحہ کے کمرے تک آئی تھیں اور یہاں پہ آکے ان کے قدم جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے۔ جس کو ماں بن کر پالا، پیار دیا، کیا ان حالات میں اس کا سامنا کر سکوں گی، نہیں نہیں مجھے پہلے شاہین سے بات کرنی چاہیے۔ شکر ہے اس نے طلحہ کو بلا لیا۔ اگر طلحہ نہ آتا تو ... دل و دماغ کو مایوسی نے یوں جکڑا کہ کسی پل چین نہ آتا، اتنے لوگوں کو بے چین کر کے چین ملتا بھی کہاں سے۔

☼ ☼ ☼
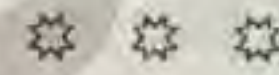
ربیعہ بیگم کی پوری رات بے آرامی سے گزری تھی، سونے کی کوشش کے باوجود نیند آنکھوں سے کوسوں دور رہی، لیکن مجبوری یہ تھی کہ انہوں نے روٹین کے معمول میں کوئی فرق نہ آنے دیا کہ کہیں احمد حسن کو کچھ معلوم نہ پڑ جائے اگر ان کا یہ کارنامہ احمد کے علم میں آجاتا تو رہی سہی عزت بھی خاک میں مل جاتی۔ گھر میں ان کے علاوہ چار افراد تھے جن میں سے تین کے دلوں سے تو وہ اتر چکی تھیں، اور اب بڑی احتیاط سے اس معاملے کو حل کرنا چاہتی تھیں تاکہ احمد حسن کی زندگی میں جو ان کا مقام ہے وہ لمحاتی خواہش کے بدلے میں کھو نہ جائے۔ لیکن ذہن تھا کہ جیسے ماؤف ہو گیا ہو۔ اور سوچیں سلب ہو چکی تھیں۔ بے بسی سے اپنا دکھتا ہوا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

جب دروازے پر دستک دے کر طلحہ اندر داخل ہوا تھا۔

"بھابھی اگر آپ ڈسٹرب نہ ہوں تو میرا ایک کام کر دیں" وہ کھڑے کھڑے بولا تھا۔

"ہاں ہاں بولو کیا کام ہے" وہ ایک دم اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"آپ مجھے ڈیفنس والے گھر کے ڈاکومنٹس دے دیں۔ ویسے تو میں بھائی جان سے بات کرتا لیکن میں انہیں دکھ نہیں دینا چاہتا، اس لیے اگر آپ کے پاس ہیں تو دے دیں۔" بڑا عام سا لہجہ تھا۔

"لیکن کیوں ان کاغذات کا کیا کرنا ہے۔ ویسے بھی وہ گھر تو بابا جان نے تمہارے نام پہ ہی تو بنوایا تھا۔" عام سے لہجے کے بدلے میں ادھر لہجہ بڑا لڑکھڑاہٹ زدہ تھا۔

"وہ گھر میں نے شاہین کے نام کرنا ہے کیونکہ مجھے اپنے ناکردہ گناہ کی تلافی کا اور کوئی طریقہ نہیں سوجھ رہا آپ ذرا جلدی کریں، مجھے یہ کام آج ہی کرنا ہے۔" وہ نظریں جھکتے ہوئے بولا تھا۔

"لیکن یہ گھر بھی تو شاہین کا ہے تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟" وہ بیڈ سے اٹھ کر اس کے سامنے آکھڑی ہوئیں۔

"نہیں بھابھی، یہ گھر اس کا نہیں، ورنہ آپ اسے اس گھر سے نہ نکالتیں۔ میں اسے گھر آپ کی اسی غلطی کے ازالے کے بدلے میں دینا چاہتا ہوں تاکہ اس کے دل سے بے گھر اور بے اماں ہونے کا ڈر ہمیشہ کے لیے نکال دوں۔" اس کے لہجے میں بدتمیزی کا شائبہ تک نہ تھا لیکن ربیعہ بیگم کو آج وہ بے ادب سا لگ رہا تھا۔ جس کی ذمہ دار وہ خود تھیں۔

"طلحہ، تم ادھر بیٹھو میری بات سنو" انہوں نے قریب رکھی چیئر پہ اسے بٹھایا اور خود اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

"میں اپنی غلطی مان رہی ہوں پھر تم کیوں ایسا ہی ہیو کر رہے ہو۔ میں نے تمہیں ماں بن کر پالا ہے تو کیا تم میری پہلی اور آخری غلطی کو معاف نہیں کر سکتے۔" بولتے ہوئے ان کی آواز بھرا گئی۔

"بھابھی اگر آپ نے ماں بن کر پالا ہے تو میں نے بھی اولاد سے بڑھ کر حق ادا کیا ہے زندگی کے کسی معاملے میں آپ کے سامنے سر نہیں اٹھایا۔ آپ کی ہر خواہش کو ہر بات کو حکم کا درجہ دے کر مانا ہے۔ اگر میری سگی ماں بھی ہوتیں تو ایسا نہ کرتا کیونکہ اس کا پیار میرا حق تھا۔ لیکن آپ کا پیار میرے لیے احسان تھا اور میں اس احسان کا بدلہ ساری زندگی اتارنے کے لیے تیار تھا لیکن بھابھی غلطیاں کرنے اور معافی مانگنے کی عمر میری تھی، آپ کی نہیں۔ لیکن میں نے کبھی ایسا موقع ہی نہیں آنے دیا کہ کبھی مجھے آپ سے معافی مانگنی پڑے اور بھابھی آپ کہہ رہی ہیں کہ آپ نے مجھے ماں بن کر پالا ہے تو یہ کیوں نہ سمجھ پائیں کہ ماں کے لیے ہر اولاد کی خوشی برابر اہم ہوتی ہے لیکن آپ نے مجھ پر ارسہ کی خوشی کو فوقیت دی۔ چاہے وہ خوشی صرف آپ کی اپنی سوچ کے مطابق ہی کیوں نہ تھی۔ لیکن آپ نے یہ نہیں سوچا کہ اس کام کے نتیجے میں میرا گھر برباد ہو سکتا ہے میری بیوی اور اس کی فیملی آپ کی فرمائش کے بدلے میں کسی حد تک بھی جا سکتے ہیں۔ بھابھی آپ سمجھ ہی نہیں سکتیں کہ آپ کا میری زندگی میں کیا مقام تھا، مجھے آپ پہ کتنا مان تھا، لیکن آپ نے تو ایک ہی پل میں سب کچھ ختم کر دیا۔ سب کچھ۔" ماں جیسی ہستی کے سامنے اتنے مچور مرد کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

"طلحہ میں کہہ رہی ہوں نا میں شاہین سے معافی مانگ لوں گی۔ نجانے مجھے کیا ہو گیا تھا مجھے شاہین اور اس کے گھر والے اتنے اچھے لگے کہ میرا دل چاہا ارسہ بھی تمہاری طرح اچھے لوگوں میں زندگی گزارے اور ———"

"بھابھی پلیز یوں فضول کی صفائی مت دیں" طلحہ نے ان کی بات پوری ہی نہ ہونے دی۔

"شاہین کی فیملی اگر اچھی ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آپ کسی کی اچھائی کو ان کی کمزوری بنا دیں اور وہ اپنی اس خوبی پر پچھتانے لگیں بہرحال یہ باتیں اب کسی کام کی نہیں۔ آپ مجھے کاغذات دیں مجھے

جلدی ہے۔" اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
"تو کیا تم اپنے بھائی کو' مجھ کو' اس گھر کو اور کاروبار کو چھوڑ کر چلے جاؤ گے' میری ایک غلطی کی وجہ سے۔" وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔
"بھابھی میں کون سا ہر وقت اس گھر میں ہوتا ہوں' ہاں میں نے اس گھر میں بڑے بھروسے سے اپنی عزت اپنی امانت آپ کے حوالے کی تھی جسے آپ نے کچرے کی طرح باہر پھینک دیا۔ آپ یہ فیصلہ بھی وہی کرے گی کہ یہاں رہنا ہے کہ نہیں کیونکہ میں اس کی زندگی کو آزمائش نہیں بنانا چاہتا۔ اور جہاں تک بھائی کی بات ہے بھلا خون بھی خون سے جدا ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کاروبار پر میرا کوئی حق نہیں۔ بے شک اس کاروبار میں میرے شیئرز برابر کے ہیں لیکن نہ تو اس میں میرا انٹرسٹ ہے اور نہ ہی محنت شامل ہے' اس لیے مجھے یہ نہیں چاہیے۔ وہ گھر بھی اگر بابا نے میرے نام پہ نہ بنوایا ہوتا تو شاید اس پہ بھی اپنا حق نہ جتاتا۔" اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا ہاتھ سامنے کیا تھا "ڈاکومنٹس" اب کہنے سننے کو کچھ نہیں رہا تھا۔ اسی لیے ربیعہ بیگم نے اپنے مردہ ہوتے وجود کے ساتھ لا کر سے فائل نکال کر اس کو پکڑائی تھی جسے اس نے خاموشی کے ساتھ پکڑا اور باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼
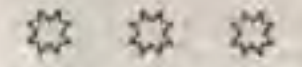
طلحہ کو زندگی میں کبھی اتنی شرمندگی محسوس نہ ہوئی تھی جتنی شرمندگی آج شاہین کے گھر جانے سے ہو رہی تھی۔ اس وقت وہ صرف ان لوگوں کے رد عمل کے بارے میں سوچ رہا تھا نجانے وہ اس کے ساتھ کیسا سلوک کریں۔ معاف کریں بھی یا نہ کریں۔ اور اگر وہ شاہین کو اس کے ساتھ بھیجنے پر رضامند نہ ہوئے تو' گاڑی ایک لمحے کو بری طرح لڑکھڑائی تھی اس نے اپنے کانپتے ہاتھوں کو بمشکل کنٹرول کیا تھا۔ نہیں نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ وہ لوگ بہت اچھے ہیں وہ مجھے معاف کردیں گے اور سب سے بڑھ کر شاہین' وہ تو مجھ سے محبت کرتی ہے وہ ضرور میرا ساتھ دے گی۔ ایسے ہی سوچوں کے تانے بانے بنتے وہ اخلاق ہاؤس کے سامنے تھا۔

"طلحہ حسن زندگی میں ہمیشہ پر امید رہنا چاہیے اور اپنے رب پہ دل کی سچائیوں کے ساتھ یقین رکھنا چاہیے پھر آپ کے ساتھ کبھی برا نہیں ہوگا آزما کر دیکھنا" طلحہ کے کانوں میں اپنے آرمی ٹیچر فضل ربی کی آواز گونجی تھی یہ بات انہوں نے اپنے لیکچر میں بڑے یقین سے کہی تھی جسے یاد کر کے طلحہ کے لڑکھڑاتے قدموں میں ایک ٹھہراؤ سا آگیا۔ اور بڑے اعتماد سے لاؤنج میں با آواز بلند سلام کرتا ہوا داخل ہوا تھا جہاں عفت بیگم اور غزل بیٹھی چائے پی رہی تھیں اور ان دونوں ہی نے اس کو دیکھ کر جو پرتپاک اور خوشی کا اظہار کیا تھا' جہاں وہ اس کے لیے تسلی کا باعث تھا کہ وہ لوگ یقیناً "بے خبر ہیں ورنہ ان کا رویہ ہرگز ایسا نہ ہوتا' وہیں دل میں پھیلتی ہوئی بے چینی سوا ہوئی تھی کہ یہ ساری ٹینشن شاہین اکیلے ہی سہے جا رہی تھی۔
"طلحہ تمہاری یہ سرپرائز دینے والی عادت مجھے بہت پسند ہے" غزل بھابھی کی بات پر وہ مسکرا دیا۔
"طلحہ بیٹا تم کچھ ویک سے لگ رہے ہو طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟" عفت کو وہ پہلے سے دبلا لگا تھا۔
"جی آنٹی بالکل ٹھیک ہوں۔ ویسے ہی آب و ہوا کے چینج ہونے سے صحت کچھ ڈسٹرب ہو جاتی ہے لیکن پریشانی کی کوئی بات نہیں۔"
"بھابھی شاہین کہاں ہے؟" دل کی بے اختیاری پر زبان کو سر تسلیم خم کرنا ہی پڑا تھا۔ "تم چائے پیو میں اس کو بلاتی ہوں۔ وہ سو رہی ہے۔"
"اس وقت سو رہی ہے' خیریت؟" اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا جو شام کے چھ بجا رہی تھی۔
"بیٹا خیریت کہاں بخار ہے کہ اترنے کا نام ہی نہیں لیتا' یہ سب ان سب کے لاڈ اور شاہین کی اپنی لاپروائی کا نتیجہ ہے۔ ربیعہ نے تمہیں بتایا تو ہوگا نجانے کتنا اس کو تنگ کیا اور ادھر آنے کی ضد کی کہ ہماری یاد ستا رہی ہے۔ وہ تو بھلا ہو ربیعہ کا جو اس کو یہاں چھوڑ گئی اور اس نے یہاں آ کے ایسا رونا دھونا مچایا کہ جیسے آج ہی

رخصت ہو رہی ہے۔ آخر دنیا کی ساری لڑکیاں سسرال جاتی ہیں۔ اس نے انوکھا کام تو کیا نہیں' وہ تو شکر ہے تمہاری بھابھی بھلی خاتون ہیں جو معاملے کو سلیقے سے سنبھال لیتی ہیں' ورنہ یہ لڑکی تو باپ اور بھائیوں کے لاڈ پیار میں کچھ زیادہ ہی حساس ہو گئی ہے اس دن رو رو کے ایسی طبیعت خراب کی کہ ابھی تک ٹھیک ہونے کا نام نہیں لیا۔ اور نہ سسرال جانے کا ارادہ ظاہر کیا' ٹھیک ہو بھی تو کیسے کھانے پینے کا ہوش اور نہ دوائی وقت پہ لینے کی فکر تو بخار کیسے اترے۔ بیٹا تم ہمیں معاف کرنا تم اتنی دور سے گھر آئے ہو اور بیوی کو گھر میں نہ دیکھ کر تمہیں جو ذہنی کوفت ہوئی وہ تو میں سمجھ سکتی ہوں لیکن یہاں غلطی میری بھی ہے کہ طبیعت کی خرابی کی وجہ سے میں نے بھی اس کے واپس جانے پر زور نہیں دیا ورنہ......"
"آنٹی پلیز بس کریں آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔ مجھے کوئی کوفت نہیں ہوئی" شرمندگی اور دکھ نے اکھٹے وار کیا تھا اور دل جیسے بے دلی سے دھڑکنے لگا۔
"میں شاہین کو دیکھتا ہوں" وہ ایک دم اٹھا تھا۔ قدم شاہین کے کمرے کی طرف بڑھے تھے۔ اس نے بڑی آہستگی سے دروازہ کھولا کہ اگر وہ سو رہی ہے تو بغیر آہٹ کیے واپس چلا جائے لیکن وہ جاگ رہی تھی بیڈ کی کراؤن سے ٹیک لگائے نجانے اپنے ہاتھوں میں کیا کھوج رہی تھی' زرد ہوتا بے رونق چہرہ اسے صدیوں کا بیمار ظاہر کر رہا تھا اور طلحہ کو زندگی میں کبھی کسی سے اتنی نفرت محسوس نہ ہوئی تھی جتنی آج ربیعہ بھابھی سے ہو رہی تھی۔ شاہین کو متوجہ کرنے کے لیے اس نے سلام کیا تھا۔ ان اداس آنکھوں نے بڑی بے یقینی سے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر بے یقینی سے یقین کی طرف سفر کرنے میں صرف ایک پل لگا تھا۔ اور پھر جیسے ہر طرف جل تھل ہو گیا وہ اس کے سینے سے لگی روئے جا رہی تھی اور طلحہ اس کو چپ کرانے کی کوئی کوشش کر رہا تھا نہ ہی کوئی تسلی کا لفظ' نہ کوئی دلاسا۔ وہ چاہتا تھا کہ شاہین جی بھر کر روئے اپنا سارا غبار اس کے سامنے نکال دے۔ سب کچھ اکیلے سہہ کر وہ نجانے کتنے دنوں سے کڑھے جا رہی تھی اس لیے آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے روتے روتے ہچکی بندھ گئی اور جب ہچکیاں سسکیاں بننے لگیں تو طلحہ نے اس کو کندھوں سے تھام کر صوفے پر بٹھایا تھا اس کے بھیگے رخساروں اور پلکوں کو اپنی پوروں سے صاف کیا تھا۔ اپنے ہاتھوں سے اس کو پانی پلایا اور عادت کے مطابق بڑی فرصت سے اس کے سامنے نیچے کارپٹ پہ چوکڑی مار کر بیٹھ گیا۔
"اتنی اذیت اکیلے برداشت کرنے کی کیا ضرورت تھی مجھے سب کچھ کیوں نہ بتایا" بڑی نرم اور دھیمی آواز میں پوچھا گیا تھا۔
"آپ کو آزمانے چلی تھی" لبوں کے ساتھ آنکھیں بھی مسکرائی تھیں جو طلحہ کو ہمیشہ کی طرح نہال کر گئیں۔
"اور اگر میں آزمائش پر پورا نہ اترتا تو؟" ان خوبصورت آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا تھا۔
"آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ آپ مجھ پر خود سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں تو پھر یہ "اگر" کہاں سے آگیا۔" اس نے بھی اسی انداز میں جواب دیا تھا۔
"شاہین ایک بات پہ مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا کہ میری بیوی اتنی کمزور تھی کہ کسی کے کہنے پر اپنا گھر چھوڑ دیا اور پھر خاموش ہو کر بیٹھ گئی' کسی سے کچھ کہے بغیر" وہ سنجیدہ ہوا تھا۔
"طلحہ صرف اپنے گھر سے کیا ہوتا ہے جب گھر کے مکین اپنے نہ ہوں اور جہاں تک کسی کو بتانے کی بات ہے تو میں ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ آپ کا اور آپ کی فیملی کا امیج میرے گھر والوں کی نظروں میں خراب ہو اور طلحہ اگر منیب بھائی کو اس بات کی بھنک بھی پڑ جاتی تو وہ مجھ سے اتنا پیار کرتے ہیں کہ انہوں نے سوچنا بھی نہ تھا اور میری لیے ارسہ سے شادی کر لینی تھی جو کہ میں ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ وہ اپنے اور مشعل بھابھی کے سپنوں کو توڑ کر میرا گھر بسانے کی کوشش کریں جبکہ میں......"
"لیکن شاہین اپنے حق کے لیے لڑنا تو چاہیے نا۔"

"آپ حق کی خاطر لڑنے کی بات کرتے ہیں مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آتا کہ ربیعہ بھابھی میرے ساتھ ایسا کر سکتی ہیں اور کر چکی ہیں آپ ان لمحوں کی اذیت کبھی محسوس نہیں کر سکتے جو میں نے برداشت کی ہے۔" اپنی کم مائیگی کے احساس پر وہ ایک دفعہ پھر سے رونے لگی تھی۔

"تم تو ربیعہ بھابھی کو چند مہینوں سے جانتی ہوں، لیکن میں نے تو ان کو ہمیشہ ایک مہربان سائے کی طرح دیکھا ہے، اور مجھے تو آج محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے اپنی ماں کو کھو دیا، ہمیشہ کے لیے اب حالات پہلے کی طرح کبھی نہیں ہوں گے، رشتوں کا مان، غرور، عزت سب کچھ ختم ہو گیا، سب کچھ۔" اس کے ٹوٹتے بکھرتے لہجے پر شاہین نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا جو اس کی طرف دیکھتے ہوئے بھی جیسے کہیں اور تھا۔ شاہین کو حیرت ہوئی کہ وہ کتنے دنوں سے صرف اپنے بارے میں سوچ رہی ہے اس نے طلحہ کے بارے میں تو ایک بار بھی نہیں سوچا کہ اپنی ماں جیسی بھابھی کی بات سن کر اس کا کیا ردعمل ہوگا اور اسے کتنی اذیت ہوگی۔

"آج مجھے معلوم ہوا ہے کہ میں واقعی اچھی بیوی نہیں ہوں آپ اتنی دور سے تھکے ہوئے آئے ہیں اور میں نے اپنا رونا دھونا مچا دیا ہے۔" اس نے جلدی سے آنسو صاف کرتے ہوئے بات بدلی تھی اور طلحہ اس کے انداز پر مسکرا دیا۔

"میں ہرگز تھکا ہوا نہیں ہوں کل شام سے آیا ہوا ہوں۔"

"کیا مطلب کل شام سے آئے ہوئے ہیں اور مجھے آج شام کو ملنے آئے ہیں۔" وہ سچ مچ خفا ہوئی تھی۔

"مسز طلحہ حسن میں آپ کے پاس تھوڑا ٹینشن فری ہو کر آنا چاہ رہا تھا، اس لیے نا چاہتے ہوئے بھی دیر ہو ہی گئی۔" طلحہ نے بڑے پیار سے اس کو نظروں میں سموتے ہوئے کہا تھا۔

"ذرا میں بھی تو سنوں کہ وہ کون سی ٹینشن ہے جس سے آپ فری ہو کر آ رہے ہیں؟"

"شاہین ہر کوئی تمہاری طرح نہیں ہوتا کہ یوں ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ جائے۔ سب اپنے جائز حق کے لیے لڑتے ہیں چاہے مد مقابل اپنی سگی ماں ہی کیوں نہ ہو۔ ارسہ نے فون کر کے بلوایا تھا سارا مسئلہ اسی نے بتایا ہے۔ کل شام اسی لیے نہیں آیا کہ ارسہ جس لڑکے کو پسند کرتی ہے اس سے مل لوں ڈنر پر انوائٹ کیا تھا اسے بہت سلجھا ہوا، خاندانی لڑکا ہے۔ بھیا، بھابھی سے اس کے متعلق بات کی ہے ان شاءاللہ جلد ہی معاملہ آگے بڑھے گا اور شادی بھی ہو جائے گی۔" اس نے مختصراً اسے بتایا تھا۔

"چلیں شکر ہے ارسہ کا مسئلہ حل ہوا، لیکن بھابھی کیسے مانیں؟" وہ حیران ہوئی۔

"بھابھی کی بات تم چھوڑو، میں تو سوچ رہا تھا کہ میں تو ارسہ کا احسان ساری زندگی بھی نہیں اتار سکتا جو اس نے مجھے ساری حقیقت بتائی ورنہ میرے آنے تک تم تو بھوکی رہ رہ کر اور ٹینشن لے لے کر بوڑھی ہو جاتیں۔" شاہین اس کی بات پر ہولے سے مسکرائی تھی۔

"شاہین زندگی میں ایسی اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے لیکن یوں ہمت نہیں ہارتے ہمارے ہمت ہارنے اور بیمار پڑنے سے مسئلے ختم نہیں ہوتے ہم ختم ہو جاتے ہیں۔ خیر یہ تمہارے لیے۔" ساتھ لائی ہوئی فائل اس نے شاہین کی گود میں رکھی تھی۔

"آج کا دن اس کام میں لگ گیا۔"

"یہ کیا ہے؟" وہ ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہارے گھر کے کاغذات جو صرف تمہارا ہے۔" حیرانی کا تاثر دیتی ان خوبصورت آنکھوں میں وہ ڈوب کر ابھرا تھا۔

"لیکن یہ کس لیے میں نے ایسا کچھ نہیں چاہا۔" لہجے میں خفگی در آئی جو آنکھوں سے بھی مترشح تھی۔

"یہ اس لیے کہ تمہیں تمہارے گھر سے کوئی بے دخل نہ کر سکے چاہے وہ کوئی میں خود ہی کیوں نہ ہوں۔ شاہین چاہے میں تمہیں ساری زندگی کتنی ہی خوشیاں کیوں نہ دے لوں لیکن یہ احساس دل میں ساری زندگی پھانس بن کر چبھے گا کہ بھابھی نے تمہیں بغیر قصور کے یوں گھر سے بے دخل کر دیا، اس وقت کی تمہاری اذیت مجھے یہاں محسوس ہو رہی ہے۔" اپنے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ بہت ڈسٹرب لگا تھا۔

"واپس جانے سے پہلے تم اپنے گھر میں شفٹ ہو جاؤ گی اور تم وہیں رہو گی، جس میں تمہارے چاہنے یا نہ چاہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسا میں چاہ رہا ہوں اپنے دل کی تسلی کے لیے، اذیت کے احساس کو کم کرنے کے لیے اور سب سے زیادہ دل میں موجود تمہارے پیار کے لیے جو میری زندگی کا سکون ہے۔" وہ جو بڑا مضطرب لگ رہا تھا اپنا ہی آخری فقرہ اسے پرسکون کر گیا اور لبوں پر خوبصورت سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ شاہین اس کے دھوپ چھاؤں جیسے رویے پر حیران ہو رہی تھی۔ بہت سے لمحے خوش کن سی کیفیات کے زیر اثر بڑی خاموشی سے سرکے تھے۔ جب غزل بھابھی دستک دے کر اندر داخل ہوئیں

"کیپٹن طلحہ آپ کو یہ اطلاع دینی تھی کہ اس گھر میں آپ کی مسز کے علاوہ اور لوگ بھی رہتے ہیں جو آپ سے ملنے کو بے چین ہیں۔ خصوصاً حسیب اور نیب جو کہ انتظار میں سوکھے جا رہے ہیں۔ اگر آپ کے پاس ٹائم ہے تو ان کو بھی شرف ملاقات عنایت کر کے خوش ہونے کا موقع دے دیں۔" غزل بھابھی کے اس شرارتی انداز پر جہاں شاہین دل سے مسکرائی تھی وہیں پر طلحہ بھی خجل سا کھڑا ہو گیا۔

"سوری بھابھی باتوں میں پتا ہی نہیں چلا۔" وہ واقعی شرمندہ ہوا تھا۔

"صرف سوری سے کام نہیں چلے گا، تم جلدی سے جا کر میرے شوہر اور دیور کو کمپنی دو اور شاہین تم کچن میں آ کر ہیلپ کرو کیونکہ اتنے دنوں بعد سب کو اکٹھا ہونے کا موقع ملا ہے تو میں نے اور امی نے لگے ہاتھوں ربیعہ بھابھی اور احمد بھائی کو بھی انوائٹ کر لیا ہے تو کچھ اہتمام کرنا ہے۔ شاباش جلدی سے دونوں میرے پیچھے آ جاؤ۔" جلدی جلدی بولتے ہوئے وہ ان کو حیران چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔

"کبھی کبھی بے خبری بھی کتنی بڑی نعمت ہوتی ہے، کاش مجھے بھی ان سب لوگوں کی طرح بھابھی کی اصلیت کا پتا نہ چلتا تو دل اتنا بے چین نہ ہوتا۔" طلحہ کا یوں حسرت بھرا لہجہ شاہین کو مضطرب کر گیا۔

"طلحہ" وہ ایک دم اٹھ کر اس کے پاس آئی تھی "اب اتنی بھی بڑی بات نہیں ہے جتنا آپ محسوس کر رہے ہیں۔" وہ صرف اسے تسلی دینا چاہتی تھی، جبکہ اس کی بات پر طلحہ کے لبوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"مسز طلحہ یا تو آپ معصوم بہت ہیں یا اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی بہلانا چاہتی ہیں لیکن جو بھی ہے، بعد میں بات کرتے ہیں میں سب سے مل لوں، اور تم بھابھی کے آنے سے پہلے اپنا حلیہ ٹھیک کر لینا، کہیں سے بھی ایک بہادر فوجی کی بیوی نہیں لگ رہیں۔" شرارت سے کہتا ہوا وہ رکا نہیں تھا اور باہر چلا گیا۔ جبکہ شاہین اس کی باتوں کے متعلق سوچتی ہوئی چینج کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

بڑے اچھے ماحول میں بہت اچھا سا ڈنر کیا گیا تھا۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ آج ارسہ بھی پہلی دفعہ اپنے بابا، ماما کے ساتھ موجود تھی۔ اس کے کھلتے ہوئے چہرے پر اپنے سپنوں کی تعبیر پا لینے کا انوکھا سا احساس اسے اور بھی خوبصورت بنا رہا تھا۔ اس نے تنہائی ملتے ہی شاہین سے ربیعہ بیگم کے رویے کی معافی بھی مانگ لی تھی۔ ربیعہ بھابھی بھی بالکل نارمل لگ رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ لیکن طلحہ کا کھویا کھویا سا انداز اور آنکھوں کا کرب صرف وہ خود ہی محسوس کر رہی تھی لیکن اس وقت کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہ تھی اور پھر رات گئے وہ گھر لوٹے تھے، باقی سب تو اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے، لیکن شاہین کچن میں آ گئی تاکہ طلحہ کی من پسند کافی بنا کر اس کا موڈ تھوڑا بہتر

کر سکے۔ شاہین بڑے مگن سے انداز میں کافی پھینٹ رہی تھی جب ربیعہ بھابھی کچن میں آئی تھیں۔

"شاہین" انہوں نے بڑے پیار سے اس کو متوجہ کیا تھا' بالکل پہلے کی طرح۔

"جی بھابھی کچھ چاہیے تھا" ربیعہ بھابھی کو تو اندازا ہی نہ تھا کہ مخاطب کے دل میں تو بغض اور عداوت کے لیے جگہ ہی نہیں' سو بڑی سادگی سے پوچھا گیا تھا۔

"ہاں مجھے تمہاری معافی چاہیے بیٹا' پلیز مجھے معاف کردو۔" انہوں نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیے۔

"بھابھی پلیز ایسا نہ کریں۔" کپ شیلف پر رکھ کر وہ تیزی سے ان کی جانب بڑھی تھی ربیعہ بیگم بس روئے جا رہی تھیں۔

"بھابھی پلیز نہ روئیں' مجھے دکھ ہو رہا ہے۔" وہ خود رو دینے کو تھی۔

"شاہین میں شیطان کے بہکاوے میں آکر اپنے ہنستے بستے گھر کو اجاڑنے چلی تھی یقین جانو شاہین' میں اس دن سے ایک لمحہ بھی سکون سے سو نہیں پائی۔ مجھے تمہارے کرب کا انداز ہے' لیکن اسے میری پہلی اور آخری غلطی سمجھ کر معاف کردو۔" ان کے ہاتھ ابھی بھی اس کے سامنے بندھے ہوئے تھے۔

"ربیعہ بھابھی میں آپ سے ناراض نہیں' میں نے آپ کو معاف کردیا ہے۔ آپ روئیں مت اور یہ پانی پئیں۔" شاہین نے ان کو چیئر پر بٹھا کر اپنے ہاتھ سے پانی پلایا تھا۔

"اگر تم نے مجھے معاف کردیا ہے تو یہ گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گی نا' طلحہ مجھے بہت عزیز ہے میں اس کی ناراضی اور دوری برداشت نہیں کرسکتی' تم مجھے اس سے بھی معافی دلوا دو گی نا؟" ان کے اس التجائیہ لہجے پر شاہین کا دل کانپ سا گیا۔

"بھابھی طلحہ کی ناراضی وقتی ہے سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا اور یہاں سے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میں کبھی آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی' کبھی نہیں۔" وہ ان کو کتنی دیر تسلی دیتی رہی اور باتیں کرتی رہی۔

"اب آپ جائیں اور بے فکر ہو کر سو جائیں۔"

"شاہین اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے' ہمیشہ آباد رکھے۔" وہ اسے پیار کر کے دعائیں دیتے ہوئے چلی گئیں اور شاہین جلدی سے کافی بنا کر کمرے میں آئی تھی' لیکن طلحہ کمرے میں نہیں تھا' شاہین ٹیرس کا دروازہ کھلا دیکھ کر ادھر چلی آئی طلحہ وہیں ریلنگ پہ جھکا نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔

"طلحہ' کافی" اس نے طلحہ کے کندھے پر ہاتھ دھرتے ہوئے اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

"کیا ضرورت تھی اس کی تمہاری اپنی طبیعت ٹھیک نہیں اور تم ہمیشہ کی طرح کاموں میں لگ گئیں۔" کپ پکڑتے ہوئے طلحہ نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"طلحہ آپ کیا سوچ رہے تھے؟" شاہین نے اس کی بات جیسے سنی ہی نہ تھی۔

"ایسے ہی ایک دوست کی باتیں یاد آرہی تھیں۔ جن سے میں کبھی متفق نہیں ہوتا تھا۔ اس کے گھر کے حالات بڑے خراب تھے۔ ہر وقت کی لڑائی' جھگڑوں سے بہت دکھی تھا۔ وہ کہتا تھا کہ ہم مرد کتنے بزدل ہوتے ہیں اپنے گھروں کو بٹواروں سے نہیں بچا سکتے حالانکہ مدمقابل کوئی اور نہیں گھر کی عورتیں ہوتی ہیں لیکن ہم پھر بھی پسپا ہوجاتے ہیں اور میں بڑے فخر سے اس کے خیالات کی نفی کرتا تھا۔ پتا ہے شاہین وہ مجھے بڑے رشک سے دیکھتا تھا' وہ کہتا تھا کہ اس کے جاننے والوں میں صرف میرا گھر ایسا ہے جہاں عورتوں کے روایتی جھگڑے ہیں ہی نہیں' وہ مجھے بڑا خوش قسمت خیال کرتا تھا' اسے کیا خبر کہ اس کے جاننے والوں میں اب یہ ایک گھر بھی سازشوں اور جھگڑوں سے پاک نہیں۔ آج مجھے اپنے اسی فخر پر شرمندگی ہو رہی ہے۔ شاید میں شروع سے ان چیزوں کا عادی ہوتا تو اتنا محسوس نہ کرتا۔" اس کی آنکھیں خشک تھیں لیکن لہجے کی نمی جیسے شاہین کو بھگوئے جا رہی تھی۔

"طلحہ زندگی میں اتنی مایوسی اچھی نہیں ہوتی اب تو سب کچھ ٹھیک ہے پہلے جیسا نارمل' ابھی ابھی ربیعہ

بھابھی میرے پاس آئی تھیں' مجھ سے معافی۔۔۔"

"شاہین تم باقی باتوں کو چھوڑو اور بتاؤ کہ ہم شفٹ کب ہو رہے ہیں؟"

ربیعہ بھابھی کے ذکر پر اس نے ایک دم شاہین کی بات کاٹی تھی اور اس کے اس معصوم سے انداز پر شاہین کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"طلحہ آپ مجھے ایک بات تو بتائیں کہ آپ کو زیادہ دکھ میرے ساتھ زیادتی پہ ہو رہا ہے یا اپنا مان ٹوٹنے کا؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا میں سمجھا نہیں؟" طلحہ نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ آپ ربیعہ بھابھی سے بہت پیار کرتے ہیں۔ ان سے بہت اٹیچ ہیں۔ آپ کو ان پہ بہت مان ہے۔ بہت سی توقعات وابستہ کر رکھی ہیں اور اب آپ کو برا لگ رہا ہے جب انہوں نے ارسہ کے متعلق سوچتے ہوئے آپ کو پس پشت ڈال دیا اور آپ سے ان کی یہ بے اعتنائی برداشت نہیں ہوئی اور آپ ان سے انتقام لینے کے لیے اور انہیں سزا دینے کے لیے علیحدہ ہونا چاہتے ہیں۔ اور میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی کہ ربیعہ بھابھی تو وقتی طور پر سہی شیطان کے بہکاوے میں آگئیں' اب جواباً آپ بھی ان ہی کی ڈگر پہ چلنا چاہتے ہیں' جو نہایت ہی غلط ہے۔ برائی کا بدلہ برائی سے دینے میں ہم شیطان کو تو خوش کرسکتے ہیں لیکن ہم اپنے لیے سکون کہیں سے نہیں پاسکتے اور میں کہیں شفٹ نہیں ہو رہی یہ میرا گھر ہے' میں اسی میں رہوں گی۔" اسے طلحہ کی بات پہ حقیقتاً غصہ آیا تھا اور طلحہ اس کے تلخ تجزیے پر بڑے دکھ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہارا مطلب ہے مجھے تم سے کی گئی زیادتی پر دکھ نہیں' میں تم سے پیار نہیں کرتا؟" اتنے دنوں کی ٹینشن اور دباؤ سے اس کی ذہنی حالت بہت مخدوش ہو رہی تھی' جس کا وہ کبھی عادی نہیں رہا تھا۔ اس لیے اس نے شاہین کی باتوں سے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا۔

"طلحہ میرے کہنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے۔ یہ میری زندگی کا خوبصورت ترین سچ ہے کہ آپ مجھ سے پیار کرتے ہیں اور اس سے بھی خوبصورت سچ یہ ہے کہ میں بھی آپ سے پیار کرتی ہوں۔ آپ کو کبھی دکھ یا تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی اور یہ بھی جانتی ہوں کہ اپنوں سے دور رہ کر آپ اور میں کبھی خوش نہیں رہ سکتے۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ سب باتوں کو بھلا کر اسی گھر میں مل کر رہیں۔ طلحہ آپ نے ایک دفعہ مجھے کہا تھا کہ تمہیں بٹواروں سے خوف آتا ہے اور میں آپ کو اس خوف سے بچانے کے لیے کچھ بھی کرسکتی ہوں آپ کیوں نہیں میری بات سمجھ رہے۔" آخر میں وہ روہانسی ہوئی تھی۔

"ہاں میں جانتا ہوں تم مجھے اس خوف سے بچانے کے لیے گھر سے بے دخل ہونے کی اذیت بھی سہہ سکتی ہو۔ یہ سوچے بغیر کہ اس سے مجھے کتنی تکلیف پہنچی ہے اور اس کے بعد مجھے تمہاری کوئی بات کوئی دلیل نہیں سننی' زیادہ سائیکاٹرسٹ بننے کی ضرورت نہیں ہم کل اپنے نئے گھر میں شفٹ ہو رہے ہیں بس یہی میرا فیصلہ ہے۔" اندر بیٹھا معصوم سا طلحہ اس فیصلے پر کرلایا تھا لیکن اس نے دھیان نہ دیا۔ اس نے تلخ اور ٹھنڈی کافی کا بڑا سا گھونٹ اندر اتارا تھا اور کپ ایک سائیڈ پر رکھ کر بڑی سختی سے ریلنگ کو اپنی مٹھیوں میں جکڑا تھا جیسے اپنا سارا غصہ اس پر نکالنا چاہتا ہو۔ بے بسی سے شاہین کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"طلحہ مجھے بہت عزیز ہے' میں اس کی ناراضی برداشت نہیں کرسکتی' تم مجھے اس سے معافی دلوا دو گی نا؟" اس کے کانوں میں کچھ دیر پہلے ربیعہ بھابھی کی کہی ہوئی بات گونجی تھی۔ اس نے کتنے اعتماد سے ہامی بھری تھی۔ لیکن اسے طلحہ کی ناراضی کی شدت کا اندازہ ہی نہ تھا۔ وہ اب بھی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ شاہین نے ریلنگ سے اس کا بازو ہٹایا اور اس کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

"کیا آپ کی نظر میں رشتوں کی اتنی ہی اہمیت ہے

انسان کی ایک کوتاہی پر اسے زندگی سے بے دخل کر دیا جائے کہ وہ کوتاہی اس کے لیے زندگی بھر کا پچھتاوا بن جائے۔ کیا آپ بھابھی کو معاف کر کے انہیں ایک موقع بھی نہیں دیں گے؟" آنسو گالوں پر لڑھکنے کو بے تاب تھے۔

"شاہین میں بھی تو انسان ہوں، میں نے کیوں غلطی نہیں کی اور انہوں نے بڑی ہو کر بھی ایسا کیوں کیا، اور تم ان کی وکالت کیوں کر رہی ہو جبکہ ساری زیادتی بھی انہوں نے تمہارے ساتھ کی ہے۔" آنسوؤں میں تیرتے نین کنول سے آنکھیں چراتے ہوئے اس نے بات کی تھی۔

"میں بالکل ٹھیک کہتی ہوں کہ آرمی والے ہوتے ہی سخت طبیعت کے ہیں ویسے ایک بات تو بتائیں؟" اونچی آواز میں بڑبڑاتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"اگر زندگی میں کبھی مجھ سے غلطی ہو گئی تو کیا مجھ سے بھی یوں ہی علیحدہ ہو جائیں گے؟" آنسو چہرے کو بھگونے لگے تھے۔

"شاہین" طلحہ نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

"تمہیں خبر ہے تم کیا کہہ رہی ہو۔ تم جانتی ہو تم میرے لیے کیا ہو پھر بھی یوں پوچھ رہی ہو۔ تم سے علیحدگی کا تصور بھی میرے لیے سوہان روح ہے پھر کیسے تم یہ بات کہہ سکتی ہو؟" وہ بے یقینی سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

"جب آپ مجھے اتنا چاہتے ہیں تو پھر میری بات کیوں نہیں مانتے۔ میرے لیے ہی سہی سب کچھ بھول جائیں بھابھی کو معاف کر دیں، میں پہلے کی طرح سب کے ساتھ مل کر رہنا چاہتی ہوں۔" اپنے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"آپ ایک دفعہ میری بات مان کر تو دیکھیں میں یہ بات ثابت کر دوں گی آپ اب بھی فخر سے اپنے دوست کی باتوں کی تردید کریں گے اور آپ کے دوست کے جاننے والوں میں ہمارا گھر ایسا ہو گا جہاں امن اور سکون ہوتا ہے لیکن آپ اتنے نٹھور نہ بنیں کہ رشتے خود ہم سے منہ پھیر لیں۔" طلحہ نے ایک دم بازو اس کے گرد حمائل کیے تھے۔

"شاہین پلیز اس طرح نہ رو، تمہیں اندازا ہے آج شام سے تم روئے جا رہی ہو، یہ جانتے ہوئے بھی کہ مجھے کتنی تکلیف ہو رہی ہے اور۔۔۔۔"

"تو پھر آپ میری بات مان کیوں نہیں لیتے؟" چہرہ اوپر کیے وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"تمہاری بات ماننے کے سوا اور کوئی چارہ بھی تو نہیں۔"

ان بھیگی آنکھوں کے سامنے پیار کے علاوہ دل میں موجود تمام جذبات نے گھٹنے ٹیک دیے تو وہ پیار سے بولا تھا۔ اور اس فیصلے پر جیسے اندر پھیلتی ہوئی بے چینی ایک دم سکڑنے لگی تھی۔ شاہین کے خوشی سے تمتماتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر وہ سوچ رہا تھا کہ عاطف ٹھیک ہی کہتا ہے کہ اگر عورت چاہے تو گھر اجاڑ بھی سکتی ہے اور چاہے تو بسا بھی سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس کے نصیب میں شاہین جیسی لڑکی ہے، جو معاف کرنے اور گھر بسانے کا ہنر جانتی ہے۔ دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس نے اس کومل سی لڑکی کو پیار سے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اور دور آسمانوں میں سات ستاروں کے جھرمٹ نے بڑی خوشی سے جھک کر یہ خوبصورت منظر دیکھا تھا جہاں وہ نرم دل لڑکی رہتی ہے جو لوگوں کو ان سات ستاروں کی طرح ہمیشہ یکجا رہنے کا ہنر سکھاتی ہے۔ کیا ہم بھی یہ ہنر سیکھ سکتے ہیں؟

"سونیا!" امی کے پکارنے پر میں خیالوں سے نکلی اور چونک کر انہیں دیکھا۔

"جی امی......"

"کیا سوچ رہی ہو بیٹا۔" امی نے میرے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

"امی میں جاب کروں گی۔" میں نے گہری سانس خارج کر کے دھیمے لہجے میں کہا۔

"کیا؟ یہ کیا کہہ رہی ہو تم سونیا۔" امی نے قدرے حیرت سے کہا۔

"ہاں امی۔ اخراجات کتنے زیادہ ہیں آپ کو تو پتا ہے۔ اس وجہ سے میں نے جاب کرنے کا سوچا ہے۔"

"تم جاب کیسے کرو گی سونیا تمہاری پڑھائی اور......"

"امی ایف ایس سی کے پیپرز میں دے چکی ہوں رزلٹ آنے میں ابھی ٹائم ہے اور ویسے بھی میں اتنا پڑھ کے کیا کروں گی۔"

"سونیا یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔" وہ مجھے حیرت سے دیکھ رہی تھیں گویا میری بات پر انہیں یقین نہ آ رہا ہو۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں امی۔ اس وقت پڑھائی سے زیادہ ضروری جاب کرنا ہے۔" میری باتوں سے ان کی حیرت میں مزید اضافہ ہو رہا تھا میں انہیں اور پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے یہ کہہ کر بات ختم کر دی۔

"اب آپ آرام کریں اور سو جائیں۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔"

اس رات یقیناً" امی کو نیند نہیں آئی ہو گی انہیں میری باتوں نے بہت پریشان کیا ہو گا وہ یہی سوچتی رہی ہوں گی کہ وہ لڑکی جسے تعلیم حاصل کرنے کا شوق تھا وہ جو ہر وقت کتابوں میں سر کھپائے رکھتی تھی وہ جس کی بچپن سے خواہش تھی ڈاکٹر بننا۔ آج وہ کہہ رہی تھی میں پڑھ کے کیا کروں گی۔

ہمارا گھرانہ شروع سے ہی خوشحال تھا ہماری فیملی میں امی ابو اور ہم تین بہن بھائی تھے پہلا نمبر میرا مجھ سے چھوٹی بہن مہوش اور پھر چھوٹا بھائی شہیر تھا۔ ہم سب ایک آئیڈیل فیملی کی طرح رہ رہے تھے لیکن جس دن ہم پانچ سے چار ہوئے اس دن سے سب کچھ بدل گیا۔ ابو کی موت نے ہم سب کو ہلا کر رکھ دیا ابو مختصر سی بیماری میں انتقال کر گئے ان کی موت سے ہم سب کو گہرا الم پہنچا۔

گھر کی تین منزلہ عمارت پر گراؤنڈ فلور پر ہماری رہائش تھی باقی دو فلورز کرائے پر چڑھا دیے۔ ابو کی پنشن بھی آنے لگی جس سے گھر کا خرچہ چلنے لگا لیکن پھر بھی کچھ کمی سی تھی ظاہر ہے اس مشکل دور میں صرف کرائے اور پنشن پر گزارا کرنا مشکل تھا اس لیے مجھے جاب کرنے کا فیصلہ کرنا پڑا...... اور تین دن بعد مجھے ایک نجی اسکول میں بحیثیت ٹیچر کے جاب مل گئی۔

اسی اسکول میں میری ایک دوست کرن بھی پڑھا رہی تھی میں کافی عرصہ بعد اس سے ملی تھی اسے دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے بتایا اس کے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ مجھے سن کر بہت دکھ ہوا۔ وہ بھی مجبوریوں کی وجہ سے گھر سے نکلی تھی۔

مجھے جاب کرتے ہوئے کچھ ماہ ہو گئے تھے ایک طرف تو اس بات کی خوشی تھی کہ گھر کے حالات بہتر ہو رہے ہیں تو دوسری طرف تعلیم مکمل نہ ہونے کا دکھ اور ڈاکٹر بننے کی خواہش...... خیر خواہشات تو بہت ساری تھیں جو ادھوری رہ گئیں اگر انسان نارمل زندگی گزارنا چاہتا ہے تو اسے اپنی خواہشات کا گلا گھونٹ کر انہیں منوں مٹی تلے دفن کرنا پڑتا ہے بصورت دیگر خواہشات انسان کو جینے نہیں دیتیں۔ میں نے بھی یہی کیا تھا بہت مشکل تھا پر کرنا پڑا۔

اسکول میں میرا اچھا ٹائم گزر تا تھا کرن میرے ساتھ ہی ہوتی۔ وہ اب بھی باتونی زندہ دل اور ہنس مکھ تھی اسے دیکھ کر لگتا نہیں تھا کہ اس کے گھر کے حالات خراب ہیں اور وہ اتنے کرائسس سے گزری ہے لیکن ضروری تو نہیں کہ انسان اپنے اندر کے دکھ کو ظاہر کرے۔ دل کی سربستہ تکلیف اور باطن کے زخموں کو دنیا کے سامنے رکھے کبھی کبھی انسان مسکراہٹ کا ایسا مضبوط خول چہرے پر چڑھائے ہوئے ہوتا ہے کہ ساری دنیا دھوکا کھا جاتی ہے۔ شاید کرن بھی ایسی تھی اور اندر سے ٹوٹی ہوئی لیکن اوپر سے بہت مضبوط بہت پر اعتماد۔

لیکن دوسری چیز جو اسے دیکھتے ہی مجھے الجھا دیتی تھی وہ اس کی ڈریسنگ اور کاسمیٹکس تھی۔ وہ ایک سے ایک ڈریسنگ کر کے اسکول آتی تھی اس کے کپڑوں کو دیکھتے ہی ان کی قیمت کا اندازہ ہو جاتا تھا اور وہ کافی قیمتی میک اپ استعمال کرتی تھی اور موبائل فون بھی اس کے پاس مہنگا تھا یہی چیزیں مجھے حیرت میں ڈالتی تھیں جس لڑکی کے گھر کے حالات انتہائی خراب ہیں اور بقول اس کے وہ اپنی سیلری بھی گھر پر خرچ کرتی ہے تو اس کے پاس اتنی مہنگی چیزیں کہاں سے آتی ہیں؟ اسے کون لے کر دیتا ہے؟ وہ کہاں سے لیتی ہے؟

میں نے سوچ لیا تھا میں کسی دن اس سے پوچھوں گی ضرور۔ اگلے دن فری پیریڈ میں میں اس سے اپنی الجھن کے بارے میں پوچھنے لگی مجھے پتا تھا وہ میرے سوالوں کا برا نہیں منائے گی پھر بھی میں نے بہت جھجکتے ہوئے پوچھا تھا اس سے میرے ذہن میں اس کے منگیتر کے حوالے سے شبہ تھا میں نے وہ بھی اس پر ظاہر کیا۔

"کیا تمہارا فیانسی تم پر خرچ کرتا ہے میرا مطلب ہے تمہیں گفٹ وغیرہ دیتا ہے؟" میری بات پہ وہ قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی میں الجھے سے اسے دیکھنے لگی۔

"میرا منگیتر...... پاگل ہو گئی ہو کیا۔ وہ مجھے گفٹ وغیرہ دے گا۔ اس کے اپنے گھر کے خرچے کم ہیں کیا جو وہ مجھ پر اپنا پیسہ لٹائے گا۔"

"تو کرن...... پھر...... یہ سب کہاں سے...... تم تو ہے۔"

"I think مجھے اب سسپنس ختم کر کے تمہیں سب کچھ بتانا چاہیے ویسے بھی تم سے کیا چھپانا تم تو میری دوست ہو۔" وہ میری بات کاٹ کر بولی۔

"تمہارا شک صحیح تھا مجھ پر ایک لڑکا خرچ کرتا ہے وہی مجھے مہنگی چیزیں لے کر دیتا ہے اور شاپنگ کے لیے پیسے بھی دیتا ہے۔ مگر وہ میرا منگیتر نہیں کوئی اور ہے۔" میں حیرت سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"کون ہے وہ......"

"ہے ایک امیرزادہ۔ راستے میں مجھے دیکھتا تھا میری طرف اس نے فرینڈشپ کا ہاتھ بڑھایا تو میں نے ہاں کر دی۔ اس دن سے آج تک وہ میری ہر فرمائش پوری کرتا ہے مجھے گھمانے لے کر جاتا ہے شاپنگ کرواتا ہے میری پسند ناپسند کا خیال رکھتا ہے۔" اس کی باتیں مجھے اور حیرت میں مبتلا کر رہی تھیں مجھے گھٹن سی ہونے لگی۔

"کیا تمہاری فیملی کو پتا ہے یہ سب کچھ؟"

"پاگل ہو کیا میری فیملی کو کیسے پتا ہو گا انہیں پتا چل جائے تو وہ مجھے گھر سے باہر بھی نہ نکلنے دیں۔" اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"نہیں کرن یہ غلط ہے تم اپنی فیملی کو دھوکا دے رہی ہو اس طرح ایک انجان لڑکے سے کانٹیکٹ رکھنا اس سے ملنا جلنا۔ یہ سب کچھ مناسب نہیں ہے۔"

"سونیا میں اسے کافی عرصے سے جانتی ہوں۔ وہ میرے لیے انجان تو بالکل نہیں ہے۔"

"وہ تم پر اتنا خرچ کیوں کرتا ہے اسے کیا فائدہ ہے تم سے؟"

"وہ کہتا ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔" اس نے فٹ سے کہا۔

اس کی بات نے مجھے چونکا دیا۔

"تم اس سے محبت کرتی ہو۔"

وہ مجھے تعجب سے دیکھنے لگی کافی دیر ایسے ہی دیکھتی رہی شاید میری بات نے اسے زیادہ چونکا دیا تھا۔ اس نے نظریں جھکا لیں اور گہری سانس لے کر بولی۔

"کم آن سونیا یہاں کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا اگر انسان انسان سے محبت کرنے لگے ـــــ تو انسان بھوکا مر جائے۔"

وہ کہہ رہی تھی یہاں کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا تھوڑی دیر پہلے اس نے کہا تھا وہ مجھ سے محبت کرتا ہے وہ مجھ سے اختلاف کیا کرتی اس کی اپنی ہی باتوں میں

بہت تضاد تھا۔

میں مزید کچھ نہ بولی میں سمجھ گئی تھی ان کے درمیان رشتہ کیا ہے میری گھٹن بڑھنے لگی میں اسٹاف روم سے اٹھ کر کوریڈور کی طرف آگئی۔

☼ ☼ ☼

کافی دن گزر گئے میں نے اس سے اس موضوع پر پھر بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ایک دن وہ مجھے آئس کریم پارلر اپنے ساتھ لے گئی میرے منع کرنے کے باوجود اس نے میری ایک نہیں سنی میں نے بہانہ بنایا کہ میں نے امی سے اجازت نہیں لی۔ اس نے میرے بہانے پر پانی پھیرتے ہوئے امی کو فون کیا اور اجازت طلب کی اور امی نے اجازت دے دی۔ آئسکریم پارلر میں آئس کریم کھاتے ہوئے وہ ادھر ادھر کی باتیں بھی کرتی رہی میرے سامنے میرا فیورٹ فلیور تھا پھر بھی میں بے دلی سے آئس کریم کھا رہی تھی۔

"ہائے جان۔" اسی اثنا میں مجھے اپنے قریب سے بھاری مردانہ آواز سنائی دی میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو دو لڑکے ہمارے ٹیبل کے پاس کھڑے تھے میں نے گھبرا کر کرن کو دیکھا وہ ان کی طرف مسکرا کے ——— دیکھ رہی تھی۔

"کیسی ہو؟ بہت دنوں بعد نظر آرہی ہو۔"

جو لڑکا کرن کے پاس کھڑا تھا وہ کرن سے کہہ رہا تھا کرن بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی اور دوسرا لڑکا جو اس لڑکے کے ساتھ ہی تھا میں نے اسے دیکھا تو مجھے کرنٹ لگا اس کی نظریں مجھ پر تھیں میں نے سر جھکا لیا مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا یہ کون ہیں۔

"کی ـــــ کہ کرن ـــــ یہ۔"

"اوہ ـــــ میں انٹروڈیوس کرانا تو بھول ہی گئی یہ وہی لڑکا ہے جس کے بارے میں میں نے تمہیں بتایا تھا۔" اس نے اپنے پاس کھڑے یلو شرٹ والے لڑکے کی طرف اشارہ کرکے کہا جو اس سے تھوڑی دیر پہلے بات کر رہا تھا۔

"اور یہ میری فرینڈ ہے۔ میں اس کی وجہ سے لیٹ ہو گئی کافی دنوں سے اس سے کہہ رہی تھی کسی ریسٹورنٹ یا پارلر چلو مگر میڈم کے نخرے ہی اتنے ہیں۔ آج بھی بڑی مشکل سے لائی ہوں اسے۔" وہ اس لڑکے کو میرے بارے میں بتا رہی تھی میرا رنگ اڑ چکا تھا مجھے اپنے کرسی سے لٹکتے پیروں میں لرزش محسوس ہونے لگی۔

"او۔ آپ تو ہماری دشمن نکلیں۔ آپ کی وجہ سے میں اپنی جان کا دیدار اتنے دنوں سے نہیں کر سکا۔ لگتی تو معصوم ہیں پر ہیں بڑی ظالم۔"

وہ لڑکا جس طرح مجھ سے بات کر رہا تھا اور دوسرا لڑکا جس طرح مجھ پر نظریں جمائے ہوئے تھا میرا دل چاہ رہا تھا میں وہاں سے بھاگ جاؤں۔

"بیٹھنے کا نہیں کہو گی ہمیں۔" یلو شرٹ والے نے کہا۔

"یا ـــــ شیور بیٹھو۔"

اس سے پہلے کہ وہ بیٹھتے میں جھٹکے سے وہاں سے اٹھی اپنا بیگ اٹھایا اور وہاں سے جانے لگی کرن میرے پیچھے آئی اور اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"سونیا یار کہاں جا رہی ہو۔" میں نے اپنا ہاتھ چھڑایا اور غصے سے کہا۔

"شٹ اپ بات نہ کرو مجھ سے۔" میں اسے چھوڑ کر اکیلی گھر آگئی۔

☼ ☼ ☼

میں اس واقعہ سے بہت شاکڈ تھی میرے تصور میں بھی نہیں تھا کہ کرن اس طرح وہاں اپنے بوائے فرینڈ کو بلا لے گی اگر مجھے پتا ہوتا تو میں کبھی بھی اس کے ساتھ نہ جاتی۔ اگلے دن میں اسکول نہیں گئی دل ہی نہیں چاہ رہا تھا جانے کو اور پھر پارلر میں جو ہوا اس وجہ سے ہمت ہی نہیں کر پائی گھر سے نکلنے کی۔ اس شام کرن میرے گھر آگئی۔ امی مہوش کے ساتھ بازار گئی ہوئی تھیں اور شہیر اسکول کا کام کر رہا تھا میں کرن کو لے کر اپنے کمرے میں آگئی۔

"کل کیا تماشا کیا تھا ـــــ وہاں سے کیوں چلی آئیں اس طرح۔" اس نے بیٹھتے ہی کہا۔ مجھے اس کی بات پر حیرت ہوئی۔

"تماشا میں نے کیا تھا یا تم نے۔ اگر تم کو اس کے ساتھ آؤٹنگ کرنی تھی تو اس کے ساتھ ہی جاتیں مجھے کیوں اپنے ساتھ لے کر گئیں؟" میں نے اشتعال سے کہا۔ مجھے کل کا غصہ تھا جو میں آج اس پر نکال رہی تھی۔

"اوہو اتنا غصہ کیوں ہو رہی ہو۔ اپنا موڈ ٹھیک کرو میں ایک گڈ نیوز لائی ہوں۔" اس نے شوخی سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں سننی کوئی بھی گڈ نیوز۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کرن تم ایسا کیسے کر سکتی ہو۔ اپنے بارے میں نہیں کم از کم میرے بارے میں تو سوچا ہوتا۔ ان لڑکوں کی وجہ سے میں پوری رات ڈسٹرب رہی۔"

"تمہاری ڈسٹربنس ہی تو دور کرنے آئی ہوں۔ اتنی اچھی خبر سناؤں گی کہ تمہارا موڈ فوراً ٹھیک ہو جائے گا۔" میں اس کی بات پر کچھ نہ بولی تو وہ کہنے لگی۔

"پوچھو گی نہیں آخر ایسی کیا بات ہے جس کی وجہ سے میں تمہارے گھر چلی آئی۔"

"کیا؟" میں نے بے دلی سے کہا۔

"تمہیں لاٹری لگ گئی ہے۔" وہ چہک کر بولی۔

"کیا؟ کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم کسی کو پسند آگئی ہو۔ کوئی پاگل ہو گیا ہے تمہارے پیچھے۔"

"یہ کیسی باتیں کہہ رہی ہو۔" اس کی بے ڈھنگی بات مجھے اچھی نہیں لگی۔

"سچ تو کہہ رہی ہوں۔"

"تمہاری باتیں میری تو سمجھ میں نہیں آرہیں تم بیٹھو میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" میں اٹھی تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

"چائے تو میں پیوں گی لیکن ابھی نہیں پہلے پوری بات سنو۔ پھر چائے پینے میں مزا آئے گا۔" اس نے مجھے اپنے پاس بٹھا دیا۔

"تمہیں وہ لڑکا یاد ہے کل جو کمال کے ساتھ آئس کریم پارلر آیا تھا۔ جواد نام ہے اس کا وہ کمال کا بہت اچھا دوست ہے۔"

میرے ذہن میں فوراً اس لڑکے کی شبیہ آئی جو کل مجھے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ میرے چہرے پر ناگواری کے تاثرات دیکھ کر وہ جلدی سے بولی۔

"ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ ایکچوئلی جواد کو تم اچھی لگی ہو وہ تم سے فرینڈشپ کرنا چاہتا ہے وہ بہت اچھا لڑکا ہے اور سب سے اچھی بات، بہت امیر ہے۔" وہ اپنی اصل بات پر آکر رک گئی۔ مجھے اس سے اسی بات کی امید تھی۔

"کر دی تم نے چیپ بات۔ تم نے ایسا سوچا بھی کیسے؟" میں نے درشتی سے کہا۔

"اس میں چیپ کیا ہے کسی کو پسند کرنا جرم تو نہیں ہے۔ اگر کوئی کسی سے امپریس ہوتا ہے تو اس میں غلط کیا ہے۔ خوب صورتی سب کو اچھی لگتی ہے جواد کو بھی تم ـــــ"

"اسٹاپ اٹ کرن۔ تمہیں یہ بات کرنے سے پہلے سو بار سوچنا چاہیے۔ میں گھٹیا لڑکی نہیں ہوں۔" میں نے تیز آواز میں غصے سے کہا۔

"ہاں تم گھٹیا لڑکی نہیں ہو۔ کوئی لڑکی بھی گھٹیا نہیں ہوتی دیکھنے والوں کی نظریں گھٹیا ہوتی ہیں۔" وہ تلخی سے بولی۔

"تمہیں میری باتیں بری لگیں اور بہت غصہ بھی آیا۔ مگر ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچو تمہیں اس لڑکے سے کانٹیکٹ رکھنے اور دوستی کرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوگا بلکہ فائدہ ہوگا وہ ـــــ"

"بات فائدہ یا نقصان کی نہیں عزت کی ہے کرن!" میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"تم جس عزت کی بات کر رہی ہو وہ بہت سستی ہے۔ کوڑی کے داموں بکتی ہے ہر امیر کی جیب عزت سے بھری ہے۔ جواد اور کمال بہت مال دار ہیں ان کے پاس دولت کے ساتھ ساتھ عزت بھی وافر مقدار میں موجود ہے۔" اس کا لہجہ دھیما مگر کڑوا تھا۔

"جواد کی طرف اگر تم ہاتھ بڑھاتی ہو تو وہ تمہیں سپورٹ کرے گا تمہارے مشکل حالات میں تمہارا ساتھ دے گا۔ تمہاری پرابلمز شیئر کرے گا۔ تمہیں فائننشلی اسٹرونگ کرے گا۔ تم نے مہوش اور شہیر کو ٹیوشن سے کیوں نکلوادیا؟ فیس کی وجہ سے نا..... تم نے پڑھائی کیوں چھوڑ دی۔ پیسوں کی وجہ سے۔ ایک لڑکا تمہارے لیے پسندیدگی ظاہر کر رہا ہے خود تمہاری جانب ہاتھ بڑھا رہا ہے تو اس میں اتنے نخرے کیوں۔ اگر وہ اپنی طرف سے تمہاری ہیلپ کرے گا تو اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" وہ کہے جا رہی تھی اور میں خاموشی سے سن رہی تھی اس کی تمام باتیں سچ تھیں۔

"تمہارے بہن بھائیوں کی اسٹڈی اچھی ہو جائے گی۔ تم اپنی ادھوری تعلیم کو مکمل کر سکو گی۔ اس کی اپنی کمپنیاں ہیں ہو سکتا ہے وہ تمہیں اپنی کمپنی میں اچھی سی پوسٹ دے دے۔" وہ چند ثانیے کو رکی میری آنکھوں میں دیکھا میں نے نظریں جھکا لیں۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا میں کیا کہوں۔

"کسی کو پتا نہیں چلے گا سونیا۔ تم اپنے ذہن سے ڈر اور خوف نکال دو۔ میں انگیجڈ ہوں تم تو انگیجڈ بھی نہیں ہو۔ ہو سکتا ہے وہ تمہارے لیے پروپوزل بھیج دے۔ اس سے تم سب کی لائف بن جائے گی لیکن اس کے لیے پہلے تمہیں اس سے کانٹیکٹ رکھنا ہو گا۔" میں خاموشی سے اسے سن رہی تھی اس کی باتیں مجھے کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی تھیں۔

"اگر ہمیں زندگی میں فائدہ اٹھانے کا موقع مل رہا ہے تو ہم کیوں نہ اٹھائیں اگر کسی کی وجہ سے ہمیں وہ سب کچھ حاصل ہو رہا ہے، جو ہم چاہتے ہیں تو ہم اسے کیوں دھتکاریں۔"

ہم غربت کے کیڑے ہیں۔ غربت لے کر پیدا ہوتے ہیں غربت چھوڑ کر مرتے ہیں۔ آسائش اور آرام کے لیے تگ و دو کرتے ہیں لیکن حاصل بے سکونی رہتی ہے۔ ہم ساری زندگی ان تنگ و تاریک گلیوں میں سسکتے ہوئے گزار دیتے ہیں اور یہیں نوحہ کرتے کرتے مر جاتے ہیں۔"

اس کے لفظوں میں صدق تھا سنجیدگی تھی میں اس کے آگے بول نہیں سکی۔ کوئی قوت تھی جو مجھے اس کی باتوں کی طرف کھینچ رہی تھی۔

"تم اچھی طرح سوچ لو اپنے بارے میں گھر کے بارے میں۔ تمہیں اس مفلسی اور بدحالی میں رہنا ہے یا دروازہ بجاتی آسائشوں کو ویلکم کرنا ہے۔"

وہ چلی گئی اور میں اسی طرح ساکت بیٹھی رہی۔ سوچوں کا انبار تھا میرے ذہن پر۔

کیا کروں میں وہ مجھے کس کشمکش میں ڈال کر چلی گئی تھی۔ میرا ذہن اس کی باتوں میں ہی اٹکا ہوا تھا۔ جھوٹ تو نہیں کہا تھا اس نے سچ ہی تو کہہ رہی تھی۔ یہاں محبت اور ایمانداری سے کام کرنے سے ملتا ہی کیا ہے۔ ہماری جاں فشانی محنت لگن کے عوض ہمیں چند نوٹوں پر ٹرخا دیا جاتا ہے۔ میں یہ سب کیوں سوچ رہی ہوں پہلے تو میرے ذہن میں ایسے سوال نہیں آئے تھے کبھی۔ پھر آج کیوں؟

شاید آج دھند چھٹ گئی تھی۔ کوئی آئینہ رگڑ کر شفاف کر گیا تھا جس میں حقیقت واضح نظر آ رہی تھی ..... تو کیا..... کیا مجھے اس کی بات مان لینی چاہیے؟..... کیا مجھے..... نہیں..... میں ایسا کسی صورت نہیں کر سکتی ..... اگر ایسا نہیں کر سکتی تو کیا کروں..... اسی طرح پڑھاتے پڑھاتے ساری زندگی گزار دوں پیسوں کی وجہ سے بہن بھائی کا ٹیوشن آف کروا دیا اب آگے یہ مسئلہ ہوا تو کیا ان کا اسکول بھی آف کرا دوں..... تو پھر کیا کروں؟؟؟ اس لڑکے سے..... کیا اس لڑکے سے مجھے ..... یہ سوچ کر ہی مجھ پر کپکپی طاری ہونے لگی میں نے صوفے کو مضبوطی سے تھام لیا۔ اس وقت صوفہ ہی ایسی چیز تھی جس کا سہارا میں لے سکتی تھی۔

آخر اس میں حرج ہی کیا ہے۔ ساری دنیا ہی ایسا کرتی ہے..... اور میرے سامنے تو کرن کی مثال ہے۔ منگنی ہو جانے کے باوجود بھی وہ..... اور میرا تو کہیں رشتہ بھی نہیں ہوا..... ہو سکتا ہے وہ جائز طریقے سے میرا رشتہ ہی مانگ لے۔ کوئی مجھے کرن کی طرف کھینچ رہا تھا۔ کوئی چیز تھی جو کہہ رہی تھی کچھ نہیں ہوتا۔

ہاں کچھ نہیں ہوتا واقعی کچھ نہیں ہوتا۔ میں نے سوچ لیا تھا میں کل کرن کو جا کر کہہ دوں گی میں اس لڑکے سے بات کرنے کے لیے تیار ہوں۔

میں سارا دن کام کرتے ہوئے بھی یہی سوچتی رہی اور آخری فیصلہ میں نے رات کو کر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن میں اسکول گئی تو پہلے پرنسپل کے آفس گئی وہاں میری پرنسپل سے تقریباً 20 منٹ بات ہوئی۔ پھر میں نے کرن کو اسٹاف روم میں بلوایا۔

"اوہو..... اتنی بے صبر ہو رہی تھیں کہ فری پیریڈ کا ویٹ بھی نہیں کیا۔" وہ مسکراتے ہوئے چہک کر بولی۔ میں بھی ہنسنے لگی۔

"تو کیا سوچا آپ نے۔" اس نے مسکرا کر پوچھا۔ وہ میرا جواب جانتی تھی۔

"کرن میں نے جاب سے ریزائن کر دیا ہے۔" میری بات سے اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔

"مگر کیوں؟ اوہ سمجھ گئی میں....." وہ پھر مسکرانے لگی شاید اس نے سبب اخذ کر لیا تھا۔

"بھئی اب آپ کو جاب واب کی کیا ضرورت۔ آپ کی تو تمام ضرورتیں پوری ہو ہی جائیں گی۔" وہ رکی تو میں نے کہا۔

"اس لڑکے کو کہہ دینا فرینڈ شپ تو دور کی بات میں اس سے بات بھی نہیں کروں گی۔" اس کی ہنسی ایک بار پھر مفقود ہوئی۔

کیا؟ مگر کل تو تم نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ بلکہ تمہارے ایکسپریشنز تو پوزیٹو تھے..... پھر آج ایسا کیوں کہہ رہی ہو سونیا۔"

"ایکسپریشنز پوزیٹو تھے اسی لیے ایسا کہہ رہی ہوں۔"

"مگر اس میں تو تمہارا ہی فائدہ ہے اور....."

"میں جان چکی ہوں میرا فائدہ کس میں ہے۔" اس کی بات کاٹ کر میں نے کہا۔

"اب ہماری بحث اور..... میں نے گہری سانس لی

..... اور..... دوستی یہیں ختم ہو جائے تو بہتر ہے....." میں نے جانے کے لیے قدم بڑھائے پھر رک گئی۔

"یہ میرا اٹل اور حتمی فیصلہ ہے۔" میں نے اس کے سامنے ہاتھ بڑھایا اس نے شاک کے عالم میں مجھ سے ہاتھ ملایا اور شاک کے عالم میں مجھے وہاں سے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

اس واقعے کو چار ماہ ہو چکے تھے۔ میں نے جاب کے لیے ایک اور اسکول میں اپلائی کیا تھا۔ میری کارکردگی کو دیکھتے ہوئے کچھ ہی دنوں میں مجھے وہاں انچارج کر دیا گیا وہاں میری سیلری بھی اچھی تھی۔ اس سیلری سے اتنا ہو گیا تھا کہ مہوش اور شہیر اب ٹیوشن جانے لگے تھے اور میں نے پرائیویٹ گریجویشن کے لیے فارمز وغیرہ جمع کروا دیے تھے۔

اس دن فرخندہ خالہ ہمارے گھر آئیں۔ امی کی ان سے بہت دوستی تھی دونوں کی بہت بنتی بھی تھی۔ وہ

کرن کی خالہ تھیں اور ہمارے گھر بہت آتی جاتی تھیں۔

"تمہیں پتا ہے سونیا کرن نے کیا کیا؟" وہ چائے پیتے ہوئے کہنے لگیں۔

"کیا کیا ہے خالہ۔" ان کی بات پر میں نے چونک کر پوچھا۔

"اس کا کسی لڑکے سے چکر تھا۔" چائے کا کپ لبوں تک لے جاتے میرا ہاتھ رک گیا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو فرخندہ۔" امی کو جیسے یقین نہیں آیا۔

"ارے تم لوگوں کو نہیں پتا۔ اب تو ہر طرف یہ بات پھیل چکی ہے۔ اس کا کسی لڑکے سے کافی عرصے سے میل جول تھا اس سے تحفے تحائف بھی لیتی رہتی تھی۔ ایک دن ہوٹل میں بیٹھی اس لڑکے کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی وہاں اسے حمید کے ابا نے دیکھ لیا۔ وہی جو اس کے سسر ہیں رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔ پکڑ کر گھر لے آئے اور ہڈی پسلی ایک کر دی اس کی مار مار کر منگنی بھی توڑ دی۔ کہنے لگے ایسی آوارہ اور بد چلن لڑکی کو کبھی بھی بہو نہ بناؤں۔ رخشندہ بے چاری کا تو صدمہ سے برا حال ہے۔ ددھیال والوں نے خوب باتیں بنائیں اس کا اسکول وسکول بھی چھڑوا دیا اور گھر سے نکلنے پر بھی پابندی لگا دی۔ اس دن سے گھر پر سمجھو بند ہے۔"

میں نے چائے کا کپ میز پر رکھ دیا اگر تھامے رکھتی تو ہاتھوں کی لرزش کے مارے چائے کپ سے چھلکنے لگتی۔

"سونیا تم سے تو اس کی اچھی دوستی تھی تمہیں کبھی اس بارے میں پتا نہیں چلا۔"

"نہیں تو..... خالہ..... مجھے نہیں پتا۔" میں نے بڑی مشکل سے چند الفاظ کہے۔

"کرن ایسی لگتی تو نہیں تھی۔ بہت عزت کرنے والی بچی اور بہت سلجھی ہوئی لگتی تھی۔" امی کی بات پر خالہ کہنے لگیں۔

"کسی کے ماتھے پہ تھوڑی لکھا ہوتا ہے آوارگی یا شرافت کا۔"

زندگی انسان سے کیسے کیسے امتحان لیتی ہے کیسی آزمائشوں میں ڈال دیتی ہے دولت اور ہوس کی [illegible] سے انسان اتنا اندھا کیوں ہو جاتا ہے کہ اسے اور کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ اس رات میں بہت روئی میرے اندر کہیں اطمینان تھا تو کہیں بے چینی۔ [illegible] دن اس کی باتوں سے متاثر ہو کر میں اس کی بات ماننے پر تقریباً راضی ہو گئی تھی۔ ایک چیز تھی میرے اندر جو مجھے اس کی بات ماننے پر مجبور کر رہی تھی۔ مجھے اس کی باتوں کی طرف کھینچ رہی تھی۔ پر ایسا کیا تھا جو بہت طاقتور تھا..... وہی 'وہی جو سب کو برباد کر دیتا ہے' نفس' اس نفس کے پیچھے چلتی تو خوار ہو جاتی مگر اس کو مارنا بھی بہت مشکل تھا۔ انسان سے لڑ کر آسانی سے انسان کو مات دی جا سکتی ہے۔ لیکن نفس سے جنگ دنیا کی سب سے تکلیف دہ اور کٹھن جنگ ہے۔

مجھے اس ذات نے بچا لیا جو ہر چیز پر قادر ہے ورنہ میں نے تو نفس کے پیچھے چلنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ میں اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے اس نے مجھے عمر بھر کی رسوائی اور ذلت سے بچا لیا ورنہ آج میں بھی کرن کی طرح تماشا بنی ہوئی ہوتی۔

دل میں جہاں سکون تھا وہیں ملال بھی تھا کاش میں کرن کو بھی سمجھا سکتی کاش اسے اس راستے پر چلنے سے روک سکتی..... پر کیا وہ میری بات سنتی" آسائشوں کی اتنی متمنی تھی۔ کیا وہ میری بات ماننے پر تیار ہوتی' کیا وہ میری بات سمجھتی..... لیکن..... لیکن مجھے اسے کہنا چاہیے تھا کم از کم میں کوشش تو کر سکتی تھی۔ خود تو پیچھے ہٹ گئی لیکن اسے دلدل میں ہی چھوڑ دیا۔

تنگ گلیوں سے نالاں کرن آج اس سے بھی تنگ چار دیواری میں زندگی گزار رہی ہے..... میرے آنسو اب قطاروں کی صورت بہنے لگے۔ سجدے میں جب بھی شکر ادا کرتی تو کبھی کرن کی آسانیوں کے لیے دعا۔

☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

ام طیفور

صحن میں ہر سو رنگوں کی بہار اتری ہوئی تھی۔ رنگ برنگے خوب صورت چمکدار کاغذوں میں لپٹے بھاری بھرکم مختلف اقسام کی مٹھائیوں کی ڈبے اور مختلف موسمی پھلوں سے سجی بڑی بڑی ٹوکریاں۔

بچے تو اتنا کچھ دیکھ کر ہی آپے سے باہر ہوئے جا رہے تھے، جبکہ اماں ان سب کو سمیٹنے اور بانٹنے کی فکر میں غلطاں بولائی ہوئی پھر رہی تھیں مگر پیشانی پہ پریشانی سے بڑھتی، گھٹتی سلوٹیں، بلاوجہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی انگلیاں مروڑتی اماں کم از کم ناجیہ کو کسی اور ہی وجہ سے پریشان دکھ رہی تھیں۔ بظاہر وہ ناجیہ اور اس سے چھوٹی ہادیہ کو ہدایات بھی دے رہی

ناولٹ

تھیں کہ کس چیز کو کس حساب سے الگ الگ کرکے حصے بنانے ہیں۔ مگر دھیان کی کڑی کہیں اور جڑی محسوس ہوتی۔ ناجیہ تو خود بوکھلائی پھر رہی تھی کہ کس پھل کے ٹوکرے کو پہلے بھگتائے اور کس مٹھائی کے ڈبے کا رنگین کاغذ ہٹائے۔ ایک آدھ دفعہ اماں سے پوچھنے کی کوشش کی تو جواب میں بس گہری سوچتی نظروں سے اسے دیکھتیں اور نفی میں سر ہلا دیتیں۔

تینوں چھوٹے بھائیوں نے اب تقریباً" ہر آئی سوغات میں سے چکھنے کے بہانے حصہ وصولنا شروع کردیا تھا لہٰذا ناجیہ کو فوری ادھر متوجہ ہونا پڑا تھا۔

یہ ساری سوغاتیں خود ناجیہ کی ہی سسرال سے آئی تھیں۔ اس کی منگنی کو آٹھ ماہ ہوچکے تھے اور اب اس کی سسرال سے شادی کا تقاضا ہونا شروع ہوگیا تھا۔ وہ سگی خالہ کے گھر بیاہ کے جانے والی تھی جو کہ اسی شہر میں مقیم اور اس کی اماں سے چھوٹی تھیں۔ دونوں بہنوں میں بلا کی محبت تھی۔ دن نہیں گزرتا تھا دونوں کا، جب تک اپنی صبح کا آغاز ایک دوسرے کو فون کرکے نہ کرلیتیں۔

خاور، ناجیہ کی خالہ بلقیس کا سب سے بڑا سپوت تھا۔ سافٹ ویئر انجینئر تھا، خالہ اور خالو نے پیٹ کاٹ کر پڑھایا لکھایا اور آج کسی قابل بنایا۔ اچھی نوکری سے لگا تو خالہ بلقیس کو شادی کی فکر نے ستایا اور دھیان سیدھا بہن کی بیٹی کی طرف آیا تو فٹافٹ ناجیہ کی انگلی میں انگوٹھی ڈال کر اسے خاور کے نام الاٹ کرایا۔ سلیقہ مند تھی، صورت بھی دل کو بھاتی تھی اور سیرت بھی چھب دکھلاتی تھی۔ ناجیہ کی اماں بانو بیگم کو اور بھلا کیا چاہیے تھا بیٹی اپنوں میں جاتی تو دل ٹھنڈا رہتا پھر بھلا بلقیس سے بڑھ کر انہیں کون عزیز تھا۔۔۔ خاور ہیرا لڑکا تھا۔۔۔ کون نہیں تھا جس کی نظر اس ہیرے پہ نہ تھی۔ خود ان کے اپنے بھائی، بیٹیاں دینے کو راضی تھے۔ سو یہ خالہ بلقیس کا احسان رہا کہ انہوں نے بڑی بہن کی بیٹی کو چنا۔

آٹھ ماہ پہلے بات پکی ہوئی تھی جس میں محض ناجیہ کو انگوٹھی پہنا دی گئی تھی اور دیگر لوازمات مثلاً" جوتی، کپڑا اور میک اپ میں خالہ بلقیس نہیں پڑی تھیں کہ چند ماہ بعد ہی تو شادی کرنا ہے اور وہ بھی خوب دھوم دھام سے۔۔۔ سو سارے ارمان شادی کے لیے بچائے رکھو، ہاں یہ ضرور تھا کہ اپنی آپا بانو کے کان میں رسم سے چند دن پہلے پھونک گئی تھیں کہ۔۔۔

"آپا! آپ کو تو پتا ہے اماں کے جانے کے بعد میں نے سدا آپ کو ہی اپنی ماں جیسی عزت اور تکریم دی ہے۔ آپ ہی تو میرا مان ہیں میری تو سسرال میں ہر جگہ مشہور ہے کہ بلقیس کی آپا اس کی آپا تھوڑی ہی ہیں وہ تو اس کی ماں ہیں ماں۔۔۔ اب آپا! آپ میرا بھرم رکھ لیں۔ بس بارہ، تیرہ جوڑوں کی تو بات ہے۔ میرے ساتھ میرا سارا "شریکا" آرہا ہے رسم کرنے اس لیے میں نہیں چاہتی کہ وہ لوگ یہ کہیں کہ ہم سے بیٹی لی ہوتی تو یہ دیتے، وہ دیتے، بہن نے "خالی" بیٹی گرہ سے باندھ دی۔ اس لیے آپا جوڑے ضرور دے دینا، میں تھیسے سے منہ پہ ماروں گی کہ لو میری آپا نے دیے ہیں۔۔۔ پہن اوڑھ کر میری بیٹی (ناجیہ) کو دعائیں دینا۔"

اور اماں بے چاری بہن کے اتنے مان بھرے انداز کو پورے مان سے نباہنے پہ جی جان سے راضی ہوگئیں۔ پورے بیس ہزار کی کمیٹی جو اماں نے گھر کی ضروری مرمتوں کی مد میں رکھی ہوئی تھی (جن میں سر فہرست تو گھر میں پانی کی موٹر لگوانا اور بڑے کمرے کا ٹوٹا ہوا فرش مرمت کروانا شامل تھا) سب کی سب خالہ

کے سسرالیوں کے جسموں پہ کپڑوں کی صورت سج گئی، اور انہیں ملال تک نہ ہوا۔

آٹھ ماہ کا عرصہ چھوٹی اور بڑی تیاریوں میں کیسے گزر گیا پتا تک نہ چلا۔۔۔ وہ تو آج خالہ بلقیس اچانک لدی پھندی چلی آئیں کہ شادی کی تاریخ طے کرنے آئی ہیں اماں حیران تو بے حد تھیں کہ صبح ہی تو خالہ بلقیس سے بات ہوئی تھی، لیکن انہوں نے ایسا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا اور اب اچانک شام میں آکر سب کو حیران کر دیا ببلو بھاگم بھاگ ابا کو دکان سے بلا لایا۔ بیٹھک میں بیٹھ کر کیا باتیں ہوئیں یہ تو ناجیہ کو پتا نہیں۔۔۔ پر جب سے خالہ بلقیس کی واپسی ہوئی اماں کو گمبھیر خاموشی نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ ابا بھی سر جھکائے واپس دکان کو ہو لیے کہ ابھی تک بند نہیں کی تھی، کام والا لڑکا بٹھا کر آئے تھے۔ تب سے اب تک بس عجیب گھٹا گھٹا سا ماحول تھا۔۔۔ اماں "پریشان" چھوٹے بھائیوں میں سوغاتوں کو لے کر بڑھتا ہوا "ہیجان" اور ناجیہ اماں کی پریشانی کو لے کر "پشیمان"

اماں ہاتھ جھاڑ کر ایک خالی چارپائی بچھا کر سر تک دوپٹہ تانے لیٹ گئی تھیں۔۔۔ "ڈونٹ ڈسٹرب" کا اوپن سگنل تھا۔ ناجیہ نے ہادیہ کو دیکھا، ہادیہ نے ناجیہ کو اور دونوں کندھے اچکا کر وہیں ٹوکروں کے پاس چارپائی کی پائینتی پہ ٹک گئیں۔ اماں کے بغیر وہ دونوں کچھ بھی نہیں سمیٹ سکتی تھیں۔

تبھی نیم وا گیٹ ایک زوردار آواز سے مکمل وا ہوا اور بگولے کی مانند "شرلی آپا" تیزی سے اندر داخل ہوئیں۔ ناجیہ اور ہادیہ نے بیک وقت سر اٹھایا اور دونوں کے منہ سے سکون کا سانس خارج ہوا۔۔۔ اب کوئی مسئلہ نہیں تھا، پندرہ منٹ کی بات تھی اور سب نبٹ جانا تھا۔

"ہاں بھئی بچیو! کیا حال چال ہیں تم لوگوں کے۔۔۔؟ ناجیہ کے سسرال والے آئے ہوئے تھے۔۔۔ مجھے ببلو نے بتایا تو میں نے سوچا کہ ان لوگوں کی واپسی ہولے تو پھر چکر لگاتی ہوں، کیونکہ ببلو بتا رہا تھا کہ بہت سا سامان آیا ہے ساتھ۔۔۔ اس لیے جیسے ہی ان لوگوں کی گڈی (گاڑی) نکلی میں گھر کے دروازے سے نکل آئی کہ جا کر پتا تو کروں کہ آپا بانو کو کوئی کام ہی نہ ہو۔"

شرلی آپا ہمیشہ کی طرح تڑتڑ بولتی، کسی دوسرے کو موقع دیے بغیر ہی شروع ہو گئیں۔ "ہاں! شرلی آپا کام تو کافی ہے۔" ناجیہ نے ایک نظر بے حس لیٹی ماں پر اور دوسری ٹوکروں پر ڈالی پھر بولی۔

"وہ اصل میں اماں کا بی پی ایک دم لو ہو گیا تو میں نے دوا دے کر لٹا دیا۔ بس تب سے سو رہی ہیں ورنہ وہی بنٹا چکی ہوتیں۔" ناجیہ کو خبر تھی کہ اماں جاگ رہی ہیں مگر شرلی آپا سے بلاوجہ کی خار کے سبب وہ اکثر و بیشتر انہیں بری طرح نظر انداز کرتی تھیں۔۔۔ ہاں! کوئی کام کروانا ہوتا تو شرلی آپا کو سب سے پہلے یاد کیا جاتا۔ اس وقت بھی اماں کو دل ہی دل میں شرلی آپا کا آنا غنیمت لگا ہو گا مگر دوپٹہ اوڑھے سوتی بنی رہیں۔ ناجیہ اور ہادیہ نے تاسف سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر شرلی آپا کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"ہا۔۔۔ ہائے! تو کڑیو بھلا بانو آپا کی طبیعت اتنی خراب تھی تو تم لوگوں نے مجھے پہلے کیوں نہ پیغام بھجوایا۔۔۔ اب کیا آپا سچ میں گہری نیند سو رہی ہیں کہیں تو سر دبا دوں تھوڑا۔۔۔؟" شرلی آپا نے کچھ اچک کر اماں کو دیکھنے کی کوشش کی تو ناجیہ نے جھٹ سے ان کا دھیان چیزوں کی طرف کرایا۔

"ارے آپا! آپ یہ سب دیکھیں نا! اماں تو تھوڑی دیر تک بالکل بے خبر سوئیں گی تب تک آپ اور ہم مل کر ان چیزوں کو الگ الگ کر کے حصے بنا لیتے ہیں۔ جو تھیلیاں محلے میں دینا ہوں گی وہ آپ ابھی ہی بانٹ دیجیے گا، باقی رشتے داروں کے ہاں صبح ابا اور ببلو پہنچا دیں گے۔"

کہنے کے ساتھ ہی ناجیہ نے ہادیہ کو اندر بھیجا کہ جا کر تھیلیاں پکڑ لائے اور خود فٹافٹ شرلی آپا کے ساتھ مل کر ٹوکروں کی پیکنگ کھولنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ شرلی آپا میں بجلی بھری ہے اور تھوڑی ہی دیر میں سب سامان ٹھکانے لگ جائے گا اور وہ بھی بے حد طریقے سلیقے سے۔۔۔

☼ ☼ ☼
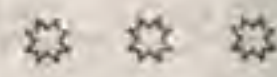
اماں چھت پر کبوتروں کو دانا ڈال کر سیڑھیاں اتر رہی تھیں۔ ناجیہ نے صحن میں وائپر مارتے ہوئے ایک نظر اماں کو دیکھا اور تیز تیز ہاتھ چلانے لگی ساری رات اس نے صحن میں اماں اور ابا کو دھیمی آواز میں باتیں کرتے سنا تھا اور چونکہ گرمیوں کی وجہ سے سبھی باہر سو رہے تھے، سو اماں ابا کی "کھس پھس" سے ناجیہ کی سماعت محروم نہ رہ سکی۔ اتنا تو اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ مسئلے کی کڑی اس کی سسرال سے جا ملتی ہے۔ مگر پھر زیادہ دیر تک اس کا ارتکاز قائم نہ رہ سکا تھا اور وہ نیند کی بھول بھلیوں میں کھو گئی۔۔۔ اور اب اماں کو سیڑھیاں اترتے دیکھ، اسے پھر سے رات والی ٹینشن پہ بات کرنے کی سوجھی۔

اماں کا معمول تھا کہ فجر پڑھتے ہی چھت پہ چلی جاتی تھیں جہاں انہوں نے کچھ کبوتر ڈربے میں رکھ چھوڑے تھے، جنہیں دانا ڈالنا ان پہ فرض تھا۔ اس معمول میں ردوبدل انہیں گوارہ نہیں تھا، وہیں پہ بیٹھ کر تسبیح پڑھتی رہتی تھیں اور آٹھ بجے تک نیچے اترتی تھیں۔ اس دوران ناجیہ پورے گھر کی صفائی سے تقریباً فارغ ہو جاتی تھی۔ دونوں بہنیں سحر خیز تھیں۔ فجر کے وقت اٹھتیں، نماز پڑھ کر ہادیہ کچن کا رخ کرتی اور سب کے لیے ناشتا تیار کرتی جب کہ ناجیہ چھوٹے بھائیوں کو اسکول کے لیے اٹھاتی اور انہیں یونیفارم وغیرہ پہننے میں مدد کرواتی پھر ان کے اسکول روانہ ہونے کے بعد ہادیہ بھی کالج جاتی اور ناجیہ گھر کی صفائی نبٹاتی۔ آج بھی سب اسی روٹین کے مطابق تھا۔

ناجیہ صحن کی دھلائی کے بعد وائپر مار کر "تقریباً" فارغ تھی اور اماں کو اترتا دیکھ کر باقی کے کام ملتوی کر، ان کے پیچھے کمرے میں چلی آئی۔ اماں فل اسپیڈ میں پنکھا کھولے کچھ دیر کے لیے کمر سیدھی کرنے کو لیٹ رہی تھیں۔ تبھی ناجیہ نے بات چھیڑی۔

"وہ۔۔۔! اماں میں نے آپ سے کچھ پوچھنا تھا۔" ناجیہ وہیں بیڈ کے کنارے ٹکتے ہوئے بولی تو اماں اپنی ٹانگیں سمیٹ کر واپس اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"ہاں۔۔۔ بولو! کیا پوچھنا تھا؟ ویسے مجھے علم ہے کہ تم کیا پوچھنے آئی ہو؟"

ناجیہ نے چونک کر سر اٹھایا پھر بولی۔

"اماں کیا بات ہوئی ہے کل۔۔۔؟ آپ اور ابا دونوں ہی پریشان دکھتے ہیں، نہ آپ نے ٹھیک سے رات کا کھانا کھایا تھا اور نہ ابا نے بلکہ ابا نے تو رات کی دودھ پتی بھی مس کر دی جو وہ کبھی بھی نہیں کرتے مجھے بتائیں۔۔۔ آخر ایسا کیا کہا ہے خالہ بلقیس نے۔"

ناجیہ کی بات پہ اماں نے ٹھنڈی سانس بھری اور بائیں ہاتھ سے اپنی کنپٹی کو مسلا، یقیناً جو بھی بات تھی بہت پریشان کن تھی۔

"کیا بتاؤں تمہیں۔۔۔! ابھی میرے اور تمہارے ابا کے حواس تو ٹھکانے آلیں۔ دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ انسان اپنوں کو روئے یا غیروں کو پتا نہیں کون سے سیانے کہہ گئے ہیں "اپنا مارے تو چھاؤں میں ڈالے" یہاں تو اپنے تے جتنی چھاؤں بھی نوچ ڈالتے ہیں۔" اماں کی آواز بھرا گئی تو ناجیہ کھسک کے قریب ہوئی اور گھٹنے پہ ہاتھ دھر کے دباؤ ڈالا۔

"کچھ کہیں بھی تو سہی اماں! مجھ میں حوصلہ ہے کہ میں انہونی سہہ سکوں پر کم از کم آپ تو دل کا بوجھ مجھ سے کہہ کر ہلکا کر سکتی ہیں نا۔۔۔ کیا میں آپ کی اپنی نہیں ہوں۔۔۔؟ ہمیں کسی باہر والے کی کیا ضرورت ہے، آپ مجھ سے کہیے کیا کہتی ہیں خالہ۔۔۔ ہاں! بتائیے۔۔۔؟"

اماں کی آنکھیں چھلک گئیں اور انہوں نے جھٹکے سے کھینچ کر ناجیہ کو خود میں سمو لیا۔ ناجیہ نے ان کے سینے سے لگے ہوئے ان کو رو لینے دیا پتا نہیں کب کا ٹھہرا غبار تھا۔

"تیری خالہ نے کل مجھ سے ایک تقاضا کیا ہے، مانگ ڈالی ہے میرے آگے۔۔۔" اماں کی بات سن کر ناجیہ کے ذہن میں پہلا خیال جہیز کا ہی آیا تو وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئی۔ چند لمحے توقف کے بولی تو لہجے میں غصہ جھلک رہا تھا۔

"تو آپ نے کہا نہیں کہ جتنا جہیز ہم نے بنا دیا وہ بہت ہے، اس سے زیادہ ہم نہیں بنا سکتے اور ویسے بھی کس چیز کی کمی ہے ان کے گھر میں اماں، پہلے تو کہتی تھیں کہ میں اپنی ناجیہ کو دو جوڑوں میں لے جاؤں گی ہونہہ!"

ناجیہ نے تنفر سے سر جھٹکا بات ہی ایسی تھی کہ وہ بھڑک اٹھی تھی۔ ٹائم ہی کیا رہ گیا تھا شادی میں۔

"تو ابھی بھی وہ تجھے دو جوڑوں میں ہی لے کر جانے کی بات کرتی ہے۔ وہ تو کہتی ہے کہ بے شک کمرے کے لیے فرنیچر بھی نہ دیں، میں اپنی بیٹی کو اپنے کمرے کا بیڈ ڈال دوں گی..... سونا ہی ہے ناں تو میں سووں یا میری بیٹی، بات تو ایک ہی ہے..... ہاں! بس آپا آپ اصل سونے کا بندوبست کر لیں، میری خاطر، میری عزت کی خاطر!"

اماں کی بات ابھی جاری تھی مگر ناجیہ کی برداشت ختم ہو گئی تبھی بگڑ کر بولی۔

"کیا مطلب اماں! کون سا والا سونا؟ کیا دال سویوں کے بھاؤ مل رہا ہے سونا؟ یا خالہ نے ہمارے ہاں کوئی گڑا خزانہ دیکھ لیا ہے..... حد ہو گئی اماں! آپ نے کہا نہیں ان سے کہ آپ کو تو میرے لیے زیور تمہیں جڑ سکا، دوسرے، تیسرے کے لیے خود کو رہن رکھ کر "سونا" بنوا دیں کیا؟ منع کر دیں آپ خالہ کو، بے شک..... بے شک وہ یہ رشتہ ختم کر دیں۔"

کس ضبط سے ناجیہ نے اتنی بڑی بات کہہ دی تھی اس کی اماں کو بخوبی اندازہ تھا انہیں اس رشتے میں اپنی بیٹی اور خاور کی دلی مرضی شامل ہونے کا بھرپور احساس تھا۔ ماں باپ کی تکلیف کا احساس کرتے وہ جس نہج پہ جا کر بول رہی تھی، اس کرب نے اس کی آنکھوں میں ڈھیروں کانچ چبھو دیے تھے۔

اماں طویل سانس خارج کرتے ہوئے بولیں۔

"بیٹیوں کے رشتے مذاق نہیں ہوتے ناجیہ، آج تمہارا ٹوٹے گا تو کل کو ہادیہ کے سسرال والے بھی کوئی بھاری مانگ ڈال بیٹھے تو کیا اس کا بھی توڑ دوں گی..... پاگل نہ ہو تو۔" اماں نے استہزائیہ سر کو جھٹکا "ہمیں مانگیں پوری کرنی پڑیں گی میری بچی! رشتے مل جائیں وہ بھی آج کے دور میں، مذاق نہیں ہے۔ خاور جیسا لڑکا کھو دینے کا میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ ایسے ہی تو نہیں کہتے "بیٹی دھن نمانا ہے آتے بھی رلائے، جاتے بھی رلائے" بس تو دعا کر اللہ کوئی سبب بنا دے۔"

ساری رات کی سوچوں نے اماں کے اعصاب پہ برا اثر ڈالا تھا۔ وہ تھک گئی تھیں، تبھی ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گئیں۔

"مگر اماں! خالہ نے سونے کی جو مانگ کی ہے تو آخر انہیں کس شکل میں چاہیے سونا..... ؟ میرے زیورات کی صورت؟" ناجیہ کی سوئی ابھی تک سونے پہ اٹکی تھی جواب میں ایک مبہم سی طنزیہ مسکراہٹ اماں کے ہونٹوں پہ جھلک دکھا کر غائب ہو گئی۔

"کاش تیرے لیے ہی بناتے، کم از کم دکھ تو نہ ہوتا۔ اس نے خود کے لیے کنگن کی فرمائش کی ہے، کہتی ہے، آپا! بارات والے دن آپ مجھے کنگن ضرور دیجیے گا۔ آخری پوری سسرال ساتھ ہو گی میرے، چلیں! آپ دو کنگن نہ ڈالیے، بس ایک ہی، تولے کا یا سوا کا بنوا دیجیے۔ آپ ہی کی عزت ہو گی آپا۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے ساتھ آئی ہوئی سسرالی عورتیں ہال میں ہی بک بک شروع کر دیں کہ دیکھا! ہماری بی ہوتی تو بلقیس کو سونے میں پیلا اور موتیوں میں سفید کر دیتے کم بخت ماریوں کا پتا تو ہے نا آپ کو اور پھر آپا ابھی تو آپ شکر کریں کہ ناجیہ کی کوئی نند نہیں ہے ورنہ آپ کو اس کا بھی تو سوچنا پڑتا آپ بس اب میرا ضرور سوچیے گا جسے آپ اپنی بیٹی کی طرح سمجھتی آئی ہیں، آخر پورے 16 برس چھوٹی ہوں آپ سے..... سارے لاڈ اور فرمائشیں آپ ہی سے کرنی ہیں نا مجھ کو۔"

"لو بھلا بتاؤ! کوئی کھلونا مانگا ہے تم نے کہ تمہاری آپا جھٹ دکان پہ جائے اور اپنی گودوں کھیلی کو دلا دے۔ خیر کوئی بات نہیں تو فکر نہ کر اللہ مالک ہے، اس کے دینے کے ہزاروں ہاتھ ہیں تو اٹھ میرا بچہ، جا کر ہانڈی روٹی کی فکر کر تمہارے ابا آئیں گے تو ضرور آج کوئی خیر کی خبر سنائیں گے۔ کہتے تھے قرض شرض لیں گے کسی سے..... دیکھو اب! کیا بنتا ہے، تم اٹھو شاباش۔"

اماں نے آنکھیں موند لیں ناجیہ بوجھل دل اور آنکھوں میں آنسو لیے وہاں سے اٹھنے لگی پھر اچانک اسے ایک بات یاد آئی۔ دوبارہ سے ٹک کر اماں کا گھٹنا ہلایا۔

"اماں..... اماں!"

"ہوں....." اماں کی دھیمی سی ہنکار کو اس نے غنیمت جانا۔

"اماں! کل رات آپ کو پتا تھا نا کہ شرلی آپا آئی ہیں تو پھر آپ سوتی کیوں بن گئی تھیں؟ شاید....." ناجیہ پھر خالہ کے لالچ کو رونے لگی تھی مگر کچھ سوچ کر بات بدل گئی "اچھا! چھوڑیں میں شرلی آپا کی بات کر رہی تھی کہ یہ انہی کا دم تھا جو سب پھل فروٹ سلیقے سے ٹھکانے لگ گیا کتنا کام آتی ہیں شرلی آپا سب کے..... اور آپ کی تو ویسے بھی بڑی عزت کرتی ہیں پھر بھی آپ کا رویہ ان کے ساتھ نامناسب کیوں ہوتا ہے! اماں؟..... اماں! بتائیں نا..... کیا سو گئیں؟"

ناجیہ کو لگا اماں شاید سچ سوگئی ہیں پر چند لمحوں بعد انہوں نے آنکھیں کھول دیں پھر بولیں تو لہجے میں غصہ تھا۔

"بول لیں! کہ ابھی اور بھی کچھ بکنا ہے؟ نا..... تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں کاہے کو اتنے مروڑ اٹھ رہے ہیں شرلی کے لیے تمہارے اماں، باوا کو قرض دینا ہے کیا اس نے.....؟ کام کرتی ہے تو من مرضی سے کرتی ہے، میں کوئی ڈنڈا لے کر نہیں کھڑی رہتی سر پر اس کے۔ اس کی عادت ہے تیرے میرے گھروں میں گھسی رہتی ہے اور کام کرنے کے بہانے کن سوئیاں لیتی رہتی ہے۔ مجھے نہیں پسند اس کی اس قسم کی چالاکیاں بس ہے! اور پھر میں اگر سوتی نہ بن جاتی تو تم دیکھتیں کیسے مجھے بے ہاتھ دھر کے پیٹ لگا کراتی میرا اور پھر گھر گھر جا کر تشہیر بھی کر آتی۔ ایسے لوگ ہی ہوتے ہیں جو کسی کا کر چلے تو ہاتھ ناپنے آ جاتے ہیں..... بڑی آئی شرلی کی تلقین۔ اب جاؤ یہاں سے، کچھ دیر ماں کو آنکھ بھی لگنے دو گی یا کوئی اور قضیہ بھی نبٹانا ہے؟"

اماں خوب جی ہلکا کرنے کے بعد دوبارہ لیٹتے ہوئے بولیں اور پھر منہ پہ دوپٹے کا پلو ڈال کر بھی بڑبڑاتی رہیں۔ ناجیہ کچھ دیر بے حس و حرکت وہیں بیٹھی رہی۔ اسے حقیقتاً" اماں کی باتوں سے دکھ پہنچا تھا۔ ٹھیک تھا کہ اماں کا تجربہ زیادہ تھا مگر جہاں تک وہ شرلی آپا کو جانتی تھی وہ کم از کم ویسی قطعا" نہیں تھیں جیسا اماں کو یقین تھا۔ وہ تاسف سے کچھ دیر اماں کو دیکھتی رہی اور دل میں اکتاہٹ لیے وہاں سے اٹھ کر کچن کا رخ کیا مگر دھیان مسلسل اب شرلی آپا کی طرف ہی اٹکا رہا۔

☼ ☼ ☼

شرلی آپا کون تھیں، اس کے بارے میں ناجیہ لوگوں کو زیادہ تفصیل سے تو نہیں پتا تھا مگر جو ادھر ادھر سے کان پڑی سنی تھیں ان کے مطابق شرلی آپا ان کے پیدا ہونے سے بھی پہلے سے اس محلے میں آباد تھیں۔ فرق صرف یہ تھا کہ تب وہ بھرے پرے خاندان کے ہمراہ اس محلے کے ایک چھوٹے مگر بے حد صاف ستھرے گھر میں رہتی تھیں۔ ابا ان کے پلاسٹک کے برتن بنانے والی ایک چھوٹی سی فیکٹری چلاتے تھے۔ اماں بھی بہت طریقے سلیقے کی خاتون تھیں۔ شرلی آپا سے بڑی ایک بہن تھیں اور چھوٹا ایک بھائی۔ شرلی آپا کا نام شکیلہ تھا اور وہ شرلی کیونکر پڑا، اس کا اندازہ آج بھی دیکھنے والے کو بخوبی ہو جاتا تھا۔ پارہ بھرا تھا شرلی آپا میں نچلا بیٹھنا جانتی نہ تھیں۔ چھلاوہ تھیں پورا چھلاوہ..... ایک پل میں اگر اپنے گھر کے آخری کمرے میں دبکی پڑی ہیں تو چند منٹ بعد ڈھنڈیا مچنے پہ پتا چلتا تو وہ کسی نہ کسی ہمسائی کی طرف جا چکی ہوتیں۔ ہر کسی کو شرلی آپا سے کوئی نہ کوئی کام پڑتا رہتا اور وہ ماتھے پہ بل لائے بغیر کیے جاتیں۔ بجلی کی طرح وہ سارے میں پھرتی تھیں۔ جس تیزی سے وہ کام نبٹاتی اور پھر کس پھرتی سے وہ نکل جاتیں، کسی کو پتا بھی نہ چلتا۔ بس! اسی وصف کی بنا پر ان کا نام شکیلہ سے شرلی کیا پڑا کہ اگلی آنے والی نسل کے لیے بھی وہ "شرلی آپا" ہی ہو گئیں۔ بچے بڑے ان کا اصل نام بھول چکے۔ شرلی آپا پر بھی یہ نام

نگینے کی طرح فٹ بیٹھتا تھا بہ نسبت ان کے اصل نام شکیلہ کے۔ کیونکہ وہ شرلی کی طرح تیز گام تو ضرور تھیں مگر شکیلہ کی طرح خوب صورت نہیں تھیں۔۔۔۔

گردش ایام نے شرلی آپا کی جوانی کو بھی پھپھوندی لگا دی، نہیں تو گدھی کی طرح جوبن ان پر بھی آیا تھا۔ باوا مرے، بڑی بہن بیاہی گئی۔۔۔۔ بھیا نے ابا کی فیکٹری بیچنے کی بات کی کہ پردیس جاؤں گا، چار نوٹ کماؤں گا تو کوئی آنکھ کا اندھا اس شرلی کو جہیز کے لالچ میں ہی بسالے گا۔ اماں کے منہ پانی بھر آیا کہ چلو اچھا ہے شرلی ٹھکانے لگے گی تو وہ بھی سکون سے بیٹے کے پاس جا بسیں گی۔ نہیں تو یہ شرلی نہ جانے کب تک ان کے سر پر ناچے گی۔ بڑی تو بیاہی گئی آزاد کشمیر، میاں کی مرضی سے آزاد ہوتی تو ملنے چلی آتی ورنہ سالوں کی خبر لاتی۔

سو بھیا پردیس سدھارے اور اماں نے ہر آئے گئے کے کان میں شرلی کے نادیدہ جہیز کا منظر تازہ کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑے آثار پیدا ہونے شروع ہوئے تو اماں نے رشتہ ڈھونڈ مہم میں خود ساختہ وقفہ پیدا کر دیا جیسے یہی تسلی چاہتی تھیں کہ میں پیسے لٹنے کی آواز نکالوں گی تو رشتے آئیں گے نا۔۔۔۔!

رہ گئی شرلی تو "کنواری کو سدا بسنت ہے" کے مصداق اس کے وہی روز و شب تھے۔ وہی بھاگ بھاگ کے اوروں کے کام نبٹانا! بقول اماں جوتیاں سیدھی کرنا اور وہی چھلاوے کی طرح یہاں سے وہاں کدکڑے لگانا۔

بیٹے کے ڈرافٹ کا انتظار طول پکڑتا گیا اور اسی رفتار سے رو رو کر اماں کی آنکھوں میں موتیا اتر آیا۔ فیکٹری بک گئی، جمع پونجی پچھلے چار ماہ سے استعمال ہو رہی تھی جو عنقریب ختم ہو جانی تھی کہ بیٹے کا خط آ گیا۔ لکھا تھا کہ "یہاں پہنچتے ہی دھر لیا گیا ہوں۔۔۔۔ کچھ پتا نہیں کہاں ہوں، پیسا کیا بھیجوں، جو ساتھ لایا تھا اس کی بھی خبر نہیں، نہیں معلوم آگے کیا حالات ہوں لہٰذا فی الحال اپنے بیٹے کو بھول جاؤ اور خود سے زندگی کا سامان کرو۔"

اماں کی تو مانو جان نچڑ گئی۔ ایک ٹھوکر سے آنکھ میں چربی اتر گئی موتیے نے بڑھتے بڑھتے نظر چاٹ لی اور مفلسی نے سانسوں کی ڈور کاٹ لی ابھی تک جیسے تیسے شرلی تیرے میرے گھر کے معمولی کاموں کے عوض کچھ نہ کچھ مانگ لیتی یا پھر چند بچوں کو قرآن پڑھاتی تھی۔ سلائی کڑھائی جانتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی کہ چھوٹا محلہ اور چھوٹی کمائیاں، کون تھا جو آئے دن جوڑے سلاتا۔ کسی نزدیکی ہوزری سے درجنوں کے حساب سے سوئیٹر پکڑ لاتی اور انہی کے ساتھ راتیں کالی کرتی سحری تک تین درجن سوئیٹروں کو ستارے موتی لگا لیتی تھی، پھر بھی اجرت کیا ملتی؟ محض اتنی کہ ایک وقت گھر میں پتلی دال کو ابال آجاتا اور ایک ہی وقت آنکھ سے اندھی ماں کو دوا نصیب ہو جاتی اور پھر بھلا اوس چاٹے بھی کیا پیاس بجھتی ہے سو اماں بھی پیاسی گزر گئیں۔ اولاد کی دید کی پیاسی۔۔۔۔! نہ بیٹے کو دیکھ سکیں اور نہ ہی بڑی بیٹی نے برے حالوں میں پوچھا۔ اولاد کی آنچ بری ہوتی ہے، پتا پانی کر دیتی ہے اور پھر شرلی کی اماں نے تو بہت کچھ کھو دیا تھا اور جب کھونے کو کچھ نہ رہا تو زندگی کھو دی۔ شرلی کا دم اکیلا رہ گیا، مگر اس نے صبر نہ کھویا۔

بہن صرف ماں کے دسویں پہ آ سکی، بھائی کو تو شرلی نے ماں سے بھی پہلے دل میں دفنا دیا تھا اور اب تو یوں محسوس ہوتا کہ اماں کے مرنے کے بعد کرنے کو کچھ بھی نہیں رہ گیا کس کے لیے کماتی اور کاہے پکاتی۔ سارا دن بولائی پھرتی ہر طرف ماں کی یادیں بکھری پڑی تھیں، آخر انہی ماں بیٹی کا ساتھ ہی تو دیرپا ثابت ہوا تھا۔

تین دن تو گور میں بھی بھاری ہوتے ہیں اور اماں مری تو گھر بھی قبر محسوس ہونے لگا تھا۔۔۔۔ مگر پھر ہولے ہولے شرلی بھی معمولات زندگی میں شامل ہو گئی جیتی تو پیٹتی نا۔۔۔۔! روزی کی فکر مردے کے ماتم سے مقدم ہے زندوں کی ضروریات ایک ٹھوس حقیقت ہیں۔

شرلی نے بھی صبر کر لیا اور لگی اوروں کو خوش کرنے پھر سے وہی کام جھام، اس کا بھگتنا، اس کا نبٹنا شادی کی فکر کرنے والے مر کھپ گئے اور خود سے اپنی فکر شرلی کو کبھی کرنی آئی نہ تھی۔ چار بال تو ماں کی زندگی میں ہی سفید ہو گئے تھے۔ ماں مری تو آدھا سر سواہ ہو گیا۔ وقت بدلا تو لوگوں کے حالات بھی بدلے کاروبار بھی بدلے۔

لوگوں کی بیبیوں نے شرلی سے کپڑے سلوانے شروع کر دیے اور شرلی کو چھوٹی موٹی بیگار سے فرصت ملی۔ کپڑوں کی اجرت اس اکیلی جان کو پوری پڑتی تھی محلے میں چھوٹی موٹی کمیٹیاں ڈال رکھی تھیں۔ ان کمیٹیوں کا کیا کرتی تھی یہ تجسس آج تک عورتوں کے پیٹ میں مروڑ کی طرح اٹھتا تھا مگر شرلی نے بھی کبھی پتا کرنے نہ دیا اور پھر رب تو رزاق ہے، بھوکا اٹھاتا ہے، بھوکا سلاتا نہیں۔

شرلی بھی پیٹ بھر کر سوتی تھی اور تھیلے بھر کر بانٹتی تھی اور یہ بانٹنا بہت سوں کے دلوں میں آگ لگاتا تھا جن میں سے ایک آپا بانو (ناجیہ کی اماں) بھی تھیں۔ اللہ واسطے کا بیر ہو چلا تھا انہیں شرلی سے گو کہ وجہ کچھ بڑی نہیں تھی۔ بس کمیٹی کو لے کر ہی دونوں میں ٹھنی تھی۔ شرلی کی کمیٹی نکلی تھی جو اس نے محلے کی آپا رقیہ کے ہاں ڈال رکھی تھی، وہیں بانو آپا نے بھی ڈالی تھی اب جو شرلی کا نمبر لگا تو بانو آپا کمیٹی والی رقیہ کے سر ہو گئیں کہ یہ کمیٹی تو میں لوں گی۔۔۔۔ بس!

شرلی جو خاموش بیٹھی دیکھ رہی تھی کہ رقیہ آپا خود ہی بانو آپا کو کھری کھری سنا لیں گی، اسے کچھ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر جب رقیہ آپا نے قریب بیٹھی شرلی کو خاطر میں لائے بغیر کھیسے سے رقم نکال، بانو آپا کے حوالے کی تو شرلی تو مانو سچ میں شرلی کی مانند چھت کو جا لگی۔ تڑپ کر اٹھی اور جھپٹ کے آپا بانو کے ہاتھ سے رقم لی۔ رقیہ اور بانو آپا ہکا بکا رہ گئے۔ مگر نہ شرلی نے نرمی دکھائی اور نہ بانو آپا نے حوصلے سے کام لیا۔ بے نقط سنا ڈالیں شرلی کو جواب میں شرلی نے بلا لحاظ آپا بانو کو کہہ ڈالا۔

"بس کرو آپا! میں نہیں دینے کی کمیٹی، اپنی چلم بھرنے کو میرا جھونپڑا کیوں جلاتی ہو۔۔۔۔؟"

اور بس! آپا بانو کا کلیجہ سواہ ہو گیا "کاہے کو جھونپڑا جلائیں گے ہم تمہارا کون سے بچے رین بسیرا کر رہے ہیں تیرے ناس ماری۔۔۔۔! حیا نہ آئی مجھ سے زبان چلاتے؟ تیری ماں اللہ بخشے مجھے چھوٹی بہن کہتی تھی اپنی اور تو آج میرے منہ کو آ رہی ہے۔ مجھے ضرورت نہ ہوتی تو کبھی تیرے جیسی رذیل کے منہ لگتی۔۔۔۔؟ جسے لوگ اٹھتے جوتی اور بیٹھتے لات مارتے ہوں۔ بھاڑ میں گئی تیری کمیٹی۔۔۔۔ سمجھی؟ چلتی ہوں رقیہ اگلا نمبر لوں گی میں کمیٹی کا۔۔۔۔ پکا کر لینا یہ نہ ہو اگلی دفعہ پھر کوئی منہ ماری کرنے آ کھڑی ہو۔" بانو آپا غصے سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور بیچ راہ میں آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو لیے کھڑی شرلی کو حقارت سے پرے ہٹاتے ہوئے بولیں۔

"پرے ہٹ بدبخت! اتنی سی جان، سوا گز زبان۔۔۔۔" بانو آپا تن فن کرتی قریب سے نکل گئیں جبکہ شرلی کی "اتنی سی جان" دکھ سے مزید آدھی رہ گئی۔ وہ دن اور آج کا دن شرلی آپا نے اپنی "اتنی سی جان" کو ہر طرح سے بروئے کار لا کر بانو آپا کے کام آنے کی کوشش کی مگر بانو آپا کے دل میں آیا بال نہ نکل سکا یہ سچ تھا کہ شرلی آپا کو کمیٹیاں ڈالنے کا خبط تھا۔ جہاں کمیٹی ڈلنے لگتی وہ پہنچ جاتیں اور اپنا نام لکھوا دیتیں۔ حالانکہ نہ ان کی شادی کی عمر رہی تھی کہ انہیں اپنا جہیز بنانا ہوتا پورے 47 کی ہو چکی تھیں۔ نہ ہی ان کے رہن سہن میں کوئی تبدیلی آتی دیکھی گئی تو آخر کمیٹی کا وہ کیا کرتی تھیں؟ جو بھی تھا ناجیہ کو یہ سب جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کی دلچسپی محض شرلی آپا کے خلوص اور مروت کے بدلے میں پرخلوص رویہ رکھنے میں تھی اور اس کے لیے اپنی ماں کی مخالفت کے باوجود آخری حد تک جاتی تھی۔

☼ ☼ ☼
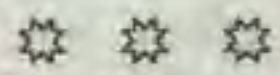
"چھ، سات، آٹھ۔۔۔۔ پورے آٹھ ہزار۔" اماں بستر پہ نا جانے کون کون سی خفیہ تجوریاں کھولے بیٹھی تھیں۔ جن میں ان کے ایک آدھ پرانے پرس، کچھ کپڑے کی ہاتھ سے بنی تھیلیاں، مختلف کریموں کی خالی ڈبیاں۔۔۔۔ ان سب میں اماں اپنی بچت چھپاتی

تھیں اور پھر ان "تجوریوں" کو چھپاتی تھیں۔
ناجیہ کچن سے فراغت کے بعد جس وقت کمرے میں داخل ہوئی تو اماں کو انہی چیزوں کے ساتھ گھلتے دیکھا۔ وہ مسلسل دوسری دفعہ تو اس کے سامنے ہی نوٹ گننے شروع ہوئی تھیں، اس سے پہلے کتنی دفعہ گن چکی تھیں یہ نہیں پتا تھا۔ شاید انہیں لگ رہا تھا کہ بار بار گننے سے برکت پڑ جائے گی اور آٹھ کی بجائے اسی ہزار ہاتھ میں آجائیں گے۔ ناجیہ کا دل شدت سے دکھا۔ اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ خود خالہ کو صاف جواب کہلوا دیتی۔ کیسے بیٹھے بٹھائے مصیبت آن پڑی تھی۔ ابا بے چارے بھی نہ جانے کہاں سے ادھار اٹھائیں گے.....؟
یہی کچھ سوچتی ناجیہ دھیرے دھیرے قدموں سے چلتی اماں کے پاس چلی آئی، پر اماں کا دھیان اس کی طرف پھر نہ گیا۔ وہ مسلسل جوڑ توڑ میں لگی رہیں۔ جب چوتھی مرتبہ اماں آٹھ ہزار کی رقم کو گننے میں آٹھ منٹ صرف کرنے والی تھیں تو ناجیہ نے انہیں ٹوک دیا۔
"بس بھی کریں اماں! اب تو مجھے بھی یقین ہو گیا ہے کہ پورے آٹھ ہزار ہیں آپ بھی مان لیں۔" چڑچڑاہٹ، غصہ، کوفت کیا نہیں تھا اس کے لہجے میں اور بے بسی دکھ اور ناامیدی کیا نہیں تھا اماں کی آنکھوں میں "کیا آٹھ ہزار میں کنگن بن نہیں جائے گا.....؟ ہلکا سا، باریک سا! ہاں؟" ناجیہ نے پوچھا۔
"بلقیس نے کنگن بنوانے کو کہا ہے سونے کا تار نہیں۔ تار بھی ہوتا تو آج کل آٹھ ہزار میں نہ بنتا۔ بھاؤ پتا ہے سونے کا؟ آخری خبر کے مطابق ساٹھ ہزار سے اوپر تھا۔ اب کا پتا نہیں گھٹ گیا کہ اور آگ لگ گئی۔ پھر بنوائی، اجرت وغیرہ چکاتے ستر، پچھتر ہزار کہیں نہیں گئے میں تو نہ جانے کس بھول میں بیٹھی تھی کہ بلقیس تیری سگی خالہ ہے۔ تم لوگوں کا نوالہ بھی میں اس کے منہ میں ڈالتی تھی۔ ویسے بھی مجھے شادی کے دس سال بعد اللہ نے تمہاری صورت اولاد دی تھی تب تک کیسے کیسے نہ ناز اٹھائے بلقیس کے میں نے اپنی شادی کے بعد مجھے اس کی فکر ستاتی تھی۔ ماں تو نہ تھی کہ دھیان کرتی، سو جو ذمہ داری تھی مجھے ہی اٹھانا پڑی میں نے جلد از جلد شادی کروادی چھوٹی سی کی، خاور کو تو چمچ سے اٹھانا بھی نہ آتا تھا اسے تیرے پیدا ہونے تک میں نے بلقیس کو دو بچے پال کے لوٹائے تھے۔ پھر اپنے بچوں کے دھیان لگ کر بھی میں اسے اور اس کے بچوں کو نہ بھولی اور آج وہ کیسے سب بھول کر مجھی پر بوجھ ڈال رہی ہے؟
حق ہا.....! چل کوئی بات نہیں۔ تنگی کے ساتھ فراخی اور فراخی کے ساتھ تنگی لگی ہوئی ہے۔ برے وقت کا اللہ بیلی اور اس کے گھر میں کیا کمی ہے..... ضرور کوئی سبب بن جائے گا۔ دیکھنا! ضرور خیر کی راہ سوجھ جائے گی۔"
اماں کی ایک عادت بہت اچھی تھی۔ مایوسی کے الجھے گولے میں سے امید کا سرا ڈھونڈ نکالتی تھیں۔ اماں کا توکل اپنی جگہ مگر ناجیہ ایک کوشش ضرور کرنا چاہتی تھی اور اس کے پاس امید کا آخری چراغ "خاور" تھا۔

☼ ☼ ☼

شام کو ابا آئے تو اماں فٹافٹ چپل پہنے، گھٹ گھٹ کرتی باہر صحن میں نکل آئیں۔ چارپائی ڈال کر پیڈسٹل فین آن کیا اور ابا کی طرف رخ کر کے ناجیہ کو پانی کے لیے آواز دی اور خود پورے دھیان سے ابا کی طرف متوجہ ہوئیں۔
"کچھ بنا.....؟" اماں کی آواز دھیمی تھی۔ "میرا مطلب ہے کسی نے کوئی آس دلائی، قرض وغیرہ کے لیے؟" لہجے سے فکرمندی مترشح تھی تبھی ناجیہ پانی لیے چلی آئی۔ ابا کو سلام کیا، جواب میں انہوں نے ایک دھیمی مسکراہٹ سے بیٹی کے چہرے کو تکا اور اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر پورا ایک ہی سانس میں خالی کر گئے۔
"ابا! اور لاؤں.....؟" ناجیہ کو لگا کہ شاید ابا کو شدید پیاس ہے تبھی عادت سے برخلاف ایک سانس میں پانی پی گئے۔
"نہیں! بس بہت ہے۔" ابا کے نفی میں سر ہلانے پہ ناجیہ انہیں بغور دیکھتی واپس مڑ گئی۔ چند لمحوں بعد اماں پھر اپنا سوال دہرا رہی تھیں۔
"نہیں بانو بیگم، کوئی اتنی بڑی رقم قرض نہیں دیتا، ادھار کی تو سمجھو ماں مر گئی ہے۔ جس سے بھی بات کی اس نے کانوں کو ہاتھ لگا کر اپنا چلتا کاروبار ڈبو دیا کہ ہمیں تو کھانے کو لالے ہیں۔ ہاں! سود پر ملتا ہے قرض پر میں نہیں لینے کا مجھے خوف آتا ہے۔ ہمارے بڑے کہتے تھے سود پہ لیا قرض چکانے میں اللہ کی مدد کبھی شامل حال نہیں ہوتی۔ بوند بوند خون تھوک کر بھی ایسا قرض نہیں چکتا میں تو باز آیا۔ تم بس دعا کرو کہ اللہ ہی کوئی در کھولے۔
آج خاور بھی آیا تھا دکان پر....." بے دلی سے کہتی اماں جو خاصی مایوسی سے سر ہاتھوں میں ڈالے ہوئے تھیں ان کی آخری بات پہ یوں چونک کر دیکھنے لگیں جیسے ابا نے نجانے کیسی انہونی کہہ دی ہو "کیا کہتا تھا ناجیہ کے ابا.....؟ آپ اسے لے کر گھر کیوں نہیں چلے آئے۔ میں خود بھی اس سے کوئی بات کرنا چاہتی تھی..... آپ....."
ابا نے اماں کی بات کاٹ دی پھر بولے۔
"جو بات تم نے کہنی تھی وہی میں نے کہہ دی اور وہ خود بھی اسی مسئلے پہ گفتگو کرنے آیا تھا وہ کہتا ہے اس کے بس میں کچھ نہیں، بہتیرا سمجھایا ہے اس نے اپنی ماں کو مگر اسے بس اپنی سسرال میں شو دکھانی ہے کہ وہ کسی معمولی لڑکی کو بہو بنا کر نہیں لا رہی۔ وہ بے چارہ تو خود بے حد پریشان تھا، مجھ سے کھل کر نہیں کہہ سکا مگر میں اس کے اشارے کنائیوں کو سمجھ گیا تھا اسے بس فکر ہے کہ ہم کہیں یہ رشتہ ختم نہ کر دیں ہر دوسری بات اس کی اسی جملے پہ ختم ہوتی تھی کہ "خالو جی! کوئی انتہائی قدم نہ اٹھانا" میں بھی آخر اس سے چار برساتیں زیادہ دیکھ کر بیٹھا ہوں۔ اتنا تو تجربہ مجھے بھی ہے کہ خاور کی مرضی کس قدر ہے اس رشتے میں۔ کہہ رہا تھا کہ ابو نے بھی درخواست کی ہے کہ وہ آپ کو رقم خاموشی اور رازداری کے ساتھ فراہم کر دیتے ہیں۔ بس آپ امی کی ضد پوری کر دیں....."
اماں تو یکدم بدک ہی گئیں، چیخ کر بولیں۔
"نا.....! یہ کون سا طریقہ ہے، جوتے مارنے کا اتنی بڑی بات کیسے کہہ دی باقر میاں نے اللہ بخشے آپ کی اماں کہا کرتی تھیں "پیسہ گانٹھ کا، بیٹا پیٹ کا۔" سگا بیٹا اور اپنی جیب کا پیسا ہی کام آتا ہے اور پھر بیٹی کے معاملے میں تو ایسی نیچ حرکت کی ہی نہیں جا سکتی خدا ہو گئی، کرتی ہوں میں بلقیس کو فون۔"
"او! بانو بیگم چھری تلے دم تو لیا کرو بیٹی بیاہنے کی عمر آگئی مگر تمہاری زبان کو تھم نہیں آیا" اماں کا غصہ ابا کی ایک جھڑکی سے جھاگ کی مانند بیٹھ گیا۔ "تمہیں کیا لگتا ہے میں نے کیا منع نہیں کیا ہو گا صاف ظاہر ہے، کر دی میں نے بھی اب دیکھتا ہوں، کرتا ہوں کچھ۔ کل جاؤں گا بڑے بھائی صاحب کے پاس شاید ان سے کچھ قرض مل جائے۔" ابا نے ٹانگیں سمیٹ کر چارپائی کے اوپر دھریں اور چارپائی پہ دھرا گاؤ تکیہ کہنی کے نیچے ٹکا کر نیم دراز ہوئے۔
"آہو!" اماں چمک کر بولیں "آپ میاں منگتے باہر کھڑے درویش، آپ کے بھائی صاحب کی تو لمیں چل رہی ہیں نا خود تو انہیں ٹاٹ بھی نصیب نہیں، ہمیں ریشم دیں گے بلے بھئی بلے اجی چھوڑیے!" اماں نے تنفر سے ہاتھ جھٹک کر مسئلے کو چٹکی میں مسل دیا۔
"بانو بیگم! تمہارا سب سے بڑا سیاپا یہی تو ہے کہ تمہیں اپنی پیٹھ نہیں دکھائی دیتی تمہیں کیا! کسی کو بھی اپنے عیب کب دکھائی دیتے ہیں۔ میں تو ایک کوشش کر دیکھوں گا۔ آگے جو قسمت خدا مہربان ہوا تو جگ مہربان کرنے پہ بھی اس کا اختیار ہے۔ اٹھو اب سر کھانا بند کرو اور کچھ کھانے کے لیے لے آؤ....." ابا نے اماں کو ہلکا سا ٹہوکا دے کر اٹھانا چاہا پر اماں ٹھس سی ہوئی بیٹھی تھیں۔ چند لمحے انتظار کے بعد دوبارہ ابا نے آواز لگائی۔
"اب اٹھ بھی چکو..... کہ جاؤں واپس؟" اماں غصے سے تن فن کرتی کچن کو ہولیں اور ناجیہ جو کچن کے جالی والے دروازے کی آڑ میں کھڑی اماں ابا کی باتیں سن

رہی تھی' پھرتی کے ساتھ سنک کے آگے جا کھڑی ہوئی اور پھر اس میں پڑے گنتی کے چند برتن دھوتے اسے بے انتہا دکھ نے گھیر لیا کہ خاور سے بات کرنے کا جو خیال امید کی کرن بن کر اس کے دل میں سمایا تھا وہ دل ہی دل میں بجھ کر رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

دن پہ دن گزرتے جاتے تھے مگر کوئی سبیل نظر نہ آتی تھی۔ ابا نے اپنے رشتے داروں میں موجود جتنے بھی مخیر حضرات تھے تمام کو پوچھ چھوڑا مگر کوئی بھی 10' 20 ہزار سے زیادہ کی نہ کہتا۔ اس معاملے میں ابا کی اپنی ہی سوچ تھی وہ بھانت بھانت کے رشتے داروں کے آگے ہاتھ نہیں اٹھانا چاہتے تھے۔ صرف ایک ہی کے زیر بار رہنا چاہتے تھے مگر کوئی بھی اتنی بڑی رقم دینے کو آمادہ نظر نہیں آتا تھا ضرورت 60' 70 ہزار کی تھی اور کہیں سے بھی امید نظر نہیں آرہی تھی کہ پوری رقم قرض مل سکے گی۔ بال کترنے سے مردہ ہلکا نہیں ہوتا' بالکل ویسے ہی دس' بیس ہزار سے کام نہیں بن سکتا تھا۔

ادھر خالہ بلقیس کا ہر دوسرے روز فون آتا اور پورے جوش سے بری کی تیاریاں بتائی جاتیں' فون پر ہی ناجیہ کی ڈھیروں بلائیں لی جاتیں' طرح طرح کی باتیں بگھاری جاتیں پھر تان ٹوٹتی کنگن پر۔

"ہائے بجی آپا! میں نے تو کوئی نہیں چھوڑا جس کے کان میں کنگن والی بات نہ ڈالی ہو سب کو بتا دیا کہ میری ماں جیسی ماں جائی مجھے بارات والے دن کنگن ڈالے گی۔ سبھی نے مانو انگلیاں کاٹ لیں۔ ایک دو بدخواہ مجھے بھڑکانے چلی تھیں کہ بلقیس! اپنی ہی تھی تو جوڑی لیتیں بھلا ایک کنگن کی کیا چھب۔۔۔؟

پر میں نے بھی منہ توڑ دیا کہ بے دید و! چلو میں سمندر کا ہے سماتے ہو۔ اتنا کم ظرف نہیں ہونا چاہیے انسان کو لو بھلا بتاؤ بے شک نہ' نہ کرتے ایک کے ساتھ دو چیز اکٹھی ہو ہی جاتی ہے پر میں اپنی آپا کو کسی مشکل میں نہیں ڈالوں گی میں نے ٹھیک کہا نا آپا؟"

اور جواب میں اماں کے پاس کہنے کو زیر پیش کچھ بھی نہ ہوتا۔ وہ جان گئی تھیں کہ بلقیس چکنا گھڑا ہے اس پہ بوند نہیں ٹھہرنے کی! اور بیٹی کے مستقبل کے لیے انہیں یہ کڑوا گھونٹ بھرنا تھا کیونکہ اب پتھر تلے ہاتھ تو دب ہی گیا تھا سوائے نکالنے کا چارہ تو کرنا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ارے شرلی آپا! آئیں' آئیں۔۔۔ بڑے دن بعد چکر لگایا۔" ناجیہ نے شرلی آپا کو اندر آنے کا راستہ دیا اور خود گیٹ بند کرنے لگی۔

"طبیعت تو ٹھیک تھی آپا۔۔۔؟ کمزور سی لگتی ہیں"

شرلی آپا خاموشی سے برآمدے میں پڑی کرسی پہ ٹک گئیں۔ حال احوال کے جواب میں کچھ بولیں اور نہ خود سے کچھ پوچھا شکل سے واقعی بیمار محسوس ہو رہی تھیں۔ شرلی آپا نے ناجیہ سے ہاتھ کے اشارے سے پانی مانگا ناجیہ حیران سی پانی لینے چل دی واپس آکر گلاس تھمایا تو ہاتھ شرلی آپا کے ہاتھ سے ٹکرایا تبھی پھر بول اٹھی۔

"آپا! کیا بات ہے؟ بیمار ہیں آپ تو۔۔۔! ابھی بھی دیکھیے کیسے تپ رہی ہیں۔ کوئی پریشانی ہے تو مجھ سے کہیے پر کچھ بتائیے تو سہی۔" ناجیہ کو ان کی خاموشی سے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ اکثر جبھی اماں گھر نہ ہوتیں تو وہ ببلو کو بھیج کر شرلی آپا کو بلوا لیتی۔ دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ دکھ سکھ کا موقع مل جاتا اور پھر بھلا شرلی آپا بے چاری کو کام کے علاوہ اتنا منہ ہی کون لگاتا تھا۔۔۔!

"بس ناجیہ! پتا نہیں کیا بات ہے دل بہت بوجھل ہے۔ ابھی آپا کا ختم دلا کر فارغ ہوئی تو سوچا تم سے مل آؤں' پھر پتا نہیں کب۔۔۔"

"کیا مطلب آپا؟" ناجیہ نے بات کاٹ دی "کس کا ختم۔۔۔؟ کون سی آپا؟"

"میری آپا! اکلی اور کس کی' ایک ہی تو تھی اسی کا ختم" عجیب افسردگی سی چھائی تھی' شرلی آپا کے پورے وجود پر۔

"کب فوت ہوئیں اور آپ نے بتایا کیوں نہیں؟" ناجیہ ابھی تک حیرت زدہ تھی کبھی ذکر جو نہ سنا تھا شرلی آپا کے کسی رشتے دار کا۔

"آج دسواں دن تھا۔ تین ماہ پہلے اچانک اس کا فون آیا سخت بیمار تھی رو رو کر مجھ سے معافیاں مانگتی رہی۔ اپنے بچوں سے بھی بات کرائی اس کے بڑے بیٹے نے مجھے بتایا کہ اماں کو ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔ انہیں بڑی آرزو ہے آپ سے ملنے کی' پر آ نہیں سکتیں مجھے بلا رہا تھا پر تم تو جانتی ہو۔۔۔ میں تو کبھی ان گلیوں سے باہر ہی نہیں نکلی آزاد کشمیر کہاں جاتی۔۔۔ کیسے جاتی؟ اس لیے 10 دن پہلے آپا چلی گئی۔ دنیا ہی سے چلی گئی۔"

شرلی آپا کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرے اور ان کے مرجھائے' سانولے ہاتھوں میں جذب ہو گئے۔

"مجھے تو اپنے بہن بھائی کی شکل ہی بھول چکی تھی۔ مدت کے بچھڑوں نے نہ کبھی رابطہ کیا اور نہ ملنے کوئی آیا۔ ابا ہمارے تصویر کشی کے سخت خلاف' کسی ایک کی بھی تصویر ساری عمر نہ بن سکی کہ اسی کو دیکھ دیکھ ذہن تازہ رہتا۔۔۔ ہا!" ایک ٹوٹی سسکی سی ہنسی شرلی آپا کے لبوں سے خارج ہوئی۔

"اماں ہماری۔۔۔ اللہ انہیں کروٹ کروٹ راحت دے' کہا کرتی تھیں کہ جس کی ماں جلے گی اس کی جائی پہلے جلے گی' ماں کو تکلیف ہو تو بچوں پر بھی اثر پڑتا ہے۔ اسی لیے شاید آپا بھی دکھی ہی دنیا سے چلی گئی۔ زندگی میں ماں کی خبر نہ لی کبھی۔۔۔ یہی کہتی کہ میاں کرنے کو نہیں مانتا اور اماں ان کی بات مان لیتیں۔ مجھے تو میرے بھانجے سے ہی خبر ہوئی کہ بہنوئی ہمارے ساری عمر سعودیہ رہے اور خوب دھن کمایا آپا چھ ماہ سعودیہ اور چھ ماہ پاکستان رہتی اور پھر ایک مدت بعد ادھر ہی مستقل آگئی۔ اب سوچتی ہوں تو کہتی ہوں کہ کاش آپا! تم ایک آدھ بار اماں کی زندگی میں ہی آکر ان سے مل لیتیں تو یہ جو آج تمہارے بچوں کے منہ سے سنتی ہوں کہ اماں (آپا) کو نجانے کیا غم گھیرے رہتے تھے۔ آدھی آدھی رات تک برآمدے میں بیٹھ کر چاند تکا کرتیں۔۔۔ بھلا چاند پر بیٹھی چرخا کاتتی بڑھیا میں اماں کی شبیہ ہو سکتی تھی۔ ہاہ؟ چلو! پھر بھی شکر ہے!"

ایک تسلسل سے بولتی شرلی آپا نے گہرا سانس فضا کی سپرد کیا۔ ناجیہ کو وہ مخبوط الحواس لگ رہی تھیں

"اللہ نے آسانی کر دی۔ روگ کو زیادہ دیر بھوگنا نہیں پڑا اسے اور اماں کی لاڈو اماں ہی کے پاس چلی گئی۔" شرلی آپا یک ٹک سامنے کیاری میں لگے موتیے کے پودے کو تکنے لگیں تو ناجیہ کو ان کی ویران اور سپاٹ آنکھوں میں ٹھہرے آنسوؤں نے وحشت میں مبتلا کر دیا۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ موضوع کو کیسے بدلے۔ خود اس کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا سا پڑا تھا اس نے دھیرے سے بازو پھیلا کر شرلی آپا کو اپنے ساتھ لگایا تو نا چاہتے ہوئے بھی ناجیہ کی آنکھ سے آنسو ٹپک پڑا جو شرلی آپا کی نظروں سے چھپ نہ سکا اور وہ بولیں۔

"ارے! تم کیوں روتی ہو ناجیہ۔ اللہ تم کو کبھی نہ رلائے۔ ایک تم ہی تو ہو جس کی ذات سے میں نے ہر طرح کے رشتے کی لذت کشید کی ہے۔۔ بہن' بیٹی' دوست' ہمدرد اور خیر خواہ۔ اللہ تمہیں میرے حصے کی خوشیاں بھی دے دے اور پھر میرے لیے پریشان ہو کر تمہیں کیا ملے گا چندا۔۔۔؟ بس تم میرے لیے دعا کر دیا کرو کہ میرے دل میں ایک واحد خواہش جو حسرت بنتی جا رہی ہے' وہ پوری ہو جائے۔ میں تو خوش ہوں کہ میرے رب نے میرے لیے محرم کا بندوبست کر دیا۔"

ناجیہ نے ٹھٹک کر شرلی آپا کو دیکھا۔ وہ ان کی آخری بات پہ حیران تھی محرم؟ کیسا محرم؟ وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ شرلی آپا کو بھلا کیسا محرم مل گیا۔۔۔؟ کیا شرلی آپا نکاح؟ نہیں' نہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے بھلا؟

اس کی نوک زبان پر سوال مچل رہے تھے کہ اماں کی آمد نے انہیں بند باندھ دیا وہ بڑی دیر سے بازار کو نکلی ہوئی تھیں اور مصروفیت کے باعث ناجیہ نے شرلی آپا کو نہیں بلایا تھا۔ وہ تو خود ہی اچانک آگئیں' دل کا بوجھ ہلکا کرنے۔ اٹھے' پر اب ناجیہ کو پچھتاوا ہو رہا تھا کاش! وہ شرلی آپا کو یہاں سے غائب کر سکتی کیونکہ گیٹ سے

اندر داخل ہوتی اماں کے ماتھے کے بل جو شرلی آپا کی وہاں موجودگی کے سبب تھے، بخوبی گنے جاسکتے تھے اور ناجیہ کسی صورت نہیں چاہ رہی تھی کہ دکھے کو مزید کوئی دکھائے شرلی آپا پہلے سے ہی بہت آزردہ تھیں اور اماں کے تیر انہیں مزید گھائل کردیتے تو یہ سراسر ظلم تھا۔ ناجیہ نے اماں کے لیے جھٹ چارپائی ڈالی۔ شرلی آپا نے نظر اٹھا کر اماں کو دیکھا تو مسکرا کر سلام کیا۔ جس کا اماں نے سر کے اشارے سے جواب دیا یعنی جان چھڑائی تھی۔

"کیسی ہیں آپا.....؟ میں اصل میں آپ ہی سے ملنے آئی تھی۔ مجھے آپ سے کچھ کام.....!"

"نہ، نہ، نہ....." اماں نے شرلی آپا کی بات بے دردی سے ہاتھ جھٹک کر ٹوک دی۔

"میرے پاس کسی کام سے نہ آنا بی بی! میں تو خود نکو نک (ناک تک) پریشان ہوں آج کل۔ اگر پیسے دھیلے کو آئی ہو تو بھئی میرے تو دونوں ہاتھ خالی ہیں۔ ہمارے وقتوں میں بڑے کہا کرتے تھے کہ جس نے بیٹی دی اس نے رکھا کیا؟ پر اب بالکل الٹ ہے بانو.....! اب تو کہتے ہیں بیٹی چاہے چار مہینے اور رکھ لو، باقی جو ہے ہمارے گھروں میں سجا دو یہ تمہاری سگی۔" اماں کا طنزیہ اشارہ ناجیہ کی طرف تھا، جو شرلی آپا کو چور نظروں سے دیکھتی چور سی بن گئی "اس کی شادی میں گنتی کے مہینے ہیں۔ صرف تین ماہ کی بات ہے۔ روز کے روز ہزاروں بازار لے کر نکلتی ہوں اور واپسی پہ صرف رکشے کا کرایہ بچا کے آتی ہوں۔ اب ایسے میں، میں نمانی کسی کی مدد کیا کروں گی۔ دیکھ شرلی.....!" اماں نے ذرا کی ذرا سانس لیا، صرف ناجیہ کے ہاتھ میں کب سے دھرا پانی کا گلاس چڑھانے کو، جو وہ اماں کے آتے ہی بھر لائی تھی۔ پھر بولیں۔

"دیکھ شرلی! مجھے رقیہ بتارہی تھی کہ تو اس کے پاس بھی گئی تھی کمیٹی کے واسطے تونے چونکہ اس کو یہی بتایا کہ تجھے پیسوں کی ضرورت ہے پر رقیہ نے تجھے دو ماہ بعد کا وعدہ کیا ہے نا.....؟" اماں نے خاموش سر نیہوڑائے بیٹھی شرلی آپا سے پوچھا مگر جواب نہ پاکر دوبارہ گویا ہوئیں۔

"اس لیے تو میرے پاس چلی آئی جیسے میں تو نوٹ چھاپتی ہوں پر میں تو ایک نہ، سو سکھ والی بات پر عمل کرتی ہوں۔ وقت پہ تھوڑی سی بے مروتی دکھالی جائے تو انسان جھوٹے وعدوں اور دعووں سے بچ جاتا ہے۔ اس لیے تو کہیں اور سے پتا کرو لیے بھی تیرا تو وہ حساب ہے۔

"جگ کی ماں، جہان کی خالہ....." ایک بار پھر طنز ناجیہ نے دکھ سے آنکھیں موندلیں۔

"گھر گھر پھرتی ہے..... کہہ دیکھ کسی کو بھی!" شکر ہے اماں آخر چپ ہوئی تھیں۔ ناجیہ نے بے اختیار لمبی سانس خارج کی تھی۔ لیکن لگتا تھا کہ شرلی آپا تو سانس آہی نہیں رہا تھا سرے سے۔ کچھ دیر بوجھل سی خاموشی میں گزر گئی۔ اماں نے بھی اکتا کر اپنے پاس چارپائی پہ دھرے شاپر بلاوجہ کھنگالنے شروع کردیے۔ ناجیہ کو بھی شرلی آپا کے ردعمل کا انتظار تھا جو کہ یقیناً یہی ہوتا کہ وہ خاموشی سے سر جھکائے گھر سے نکل لیتیں لیکن ہوا اس کے برعکس۔

"آپا! میں آپ سے کچھ اور کہنے آئی تھی۔" اماں نے چونک کر سر اٹھایا۔ آنکھیں سکیڑ کر دیکھا جیسے جانچ رہی ہوں کہ اب کیا کہنے والی ہے۔

"آپا! اصل میں رقیہ آپا کے پاس میں واقعی گئی تھی، کمیٹی کی بات بھی کی تھی۔ مگر ان سے کچھ اور بھی پتا چلا....." شرلی نے اماں کو ایک نظر دیکھا اور تھوک نگل کر گلا تر کیا۔

"کیا..... کیا پتا چلا؟" اماں یکدم سیدھی ہوئیں اور بے اختیار پیروں کو دوبارہ چپل میں پھنسایا، جو بیٹھتے ہی اتاری تھی۔

"آپا! میری بات کا برا نہ مانیے گا۔ آپ کو میں نے ہمیشہ اپنی بڑی بہنوں جیسی عزت دی ہے۔ میں اگر آپ کے کسی کام آسکی تو یہ میرے لیے خوشی کی بات....."

"او بی بی! چھوڑو تمہیدیں اصل بات کرو۔" اماں کی بے چینی حد سے سوا تھی۔

"آپا مجھے رقیہ آپا نے بتایا کہ آپ کو ناجیہ کی شادی کے لیے ساٹھ، ستر ہزار کی ضرورت ہے۔ اسی لیے آپ ان کے پاس بھی گئی تھیں کہ قرض کی مد میں ان سے کچھ رقم مل سکے۔ آپا! میں جانتی ہوں کہ آپ سدا سے مروت کی ماری ہوئی ہیں، تبھی تو مجھ سے بات نہ کی لیکن میں آپ کو خود سے بے حد قریب جانتی ہوں۔ اسی لیے آپ کے پاس آئی ہوں کہ آپ مجھ سے یہ رقم لے لیجیے۔ ناجیہ تو ویسے ہی مجھے اپنی بچیوں کی طرح عزیز ہے۔ آپ نے ناحق ادھر ادھر سے پتا کیا..... آپ ایک دفعہ مجھ سے تو کہتیں ہمیں....."

"بس.....!" گرج دار آواز کے ساتھ اماں نے ہاتھ اٹھا کر شرلی آپا کی بات کاٹی تھی پل میں ان کا چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا تھا، مانو چٹکی لو تو خون رس پڑے۔ شدت اشتعال سے بدن ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ ناجیہ کو ڈر محسوس ہوا کہ اماں کوئی چیز اٹھا کر شرلی آپا کو نہ دے ماریں۔ ایک نظر ناجیہ نے شرلی آپا کو دیکھا تو ان کے چہرے پر ہنوز اطمینان تھا۔

"بس کر شرلی! تو آئی کیا کرنے ہے یہاں.....؟ ہے کون تو جو میری مدد کو آئی ہے.....؟ تو! جسے کوئی ایک سے دوسری بار بلانا پسند نہیں کرتا..... تو! جو جہاں دیکھتی ہے روٹی، وہیں دندناتی ہے چوٹی....."

"اماں..... بس کرو!" ناجیہ کرلائی۔

"چپ کر تو اور اندر دفع ہو۔" ناجیہ جس نے آگے بڑھ کر اماں کو اول فول بولنے سے روکنے کی کوشش کی، اسے اماں نے سختی سے جھاڑ دیا۔ شرلی آپا کا چہرہ ابھی بھی ان کے سینے سے لگا تھا۔ وہ اماں کی کسی بات کا ردعمل نہیں دے رہی تھیں۔ ناجیہ کے سائیں سائیں کرتے کانوں نے ایک بار پھر اماں کو بولتے سنا۔

"اور رقیہ کی خبر تو میں لوں گی۔ کم بخت! میری بات پیٹ میں بچا ہی نہیں سکی۔ ایسے ہی سیانے نہیں کہہ گئے "اڑی اڑی طاق پر جا بیٹھی....." غلطی ہو گی مجھ سے جو میں اس پر بھروسہ کر بیٹھی۔ میرا راز کس کے آگے کھول بیٹھی تو رقیہ.....!" اماں صدمے سے ہاتھ مل رہی تھیں جیسے معلوم نہیں اتنی بڑی کیا بات ہو گئی تھی.....! ناجیہ کے سر میں یکدم شدید درد شروع ہو گیا تھا۔ شرلی آپا کی زرد ہوتی رنگت اسے کسی انہونی کی خبر دے رہی تھی۔

"اٹھ جا شرلی! چل اپنا راستہ ناپ، مڑ کر پشت نہ دیکھیو.....! ابھی بانو کے اتنے برے دن نہیں شروع ہوئے کہ تجھ سے مدد لے گی۔ آج بھی میرا مردہ تیرے زندہ پر بھاری ہے۔ میں تیرے سب چلتر سمجھتی ہوں۔ تو ڈال ڈال ہے تو میں پات پات ہوں سمجھی؟ چل جا شکل گم کر دماغ پکا دیا میرا۔ ایک تو گرمی میں بازار میں کھپ کے آئی اوپر سے سو درے مارنے کو یہ جنابہ متھے لگ گئیں..... اونہہ..... اور سن لو تم بھی ذرا۔" اماں نے شہادت کی انگلی سے ناجیہ کے جھکے سر کو ٹھوکا دیا۔

"ماں کو بعد میں رو لینا، اٹھ کر ہانڈی روٹی کی فکر کرو ابا تمہارے آتے ہوں گے۔ اٹھو جلدی سے اب....." اور خود چارپائی پہ دھرے شاپر سمیٹتی، چپل گھسیٹتی اندر کمرے میں چلی گئیں۔ اماں کے جاتے ہی ناجیہ کے کب کے رکے آنسو بہہ نکلے اس کے پاس وہ لفظ ہی نہیں تھے جن سے وہ اماں کے خنجر سی کاٹ ایسے لفظوں کا ازالہ کرتی سو آنسو بہاتی رہی۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ شرلی آپا اسے ہی بے نقط سنادیں اس کا جملوں کی مار، مار کرتیا پانچا کردیں اور کچھ نہیں تو بے شک اس پر ہاتھ اٹھالیں کچھ بھی، کچھ بھی سہی!

مگر شرلی آپا کا ہاتھ اٹھا ضرور اور سرکتا ہوا ناجیہ کے سر پر ٹھہر گیا۔ اس ہاتھ کی ٹھنڈک ناجیہ کو اپنی ہڈیوں میں اترتی محسوس ہوئی۔ اس نے جھٹ سے شرلی آپا کا سر پر دھرا ہاتھ تھاما اور آنکھوں سے لگالیا۔ پھر چند لمحوں بعد اس کے ہاتھوں سے شرلی آپا کا ہاتھ پھسل گیا۔ کچھ توقف کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو شرلی آپا شرمناک اور اذیت ناک تازیانوں کا بوجھ اٹھائے ان کا گیٹ پار کررہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

دوپہر سے رات ہو گئی تھی۔ ناجیہ شرلی آپا کے جانے کے بعد جوں اندر کمرے میں بند ہوئی تو کسی

صورت نکل کے نہ دی۔ ابا دکان سے آئے بھائی اسکولوں سے لوٹے توان سب کو کالج سے تھکی ہاری لوٹی ہادیہ ہی کھانے پانی کو پوچھتی رہی۔ اماں ناجیہ کے تیور تو دیکھ رہی تھیں پر خاموش تھیں۔ عجیب سی بے چینی خود کے اندر پھریری بن کر دوڑ رہی تھی۔ سمجھ سے باہر تھا کہ دل کیوں اداس تھا۔ شاید اس لیے کہ ابا آئے تو اپنے سنگ آج بھی ناامیدی لائے۔ قرض کے لیے کسی نے امید نہیں دلائی تھی۔ اماں کو سمجھ نہیں آتا تھا کہ آخر کاہے کی بندش تھی۔۔۔ ابا کی ساکھ بازار میں اچھی تھی۔ ایک عالم ان کی ایمانداری اور راست گوئی کا گواہ تھا۔ پھر آخر چند ہزار کا قرض کیوں نہیں کوئی دے سکتا تھا۔۔۔؟

(اماں کے نزدیک 60'70 ہزار کی رقم بازار میں بیٹھنے والوں کے لیے بڑی رقم قطعاً "نہیں تھی)

پھر سارا دن بیت گیا تھا ناجیہ کی صورت دیکھے۔ چند مہینے کی مہمان تھی اور صبح سے بھوکی کمرے میں بند پڑی تھی۔ اماں کی جان اٹکی پڑی تھی کہ آخر کو ان کی چہیتی اور منتوں مرادوں کی اولاد تھی۔ منانا چاہتی نہیں تھیں کہ شرلی کا بھوت اترنا ان کے نزدیک مقدم تھا۔ لیکن کچھ تھا۔۔۔! کچھ تھا جو دل کو گراں گزر تا تھا۔

شرلی کا دل گرفتہ انداز اور دکھ سے چٹختا چہرہ۔۔۔؟

اپنا ہاتھ اٹھا اٹھا کر اس کو طعنے دینا' سالوں پرانی ہمسائیگی اور شرلی کا حسن سلوک۔۔۔!

کیا تھا۔۔۔ کیا تھا؟

اماں نے ہادیہ کو کہہ کر سر درد کی گولی منگوائی اور پانی سے نگل لی۔ صبح سے دسیوں بار ابا نے ناجیہ کا پوچھا پر اماں اس کی طبیعت کی خرابی کا بہانہ کیے ہوئے تھیں ہادیہ نے صحن میں سب کے بستر لگائے تو ایک دفعہ پھر ابا کو ناجیہ کی ہڑک لگی تو اماں نے کہہ دیا کہ۔۔۔

"رہنے دیں اسے اندر ہی۔ ایک طبیعت اچھی نہیں اور سے مچھروں میں اور نہ خراب ہو جائے۔"

ابا مطمئن تو نہیں ہوئے پر خاموشی سے لیٹ گئے۔ کرید کیا کرتے کہ کریدنے کو اور بہت سی پریشانیاں پڑی تھیں۔ گیارہ بجے کے بعد جب سب تھوڑے سوئے تھوڑے جاگے بستروں پر پڑے تھے تو اماں خاموشی سے اٹھیں اور اندر کمرے کا رخ کیا۔

ناجیہ کے کمرے کا دروازہ ہنوز بند تھا۔ خیال کیا کہ کنڈی چڑھائے بیٹھی ہے' کھٹکھٹایا تو ناحق سب کی نیند خراب ہو گی شور شرابے سے۔ واپس مڑنے کو تھیں کہ کچھ سوچ کر ہلکا سا دباؤ دروازے پر ڈالا۔۔۔ دروازہ بغیر رکاوٹ کے وا ہو اتھا۔

اماں نے ٹھنڈی سانس بھری اور دھیمے قدموں اندر کو بڑھ گئیں۔ ناجیہ بستر کی بجائے ننگے فرش پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اماں کی آمد پر اس نے ایک نظر اٹھا کر انہیں دیکھا پھر ذرا سا رخ پھیر لیا۔ اماں کے دل کو دھکا لگا تھا۔ بے تحاشا سوجی ہوئی آنکھیں اس کے بے تحاشا رونے کا پتا دے رہی تھیں۔ سارے چہرے پر رونے کی وجہ سے ہلکی ہلکی سوزش تھی۔ اماں چند قدم چلتی اس کے پاس آئیں اور وہیں فرش پر بیٹھ گئیں۔

"کیوں ناراض ہو۔۔۔؟" اماں نے ناجیہ کا گھٹنا ہلایا

"تمہارے ابا کب سے تمہیں پوچھ رہے تھے' بڑی مشکل سے ٹالا ہے۔ کیا کہوں کہ تم شرلی کے پیچھے ماں سے منہ بنا کر بیٹھی ہے آپ کی لاڈلی۔۔۔؟" نا چاہتے بھی اماں کے لہجے میں ہلکی سی تلخی در آئی۔

"بولو۔۔۔؟ جواب دو۔۔۔ کہو تو تم سے معافی مانگ لوں۔" پھر وہی طنزیہ لہجہ۔ ناجیہ نے تاسف سے اماں کو دیکھا اور بولی۔

"کیا مل جاتا ہے اماں آپ کو طنز کے تیر چلا کر۔ مجھ سے جو بھی کہیں میں آپ کی بیٹی ہوں۔ حق ہے آپ کا۔۔۔ پر کسی بے زبان اور بے بس کو زک پہنچانا کہاں کا اصول ہے۔ اماں زیادتی کر گئیں آپ۔۔۔ بڑی زیادتی۔" ایک دفعہ پھر ناجیہ کی آنکھیں چھلک گئی تھیں۔

"کاہے کی زیادتی لڑکی۔۔۔؟ اسے کیا ضرورت تھی ہمارے گھر کے کسی بھی معاملے میں بولنے کی؟ غصہ تو آنا تھا نا۔۔۔! میں تو کل رقیہ کی خبر بھی لوں گی' وہ ڈھول پیٹوں گی کہ عورتیں اس کے پاس کمیٹی ڈالنا چھوڑ دیں گی۔" اماں نے دانت کچکچائے' جیسے خالہ رقیہ کو دانتوں میں لیے بیٹھی ہوں۔

"مجھے نہیں پتا خالہ رقیہ نے شرلی آپا سے کیا کہا اور کیا نہیں۔۔۔ مگر کنگن والی بات میں نے ہی انہیں بتائی تھی۔ آپ کی اور ابا کی پریشانی نے مجھے ہراساں کر دیا تھا موتبھی ایک دن آپ کی غیر موجودگی میں شرلی آپا آئیں تو مجھے پریشان دیکھ کر کرید ڈالا۔ میں بھی بتائے بغیر نہ رہ سکی۔۔۔ مگر بخدا! اماں مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ آپ کو مدد کی پیشکش کر دیں گی میں تو بس۔۔۔!" ناجیہ بے بسی سے سر ہلا کر رہ گئی۔ جبکہ اماں نے اس کے کس کے چپت مار دی۔

"بے شرم! تو ہی میرے گھر کی لنکا ڈھانے والی بھیدی ہے حیا نہ آئی تمہیں؟"

اماں کو اب ناجیہ پر جی بھر کر غصہ آنے لگا تھا۔ "جو ہو گیا سو ہو گیا اماں۔۔۔ پر آپ نے جو شرلی آپا کے ساتھ کیا وہ بہت بڑی زیادتی ہے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کے دل میں بھی ملال کے بادل چھائے ہیں۔ زیادہ دیر تک آپ اپنے ضمیر کو پچھتانے سے نہیں روک سکیں گی اور اچھا ہو گا اگر آپ تلافی کر لیں اماں۔۔۔!" ناجیہ نے محبت سے اماں کا ہاتھ تھاما تھا جسے انہوں نے چھڑا ضرور لیا تھا مگر ان کی جھٹک زوردار نہیں تھی۔

"شرلی آپا کمزور ہیں اماں۔ جس کا دنیا میں کوئی نہ ہو وہ سب سے زیادہ کمزور اور بے ضرر ہوتا ہے۔ انہوں نے ہر ہر موقع پر آپ کی عزت کا خیال کیا ہے اماں! محض ایک کمیٹی والی بات کو لے کر ان سے متنفر ہونا ایسے ہی ہے جیسے آپ اپنی زندگی سے ایک بے ریا اور قدر دان انسان کو خود دھکے مار کر خارج کر دیں۔ وہ مظلوم ہیں اماں! اور دکھا دل عرش ہلا دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وقت کی طنابیں ہاتھوں سے پھسلنے سے پہلے بگڑی کو سنوار لیں ہم سب کو ایک یتیم' مسکین' بے بس' بے آیا اور تنہا عورت کی بددعاؤں کے حصار میں جانے سے بچا لیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ آپ برملا معافی مانگیں مگر آپ کا بہتر رویہ شرلی آپا کے تن مردہ میں جان ڈال دے گا اماں نہیں تو۔۔۔ نہیں تو' رب تو سب کا ہے اور اماں سیانے کہہ گئے ہیں۔ "چپ آدمی اور بندھے پانی سے ڈرنا چاہیے۔" پانی کا بند ٹوٹ جائے یا کمزور کی چپ' دونوں صورتوں میں تباہی ہی تباہی ہے۔ سوچیے اماں۔۔۔ سوچیے!"

ناجیہ گرم لوہے پہ چوٹ مار کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ کچھ دیر اماں کو کمرے میں اکیلا چھوڑنا بہتر تھا۔ کبھی کبھار درد کا احساس چوٹ مار کر بھی کرایا جاتا ہے۔

ناجیہ جانتی تھی کہ اس کی ماں بہت اچھی ہیں تو پھر شرلی آپا کے لیے اچھی کیوں نہیں؟ وہ سب سے محبت کرتی ہیں تو پھر شرلی آپا کے لیے نفرت کے سوتے کیوں پھوٹ پڑتے ہیں حالانکہ اپنے حالات کی پیش نظر وہ سب سے زیادہ محبت کے اور ہمدردی کے لائق تھیں۔ یہی اب اماں کو سوچنا تھا۔

☼ ☼ ☼

جاتے جاتے ہفتہ بیت گیا تھا۔ سب کچھ بظاہر معمول کے مطابق ہی تھا نہیں تھا تو اماں کا دل' اس کی دھڑکن ڈوب سی جاتی تھی' خدا کے خوف سے!

جس رات ناجیہ اماں کو کمرے میں چھوڑ کر صحن میں بچھے اپنے بستر پر آلیٹی تھی تو اسے امید تھی کہ صبح جس اماں کا سامنا وہ کرے گی ان کا دل شرلی آپا کی طرف سے شیشے کی مانند صاف ہو چکا ہو گا' جس میں کوئی بال نہ ہو گا۔

اماں کی متورم آنکھیں ان کے باطن کی صفائی کی گواہ تھیں مگر انہوں نے ناجیہ سے اس بابت کوئی بات نہیں کی تھی اور نہ ہی ناجیہ نے کریدا تھا۔ اماں اکثر کہا کرتی تھیں۔

"رات کا پیٹ بھاری ہوتا ہے۔" بہت سے عیب اور خرابیاں رات اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔ سو ایسی ہی ایک رات اماں پر اتری اور ان کی ذات کی چند کجیاں' خامیاں خود میں سمو کر بھاری پیٹ لیے بیت گئی۔

اور پھر ہفتہ بھی چٹکی بجاتے بیت گیا ناجیہ کی امید کہ اماں شرلی آپا کو بلا کر ان سے حسن اخلاق سے پیش آکر اپنے گزشتہ رویوں کی تلافی کر دیں گی۔ دم توڑ گئی۔

اور دوسری طرف اماں کی آس کہ شرلی اپنے آپ چلی آئے‘ انہیں بلانا نہ پڑے اور وہ گھر آئی کو سینے سے لگا کر ازالہ کر سکیں۔۔۔ پوری نہیں ہو رہی تھی۔

شرلی نہیں آئی! پورا ہفتہ بیت گیا اور وہ نہیں آئی تھی‘ یہ بات مقام حیرت تھی۔ اماں کی انا انہیں پہل کرنے نہیں دے رہی تھی۔ بے شک وہ اپنے ضمیر سے ہاری تھیں۔ مگر انا کو نہیں جھکنے دیا تھا یہ اور بات کہ ایک ہفتے سے ان کا دل کسی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔ نہ وہ بازار جا رہی تھیں نہ خالہ بلقیس کا فون اٹینڈ کرتی تھیں اور نہ دن میں دسیوں بار وہ ابا کے کان کھاتی تھیں کہ "پیسوں کا کیا بنا؟"

یہ احساس شدت کے ساتھ ان کے دل میں پنجے گاڑ بیٹھا تھا کہ وہ شرلی کے ساتھ بے حد غلط کرتی رہی ہیں اور کہیں اس کی بددعا ان کی دنیا اور آخرت نہ لے ڈوبے۔۔۔! شرلی کا اس بھری دنیا میں اکیلا اور بے یار و مددگار ہونا‘ ان کے حواسوں پر کبھی اتنا سوار نہیں ہوا تھا جتنا کہ ان چند دنوں میں۔

اور پھر شرلی تو نہیں آئی مگر اس کے بارے میں خبر آ گئی۔ یہ بات اس قصے کے بارہ دن بعد کی تھی جب صبح گیارہ بجے کے قریب رقیہ خالہ بھاگی چلی آئیں۔ آتے ہی دم بھی نہ لیا اور پشت پھیرے پرات میں آٹا نکالتی اماں کے سر پر پہنچ کر اپنی پاٹ دار آواز میں بولیں۔

"اے بانو! شرلی چلی گئی۔" اور اماں کے ہاتھ سے آٹے سے بھری پرات چھوٹتے چھوٹتے بچی۔

"کہاں! کہاں چلی گئی؟" اماں کی آواز میں واضح کپکپاہٹ تھی۔

"ملتان اور کہاں؟" کہہ کر خالہ رقیہ آرام سے پیڑھے پہ بیٹھ گئیں۔ اماں نے بے ساختہ جھرجھری لی تھی۔ جو خیال یکدم ان کے دل میں آیا تھا اس نے تو انہیں سرتاپا پسینے میں بھگو دیا تھا۔

"ملتان بھلا کس کے پاس گئی ہے شرلی؟ اس کا تو کوئی بھی قریبی رشتے دار نہیں‘ پھر بھلا کہاں اور کیوں چلی گئی اور واپسی کا کیا کہہ کر گئی ہے؟" پہلے ہی اماں کو اتنے دن سے شرلی آپا کا نہ آنے کا قلق کھائے جا رہا تھا اب ان کے یکدم چلے جانے سے اس میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ ازالے کی فکر نے پھر سے ان کے دل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

"آئے ہائے! سانس بھی تو نکال بانو‘ بولے جا رہی ہے بس! پوچھے جا رہی ہے بس!" خالہ رقیہ کو ہمیشہ سے یہ لگتا تھا کہ دنیا بہت بولتی ہے‘ ماسوائے خود ان کے۔

"اس کا بھانجا آیا تھا رات بارہ بجے‘ ساری رات ضروری سامان اکٹھا کرنے میں اور باقی گھر کا سامان ایک کمرے میں اکٹھا کرنے میں لگی ہے دونوں کی اور پھر صبح ہوتے ہی شرلی کی رپورٹیں پکڑیں اور نکل لیا گیارہ بجے کی گاڑی سے۔"

"کیسی رپورٹیں۔۔۔ رقیہ؟" اماں کو شدید اچنبھا ہوا تھا‘ شاید اپنی بے خبری پر۔

"ہائیں!۔۔۔ اے بانو ساری دنیا کو خبر ہو گئی تو کاہے انجان رہ گئی؟ اور مجھے تو شرلی نے کہا تھا کہ بانو آپا کو میرے حال کی سب خبر ہے‘ جب کی بیمار پڑی ہوں‘ رات کا کھانا بھجوا دیتی ہیں۔ روز ہیلو کو بھیج دیتی ہیں میری خبر گیری کو۔۔۔ اور تم کہہ رہی ہو کیسی رپورٹیں؟ ارے ہفتہ ڈیڑھ پہلے میرے راحیل کے ساتھ ہی تو گئی تھی میو ہسپتال۔۔۔ تجھے تو پتا ہے میرے گھر راج مستری لگے ہوئے ہیں‘ پچھلے کمرے پکے کروا رہی ہوں نا۔۔۔ اس لیے میں بچیوں کو گھر اکیلا چھوڑ کر اس کے ساتھ نہیں جا سکتی تھی۔ پر واپسی پہ راحیل نے مجھے پوری تفصیل سے اس کا مرض بتایا تھا۔ ڈاکٹروں کے مطابق اس کا دل بڑھ گیا ہے‘ ایک پھیپھڑا تو مانو گل چکا ہے اور دوسرا صرف %10 کام کر رہا ہے۔ جگر ہے تو وہ بھی ختم ہی سمجھو۔۔۔! دو دن ہو گئے تھے بے چاری کو تھوک میں خون آنے لگا تھا۔ اس کا بھانجا بڑی اچھی نوکری پہ لگا ہے ملتان اور وہیں پورے ٹبر کو لے کر سیٹ ہو چکا ہے۔ میرے گھر کے ٹیلی فون پر ہی اکثر فون آتے تھے اس کے‘ شرلی کی خیریت پتا کرنے کے لیے دو دن پہلے بھی آیا تھا تو میں نے جھٹ شرلی کی ساری حالت کہہ سنائی‘ پانچ منٹ تک شرلی میرے گھر پہنچی تو اس کے بھانجے نے کچھ بھی کہے سنے بغیر اسے

تیار رہنے کا کہہ دیا کہ دو دن تک وہ اسے آ کر لے جائے گا۔ میں تو کہتی ہوں بانو! کہ بہت اچھا ہو گیا تجھے ایک اندر کی بات بتاؤں؟" خالہ رقیہ کھسک کر اماں سے قریب ہوئی تھیں جبکہ اماں کے اندر تو خالہ کی اتنی لمبی تفصیل نے لمبے لمبے کانٹے اگا دیے تھے۔ پچھتاوے کے کانٹے!

"مجھے راحیل نے بتایا ہے کہ شرلی کے بچنے کی امید بہت کم ہے۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ اندر بالکل کھوکھلا ہو چکا ہے اس کا‘ بس سمجھو سانسیں ہی ہیں جو پوری کرنی ہیں اور مرض بھی کوئی آج کا نہیں ہے برسوں سے پل رہا تھا اندر‘ ان چند دنوں میں بڑا زور پکڑ گیا تبھی ڈاکٹر کو دکھانا پڑا ورنہ شرلی نے تو ابھی بھی کسی کو نہیں بتانا تھا۔ نمانی! پتا نہیں کب سے سہے جا رہی تھی۔ ساری عمر دوسروں کے کام آئی شاید اسی کے صلے میں اللہ نے آخری ویلے منہ میں گھونٹ پانی ٹپکانے کے واسطے بھانجے کو وسیلہ بنا دیا۔ ویسے بانو! آپس کی بات ہے کہ یہ جو شرلی نے کمیٹیاں ڈال ڈال پیسے جوڑ رکھے تھے‘ ان کا کیا کرے گی؟" رقیہ خالہ بھنویں اچکاتی پر تجسس لہجے میں اماں سے پوچھتی بالکل ہونق لگ رہی تھیں۔

"تھوڑی دیر پہلے رہ رہ کر شرلی آپا کا درد اٹھ رہا تھا اور اب شرلی آپا کے پیسوں کا۔" اماں اور رقیہ خالہ کے عقب میں کب سے چپ کھڑی ناجیہ نے تاسف سے سوچا تھا جبکہ اماں کا دل ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا اور ابھر ابھر کر ڈوب رہا تھا۔ کیا تھا یا اللہ۔۔۔! جو شخص چند دن شرلی مزید رک جاتی تو کم از کم میں معافی تو مانگ لیتی۔ ایک دفعہ اس کا دل اپنی طرف سے صاف کر لیتی تو ساری عمر کے لیے یہ خلش میرے وجود کا حصہ نہ بنتی اور۔۔۔ اور اگر اب کبھی بھی شرلی واپس نہ آئی تو۔۔۔ مجھے معاف کیے بنا اس کی سانسیں پوری ہو گئیں تو۔۔۔

"تو کیا۔۔۔! تو یہ کہ ایک یتیم‘ مسکین‘ تنہا‘ بے بس اور لاچار عورت کا پرخلوص دل دکھانے کے نتیجے میں اللہ کی شدید ناراضی اور آخرت کی خرابی۔" کوئی چیخ کر اماں کے اندر سے پکار رہا تھا۔

"کبھی ایک نیکی گناہوں کو خزاں رسیدہ پتوں کی طرح اعمال کے درخت سے جھاڑ دیتی ہے اور کبھی ایک گناہ کی تپش نیکیوں کو سوکھی لکڑی کی طرح نگل جاتی ہے۔۔۔! بس اتنی سی بات ہے۔"

اماں کے بے آواز گرتے آنسوؤں کو خالہ رقیہ‘ شرلی آپا کی بیماری کا غم جان کر۔۔۔ انہیں دلاسا دے رہی تھیں اور ناجیہ تھکے تھکے قدموں سے سسکتی ہوئی‘ شرلی آپا کے آخری لمحات کی اور اماں کی آخرت کی آسانی کی دعا مانگتی پلٹ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اور پھر دو حادثات اوپر تلے‘ ایک ہی دن میں وقفے سے رونما ہوئے۔

صبح صبح عین ناشتے کے ٹائم خالہ بلقیس اور خالو باقر چلے آئے۔ دونوں کے چہروں سے پشیمانی صاف ظاہر تھی اور اماں‘ ابا کے چہروں پہ حیرانی ہی حیرانی تھی۔۔۔! وقت کا پھیر تھا یا پریشان دلوں کی دعائیں! کہ خالہ بلقیس اندر داخل ہوتے ہی‘ ناشتا کرتی اماں کے پیروں کو پکڑ چھکوں پھکوں رونا شروع ہو گئیں تو جھٹکے سے اماں کی انگلیوں میں دبا پراٹھے کا نوالہ اچار سمیت خالہ کے سر سے ٹکراتا ان کی گود میں استراحت فرمانے لگا۔ خالو باقر بھی شرمندہ شرمندہ سے ابا کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئے۔ باقی بچہ پارٹی کو ہیلو ہانک کر باہر لے گیا جب کہ ناجیہ اور ہادیہ ہاتھ لگے برتن سمیٹتی۔۔۔ کھسک گئیں۔

کچھ وقفے کے بعد اماں نے خالہ بلقیس کی گود میں دھرا نوالہ اٹھایا اور اسے تپائی پر رکھ کر پھر خالہ کو بازوؤں سے اٹھا کر موڑھے پر بٹھایا‘ ہاتھ میں ہاتھ دھر کر دھیرے سے دبایا۔۔۔!

"مجھے معاف کر دیں آپا! میں نے آپ کا دل دکھایا۔۔۔ اللہ کے لیے مجھے معاف کر دیں۔ کچھ اندر کا لالچ اور کچھ "شریکوں" کا سکھایا پڑھایا مجھے لے ڈوبا۔ یقین کرنا! آپا! میں اپنے ہی گھر میں مجرم بن کر رہ گئی ہوں۔ میرا بچہ خاور جیسے مرجھا کر رہ گیا ہے اور۔۔۔ اور یہ۔" خالہ بلقیس نے خالو کی طرف اشارہ کیا اور ناک چڑھا کر

بولیں۔

"یہ۔۔۔ ان کو تو جیسے پتا نہیں کون کون سے بدلے لینے یاد آئے ہیں مجھ سے وہ، وہ طنز مارتے ہیں آپا کہ سوکن، سوکن کو نہ مارے۔۔۔ اوپر سے میں آپ کو ناراض کر بیٹھی، جس سے سب دکھ درد کہتی تھی۔ میں تو اکیلی پڑ گئی آپا۔۔۔ بالکل اکیلی! بھاڑ میں گیا کنگن "آگ لگے ایسے سونے کو، جس نے میرا راتوں کو سونا حرام کر دیا تھا۔۔۔ بس آپا! آپ معاف کر دیں مجھے، مجھے آپ کی بنی چاہیے اور کچھ نہیں۔۔۔ ہاں پرانی والی آپا بھی لوٹا دیں مجھے۔" اتنا کہہ کر خالہ بلقیس یوں بلک کر روئیں کہ اماں سے بھی نہ ضبط ہو سکا۔ جھپٹ کر سینے سے لگایا اور پھر دونوں کو یوں روتا دیکھ کر ابا اور خالو ضبط نہ کر سکے۔۔۔ اپنے قہقہے!

آسودگی نے یکدم ہی پورے ماحول پر اپنی چادر تانی تھی۔ بدگمانی کے بادل چھٹے تو ہر چیز ہی نکھری نکھری سی نظر آنے لگی۔ کچن میں کھڑی ناجیہ اور ہادیہ نے جب قہقہوں کی آوازیں سنیں تو یکدم زور سے ایک دوسرے کے گلے آ لگیں۔ جوش جذبات میں ہادیہ نے ناجیہ کو ہاتھوں سے تھام کر کچن میں گول گول چکر دینا شروع کر دیے مگر تیسرے چکر میں ہی ناجیہ کے ہاتھ ہادیہ کے ہاتھوں سے چھوٹ گئے اور وہ محترمہ لہراتی ہوئی کاؤنٹر پر دھرے ناشتے کے برتنوں پر جا پڑیں۔۔۔

ڈھیر سارے برتن ٹوٹنے کی آوازیں اور ڈھیر ساری ہنسی کی آوازیں بیک وقت اس گھر میں جاگ اٹھیں۔ رشتوں میں مادہ پرستی نہ ہو تو زندگی بہت سہل ہو جاتی ہے۔۔۔ یہ بھی سیانے کہہ گئے ہیں!

☼ ☼ ☼

شام کے سائے ابھی گہرے ہونے شروع نہیں ہوئے تھے جب ناجیہ کپڑے دھو کر فارغ ہوئی تھی۔ خالہ اور خالو کے جانے کے بعد اس نے جھٹ مشین لگالی تھی، حالانکہ آج ہادیہ کی باری تھی مگر بڑی بہن مہربان ہو رہی تھی تو ہادیہ کو کیا پڑی تھی کہ اس سڑی گرمی میں کپڑے دھوتی۔

اور اب نہانے کے بعد سکون سے ناجیہ دھلے دھلائے صحن کے برآمدے میں کرسی پہ ٹانگیں اوپر سمیٹے بیٹھی تھی۔ آسمان پہ اڑتے پرندوں کی ٹولیاں اس کا دھیان اپنی اور کھینچ رہی تھیں، دیوار پر بیٹھا کالا کوا کائیں کائیں کرتا بڑا بھلا لگ رہا تھا۔ آسمان پر چھائی بدلیاں دل کو اٹکھیلیاں کرنے پر مجبور کرتی ہوا کے زور پر اڑے چلے جا رہی تھیں۔ دل خوش ہو تو ہر چیز خوش کن محسوس ہوتی ہے۔ اتنے دنوں سے دل اور ماحول پر چھائی مردنی آپوں آپ کہیں منہ چھپائے جا پڑی تھی۔ ناجیہ انہی سوچوں میں گم سامنے کیاری پہ نظر ٹکائے مسکرائے جا رہی تھی کہ یکدم سوچوں کا رخ شرلی آپا کی طرف مڑ گیا ساری خوشی پل بھر میں کافور ہو گئی۔

"پتا نہیں! کیسی ہوں گی شرلی آپا۔۔۔ کوئی خیر خبر بھی نہیں۔ ادھر ہوتیں تو اس کایا پلٹ پر کتنی خوش ہوتیں۔ انہیں کیسے خبر پہنچاؤں کہ خالہ بلقیس نے اپنی مانگ واپس لے لی ہے۔۔۔ !کاش "کاش! اماں کی ایک دفعہ ملاقات ہو جاتی شرلی آپا سے۔۔۔ کاش! شرلی آپا اپنا دل اماں کی طرف سے صاف کر کے جاتیں۔۔۔ سانسوں کا کیا بھروسہ "آج آئے کل نہ آئے۔"

اماں کس وقت اس کے قریب آ بیٹھی تھیں، ناجیہ کو خبر بھی نہ ہو سکی۔ اس قدر شرلی آپا یکدم اس کے حواسوں پر سوار ہوئی تھیں۔ اماں نے ہاتھ میں پکڑی تسبیح ہولے سے اس کے گھٹنے پہ جھٹکی تو ناجیہ نے چونک کر اماں کو دیکھا۔ چند لمحے غائب دماغی سے دیکھتے رہنے کے بعد دھیمے سے مسکرا دی۔ اماں نے سر جھکا کر تسبیح کے چند دانے گرائے اور بولیں۔

"شرلی کو یاد کر رہی ہو نا۔۔۔! میں تم سے سچ کہوں۔۔۔ تو میں بھی اسے بہت یاد کرتی ہوں اور میں کیا پورا محلہ شرلی کے گن گاتا ہے آج کل۔ جسے دیکھو شرلی کی کمی کا رونا رو رہا ہے۔ ایک شرلی کیسے سارے محلے میں چکر کھاتی، اوروں کے کام نپٹاتی تھی۔۔۔ ان محلے داروں کو مدتوں بعد آج احساس ہو رہا ہے مجھ سمیت۔۔۔!" اماں نے جیسے اعتراف جرم کیا تھا۔ ناجیہ کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر اس کے دوپٹے میں جذب ہو گئے۔ اماں نے دکھ سے اسے دیکھا اور بولیں۔

"ناجیہ! میری بچی میں خود بڑی پشیمان ہوں ہاتھ ملتی ہوں کہ کاش! گیا وقت لوٹ آئے۔۔۔ کاش! کہ میں اسے کہہ سکوں کہ میں اسے ویسا ہرگز نہیں سمجھتی جیسا کہہ بیٹھی تھی غصے میں پر۔۔۔ پر وہ پلٹے تو سہی۔ میں سچ میں شرمندہ ہوں ناجیہ۔۔۔ کیسے کہوں شرلی کو۔۔۔ کیسے؟"

اماں کا صبر جواب دے گیا اور آج وہ اپنے کیے کے پیچھے سچ میں رو رہی تھیں۔ ان کے تیزی سے گرتے آنسو ان کی ندامت کے گواہ تھے۔ ناجیہ نے ان کے ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامے اور آنکھوں سے لگائے۔ وہ انہیں تسلی دیتی تو کیا دیتی۔۔۔؟ بس انتظار کر سکتی تھی شرلی آپا کا۔ اسی اثنا میں کسی نے ہلکے ہاتھ سے گیٹ بجایا تھا۔ کافی دنوں سے بیل خراب تھی اور اسے ٹھیک کروانے کے آثار فی الحال معدوم تھے سو سب ہی ہاتھوں سے کام چلاتے تھے اور گیٹ دھڑ دھڑاتے تھے۔

اماں دوپٹے کے پلو سے آنکھیں پونچھتی، تسبیح کو ستون کے ساتھ ٹنگے منی پلانٹ کی نازک سی ٹہنی پہ ٹانکتی "گیٹ کی طرف چل دیں۔۔۔ باہر کھڑا تیس پینتیس سالہ مرد اماں کے لیے قطعاً "انجان تھا۔ سلام کا جواب دینے کے بعد اماں نے اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھا جیسے تعارف چاہ رہی ہوں۔

"جی میں دانش!۔۔۔ شکیلہ خالہ کا بھانجا۔" اس مرد نے اپنا تعارف کرایا۔

"شکیلہ؟ کون شکیلہ؟" اماں قطعاً "پہچان نہیں پائیں۔

"خالہ شرلی! جی میں ان کا بھانجا ہوں۔" اب کے اس مرد نے قدرے جھینپ کر اپنا تعارف دوبارہ کرایا جو فٹ سے اماں کو سمجھ آیا۔ سو وہ چہک ہی اٹھیں۔

"ارے۔۔۔ ارے شرلی کے بھانجے ہو! آؤ آؤ اندر آؤ۔ اصل میں میاں، تمہاری خالہ شکیلہ اس محلے کی بیٹی ہے۔ یہیں عمر بیتی ہے اس کی، سبھی شرلی کے نام سے جانتے ہیں۔ اصل نام تو کسی کو یاد بھی نہیں۔" اماں نے پیچھے ہٹتے ہوئے آپا شرلی کے بھانجے کو اندر آنے کا راستہ دیا اور خود گیٹ بند کرتی واپس پلٹیں۔ ناجیہ انجان آدمی کے ساتھ اماں کو اندر آتا دیکھ جھٹ کھڑی ہوئی۔ اماں نے تعارف کروا کر اسے چائے پانی کے لیے اندر کچن میں بھیجا اور خود دانش کو لیے وہیں برآمدے میں براجمان ہو گئیں۔

"برا مت ماننا بیٹا! میں پہچان نہیں پائی تھی۔ اصل میں کبھی شرلی کے رشتے داروں کو دیکھا ہی نہیں تھا۔۔۔ اور سناؤ؟ گھر میں سب خیریت ہے۔۔۔؟ شرلی کہاں ہے ساتھ کیوں نہیں آئی۔۔۔؟ طبیعت کا کیا کہتے ہیں ڈاکٹر؟"

اماں کے اتنے سوالوں کے جواب میں دانش خالی نظروں سے اماں کو دیکھ کر رہ گیا اور اس کی نظروں کے خالی پن کو دیکھ کر اماں دہل کر رہ گئیں۔ کچھ انہونی ہو گئی تھی۔۔۔! اس کی گواہی اماں کے دل نے دی تھی۔

"بیٹا! کچھ کہو تو سہی۔۔۔ خیر سے تو آئے ہو نا؟" اماں کی آواز کانپ رہی تھی۔ زبان یکدم خشک سی ہو گئی تھی۔

"خالہ مر گئیں!" دانش کے منہ سے نکلے اس چھوٹے سے فقرے نے بم پھوڑا تھا جیسے، کچن کے جالی والے دروازے سے جھانکتی ناجیہ کے ہاتھ سے اسٹیل کی کیتلی چھوٹ کر بھرپور آواز پیدا کرتی کچن میں لوٹنیاں لگانے لگی اماں کی گھٹی گھٹی سی چیخیں اس کے کان صاف سن رہے تھے۔ اماں کو اس وقت اس کی ضرورت تھی، وہ جھٹ دروازہ کھولتی باہر نکل آئی اور اماں کے کندھے سہلانے لگی۔ دانش نے نظر نہیں اٹھائی تھی۔ وہ تو جیسے روبوٹ بنا بیٹھا تھا بے تاثر اور سپاٹ۔

نہ جانے کتنا وقت، کتنے لمحے بیتے، جب اماں نے ہی کچھ بولنے میں پہل کی تھی۔

"کب؟ کب مری شرلی؟ کتنے دن ہوئے؟"

"جس دن یہاں سے لے کر گیا تھا، اس کے تین دن بعد۔ آج پورے دس دن ہو گئے میں صرف خالہ کا

آخری پیغام آپ تک پہنچانے کے لیے آیا ہوں۔"
سپاٹ لہجے میں بات کرتا وہ اپنے ہاتھ میں تھامے چھوٹے سے چرمی بیگ کی زپ کھولنے لگا۔ ناجیہ اور اماں حیرت سے اس کی تمام کارروائی دیکھنے لگیں طرح طرح کے خیالات شرلی آپا کے آخری پیغام کو لے کر دونوں کے دماغ میں چکرانے لگے۔ ناجیہ نے قدموں کی چاپ پر پیچھے مڑ کر دیکھا تو ہادیہ کھڑی تھی۔ جو یقیناً" باتوں کی آوازیں سن کر باہر آئی تھی۔ صد شکر کہ ابا اور چھوٹے بھائی گھر پر نہیں تھے' نہیں تو اماں کو کم از کم ابا کو ضرور طرح طرح کی تاویلیں دینی پڑتیں دانش نے اس بیگ میں سے ایک چھوٹا سا جیولری کیس نکالا اور ساتھ ہی ایک خط کا لفافہ بھی جو دیکھنے میں خاصا بھاری بھر کم لگ رہا تھا۔

ایک سادہ سی نظر تینوں کے چہرے پر ڈالی اور جیولری کیس کو رکھ کر لفافہ کھولنے لگا۔ ایک خط نکال کر اس نے لفافہ بند کیا جس میں ابھی بھی کچھ موجود تھا' پھر اس لفافے کو بھی کیس کے ہمراہ پھنسا کر خط کھولنے لگا۔

"آپ خود پڑھیں گی۔۔۔ یا میں پڑھ دوں؟" میرا خیال ہے میں ہی پڑھ دیتا ہوں۔" اس نے اماں کی طرف خط بڑھاتے ہوئے کہا تھا مگر کچھ سوچ کر ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ چند لمحوں بعد اس کی آواز پورے صحن میں چکرا رہی تھی۔

باقی سب کی تو شاید سانسیں بھی ٹھہر گئی تھیں۔

"بہت بہت پیاری بانو آپا!

ڈھیر سارا سلام اور پیار۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو' آپ کے بچوں کی ڈھیروں خوشیاں دیکھنی نصیب کرے۔ میری بہت خواہش تھی کہ ناجیہ کا بیاہ دیکھوں' اس کی رخصتی کا منظر دیکھوں اور اسے اپنے گھر میں شاد دیکھوں۔ مگر آپا! زندگی' موت کا سگنل دینے لگی ہے۔ ہولناک اور گہرے اندھیروں کی چاپ سنائی دینے لگی ہے۔ مجھے لگتا ہے آپا کہ بس چل چلاؤ ہے۔ جانا تو سب ہی نے ہے۔ وہ کہتے ہیں نا۔

"جو دھرتی پہ آیا اسے دھرتی نے کھایا۔"

سو میں کم ذات کون؟ کہ خود کو رزق خاک ہونے سے روک سکوں۔

آپا! مجھے ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔ پر میرا بھانجا مجھے زبردستی ملتان لے آیا ہے کہ میرا علاج کرائے گا۔ پگلا ہے! مجھے تو مدت ہوئی لاعلاج ہوئے عرصہ ہوا تنہائی کا روگ بھوگ رہی ہوں۔ اب تو لوگوں کے جھرمٹ میں دل نہیں لگتا۔ اسی لیے تو شرلی سارے محلے میں پھرا کرتی تھی' ایک جگہ ٹک پاتی تو بجھ جاتی۔ دل لگانے کا آسرا ڈھونڈا کرتی تھی اور آپ ہی لوگوں کی وجہ سے تو دل لگا رہا میرا' وگرنہ آپا کس کا جی کرتا ہے اٹھتے جوتی بیٹھتے لات کھانے کو۔۔۔؟

یہ مت پوچھیے گا آپا! کہ آپ کو آپ کی بات لوٹا رہی ہوں۔۔۔ سچ ہی تو کہا تھا آپ نے! لوگوں نے واقعی میرے ساتھ کچھ ایسا ہی کیا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ سب کے دلوں میں اپنے لیے جگہ بنالوں' لوگوں کے کام آؤں گی تو سب میرے اپنے بن جائیں گے۔ مگر میں یہ بھول گئی تھی کہ اکیلی عورت ڈال سے ٹوٹا پات ہے جسے کوئی بھی اٹھا کر گھر میں نہیں سجاتا۔

اب آجائیے اصل بات کی طرف۔ ناجیہ! میری دوست' ہمدرد' خیر خواہ اور میری سب سے قریب ہستی ہے۔ وہ بھی اسی محلے کی باسی ہے مگر بہت مختلف اور بہت شفاف' اس نے میری ہمدردی کے نتیجے میں ہمیشہ آپ کی ناراضی مول لی' پر مجھ سے متنفر نہیں ہو سکی اسے مجھ سے محبت ہے یا انسیت' نہیں معلوم۔ مگر جو بھی ہے بے لوث ہے۔ اس کے پرخلوص دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہی میں نے اپنا ہر دکھ درد اور خوشی اسی سے کہی سنی ہے۔

پیاری آپا! ملتان جانے سے پہلے جب میں آخری دفعہ آپ کے گھر آئی تھی تو آپ کی مدد کے خیال سے ہی آئی تھی۔ چند دن پہلے ہی ناجیہ نے مجھ سے آپ کی پریشانی کا تذکرہ کیا تھا۔ اس بات کے ٹھیک اگلے دن مجھے اپنی بڑی بہن کے مرنے کی اطلاع آگئی۔ میرا آخری رشتہ بھی مجھ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور ہو گیا (خیر! اب تو ملنے کی گھڑی قریب ہے) بھیا تو نہ جانے کب کا مر کھپ گیا یا زندہ ہے' کچھ نہیں معلوم! ویسے بھی اسے اماں نے اپنی زندگی میں ہی مرا ہوا جان لیا تھا!

آپا سے میرا چند ماہ قبل ہی رابطہ ہو سکا تھا۔ میں پتا نہیں خوش تھی یا نہیں مگر یہ احساس ضرور جاگا تھا کہ میں بھری دنیا میں تنہا نہیں پھر آپا بھی مر گئی۔ میرے بھانجے دانش نے مجھے بہت حوصلہ دیا۔ (اسے کیا خبر کہ مجھے عرصے سے صبر قبل از مرگ کی عادت ہے' میں نے ہر مرنے والے پہ اس کے مرنے سے پہلے صبر کیا ہے' کبھی تو خود زندہ ہوں)

دانش کے مسلسل رابطے سے میں بہت خوش تھی۔ مجھے اپنی دیرینہ خواہش پوری ہوتی نظر آرہی تھی مجھے "محرم" مل رہا تھا اور کیا چاہیے تھا؟

حیران ہو رہی ہیں نا۔۔۔؟ مت ہوں! آج اس راز سے پردہ اٹھا رہی ہوں آپ کے آگے۔ ہمارے محلے کی بہت سی عورتوں کو میرے بارے میں یہ تجسس تھا کہ میں کمیٹیاں کیوں ڈالتی ہوں؟ آخر ان پیسوں کا میں کیا کرتی ہوں؟ نہ میرا کوئی بال بچہ نہ گھرداری کے مسائل! پھر ایسی کون سی ضرورت تھی جو مجھے پیسہ پیسہ جوڑنے پہ مجبور کرتی تھی۔۔۔؟ اللہ کے گھر کی چاہ مدینے پاک کی زیارت' روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار! ہاں آپا! اسی چاہ نے میری سانس سے سانس جوڑے رکھی اور اسی چاہ نے مجھ سے پیسہ پیسہ جڑوایا۔ میں اکیلی تھی' راتیں تنہا اور ویران تھیں۔ ان کی تاریکی مجھے ڈراتی تھی۔ پھر میرے اللہ نے انہی تاریکیوں میں میرے لیے روشنیوں کے اسباب پیدا کردیے۔ میرے دل میں اپنی چاہ ڈال دی۔ وہ راتیں جو ڈر کے مارے جاگ کے گزرتی تھیں' وہ اللہ کی یاد میں جاگ کر گزارنے لگیں۔

میرے دل میں شدت سے اللہ کا گھر دیکھنے کی چاہ پیدا ہوئی۔ میں دیوانی ہوتی گئی۔ میرا دیوانہ پن جنون کو چھونے لگا تو میں رو رو کر اپنے رب سے وسیلے کی دعا مانگنے لگی۔ میرا مسئلہ "محرم" تھا۔ شوہر ہے نہیں' بہن رہا نہیں تو میرا محرم کون بنتا۔۔۔؟

سب سے پہلے میں نے نکڑ والے اچھوپان شاپ والے سے رابطہ کیا۔ آج آپ کو بتاتی چلوں کہ اچھو کا بڑا بیٹا میرا رضاعی بھائی ہے۔ اس کی ماں کی شدید بیماری میں میری اماں نے اسے دودھ پلایا تھا۔ اس کی ماں کا میری اماں سے سالوں سے بہناپا چلا آرہا تھا۔ بچے کو اوپر کا دودھ پچتا نہیں تھا تو اماں نے اسے اپنا دودھ پلا کر اسے رضاعی بیٹا بنالیا۔

ان دونوں میں بھی 6 ماہ کی تھی۔۔۔ میں نے اسی اچھوپان شاپ والے کے بیٹے رفیق کو پاسپورٹ کا کہہ رکھا تھا۔ اس کو میں نے محرم کے طور پر ساتھ چلنے کو کہا تو رو دیا کہنے لگا۔

"شرلی! کھانے کو پیسے نہیں' اللہ کا گھر دیکھنے کیسے جاؤں۔۔۔؟"

اور میں خاموش ہو رہی۔

پھر میرے اللہ نے مجھے دانش سے ملادیا۔ اس کے مسلسل رابطے نے مجھے آس دلادی کہ میں ضرور اس کے ہمراہ حاضری کے لیے جاسکوں گی۔۔۔ اس دن ناجیہ سے میں اپنی آپا کے مرنے کا دکھ اور "محرم" مل جانے کی خوشی ہی تو کہنے آئی تھی۔ سوچا تھا! جانے سے پہلے آپ کا دل صاف کر جاؤں اور ناجیہ کے لیے تحفتاً" آپ کو اتنی رقم دے جاؤں کہ آپ بلقیس آپا کے لیے کنگن بنواسکیں۔۔۔ مگر۔۔۔! مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں۔۔۔ ساری عمر غیرت و خودداری سے گزارنے والے یونہی کیا کرتے ہیں۔ شاید غلطی میری ہی تھی۔ مجھے عرصہ ہوا بات کرنے کا ڈھنگ بھول چکا۔

دکھ ہے تو صرف اس بات کا کہ میں نے زندگی میں جس چیز کی خواہش شدت سے کی تھی' وقت نے وہی مجھ سے چھین لی۔ میں رب کے گھر جاسکی اور نہ ہی مدینے کی خوشبو سونگھ سکی بس! تشنہ لب رہ گئی۔ ناجیہ کے لیے خواہش تھی کہ تحفوں میں دعاؤں کے گجرے اور چاہتوں کے خزانے ہمراہ کروں۔۔۔ مگر؟ اور اب تو موت' زندگی اچک لے جانے کو ہے کال (موت) کے آگے سب لاچار ہیں تو میری کیا اوقات۔۔۔؟

سوچتی ہوں کہ رب کے گھر تو نہ جاسکی پر رب کے پاس جانے کا وقت آن پہنچا ہے۔ شاید اماں' ابا کو مجھ اکیلی کا اکیلا پن مزید برداشت نہیں ہو پارہا اسی لیے اپنے پاس بلا رہے ہیں۔ ایک بار پھر میرا پورا گھرانہ اکٹھا ہونے جارہا ہے۔ ہے نا۔۔۔ خوشی کی بات؟

دانش کے پاس میں نے ناجیہ کا تحفہ رکھوایا ہے۔۔۔ پلیز! آپا نہ مت کرنا۔ میرے مرنے کے بعد وہ آپ تک پہنچا دے گا۔ ملتان پہنچتے ہی میں نے دانش سے کہہ کر ناجیہ کے لیے کنگن بنوائے ہیں۔ دو کنگن ہیں' ایک بے شک ناجیہ کی ساس کو ڈال دیجیے گا۔۔۔ مگر ایک میری بیٹی ناجیہ کو پہنائیے گا۔ میرے مرنے کے بعد دانش آئے گا اور آپ کی امانت آپ کے حوالے کردے گا۔ ایک لفافے میں خط کے ساتھ پچاس ہزار روپے بجھوا رہی ہوں۔ مجھ پہ ایک احسان کردینا آپا۔۔۔ !کہ وہ روپے اچھوپان والے کے بیٹے رفیق کے حوالے کردیجیے گا۔ میرے رضاعی بھائی کا مجھ پر حق ہے۔ سو اس کا حق اس کے حوالے! میرا مکان خود بخود دانش کو مل جائے گا کہ مکان کا کوئی اور والی وارث نہیں بچا۔ اگر میں نے کسی کو کچھ دینا دلانا ہو تو دانش سے کہیے گا وہ میرے تمام قرض چکا دے گا۔۔۔ اگر کوئی قرض ہے تو! باقی میرے پاس جو کچھ تھا' میں نے راہ خدا میں دیا کہ قبر میں ساتھ تو ہاتھ کا دیا ہی چلتا ہے نا۔۔۔!

بس یہی میری وصیت ہے۔ کہا سنا معاف کردینا آپا میری ناجیہ کو میرا ڈھیر سا پیار اور دعائیں۔ مجھ غریب اور تہی دست کے لیے بھی دعا کردیجیے گا کہ میری قبر میں روشنی رہے۔ بڑا کاٹ لیا اندھیرا۔۔۔ اب روشنیوں کا شہر میرا مقدر ٹھہرے فی امان اللہ"

☼ ☼ ☼

موت کی سی خاموشی تھی جو سارے میں پھیلی تھی۔ اک سوگ سا پوری فضا میں رچ بس گیا تھا۔ ڈوبتے سورج کی لالی میں جیسے خون بھرا تھا۔ پرندوں کے جھنڈ ابھی بھی گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ افسردہ اور تھکے تھکے۔ دیوار پر بیٹھا کوا خاموش سر نیہوڑائے اپنی چونچ سے دیوار پہ کسی وقت ٹھونگا مارتا اور پھر پھڑپھڑ

صحن میں بیٹھے ان تین نفوس کو گھورنے لگتا جو سوگ کی سی حالت میں ایک دوسرے سے نظریں چرائے بیٹھے تھے۔

دانش جاچکا تھا۔ تپائی پہ دھرا جیولری کیس اور پیسوں کا لفافہ کسی کی اعلا ظرفی کا ثبوت بنا شان سے پڑا تھا۔

جاتے وقت دانش نے اماں کے بہت پاس بیٹھ کے سرگوشی سی کی تھی۔

"خالہ تو مرگئیں' میں نہیں جانتا کہ آپ کے اور ان کے درمیان ایسی کیا بات ہوئی جو ان کی عزت نفس پہ تازیانے کی صورت لگی۔ میرے لاکھ پوچھنے پر بھی انہوں نے مجھے اصل بات نہیں بتائی تھی صرف اتنا ضرور کہا کہ "دانش! واپس آنے لگو تو آپا بانو کے کان میں کہہ دینا۔

میں نے انہیں معاف کیا' وہ بھی مجھے معاف کردیں اور ہمارا رب ہم سب کو معاف کرے۔"

دانش چلا گیا اور اس کے آخری چند فقروں کی بازگشت اماں کے کانوں میں ہمیشہ کے لیے ٹھہر گئی۔

وہ سسک سسک کر روتی آسمان کو تکتی اور منہ میں کچھ بڑبڑائیں' ناجیہ نے بھرائی آنکھوں سے انہیں دیکھا اور پھر اٹھ کر اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ اس کے چھونے کی دیر تھی کہ اماں کا ضبط چھوٹ گیا۔ ان کی آواز اونچی ہونے لگی' وہ کرلانے لگیں۔

"شرلی! مجھے معاف کردینا' یا اللہ! تو بھی مجھے بخش دینا جاتے جاتے بھی شرلی مجھ پر احسان کرگئی۔ میری پریشانی کی خبر ہوگئی تھی نا۔۔۔ اس لیے مجھے معاف کر گئی۔ یا اللہ! تو بھی مجھے معاف کردینا۔ میں نے تیری بے ضرر بندی کا دل دکھایا' ایک تنہا' بے بس ہمسائی کو تکلیف دی۔ میں حقوق العباد ادا نہیں کرسکی۔ مجھے معاف کردینا' مجھے بخش دینا۔

شرلی! تو واقعی شرلی نکلی' ہر کام میں تیزی ہر صفت میں بالعرف! تو نے ہر نیکی کرنے میں پہل کی' ہر ایک کی مدد کرنے میں تیزی دکھائی اور تو نے مرنے میں بھی تیزی دکھادی۔

آج سے میری ہر دعا میں تیرا نام رہے گا' میں ہر پل رب سے تیرے لیے بخشش کی طلبگار رہوں گی خدا تیری قبر روشن کرے خدا تجھے آخرت میں سرخرو کرے۔"

اماں کے قابو سے باہر ہوتے بین' ہادیہ اور ناجیہ کی برستی آنکھیں اس بات کی گواہی دے رہی تھیں کہ شرلی مرنے کے بعد سب کے دلوں میں اپنے نام کا دیا روشن کرگئی۔۔۔ جو کبھی نہیں بجھے گا۔

اماں کا واویلا سن کر محلے کی عورتیں اکٹھی ہونا شروع ہوگئیں۔ جس جس کو خبر ہوئی' اسی نے شرلی کے نام کی دہائی دی کون تھا جو آج اسے یاد نہیں کر رہا تھا۔ شرلی آپا اپنے نقوش سب کے دلوں میں ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئی تھیں۔

"پرخلوص لوگوں کی پہچان اکثر ان کے مرنے کے بعد ہی ہوتی ہے اور تبھی ان کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بس وہ خود یہ سب دیکھنے کے لیے دنیا میں نہیں رہتے!"

ناجیہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے عورتوں کے مجمع کو دیکھا جو اس کی ماں کے اردگرد اکٹھا تھیں اور شرلی آپا کا تصور نظروں میں بسائے' برآمدے کے ستون کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موند لیں۔

☼ ☼

دیا شیرازی

گاڑی گیٹ سے جیسے ہی اندر داخل ہوئی علیزہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ عمر ہی تھا۔ وہ تینوں اب بھی نیچے کو جھکی ہوئی تھیں۔ پہلی یا دوسری نظر میں کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ گاڑی کے اندر اس وقت تین لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ یہ سب اقدامات صرف گیٹ کھڑے سیکورٹی گارڈز کی وجہ سے کیے گئے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ لڑکے وہاں بغیر فیملی کے رہتے ہیں۔ لیکن وہ پہلی نظر میں بھی پہچان سکتی تھی کہ وہ عمر مصطفیٰ ہی تھا۔ ہاتھ میں کچھ کاغذ پکڑے بڑے مگن انداز میں چلتا ہوا وہ اسی طرف آرہا تھا۔

ایک، دو، تین وہ قریب آتا جارہا تھا۔ اس کی سانسیں رکنے لگیں، ہاتھ پاؤں برف کی مانند ٹھنڈے ہوچکے تھے۔ ایک صرف ایک لمحہ لگتا اسے گاڑی کے اندر جھانکنے میں اور۔۔۔ اور اس سے آگے اس کے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ بابا جان، امی، نانی اور سب سے زیادہ خود عمر مصطفیٰ اس کا فرسٹ کزن اس کا منگیتر کیا قیامت آنے والی تھی اسے وہاں دیکھ کر اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا دھڑکن تھم گئی۔ وہ اب کچھ نہیں سوچ رہی تھی۔ سوائے اس کے کہ اس کی موت رفتہ رفتہ اس کی اور بڑھ رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

اس نے ایک بھرپور نظر سامنے نظر آتی گرلز ہاسٹل کی باوقار عمارت پر ڈالی، اس کی اتنے سالوں کی محنت جیسے ایک پل میں وصول ہوگئی تھی۔

"تو آخر علیزہ بی بی تم نے وہ پالیا جس کی تمنا ایک عرصے سے تمہارے دل میں مچل رہی تھی۔" اس نے مسکرا کر سوچا۔ اس لمحہ اسے اپنا وجود ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔

"یہ لو اپنا سامان، میں نے شاہ نواز سے بات کرلی ہے، تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اس کی بہن بہت اچھی خاتون ہیں۔ میں خود مل چکا ہوں ان سے۔" عمر مصطفیٰ نے اسے ایک بیگ پکڑاتے ہوئے کہا۔ دوسرا سامان پہلے ہی ہاسٹل پہنچ چکا تھا۔

اس نے گاڑی کی طرف مڑتے عمر مصطفیٰ کو دیکھا۔ اس سے پہلے وہ اسے اتنا اچھا کبھی نہیں لگا تھا۔ اس کا رول گھر میں ایک ریزروڈ بندے کا تھا۔ جسے علیزہ جیسی ایمبیشس لڑکی بالکل پسند نہیں کرتی تھی۔ وہ خوابوں کے پیچھے آنکھیں بند کرکے بھاگنے والی لڑکی تھی اور وہ کسی ریڈ سگنل کی طرح اس کے خوابوں کے راستے میں اکثر رکاوٹ ہی بنتا تھا۔ لیکن وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔ اس کی اس خواہش کے آگے عمر مصطفیٰ جیسے پتھر بندے کو بھی گھٹنے ٹیکنے پڑے تھے۔

"عمر۔۔۔" وہ بے ساختہ اسے پکار بیٹھی۔ وہ شرمندہ تھی اپنے پچھلے برے رویے پہ جو اس سے روا رکھے ہوئے تھی۔ بچپن سے جو کدورت اس کے دل میں تھی۔ وہ اس ایک احسان سے جیسے محبت اور تشکر سے بدل گئی تھی۔

"کیا ہوا۔" وہ پلٹ آیا اس کی ایک پکار پہ۔ اسے فوری طور پہ کچھ نہیں سوجھا۔ شاید وہ لاشعوری طور پر اسے پکار بیٹھی تھی۔

"کچھ نہیں۔" اس نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔ وہ کچھ دیر تک اسے گھورتا رہا۔ جیسے اس کی اس حرکت کو سمجھنے کی کوشش کررہا ہو، پھر کندھے اچکا دیے۔

"او کے۔۔۔ اپنا خیال رکھنا میں پھر آؤں گا۔"

✡ ✡ ✡

وہ ایک لمحے کے لیے گاڑی کے قریب رکا۔ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھے ہوئے لڑکے سے کچھ کہا۔ کیا کہا وہ سن نہیں پائی، اس کے کانوں میں صرف سائیں سائیں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ وہ واپس چلا گیا۔ اسے اب بھی یقین نہیں آرہا تھا کہ عمر نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ اسے لگا وہ دوبارہ پلٹ کے آئے گا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ جاچکا ہے۔ اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگی ہوئی تھیں۔ گاڑی آگے سرکنے لگی، پھر رک گئی۔ سب لوگ گاڑی سے اترنے لگے۔ وہ اب بھی اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔

"ارے تمہیں کیا ہوا۔" فارحہ نے اپنے شولڈر کٹ بالوں کو پیچھے جھٹکتے ہوئے اس کی زرد پڑتی رنگت کو دیکھا۔

"علیزہ آر یو اوکے سب ٹھیک ہے نا۔" وہ اب اس کے ٹھنڈے پڑتے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں دبا رہی تھی۔ علیزہ کا دماغ بلینک ہو چکا تھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے فارحہ کو دیکھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

ہال پر پہلی نظر ڈالتے ہی وہ دم بخود رہ گئی۔ وہ اس وقت کسی گورنمنٹ اسپتال کا جنرل وارڈ لگ رہا تھا۔ دونوں دیواروں سے ساتھ، ستر کے قریب پلنگ اور چارپائیاں لگی تھیں۔ جن پہ بیٹھی لڑکیاں بڑے اشتیاق سے نئے آنے والے چہروں کو دیکھ رہی تھیں۔ لڑکیوں کو سرتاپا جانچتی نظروں سے دیکھ کر ان کے لباس اور حلیے سے ان کے شہر، قصبے، خاندان اور نسل کے بارے میں اندازے لگا رہی تھیں۔ اس کی سانس رکنے لگی۔

"میں یہاں اس ڈربے میں رہوں گی۔" یہ سوچ کر ہی اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہ کسی عام گھر سے آئی ہوئی لڑکی نہیں تھی۔ اس نے بچپن سے ہی اپنی ہر چیز الگ اور شاندار دیکھی تھی۔ پھر یہاں اتنے لوگوں کے ساتھ ایک کمرا شیئر کرنا وہ بھی بالکل انجان لوگوں کے ساتھ، اس نے گھبرا کر پیچھے کھڑی وارڈن کو دیکھا۔ وہ شاید اس کے تاثرات سے اس کی سوچ کا اندازہ لگا چکی تھی۔ تبھی جھٹ سے بولی۔

"گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ابھی ایڈمیشن اسٹارٹ ہوئے ہیں، اس لیے بہت رش ہو گیا ہے، تمہیں کچھ دنوں تک روم الاٹ کر دیا جائے گا۔ فی الحال تمہیں یہیں رہنا ہوگا۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی چیٹ پر ایک بے زار سی نظر ڈالی اور دوسری ہال میں موجود بقایا خالی بیڈ ز پر۔

"بیڈ نمبر پینتالیس کہاں ملے گا؟" وہ ایک کونے میں رکھے کچھ خالی بیڈز کی طرف بڑھی۔

"عمر مصطفیٰ اس سے اچھا بدلہ نہیں لے سکتے تھے تم۔" اس نے کلس کر سوچا۔ عمر کے بارے میں اس کی پندرہ منٹ پہلے والی رائے یکسر بدل چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"پلیز اٹھو اندر چلو مجھے تمہاری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔" فارحہ اسے سہارا دے کر اندر لے آئی۔ عشا پہلے ہی اندر جا چکی تھی۔ تینوں لڑکے بھی اندر چلے گئے تھے۔

"بیٹھو یہاں، میں تمہارے لیے کچھ لاتی ہوں۔" فارحہ اسے لاؤنج میں رکھے صوفے پر بٹھا کر خود فریج کی جانب بڑھ گئی۔ جبھی ایک لڑکا گاڑی کی چابی گھماتا سیٹی پر کوئی شوخ سی دھن بجاتا کمرے سے نکلا۔ اسے وہاں بیٹھا دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا۔ وہ جس انداز میں تھکی، تھکی سی بیٹھی تھی صاف لگ رہا تھا وہ ٹھیک نہیں ہے۔

"آر یو اوکے مس۔" اس لڑکے نے مس کو کافی لمبا کھینچا۔ وہ اس کے نام سے واقف نہیں تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر علیزہ کے لیے پریشانی تھی۔

"علیزہ نام ہے اس کا۔" فارحہ نے پہلے سے آکر اس کی مشکل آسان کر دی۔ وہ ٹرے میں اورنج جوس کے دو گلاس لائی تھی۔ وہ لڑکا فارحہ کو بیٹھتے دیکھ کر خود بھی وہیں بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں اب بھی علیزہ پر مرکوز تھیں۔ وہ الجھا ہوا لگ رہا تھا۔

"کیا ہوا انہیں؟" وہ اب فارحہ سے پوچھ رہا تھا۔

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے کچھ۔ ایکچوئلی یہ پہلی مرتبہ آئی ہے یہاں، تو کچھ نروس ہو گئی ہے۔"

"اوہ۔۔۔" اس لڑکے نے سیٹی کے انداز میں لب سکیڑتے ہوئے بہت معنی خیز انداز میں اسے سر سے پیر تک دیکھا پھر کچھ الجھ کر بولا۔

"کس کے ساتھ آئی ہیں یہ۔ اشعر، حماد، طارق۔" وہ ان لڑکوں کے نام گنوانے لگا جو یہاں موجود تھے۔ وہ یقیناً "ان میں سے کسی کی گرل فرینڈ تھی۔ اس کے لہجے میں واضح طنز کی کاٹ تھی۔ جو علیزہ محسوس

کیے بغیر نہ رہ سکی۔

☼ ☼ ☼

اس کی آنکھ مختلف آوازوں اور دروازوں کی ٹھک ٹھک سے کھلی تھی۔ پہلے چند منٹ تو اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے اور شور کیسا ہے۔ اس نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر دیکھا۔ وہ گرلز ہاسٹل میں تھی اور یہاں اس کی پہلی صبح تھی۔ ہر طرف عجیب افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ ابھی تو چھ بھی نہیں بجے تھے اور پورا ہاسٹل جاگ چکا تھا۔ کچھ لڑکیاں اس کی طرح جاگتے ہوئے بھی کسلمندی سے بستروں میں دبکی پڑی تھیں۔ ایک، دو نے تکیہ منہ پر رکھا ہوا تھا۔

اسے یاد آیا رات گرمی کی وجہ سے وہ دیر تک کروٹیں بدلتی رہی تھی۔ اتنے بڑے ہال میں صرف چار پنکھے لگے تھے۔ وہ بھی بابا آدم کے زمانے کے، جو اب ہوا دینے کی بجائے ساری رات بھنبھناتے رہتے تھے۔ سامنے بنے واش رومز کے آگے ایک جم غفیر کھڑا تھا۔ نیند سے بوجھل آنکھیں بغیر دھلے منہ الجھے بال لڑکیاں خود سے بھی بے زار کھڑی تھیں۔ اس کی کلاس سوا آٹھ بجے تھی۔ مطلب وہ ایک گھنٹہ مزید سو سکتی تھی۔ لیکن اس جگہ سونا اسے اب خواب ہی لگ رہا تھا۔ تنگ آکر وہ اٹھ بیٹھی، اس کا موڈ بری طرح خراب ہو چکا تھا۔ اسے شدت سے اپنا ویل ڈیکوریٹڈ کمرہ یاد آیا اور ساتھ ہی کوئی اور بھی یاد آیا تھا۔ اس کا منہ حلق تک کڑوا ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

اس لڑکے کی آنکھوں میں واضح سوال تھا، وہ کس کے ساتھ یہاں آئی تھی۔

"ارے نہیں آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ اسے میں زبردستی اپنے ساتھ لائی ہوں، ہاسٹل میں بور ہوتی رہتی ہے۔" فارحہ اس کی حالت کے پیش نظر گڑبڑا سی گئی۔

"بہت اچھی تفریح ڈھونڈی ہے آپ نے اپنی دوست کے لیے۔" وہ لڑکا اب بھی علیزہ پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ فارحہ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اب علیزہ کی طرف متوجہ تھی۔

"یہ لو تھوڑا سا پی لو۔۔۔ تم شاید ڈر گئی ہو یار کوئی نہیں ہے یہاں پر اور تھوڑی دیر کی تو بات ہے، ہم پھر ہاسٹل میں ہوں گے۔" فارحہ نے دانستہ موضوع بدلا۔

"مجھے واپس جانا ہے۔" علیزہ نے بہت بے تابی سے کہا۔ وہ یہاں مزید ایک لمحہ بھی رکنا نہیں چاہتی تھی۔

"او کے، اوکے، پر پہلے اسے ختم کرو۔" فارحہ نے پچکار کر کہا۔ اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی گلاس تھام لیا۔ اس کی حالت اب بہتر ہو رہی تھی۔ وہ لڑکا جواب تک ان دونوں کی گتھی سلجھنے کی کوشش کر رہا تھا، اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ لوگ بیٹھیں، میں کچھ ضروری سامان لینے جا رہا ہوں، سی یو۔" وہ سابقہ انداز میں گاڑی کی چابی لہراتے ہوئے باہر چلا گیا۔ اس کے لیے جیسے یہ سب معمول کا حصہ تھا۔ اس لڑکے کے دروازے سے نکلتے ہی وہ تیزی سے فارحہ کی جانب پلٹی۔

"تم نے تو کہا تھا تمہاری فرینڈ کی برتھ ڈے ہے پھر یہ سب تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا۔"

"وہ۔۔۔ میں۔۔۔ علیزہ۔" فارحہ سے کوئی بات نہیں بن پا رہی تھی، پھر کچھ سنبھلتے ہوئے بولی۔

"برتھ ڈے ہی تو ہے اشعر کی، ہم سب اسی کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں۔ ابھی بارہ بجنے میں کچھ وقت ہے، ٹھیک بارہ بجے کیک کٹے گا۔"

"واٹ۔۔۔ بارہ بجے ابھی صرف نو بجے ہیں اور تم بارہ بجے ایسے کہہ رہی ہو جیسے دو منٹ کی بات ہو۔ کچھ بھی ہو، مجھے اب یہاں مزید ایک منٹ نہیں رکنا، مجھے ہاسٹل چھوڑ آؤ ابھی۔" وہ بضد تھی، اندر کہیں یہ خوف بھی ہلکورے لے رہا تھا کہ اگر عمر پلٹ کے آگیا تو یا وہ بھی انوائیٹڈ ہوا تو وہ کیا جواز پیش کرے گی وہاں اپنی موجودگی کا۔ وہ اس وقت کو کوسنے لگی جب وہ فارحہ کی باتوں میں آکر اس کی فرینڈ کی برتھ ڈے پارٹی میں آنے پر رضامند ہوئی تھی۔ اگر اس وقت اس کے وہم و گمان

میں بھی ہو تا کہ وہ فرینڈ نہیں ہوائے فرینڈ کی سالگرہ تھی تو وہ کبھی نہ آتی۔

اسے اس لمحے جو جو آیات یاد تھیں وہ ان کو پڑھنے لگی۔ ساتھ ساتھ دعائیں بھی جاری تھیں۔

"یا اللہ میرے مالک تو مجھے صرف آج صحیح سلامت ہاسٹل پہنچا دے' میں کبھی بھی دوبارہ ایسی غلطی نہیں کروں گی' مجھ پر رحم فرما میرے مالک۔" دو آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر چہرے پر پھیل گئے۔

☼ ☼ ☼

وہ آٹھ بجے ہی تیار ہو کر یونیورسٹی کے لیے نکل آئی تھی۔ آج اس کا پہلا دن تھا۔ کلاس ڈھونڈنے میں وقت لگ سکتا تھا۔ خوش قسمتی سے اسے مطلوبہ کلاس جلد مل گئی۔ اسے یونیورسٹی پہنچے ابھی پندرہ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ انگلش ڈیپارٹمنٹ کے بورڈ پر اس کی نظر پڑ گئی۔ اس نے شکر ادا کیا۔ کلاس میں کافی لڑکے اور لڑکیاں پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ وہ بھی فرنٹ رو میں بیٹھ گئی۔ اس کے برابر والی سیٹ پہ ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی اور دوسری لڑکی سے باتوں میں مگن تھی' اس کے بیٹھتے ہی اس لڑکی نے سلام کیا اور اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ جسے علیزہ نے بلا جھجک تھام لیا۔

"آئی ایم علیزہ مرتضیٰ شاہ فرام رانی پور اور آپ۔" علیزہ نے بیٹھتے ہی اپنا تعارف کرایا۔

"فار گاڈ سیک یار' یہ آپ' آپ نہیں چلے گا۔ میرا نام فارحہ ہے اور تم مجھے نام سے ہی بلاؤ تو اچھا لگے گا۔ میں دادو سے آئی ہوں اور یہ میری بیسٹ فرینڈ عشرت جسے ہم پیار سے عشا کہتے ہیں۔" اس نے ساتھ بیٹھی لڑکی کا تعارف کرایا۔ علیزہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی تو بدلے میں وہ بھی مسکرا دی۔

"تمہارے ساتھ بھی کوئی فرینڈ ہے۔" فارحہ نے پوچھا۔

"نہیں میں کل ہی پہنچی ہوں' ابھی کسی کے ساتھ جان پہچان نہیں ہوئی۔"

"او کے پھر تو اور بھی اچھا ہے۔ آج سے ہم تینوں فرینڈز ہیں۔" فارحہ نے ان دونوں کے ہاتھ تھام کر کہا تو وہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔

صبح سے اس کی طبیعت عجیب ہو رہی تھی۔ پیٹ میں ہلکا ہلکا درد اور متلی بھی ہو رہی تھی۔ اس نے بمشکل ایک' دو لیکچرز اٹینڈ کیے۔ سر سومرو کے لیکچر کے آخر میں اس کی ہمت جواب دے گئی۔ باقی لیکچرز چھوڑ کے وہ فارحہ کے ساتھ ہاسٹل آ گئی۔ ہاسٹل پہنچتے پہنچتے اس کی طبیعت مزید بگڑ گئی تھی۔ اسے زور کا چکر آیا الٹیاں بھی شروع ہو گئی تھیں۔ فارحہ اور عشا اسے ہاسٹل لے آئیں' اسے زبردست قسم کا فوڈ پوائزن ہو گیا تھا۔ کھانے میں کوئی زہریلی چیز مل گئی تھی۔ فارحہ اس کے گھر اطلاع کرنا چاہ رہی تھی۔ لیکن اس نے منع کر دیا۔ اس کے بیمار ہونے کی خبر پہ سب پریشان ہوتے اور شاید اسے واپس بھی لے جاتے جو وہ کسی صورت نہیں چاہتی تھی۔

پہلے ہی وہ سب اس کے لیے فکر مند رہتے تھے یہ اور بات تھی کہ وہ خود بھی اپنی کنڈیشن سے اچھی خاصی گھبرا گئی تھی۔ یہ پہلی بار ہوا تھا کہ وہ گھر والوں سے دور ہو اور طبیعت بھی خراب ہو۔ اسے سب گھر والے بری طرح سے یاد آ رہے تھے۔ بچپن سے ہی وہ جلد بیمار پڑ جاتی تھی اور اپنی نازک طبیعت کی وجہ سے سب کی توجہ کا مرکز بھی رہتی۔ ادھر ایک عمر تھا خاندان کا اکلوتا لڑکا' لیکن اچھی صحت کی وجہ سے کسی کا دھیان اس کی طرف کم کم ہی جاتا۔ اس کے خیال میں علیزہ بیمار ہونے کے ڈرامے کرتی ہے۔ صرف اور صرف توجہ حاصل کرنے کے لیے' اس کے خیال کی بنا پر وہ اکثر علیزہ سے خار کھائے رہتا تھا۔ گھر میں دو ہی بچے تھے اور دونوں میں ہر وقت ٹھنی رہتی تھی۔ اس کی ڈرپ ختم ہونے والی تھی۔ ایمن اب بھی اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ جبکہ فارحہ کچھ میڈیسنز لینے گئی ہوئی تھی۔ اس کی طبیعت اب کافی بہتر تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ ڈسچارج ہونے والی تھی۔ اس نے تشکر بھری نظروں سے ساتھ بیٹھی ایمن کو دیکھا۔

"تھینک یو ایمن۔۔۔ تم نے اور فارحہ نے بہت ساتھ دیا میرا۔" ایمن نے اک ناراض سی نظر اس پر ڈالی۔

"بہت اجنبی کر دیا پل بھر میں تم نے مجھے۔ کیا تم اپنے فیملی ممبرز اور پیرنٹس کو بھی ایسے ہی تھینکس بولتی ہو۔" علیزہ نے خفا خفا سی ایمن کا ہاتھ تھاما اور دھیرے سے مسکرا دی۔

"مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے کہ مجھے ایسی دوستیں ملی ہیں جو بہنوں سے بڑھ کر میرا دھیان رکھتی ہیں۔" ایمن نے اس کے گال پر ہلکی سی تھپکی دی۔

"تم ہو ہی اسی قابل کہ تمہارا خیال رکھا جائے۔ بہت معصوم' بہت پیاری' یہاں تمہیں کچھ محتاط ہو کے چلنا پڑے گا' علیزہ یہاں بھانت بھانت کے گھروں سے مختلف ماحول میں پلی بڑھی الگ الگ مزاج کی لڑکیاں ہیں۔ سب کو اپنے کردار کے آئینے میں مت دیکھو۔ انہیں ان کی اصلی شکلوں اور کرداروں کے ترازو میں رکھ کر دیکھو تو دنیا تمہیں بہت مختلف نظر آئے گی۔ اجنبی ماحول میں ہر مسکرا کر ملنے والے شخص کو دوست نہیں بنایا جاتا۔ ہم لڑکیوں کو بہت محتاط ہو کر چلنا پڑتا ہے۔ ذرا سی چوک ہماری پوری زندگی تباہ کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ بہتر ہو گا تم عشرت سے۔" اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی۔ فارحہ میڈیسن لے کر واپس آ چکی تھی۔ علیزہ کو ایمن کی ایک بات بھی سمجھ نہیں آئی تھی کہ وہ کہنا کیا چاہتی ہے۔ اگر اس میں تھوڑی سی بھی عقل ہوتی تو وہ ان ادھورے جملوں سے بخوبی اصل بات کا اندازہ لگا سکتی تھی۔ لیکن اگر علیزہ کی زندگی میں کسی چیز کی کمی تھی تو وہ عقل ہی تھی۔ فارحہ کو دیکھ کر وہ سب کچھ بھول بھال گئی۔

"شکر ہے یار تم اٹھ گئیں۔ اب جلدی جلدی چلنے کی کرو' مغرب سے پہلے ہاسٹل پہنچنا ہے۔" وہ جلدی جلدی ادھر ادھر بکھری چیزیں سمیٹنے لگی۔ یکدم علیزہ کو عشا یاد آئی۔

"عشا کہاں ہے۔" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"وہ۔" فارحہ ایک لمحے کو رکی۔

"وہ اپنی خالہ کی ہاں گئی ہے' دیر سے آئے گی۔"

"اچھا۔۔۔" علیزہ نے سر ہلا دیا۔ جبکہ ایمن کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسی وقت ایمن کا سیل فون بجا تو وہ معذرت کرتی باہر نکل گئی۔

"ہیلو۔۔۔" ایک دبلی پتلی نرس کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر بہت نرم مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی۔" اس نے ڈرپ چیک کرتے پوچھا۔ "بہت بہتر۔" علیزہ اٹھ کے بیٹھ گئی۔ وہ نرس بڑی مہارت سے اس کی ڈرپ اتارنے لگی اور ساتھ ساتھ باتوں کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ وہ تینوں ہاسٹل پہنچیں تو عشا پہلے سے ہی موجود تھی۔

بہت زیادہ تیاری کے ساتھ جو وقت گزرنے کے ساتھ اب پھیکی پڑ چکی تھی۔ اس کے بیڈ پر مختلف شاپرز بکھرے تھے۔ انہیں آتا دیکھ کر وہ ہیں چلی آئی۔

"آ گئے آپ لوگ' میں کب سے انتظار کر رہی تھی۔" اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر ایمن وہیں سے اپنے بیڈ کی طرف چلی گئی۔ ایمن کی شاید ان دونوں سے کوئی چپقلش تھی' وہ یہی اندازہ لگا پائی تھی۔

"تم کب آئیں۔" فارحہ نے آگے بڑھ کر ان شاپرز کو ٹٹولنا شروع کر دیا اور توصیفی نظروں سے چیزوں کو دیکھنے لگی۔ علیزہ بھی وہیں چلی آئی۔ وہ دونوں چیزوں میں اتنی مگن ہوئیں کہ علیزہ کو بھول ہی گئیں۔ پھر دھیان آنے پر عشا نے اسے وہ چیزیں دکھائیں۔

"یہ مجھے خالہ نے دلائی ہیں۔ ان کا بیٹا امریکا میں ہوتا ہے نا' بہت پیسہ ہے ان کے پاس۔" وہ بتا رہی تھی اور علیزہ سر ہلاتی جا رہی تھی بغیر کوئی سوال کیے۔

☼ ☼ ☼

آج اسے ہاسٹل آئے پورے پندرہ دن ہو چکے تھے۔ وہ جو ہاسٹل لائف اور یونیورسٹی کے حسین سپنے آنکھوں میں سجا کر لائی تھی۔ سب ایک ایک کر کے ٹوٹ چکے تھے۔ اسے یہاں پے در پے مسائل کا سامنا

کرنا پڑا تھا اور جو بات اسے سب سے زیادہ پریشان کررہی تھی وہ پرائیویسی کا نہ ہونا تھا۔ ساٹھ ستر لڑکیوں کے بیچ پڑے اپنے بیڈ پر وہ بیٹھ تو سکتی تھی سو نہیں پاتی تھی۔

یہاں رات پوری رات نہیں ہوتی تھی اور صبح، صبح سے پہلے ہوجاتی تھی بظاہر مخصوص ٹائم پر لائٹیں بند بھی ہوجاتی تھیں تو ساری رات موبائل کی لائٹیں جلتی رہتیں اور ساتھ ساتھ لڑکیوں کی دھیمے سروں میں کی گئی باتیں اور سرگوشیاں جو پتا نہیں اپنے کن سگوں کو الف لیلوی قصے سناتے نہ تھکتی تھیں۔ باتھ روم کے دروازوں کی کھٹ کھٹ اور ان کے نتیجے میں جاگنے والی لڑکیوں کے کوسنے اور تبصرے ساری رات چین سے سونے نہیں دیتے تھے۔

وہ بری طرح اکتا چکی تھی اس صورت حال سے، لیکن ہر بار گھر میں بات کرتے اس کی انا آڑے آجاتی تھی، یہ سب اس کی اپنی مرضی سے ہوا تھا، کہتی بھی تو کس منہ سے اور عمر تو جیسے اسے یہاں چھوڑ کر بھول ہی گیا تھا۔ اسے کمرہ ملنے میں ابھی کچھ اور وقت لگنا تھا۔ اس کے پاس صبر کے علاوہ کوئی حل نہیں تھا۔

آج موسم بہت خوش گوار تھا۔ یونیورسٹی سے واپسی پر سب کا موڈ پیدل چلنے کا تھا۔ ہاسٹل تک پیدل چلنے کا راستہ پندرہ منٹ میں طے ہوتا تھا۔ سو سب بخوشی تیار ہوگئے۔ ہوا اتنی تیز چل رہی تھی کہ کپڑوں کو سنبھالنا مشکل ہوگیا تھا۔

"چلو یار کہیں آئس کریم کھانے چلتے ہیں۔" یہ عشا کا آئیڈیا تھا جسے سب نے بہت پسند کیا۔

"لیکن کیسے پیدل تو اتنی دور نہیں جایا جاسکتا۔" علیزہ تھک کر رک گئی۔

"تمہیں ہم شکل سے پاگل نظر آتے ہیں۔" فارحہ نے اس کی پیٹھ پر دھپ رسید کی۔

"یار بہتر ہوگا ہم سیدھے ہاسٹل ہی چلیں، موسم کسی بھی وقت خراب ہوسکتا ہے، پھر پتا نہیں رکشا ملے نہ ملے۔" وہ منمنائی۔ اسے بیچ بیچ موسم کے تیور دیکھ کر ڈر لگ رہا تھا۔

"او۔۔۔ بی بی یہ رانی پور نہیں ہے۔ حیدر آباد ہے، حیدر آباد یہاں تو یہ موسم دیکھ کر اچھے بھلے لوگ بھی گھروں سے نکل آتے ہیں۔" فارحہ نے اس کا مذاق اڑایا۔ وہ خاموش ہوگئی۔

"اچھا، اب جلدی کرو، ایسا نہ ہو بارش شروع ہوجائے۔" عشا نے جلدی رکشا روکا، وہ دونوں بھی اس کے پیچھے پیچھے رکشا میں چڑھیں۔ ہوٹل کھچا کھچ لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ زیادہ تر لڑکوں کے گروپس تھے جو ان کی طرح موسم انجوائے کرنے نکلے تھے۔ اکا دکا فیملیز بھی آئی ہوئی تھیں۔ وہ کونے میں پڑی اکلوتی خالی ٹیبل کی طرف بڑھ آئیں، یہاں سے ابھی ابھی ایک فیملی اٹھی تھی۔ ان کے ساتھ آئے اکلوتے صاحب کافی برہم نظر آرہے تھے۔ ساتھ ڈری سہمی اور قدرے خفا سی بیگم اور دو عدد بیٹیاں بھی تھیں، وہ اپنے ادھ کھائے آئس کریم کپ بھی چھوڑ گئے تھے۔

"نہیں کیا ہوا!" علیزہ نے حیرت سے پوچھا۔

فارحہ نے شانے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔ وجہ انہیں تھوڑی دیر میں ہی پتا چل چکی تھی اور اکلوتی ٹیبل خالی ہونے کا راز بھی کھل گیا تھا۔ وہاں اس ٹیبل کے سامنے تین لڑکوں کا گروپ بیٹھا تھا جنہوں نے دانستہ کرسیوں کے رخ ان کی طرف موڑ رکھے تھے اور مسلسل سرگوشیوں میں مصروف تھے۔ علیزہ کنفیوز ہونے لگی۔

"اچھا بتاؤ کون کون سا فلیور لینا ہے۔" فارحہ نے مینیو کارڈ پر اک نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"کافی۔۔۔" علیزہ نے یک لفظی جواب دیا۔

"میرا ونیلا" فارحہ نے موبائل بند کرتے ہوئے کہا۔

"اور یار میری تو ٹوٹی فروٹی زندہ باد۔" عشا نے بڑے جذباتی انداز میں کہا۔ جسے ساتھ بیٹھے لڑکوں نے بڑے شوق سے دیکھا اور ساتھ ہی ایک بے باک قہقہہ گونجا۔

"عشا، پلیز ہم پبلک پلیس میں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"تو۔۔۔" عشا نے ابرو چڑھا کر علیزہ سے پوچھا

لیے علیزہ کا یوں ٹوکنا اچھا نہیں لگا تھا۔

"وہ لڑکے ادھر ہی دیکھ رہے ہیں تھوڑا ڈھنگ سے بیٹھو" علیزہ کو عشاء کا یوں ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھنا برا لگ رہا تھا ٹائٹس کی وجہ سے اس کی ٹانگوں کی بناوٹ اور زیادہ واضح نظر آرہی تھی۔

"تو دیکھنے دو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ہمیں کیا۔" عشاء نے کندھے اچکا دیے تیز آواز میں کہتی عشاء الٹا انہیں انکریج کررہی تھی علیزہ کلس کر رہ گئی۔ عشاء کے رویے کا ہی نتیجہ تھا کہ تھوڑی دیر بعد ان میں سے ایک لڑکا جو کافی دیر سے عشاء کو گھور رہا تھا اٹھ کر ان کی طرف چلا آیا۔

"ہیلو۔۔۔ کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں" وہ عشاء کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھ رہا تھا۔

"وائے ناٹ" عشاء نے ایک ادا سے بالوں کو پیچھے جھٹکا اور مسکرا کر جواب دیا۔ وہ بے یقینی سے کبھی عشا تو کبھی اس لڑکے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ لڑکا کرسی کھینچ کر وہیں بیٹھ گیا۔

"آئی ایم اشعر۔۔۔ آپ کا سوئیٹ نیم جان سکتا ہوں۔"

اس کی نظر اب بھی عشاء پر ٹکی ہوئی تھی۔ عشاء کے لیے یہ بات کسی خراج تحسین سے کم نہیں تھی۔

"آئی ایم عشاء۔۔۔ یہ میری فرینڈز ہیں فارحہ اینڈ علیزہ" اس نے باری باری دونوں کا تعارف کرایا۔

"آپ کا فرینڈز میں ٹیسٹ کافی اچھا ہے۔" اشعر نے ایک بھرپور نظر ان دونوں پر ڈالتے ہوئے کہا۔ جو عشا کو ایک آنکھ نہ بھایا۔

"میں خود اچھی نہیں ہوں۔۔۔" اس نے ایک ادا سے پوچھا۔

"ارے یار میں نے یہ کب کہا" وہ کھسیانا ہو کر بولا علیزہ اس ڈرامے سے سخت بے زار ہوچکی تھی البتہ فارحہ تھوڑا بہت ان کی باتوں میں حصہ لے رہی تھی۔ اس دن وہ عشاء سے کافی ناراض ہوئی تھی لیکن فارحہ نے بیچ میں پڑ کر معاملہ ٹھنڈا کرادیا تھا۔ عشا نے بھی معذرت کرلی تھی کہ دوبارہ ایسی حرکت نہیں

کرے گی۔ علیزہ اس کی طرف سے مطمئن ہوگئی۔

☆ ☆ ☆

کمرے سے ایک زوردار قہقہہ بلند ہوا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ تینوں لڑکے اور عشاء اسی کمرے میں موجود تھے۔ فارحہ اب بھی اس کے پاس بیٹھی تھی لیکن اب اس کے چہرے پر کوئی شرمندگی باقی نہیں تھی۔ علیزہ یہاں اپنی مرضی سے آئی تھی وہ کوئی دودھ پیتی بچی نہیں تھی کہ اسے زبردستی لایا جاتا اس کی غلطی صرف یہ تھی کہ اس نے علیزہ کو فرینڈ کی برتھ ڈے پارٹی بتائی تھی بوائے فرینڈ کی نہیں کیونکہ اسے ایک فیصد بھی اندازہ نہیں تھا کہ علیزہ ایسے بی ہیو کرے گی۔

فارحہ کی ساری توجہ اسی کمرے کی جانب مبذول تھی۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک قدرے دبلے لڑکے نے سر باہر نکال کر ان دونوں پر ایک نظر ڈالی پھر فارحہ کو مخاطب کیا۔

"ارے تم لوگ یہیں بیٹھے ہو ابھی تک چلو سب بلا رہے ہیں تم دونوں کو؟"

"طارق تم چلو ہم آرہے ہیں۔" فارحہ نے ایک نظر علیزہ پر ڈالتے ہوئے لڑکے کو واپس جانے کا اشارہ کیا وہ کندھے اچکا کر واپس اسی کمرے میں چلا گیا۔ دروازہ پھر بند ہوچکا تھا۔

"چلو گی تم۔" فارحہ نے اٹھتے ہوئے پوچھا' اس کے چہرے پر اب بے زاری جھلک رہی تھی۔ وہ بھی شاید اسے یہاں لاکر پچھتا رہی تھی۔ جس کی وجہ سے اس کا سارا مزا کرکرا ہوگیا تھا۔

"نہیں تم جاؤ میں یہیں ٹھیک ہوں۔" علیزہ نے ہار مانتے ہوئے کہا اتنا تو وہ جان چکی تھی کہ بارہ بجے سے پہلے کوئی اس کی خاطر ہاسٹل جانے والا نہیں تھا۔

"اوکے پھر ایسا کرو تم یہاں بیٹھ کے چینل سرچ کرو میں ابھی آتی ہوں" وہ اسے ریموٹ تھما کر چلی گئی۔

ہاسٹل میں وہ تینوں عشاء کی خالہ کے گھر جانے کا بہانہ کرکے آئی تھیں اور یہاں سے انہیں مجبوراً عشاء کی خالہ کے گھر جانا تھا کیونکہ ہاسٹل کا دروازہ آٹھ بجے ہی بند ہوچکا تھا۔ اس نے بے دلی سے ٹی وی آن کردیا اور وہیں بیٹھے بیٹھے گزرے وقت کو سوچنے لگی تھی۔ چند گھنٹے پہلے جو اس پر فارحہ اور عشاء کا امپریشن تھا وہ بدل چکا تھا۔ وہ کس قسم کی لڑکیاں تھیں اسے اب تک اندازہ ہوچکا تھا۔ پڑھائی کے نام پر ماں باپ کی آنکھوں میں دھول جھونکنے والی یہاں عیاشیاں کرتی پھر رہی تھیں۔

ماں باپ کی طرف سے بھیجے گئے محدود بجٹ میں اپنی لامحدود خواہش پوری ہوتی نظر نہیں آرہی تھی اس کا آسان حل انہوں نے یہ نکالا تھا کہ ہر ویک اینڈ پر رشتہ داروں کے گھر جانے کا بہانا بنا کے امیر لڑکوں کے ساتھ ٹائم گزارتیں اور اپنے باپ دادا کی عزت کی دھجیاں اڑاتی پھر رہی تھیں بدلے میں چند مہنگی چیزیں اور کچھ روپے پرس میں بھر کر لوٹتیں۔ عرصہ ہوا ان کے ضمیر گہری نیند میں چلے گئے تھے۔ اب انہیں دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ اپنی نفسانی خواہشوں اور مادی چیزوں کے پیچھے بھاگتے رہنا ان کا معمول بن چکا تھا۔

ہاسٹل کی لڑکیوں کو نیلے پیلے نوٹ دکھا کر وہ انہیں اپنے خاندانی جدی پشتی ہونے کا یقین دلاتیں نئی آنے والی لڑکیاں علیزے کی طرح ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آجاتی تھیں۔ سینئرز انہیں اچھی طرح جانتی تھیں۔ وہ جس وقت ہاسٹل آئی تھیں بہت معمولی سامان، بہت عام سے کپڑوں میں ڈری سہمی گوٹھوں سے آئی لڑکیاں دور سے پہچانی گئی تھیں۔ پھر سب نے دنوں میں ان کی بدلتی حالت دیکھی تھی۔ کہاں ضرورت کی چیزیں خریدنے کے لیے بھی انہیں دوبار اپنا بجٹ دیکھنا پڑتا تھا اور کہاں اتنی مہنگی چیزیں جن کے نام بھی انہیں ڈھنگ سے نہیں آتے تھے۔ گوٹھ سے لائے گئے کپڑے تو صندوق کی کسی نچلی تہہ میں پڑے رہ گئے تھے۔ جب گاؤں جاتیں انہیں صندوق سے نکال کر پہن لیتیں۔

"اہم۔" وہ لڑکا واپس آچکا تھا۔ اس کے ہاتھ میں مختلف اشیاء کے پیکٹ تھے اس نے سارے شاپر

ٹیبل پر رکھ دیے اور ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ علیزہ بھی کچھ سنبھل کے بیٹھ گئی۔ کمرے سے تیز میوزک کی آوازیں آرہی تھیں۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی۔" وہ لڑکا اس کے لیے متفکر تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" علیزہ نے مختصر جواب دیا۔

"میرا نام رضوان ہے۔ میں اشعر کا کزن ہوں اور کسی مجبوری کی وجہ سے یہیں رہتا ہوں۔ یہ سب تو ان کا روز کا معمول ہے۔ آپ کو پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔ یہ لڑکیاں تو یہاں آتی رہتی ہیں۔ ایک بات سچ بتائیں کیا یہ واقعی آپ کی دوستیں ہیں۔ آپ تو کہیں سے بھی ان جیسی لڑکی نہیں لگ رہیں۔ پھر یہاں یہ۔" اس نے دانستہ اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ علیزہ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اسے خاموش دیکھ کر وہ پھر بولا۔

"مجھے نہیں پتا آپ یہاں کیسے آگئیں لیکن آپ کو یہاں دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہوا ہے۔"

"میں یہاں خود سے نہیں آئی فارحہ مجھے جھوٹ بول کر لائی ہے وہ میری اچھی فرینڈ تھی ہاسٹل کی حد تک مجھے نہیں پتا تھا وہ ان ایکٹیوٹیز میں پڑ گئی ہے" اس نے اچانک اپنی خاموشی توڑی تھی۔ اسے لگا وہ اب بھی اگر اپنی صفائی میں کچھ نہیں بول پائی تو ساری عمر اپنے کردار پر اٹھی انگلیوں کو نہیں روک پائے گی۔

"ایک بات کہوں۔" اس نے اجازت چاہی علیزہ نے پہلی بار نظریں اٹھا کے اسے دیکھا وہ بھی اس کی طرح اس ماحول کا حصہ نہیں تھا مجبوراً "بنا تھا۔

"بڑے نقصان سے چھوٹا نقصان بہتر ہوتا ہے ابھی بھی وقت ہے سنبھل جائیں۔ ہر کسی پر اعتبار کرنا چھوڑ دیں۔ آپ بہت پاکیزہ ہیں کہیں ان کے کردار کے غلیظ چھینٹے آپ کا دامن بھی داغ دار نہ کردیں۔ چلیں میں آپ کو ہاسٹل چھوڑ آتا ہوں۔" وہ چابی اٹھا کر کھڑا ہوگیا۔

"لیکن ہاسٹل کا گیٹ تو بند ہوچکا ہوگا۔" وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تو پھر میں آپ کو اپنی بہن کے گھر چھوڑ آتا ہوں آپ کل صبح ہاسٹل چلی جائیے گا وہاں آپ محفوظ رہیں گی نا۔" وہ کچھ جزبز ہوئی لیکن اس شخص کے لہجے میں اتنی سچائی تھی کہ اسے اعتبار کرنا پڑا۔

"آپ کے سدھرنے کے چانسز بہت کم ہیں علیزہ۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کرکے بولا' علیزہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب۔" وہ بالکل نہیں سمجھی۔

"مطلب یہ کہ اتنا بڑا دھوکا کھانے کے بعد آپ ایک مرتبہ پھر رات کے اندھیرے میں ایک اجنبی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی کسی نامعلوم منزل کی طرف جارہی ہیں۔ یہ بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے یہ بھی تو ہوسکتا ہے میں آپ کو اغوا کرلوں۔" وہ مسکراہٹ دبائے اسے ڈرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کچھ لوگوں کی شکل پہ لکھا ہوتا ہے کہ یہ شخص اعتبار کے قابل ہے۔ میں نے چہرے پہچاننے شروع کردیے ہیں۔" وہ مسکرا کر باہر دیکھنے لگی۔ گاڑی میں رضوان کا بے ساختہ قہقہہ گونجا تھا۔

☆ ☆

شازیہ جمال نیئر

جہازی سائز بیڈ کی چاروں طرف گرے سفید جالی کے نفیس پردے سمیٹے جاچکے تھے۔ گلابی ——— ——— شب خوابی کے لباس کی آدھی آستینوں سے اس کے دودھیا بازو جھلک رہے تھے۔ سورج کی شعاعیں براہ راست اس کے چہرے پر پڑیں تو اس نے کسمسا کر پہلو بدلا۔ لیکن شعاعیں کسی ڈھیٹ ملازمہ کی طرح اس کے سر پر سوار رہیں۔

اس نے جھنجلا کر تکیہ دور پھینکا اور پشت پر بکھری سنہری بالوں کی آبشار سمیٹ کر دائیں کندھے پر ڈالی۔ ساتھ پڑا دوپٹہ اٹھا کر بائیں کندھے پر لٹکایا، نفیس گلابی رنگ کی قینچی چپل میں پاؤں پھنسانے کے بعد واش روم کی طرف رخ کیا تھا۔

فریش ہونے کے بعد اس کا ارادہ اپنے سرسبز لان میں چائے پینے کا تھا۔

"فضلو چائے لے آ.....“

ابھی اس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ ایک زوردار چیخ اس کے حلق سے بلند ہوئی تھی۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ جہازی سائز بیڈ، لان، فضلو، چائے سب اڑن چھو ہوگئے۔

بید کی چھڑی گھماتی یہ یقیناً" اس کی دادی ہی تھیں۔ جو سخت جارحانہ تیور لیے اسے گھور رہی تھیں۔

"ہر رات سونے سے پہلے خود سے عہد کرتی ہوں کہ اب کی بار اس جوان جہان لڑکی پر چھڑی نہیں اٹھاؤں گی لیکن تمہاری ان پوستیوں والی عادتوں کی وجہ سے ہر صبح مجھے خود سے کیا عہد توڑنا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے میں خود سے بہت شرمندہ ہوں۔" نماز کی طرز پر دوپٹہ لپیٹے کھڑی دادی کی چھڑی کا سید ھا رخ ہنوز اس کی طرف تھا۔ مشی نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے اپنے اور چھڑی کے مابین مختصر سے فاصلے کو دیکھا اور آہستگی سے چارپائی کی پائنتی کی طرف کھسک کر جلدی سے نیچے اتر گئی۔

"میں بھی ہر صبح خود سے عہد کرکے اٹھتی ہوں کہ کچھ بھی ہوجائے آئندہ آپ کے ساتھ اس کمرے میں نہیں سوؤں گی لیکن ہر بار خود سے کیا عہد مجھے توڑنا پڑتا ہے کہ کم بخت بچپن کی عادتیں کہاں اتنی جلدی چھوٹتی ہیں" بالکل انہی کے انداز میں بولتی وہ متلاشی نظروں سے اپنے سلیپر ڈھونڈ رہی تھی۔ تھوڑی سی تلاش بسیار کے بعد اسے اپنے کالے سلیپر سب سے نچلے شیلف میں رکھے نظر آگئے تھے بالکل اسی طرح قرینے سے رکھے جیسے کسی شوکیس میں کوئی ماسٹر پیس سجا ہوتا ہے۔

"اف ایک تو دادی کی یہ عادتیں..." وہ چپل زمین پر رکھ کر پاؤں ان میں اڑستی باہر نکل گئی۔ اماں ٹنکی کے ساتھ بنے سیمنٹ کے کھرے پر برتنوں کا ڈھیر لگائے انہیں دھونے میں مگن تھیں۔

"اماں! میرا ناشتا!"

"کچن میں جاکر کرلو۔ پراٹھا ہاٹ پاٹ میں رکھا ہے دہی بھی ہے اور رات کا بچا سالن بھی۔" انہوں نے برتن دھوتے ہوئے بنا اس کی طرف دیکھے کسی معمول کی طرح جواب دیا تھا۔

"بس یہی اوقات رہ گئی ہے گھر کی سب سے بڑی

بنی کی کہ کب کا پکا باسی ناشتا زہر مار کرے۔ لوگوں کی مائیں بھی تو ہیں جو اپنی اولاد کے لیے نجانے کیا کچھ کرتی ہیں۔" وہ ایک دم جذباتی ہو گئی تھی۔ اونچی آواز میں بولنے کی عادت ورثے میں ملی تھی۔ جذباتی تقریر کرتے وقت آواز اور بھی بلند ہو جاتی لیکن ادھر پروا کسے تھی۔

اماں نے چوٹی سی نکل کر چہرے پر آتی بالوں کی لٹ دائیں ہاتھ سے پیچھے ہٹائی تو ہاتھ میں پکڑے اسفنج کا تھوڑا سا جھاگ چہرے پر لگ گیا۔ انہوں نے بائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی سے جھاگ جھٹکا تو انگلی کی پور پر لگی کالک وہاں دھبا چھوڑ گئی۔ اس وقت ان کا حلیہ ہمیشہ کی طرح بہت اول جلول ہو رہا تھا۔

"کیا کرتی ہیں لوگوں کی مائیں اپنی اولاد کے لیے؟ ہاں" انہوں نے پتیلی پٹختے ہوئے ٹھنڈے لہجے میں دریافت فرمایا۔

"آں بیٹیوں کے لیے اپنے ہاتھ سے ناشتا بنا کر رکھ دیتی ہیں اور کیا؟" مشی نے وہاں سے کھسکنے میں ہی عافیت جانی تھی۔

"اچھا بھلا فضلو چائے لا رہا تھا لیکن یہ دادی بھی نا۔" چائے کا کپ لبوں سے لگاتے ہوئے اسے ایک بار پھر اپنے شاہی خواب کے ٹوٹنے پر افسوس ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ باہر صحن میں دادی کے تخت پر بیٹھی پاؤں جھلاتی شدید بوریت کا شکار ہو رہی تھی۔ چہرے پر کچھ کچھ بیزار سے تاثرات رقم تھے۔ سفید اور کالے رنگ کے پرنٹڈ کاٹن کے شلوار قمیص کا دوپٹہ لاپروائی سے کندھے پر جھول رہا تھا۔

"کسی دن میں تمہاری یہ ٹانگیں توڑ کر چولہے میں جلا دوں گی۔" مٹر کے دانے نکالتی دادی نے ہاتھ روک کر گھرکا تھا۔ اس کی عادتیں اکثر انہیں خلجان میں مبتلا کر دیتی تھیں۔

"آپ جیسی ظالم دادی سے امید بھی یہی رکھی جا سکتی ہے" اس نے اپنا مشغلہ ترک کیے بغیر فوراً جواب دیا تھا۔ دادی گہری سانس بھر کے اب پیاز کاٹنے لگی تھیں اور پھر کچھ یاد آنے پر پوچھا۔

"آج تم اپنے دورے پر نہیں گئیں؟" دادی اس کی ساری دکھتی رگوں سے بخوبی واقف تھیں۔ اچھی طرح جانتی تھیں کہ ساتھ والی حمنہ سے اس کی ناراضی چل رہی ہے۔ ورنہ وہ اس وقت یہاں بیٹھی بور نہ ہو رہی ہوتی۔

"اچھا اٹھو باورچی خانہ سے میرا چلوس لے کر آؤ"

"اف کتنی بار کہا ہے میرے ساتھ اپنی قدیم زبان مت بولا کریں" وہ جھلا کر کہتی اٹھ کھڑی ہوئی اور تھوڑی دیر بعد انہیں اسٹیل کا ٹرے لا تھمایا۔

"دادی! ساتھ والی دکان میں کوئی کرایہ دار آ رہا ہے کیا؟" اچانک اسے کچھ یاد آیا تو پلٹ کر پوچھا تھا۔

گھر کے بالکل ساتھ بنی دکانوں میں سے ایک کا دروازہ برآمدے میں کھلتا تھا۔ کسی زمانے میں ابا نے اپنی آسانی کے لیے بیچ میں ایک دروازہ رکھ چھوڑا تھا۔ اب انہوں نے خود تو اپنا سارا پرچون والا کاروبار مین مارکیٹ میں شفٹ کر دیا تھا اور یہ تینوں دکانیں کرائے پر چڑھا دی تھیں۔

برآمدے کے ساتھ اس کا اور دادی کا مشترکہ کمرہ تھا جہاں دوسری طرف سے آنے والی آوازیں صاف سنائی دیتی تھیں۔

"ہاں مشتاق کی خالہ زاد شائستہ کا میاں محمود یہاں... اپنے بیٹے کے لیے کریانے کی دکان کا سامان رکھوا رہے ہیں۔ ایک دو دن میں وہ دکان سنبھال لے گا۔ اللہ اس کے کاروبار میں ترقی دے" دادی کو تفصیلاً بات کرنا اور سننا پسند تھا۔

مشی کو اس ساری تفصیل سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ تو رات کو سامان کھینچنے، دھکیلنے اور کھٹ پٹ کی آوازیں سنائی دیں تو اچانک پوچھ بیٹھی تھی۔ وہ بہت حوصلے سے دادی کی بات ختم کرنے کا انتظار کرتی للچائی نظروں سے درخت پر لگے چمکتے موٹے موٹے سرخ بیر دیکھنے لگی۔

"اوئی اماں!" بائیں جانب سے کاغذ میں لپٹا ایک وزنی سا ٹھوس آیا اور اس کی کمر سینک گیا تھا۔ وہ تلملا کر پیچھے مڑی، زمین پر گرا کاغذ میں لپٹا وٹہ اٹھایا۔

"جلدی سے میرے گھر آجاؤ۔ ایک زبردست چیز تمہیں دکھانی ہے" حمنہ کا پیغام پڑھ کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔

ایک ہفتے سے جاری حمنہ سے اس کی خود ساختہ ناراضی کا پل بھر میں خاتمہ ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"صبح ہو گئی برخوردار کی؟"

ابا نے اخبار ایک طرف رکھ کر ہلکے سے خوشگوار لہجے میں کہا تھا۔ اس کی شکایتی نگاہیں امی کی جانب اٹھی تھیں۔ جن میں لکھا شکوہ بہت واضح دکھائی دے رہا تھا۔ اگر وہ روز صبح لیٹ اٹھتا تب بھی ابا کا یہی جملہ اسے سننے کو ملتا آج اگر جلدی اٹھ گیا تھا پھر بھی وہی طعنہ!

وہ خاموشی سے کرسی کھسکا کر بیٹھ گیا۔ آف وائٹ کاٹن کے شلوار قمیص میں اس کا لمبا قد مزید نمایاں ہو رہا تھا۔ پیشانی پر بکھرے بالوں میں ہلکی ہلکی نمی اس کے تازہ غسل کا پتا دے رہی تھی۔

"آج میرے بیٹے کا کام پر جانے کا پہلا دن ہے سب اچھا اچھا ہونا چاہیے۔" امی کو اپنے خوبرو بیٹے پر آج کچھ زیادہ ہی پیار آ رہا تھا۔ لیکن اس کا موڈ پچھلے کئی دنوں کی طرح آج بھی بری طرح بگڑا ہوا تھا۔

"اگر سولہ جماعتیں پاس کرنے کے بعد بھی مجھے پرچون کی دکان ہی سنبھالنی تھی تو اتنا دماغ کھپانے کی کیا ضرورت تھی بھلا؟"

"میاں صاحب زادے!" ابا کھنکھار کر اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

"بات دراصل یہ ہے کہ حکومت کا جو حال ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ حکمرانوں کو اپنے مسائل نمٹانے سے فرصت ملے گی تو وہ غریب عوام کی طرف توجہ دیں گے۔ کسی کی جوتیاں گھس جائیں یا ڈگریوں کو دیمک چاٹ جائے ان کی جانے بلا۔ نوکری کی تلاش میں ڈگریوں کی فائل سینے سے لگائے پھرتے رہنے سے کہیں بہتر اپنا کاروبار سنبھال لینا ہے" ابا کا سنجیدہ باوقار لہجہ! وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا خفگی کے اظہار کے طور پر ناشتے کے لوازمات سے جو بے نیازی برت رہا تھا فوراً" چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ "ایمانداری سے کوئی بھی کام شروع کرو تو کامیابی کی راہیں خود بخود کھلتی چلی جاتی ہیں" بہرام نے پوری شدت سے ان کے ہاتھ کی تھپکی اپنے کندھے پر محسوس کی تھی۔ ان کے جانے کے بعد وہ بھی جلدی سے ناشتا ختم کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔ امی سے دعائیں لینے کے بعد موٹر سائیکل نکالتا باہر نکل گیا۔ ابا کے خیالات سے سو فیصد اتفاق کے باوجود سارا راستہ یہی سوچ سوچ کر اسے ہول اٹھتے رہے کہ شہر کے مخصوص ہنگاموں سے دور قدرے پرسکون محلے میں دکان پر بیٹھ کر گاہکوں کا انتظار کرتے اس کا دن کیسا گزرے گا؟

☼ ☼ ☼

مشی نے کھلے دروازے سے جونہی قدم اندر رکھا

حمنہ چپکے سے اس کا ہاتھ کھینچتی عاقب کے کمرے میں لے گئی۔

"مجھے تو یہاں کوئی زبردست چیز نظر نہیں آ رہی۔" مشی نے ناک سکوڑی تھی۔

"عاقب نے اپنے کمرے میں کیبل کنکشن لگوایا ہے" حمنہ نے دبے دبے جوش سے بتایا۔

"ہائیں وہ، جس پر چالیس چینل آتے ہیں؟" مشی اچھلی تھی۔

"بالکل وہی!" حمنہ نے ٹی وی آن کیا' ایک ایک لمحے کے توقف کے بعد انگوٹھے سے ریموٹ کا بٹن دباتی جا رہی تھی۔ مشی پوری آنکھیں کھولے اسے چینل پہ چینل بدلتا دیکھ رہی تھی۔

"ہائے حمنہ! تمہارے کتنے مزے ہیں۔"

"خاک مزے ہیں' جب میں نے کیبل لگوانے کی بات کی تھی تو سب سے پہلے اسی عاقب نے مخالفت کی تھی لیکن، جس دن سے ابا نے اس پر نو بجے کے بعد گھر سے باہر جانے پر پابندی لگائی تب اس نے سب سے پہلا کام یہی کیبل لگوانے کا کیا ہے اور مجھے تو سختی سے ریموٹ کو ہاتھ لگانے سے بھی منع کیا ہے وہ تو ابھی اماں نے اسے کسی کام سے بازار بھیجا تو تمہیں بھاگ کر بلا لائی۔"

"خیر اب وہ سارا دن تو گھر نہیں بیٹھا رہے گا۔ جب بھی کام سے باہر جائے تب تم اپنے پسندیدہ پروگرام دیکھ لینا لیکن میرے بغیر ہرگز نہیں۔" حمنہ نے اس کے منصوبے سے مکمل اتفاق کیا تھا۔ کچھ دیر بعد باہر ڈیوڑھی میں عاقب کی موٹر سائیکل رکنے کی آواز آئی تو دونوں بوکھلا کر جلدی سے ٹی وی بند کرتی باہر بھاگی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"کتنی مشکلوں سے پہاڑ جتنا بوجھ سینے پر دھرے صبر کیے بیٹھی ہوں یہ صرف میرا اللہ ہی جانتا ہے، بہو!"

"ٹھیک کہتی ہیں اماں آپ! اللہ ایک نہ ایک دن ضرور اس ظالم کے دل میں رحم ڈالے گا" دادی کا گلوگیر لہجہ' اماں کی تاسف بھری آواز! مشی گہری سانس کھینچتی' دبے قدموں چلتی جھولا جھولتی چھٹکی کی جانب بڑھ گئی۔ احمد اسکول سے واپس آنے کے بعد بستہ پھینکتا یقیناً "گلی کے بچوں سے کھیلنے باہر نکل گیا تھا۔

جھولا جھولنے سے چھٹکی کی گھیردار فراک کسی غبارے کی طرح پھول جاتی۔

"چھٹکی! چاندنی باجی سے کہو اگر اس مہینے کا رسالہ آیا ہے تو دے دیں۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر جھولا روکا تو فراک کے پھولے غبارے سے ساری ہوا نکل گئی۔

"کوئی نہیں' چاندنی باجی نے کہا تھا جب تک پچھلا قرضہ نہیں چکاؤ گی تب تک نیا رسالہ نہیں ملے گا۔ اور فی دن دس روپے ایک رسالے کے کرائے کے حساب سے چار رسالوں کا 300 روپے ادھار جمع ہو گیا ہے آپ کے ذمے۔"

"ہاں تو میں ابا سے آج پیسے لے کر ان کا سارا پچھلا حساب بے باق کر دوں گی۔"

"میں نہیں جا رہی۔" چھٹکی نے صاف ہری جھنڈی لہرائی تھی۔

"چھٹکی پلیز! بہن نہیں ہو؟ میں جانتی ہوں تم اس بار بھی چاندنی باجی کو منا لو گی۔ آخر مجھے اپنی بہن کی صلاحیتوں پر پورا بھروسہ ہے۔"

تھوڑی سی منت سماجت کے بعد چھٹکی بالآخر ہمیشہ کی طرح مان گئی تھی۔

"دیکھو! اماں سے چھپا کر میرے تکیے کے نیچے رکھ دینا ٹھیک ہے۔"

چھٹکی کو اس کی ساری ہدایات زبانی یاد تھیں سو بے فکری سے سر ہلاتی' پونیاں جھلاتی باہر نکل گئی۔

"مشی! ادھر آ ذرا سوئی میں دھاگہ تو ڈال دے۔"

اماں اور دادی اپنا کام اور گفتگو دونوں سمیٹ چکی تھیں۔ دادی نے اب اپنا تخت سنبھال لیا تھا۔ مشی ان کے ہاتھ سے سوئی لے کر دھاگہ ڈالنے لگی۔

"حمنہ سے صلح ہو گئی تمہاری؟"

"اف!" وہ جو یہ سمجھ رہی تھی کہ اس کے آنے اور جانے کا انہیں پتا بھی نہیں چلا ہو گا ہمیشہ کی طرح اس کی خام خیالی ہی ثابت ہوئی تھی کیونکہ دادی تو اڑتی چڑیا کے پر تک گن لیتی تھیں اور یہ تو پانچ فٹ کی مشی تھی جس کی ایک ایک حرکت پر وہ گہری نظر رکھا کرتی تھیں۔

"سارا دن لوفر لڑکیوں کی طرح ادھر ادھر کد کڑے لگاتی پھرتی ہے ذرا ماں کے ساتھ کام میں ہاتھ بٹا لے گی تو ہڈیاں نہیں گھس جائیں گی تمہاری۔"

"دادی! اپنی بیری کو دیکھا ہے؟ کتنے سرخ سرخ بیر آئے ہیں اس بار" یہ ان کی بات کا جواب تھا۔ جس بات سے اسے کوئی سروکار نہ ہوتا اسے یونہی ان سنی کر دیتی تھی۔ دادی نے ٹانکا لگاتے ہوئے اسے گھورا تھا۔

"خبردار جو میرے بیروں پر بری نظر رکھی تو نے۔ ان شاء اللہ چاند کی پندرہ تاریخ کو بسم اللہ کر کے ہاتھ لگاؤں گی۔" دادی نے ہاتھ کا چھجہ بنا کر ایک پیار بھری نظر کسی سبز پہاڑی توتے کی طرح دونوں پنکھ پھیلائے کھڑی اپنی بیری پر ڈالی تھی۔

"اوہو! پھر وہی چاند کی پندرہ تاریخ!" مشی بڑبڑائی تھی۔ ایک تو دادی اپنا ہر کام چاند کی تاریخوں کے حساب سے کرتی تھیں۔ اس عمر میں بھی ان کا حافظہ تاریخیں یاد کرنے کے معاملے میں غضب کا تھا۔

"اس بار احمد اور چھٹکی کو اوپر چڑھاؤں گی، سارے کے سارے بیر اتروا کر پورے محلے میں بانٹوں گی۔"

"ہاں محلے والے تو جیسے آپ کے مبارک بیروں کی آس لگائے بیٹھے ہیں نا۔" مشی نے چڑ کر کہا تھا۔

"بھلے نہ لگا کر بیٹھے ہوں' پر میں نے تو اپنی برسوں پرانی روایت برقرار رکھنی ہے۔" ہمیشہ کی طرح وہی ٹھونک بجاتا انداز!

اماں باورچی خانے سے گیلے ہاتھ دوپٹے سے پونچھتی باہر نکلیں تو انہیں دیکھ کر دادی کو یکایک کچھ یاد آیا۔

"بہو! دکان والے بچے کو کچھ بھجوایا ہے یا نہیں؟"

"ارے اماں! یہی تو میں آپ سے کہنے والی تھی کھانے کا وقت ہو رہا ہے میں نے اس کے لیے ٹرے

میں کھانا سیٹ کر کے رکھ دیا ہے پر یہ چھنکی اور احمد نجانے کہاں غائب ہو گئے ہیں۔"
"لو بھلا ان کے انتظار میں بچہ بے چارہ بھوکا بیٹھا رہے گا کیا؟ مجھے ٹرے لا دو میں خود در میاں والا دروازہ بجا کر دے دیتی ہوں۔ دور کی سہی پر رشتہ داری تو بنتی ہے نا۔" دادی گہری سانس خارج کرتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"دکان والا بچہ!" اچھا نام ہے، مشی کو ہنسی آگئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"بہت اچھے اور وضع دار لوگ ہیں۔"
امی کی ایک بات تو سچ ثابت ہو چکی تھی۔ اشتہا انگیز خوشبو اڑاتا کھانا اس کے سامنے چنا ہوا تھا۔ قیمہ مٹر کا سالن، رومال میں لپٹی تازہ گرم روٹیاں دہی کی پودینے والی چٹنی اور گھر کا بنا اچار!
گھر کی خواتین یقیناً "بہت سلیقہ مند اور سگھڑ ہیں۔ وہ پہلی پہلی رائے قائم کر چکا تھا۔ لیٹ ناشتا کرنے کی وجہ سے وہ اکثر دوپہر کا کھانا گول کر جاتا تھا۔ لیکن آج تو ہر چیز خلاف معمول تھی۔ سو وہ رغبت سے دوپہر کا کھانا کھا رہا تھا۔
مین مارکیٹ یہاں سے کافی دور تھی اس لیے اہل محلہ کو اپنی چھوٹی موٹی ضرورت کی تقریباً" سب ہی چیزیں اس دکان سے مل جاتی تھیں۔ لہٰذا گاہکوں کی آمدورفت میں وہ بور ہونے کے لیے وقت ہی نہیں نکال پایا تھا۔
"بہرحال یہ میری چوائس نہیں ہے۔" یہ خیال ایک لمحے کے لیے بھی اس کے ذہن سے محو نہیں ہوا تھا۔
اس کے موبائل پر میسج بیپ ہوئی تھی۔
"بہرام! ایجنسی سے میرا ڈائجسٹ لیتے آنا۔" امی کا پیغام پڑھ کر وہ مسکرایا تھا۔ اچانک عقبی دیوار سے بلند ہوتی نسوانی چیخ نے بے اختیار اسے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونسنے پر مجبور کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ایک تو میرے ہونٹوں کے آس پاس کوئی تل بھی نہیں ہے۔ کیا ہوتا جو قدرت دولت حسن پر کوئی دربان ہی بٹھا دیتی۔"
وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں لپٹا دھاگہ قینچی کی مانند چلاتی اپنے چہرے کے قریب لائی تھی۔
"آئے ہائے یہ کیا کر رہی ہے؟" دادی عقب میں جھانک کر یوں اچانک بولیں کہ وہ اچھل ہی تو پڑی جس کے نتیجہ میں اس کے ہونٹوں کے اوپر چھوٹا سا کٹ لگ گیا۔
"مونچھیں بنا رہی ہوں" مشی جل کر بولی تھی۔ دادی ہمیشہ اس کے کام میں رکاوٹ ہی بنی تھیں۔
"یہ کیا بکواس ہے؟" دادی بھڑکی تھیں پھر ذرا غور سے اس کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھا۔
"اپر لپس بنا رہی تھی دادی!" مشی اپنی انگلیاں دھاگے سے آزاد کرتی گہری سانس کھینچتی بیڈ پر بیٹھ گئی۔
"اپس یہ کیا بلا ہے؟"
"اپنی زبان میں بتاؤں تو آپ کو بکواس لگتی ہے اگر معقول الفاظ میں بتاتی ہوں تو آپ کو سمجھ میں نہیں آتا۔۔۔ خیر! آپ اپنی کہیں کیا کام ہے؟"
"اچھا اچھا! جب تمہارے یہ سولہ سنگھار پورے ہو جائیں تو آکر میرے سر میں ذرا تیل مالش کر دو درد سے پھٹا جا رہا ہے۔"
"آ رہی ہوں" زخم پر پاؤڈر لگانے کے بعد وہ ان کے پیچھے باہر آگئی وہ "دل میں مگر جلتے رہے چاہتوں کے دیے تیرے لیے" گنگناتی چارپائی پر دو زانو ہو کر نیچے چوکی پر بیٹھی دادی کے سر میں تیل کی مالش کرنے لگی تھی۔ اس کی نرم انگلیاں ابھی کوئی جادو سا جگانا چاہتی ہی تھیں کہ اچانک کاغذ میں لپٹا وٹہ ان کے قریب آگرا۔ مشی نے جلدی سے جھپٹ کر اٹھایا اور ٹانگوں کے نیچے دبا دیا۔
کاغذ میں لپٹا وٹہ یعنی حمنہ کا بلاوا!

"ارے یہ تم میرے سر پر مالش کر رہی ہو یا تھپڑوں کی بارش! اغضب خدا کا دماغ پلپلا کر دیا ہے میرا۔ ہٹاؤ اپنے ہاتھ تیر والی گولی کھا لیتی تو اب تک افاقہ بھی ہو چکا ہوتا۔" دادی گھٹنوں پر زور دیتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☼ ☼ ☼

حمنہ کے گھر ہمیشہ کی طرح پرسکون خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ مشی اس کی اماں کو سلام کرنے کے بعد جلدی سے عاقب کے کمرے میں گھس گئی۔
"دفع کرو حمنہ! یہ بھی کوئی دیکھنے کی چیز ہے؟" مشی نے کشن اٹھا کر گود میں رکھ لیا۔
"ارے نہیں مشی! اسٹار پلس کا سب سے مشہور سیریل ہے یہ۔"
"خاک مشہور ہے، خون خشک ہونے لگتا ہے میرا ان چڑیلوں کی مکاریاں دیکھ کر" حمنہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش ہونے کا اشارہ کیا لیکن اسی وقت اس کی اماں نے اسے آواز دی تو وہ ریموٹ پٹختی وہاں سے اٹھ گئی۔ مشی نے ریموٹ اٹھا کر فوراً" چینل بدلا تھا۔
باہر سے آنے کے بعد عاقب کو ٹی وی چلنے کی آواز سنائی دی تو وہ خاصے جارحانہ تیور لیے! اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ حمنہ کی بجائے مشی کو وہاں بیٹھا دیکھ کر اس کے چہرے کے زاویے بہت تیزی سے تبدیل ہوئے تھے۔ مشی دل ہی دل میں گڑبڑاہٹ پر قابو پاتی لاپرواہی سے کہنے لگی۔
"اچھے ہمسائے ہو کانوں کان خبر بھی نہیں ہونے دی ہم کون سا تار چوری کر کے بھاگ جاتے"
"ارے نہیں نہیں سمجھا حمنہ نے تمہیں بتا دیا ہوگا"
"خیر اگر تم اجازت دو تو میں اور حمنہ اس پر اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھ لیا کریں؟" مشی نے لگے ہاتھوں ایک تیر سے دو شکار کرنے چاہے۔
"ہاں ہاں کیوں نہیں" عاقب کی خوشدلی کبھی کبھار حیرت میں ڈال دیتی تھی اسے۔

"ویسے تم اس گلابی رنگ میں بہت پیاری لگ رہی ہو۔"
مشی کا دماغ گھوم گیا "کیا مطلب؟"
"اں نہیں وہ۔۔۔" عاقب بری طرح گڑبڑایا تھا۔
"میں صرف گلابی نہیں بلکہ ہر رنگ میں پیاری لگتی ہوں۔" عاقب کی رکی سانس بحال ہوئی تھی۔
اسی وقت حمنہ اندر داخل ہوئی۔
"کیوں حمنہ! یہ عاقب کہہ رہا ہے میں گلابی رنگ میں "بہت پیاری" لگ رہی ہوں جبکہ میرا خیال ہے کہ مجھ پر تو ہر رنگ ہی جچتا ہے"
حمنہ کی حیرت سے پھیلی آنکھیں! عاقب کھسیا کر بغلیں جھانکنے لگا۔
(بچو! میں پہلے اپنا ضبط آزماتی ہوں پھر دوسروں کا)
"اچھا بھئی میں تو چلتی ہوں" مشی ہاتھ جھاڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"بہرام! دس از ناٹ فیئر!" امی نے خفگی سے کہا تھا۔
"امی اگین ویری سوری! پتا نہیں کیسے میرے دماغ سے نکل گیا۔"
"حالانکہ میں نے تمہیں میسج بھی کیا تھا" امی کا افسوس کم نہیں ہوا تھا۔
"ہاں وہ پتا نہیں کیسے۔۔۔ میں ابھی جا کر لے آتا لیکن ایجنسی اس وقت بند ہو چکی ہوتی ہے۔ ان شا اللہ کل ضرور لا دوں گا۔"
"پتا نہیں ایمن بے چاری کے ساتھ کیا ہوا ہوگا؟" امی کی سوئی اپنے کسی ناول میں اٹکی ہوئی تھی۔
"راتوں رات کچھ نہیں ہوگا آپ کی ایمن بے چاری کو۔" بہرام کو ہنسی آگئی تھی امی اسے گھور کر رہ گئیں۔
"اچھا وہ شادو بتا رہی تھی آج مشتاق ماموں آئے تھے خیریت؟" وہ موضوع بدل گیا تھا۔
"مشتاق اپنے ساتھ خیریت کہاں لاتا ہے؟" امی نے گہری سانس کھینچی تھی بہرام استفہامیہ نظروں

سے انہیں دیکھنے لگا۔
"سدرہ کا رشتہ طے کر رہا ہے اپنے کسی جاننے والوں میں۔"
"تو کیا عالیہ آنٹی اور سدرہ خوش نہیں ہیں؟"
"اپنوں کے بغیر خوشی خوشی نہیں لگتی بہرام!"

☼ ☼ ☼

"جو میں کہتی ہوں وہ کرتی ہوں اور جو نہیں کہتی وہ تو ضرور ہی کرتی ہوں۔"
"اب کیا کرنے لگی ہو؟" دادی نے ہول کر اسے دیکھا تھا۔
"ہم اپنے گھر میں کیبل لگوا رہے ہیں دادی!" عاقب کو اسی وقت مزا چکھانے کے باوجود وہ اپنے دل میں تہیہ کر چکی تھی کہ اب کم از کم ٹی وی دیکھنے حمنہ کے گھر ہرگز نہیں جائے گی۔
"ابا سے یہ بات منوانے کے لیے مجھے آپ کی سپورٹ چاہیے۔"
"ایویں ہی یہ کون سا نیکی کا کام ہے؟" دادی نے صاف دامن بچایا تھا۔
"سچ میں دادی! ایک نمبر کی بے مروت خاتون ہیں آپ۔ خیر میں اپنے بل بوتے پر اپنی بات منوالوں گی۔"
اور رات کو جب ابا کھانا کھا رہے تھے تو وہ ان کے ساتھ بیٹھی بہت مسکین لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "سارا دن اماں اور دادی چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے دوڑائے رکھتی ہیں۔ دونوں بہن بھائی ہیں تو عمر میں چھوٹے جن سے اپنے پسند کے موضوع پر بات بھی نہیں کی جاسکتی۔ تفریح نام کی کوئی چیز نہیں ہے میرے پاس۔ پلیز ابا کیبل لگوادیں نا۔" سیدھے سادے ابا کا دل منتوں میں پگھل گیا تھا صبح وہ فخریہ کالر اکڑاتے ہوئے دادی سے کہہ رہی تھی۔
"دیکھا میرا کمال دادی!"
"ہاں تمہارے جیسے نکمے جب کچھ نہیں کرتے تو بس کمال ہی کرتے ہیں۔"
"خیر اب تو آپ یہی کہیں گی" دادی اور اس کی نوک جھوک معمول کی بات تھی اب تو اماں نے بھی اسے ٹوکنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ کون سا باز آجانے والوں میں سے تھی۔
"سارا دن ماں بے چاری اکیلی کاموں میں لگی رہتی ہے۔ اتنا نہیں ہوتا کہ اس کا کچھ ہاتھ ہی بٹادو۔" دادی اپنے پسندیدہ موضوع پر لوٹ رہی تھیں۔
"اس عمر میں لڑکیاں سارا گھر بار سنبھال لیتی ہیں اور ایک تم ہو"
"کیا کہنا چاہتی ہیں آپ کہ میری اماں بہت سست ہیں اور کسی کی مدد کے بغیر اپنا کام نہیں کرسکتیں؟ آخر ہیں نا وہی روایتی ساس! یقیناً" بہو کو جتانے کا کوئی طریقہ ہوگا یہ بھی۔ لیکن میں آپ کو بتادوں دادی کہ میری اماں۔۔۔"
دادی تو دادی اس کی جذباتی تقریر سن کر اماں بھی دم بخود رہ گئیں۔ جب کچھ ہوش آیا تو ہاتھ خود بخود پیروں میں پہنی چپل کی طرف بڑھ گیا۔
"ارے اماں! کمال کرتی ہیں آپ بھی ایک تو میں آپ کے۔۔۔" چپلوں کے وار سے بچتی بچاتی وہ بھاگ کر کمرے میں بند ہوگئی۔

☼ ☼ ☼

اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ منہ سے چادر ہٹا کر مندی مندی آنکھیں کھولیں رونے کی گھٹی گھٹی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ دادی جائے نماز پر بیٹھی دونوں ہاتھ پھیلائے دعا مانگ رہی تھیں۔ انہیں کون سا غم یوں رلاتا تھا۔ مشی اچھی طرح جانتی تھی۔ اس کا دل دکھ سے بھرنے لگا۔ دل چاہ رہا تھا مشتاق نامی شخص کو بری طرح جھنجھوڑ دے جس نے محض ضد کی خاطر اتنے لوگوں کو رونے اور روتے رہنے پر مجبور کردیا تھا۔
وہ بے دلی سے چادر ایک طرف ہٹاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ نماز پڑھی، ناشتا کرنے کے بعد جھاڑو اٹھا کر صحن کی صفائی شروع کردی۔
"اے مشی! پردہ کرنے لگی ہو کیا؟" دیوار پار حمنہ کا چوکھٹا برآمد ہوا تھا۔

"نہیں، آج آؤں گی تمہارے گھر ویسے ہم نے کیبل کنکشن لگوالیا ہے"
"ہائیں! تمہاری اماں اور دادی کیسے مان گئیں؟" حمنہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔
"میں نے ابا سے بات کی تھی اور ابا میری کوئی فرمائش نہیں ٹالتے"
"ہاں یہ تو ہے، ویسے مشی میں سوچ رہی تھی ایف اے میں داخلہ نہ لے لیں؟ قسم سے کالج کی لائف بہت حسین ہوتی ہے۔ ایک ہم ہیں جو میٹرک کے بعد گھر میں پڑی سڑ رہی ہیں" حمنہ قدرے آگے کو جھک آئی تھی۔
"آئیڈیا برا نہیں ہے۔ میں ابا سے بات کرکے تمہیں بتاؤں گی" وہ دونوں بہت کم سی بات پر اختلاف کرتی تھیں۔
"حمنہ! میرے کپڑے استری کردیے۔۔۔" پیچھے سے عاقب نے آواز دی تو حمنہ جلدی سے نیچے اتر گئی۔ مشی نے پھر سے جھاڑو اٹھالی تھی۔
"پھر ایک نیا شوشا چھوڑ دیا تم نے؟" اماں نے اسے بری طرح گھورا تھا۔
"اس میں شوشے والی کیا بات ہے؟ میٹرک تک تعلیم بھی کوئی تعلیم ہوتی ہے بھلا؟ میں نے ایف اے کرنا ہے بس!"
"جسے میٹرک کے بعد شعور نہ آئے اسے پھر ساری زندگی شعور نہیں آتا" دادی نے فلسفہ جھاڑا تھا۔ لیکن وہ بھی مشی تھی اپنے نام کی ایک۔
"ہم تمہاری شادی کا سوچ رہے ہیں۔ کالج میں داخلہ لینے کا خیال دماغ سے جھٹک دو بس جتنی تعلیم قسمت میں تھی حاصل کرلی۔" اس بار وہ اس کی ایک نہیں سننے والی تھیں۔
"ارے ایسے کیسے میری شادی کا سوچ رہی ہیں؟ میں پہلے لو کروں گی پھر میرج یعنی لو میرج!" دادی اور اماں ہکا بکا اس کی شکل دیکھ کر رہ گئیں جبکہ وہ مزے سے کندھے اچکاتی باہر نکل گئی۔
دیوار پار چھوٹے سے کپڑے سے ریک میں پڑی چیزوں کی گرد جھاڑتے بہرام کو ہنسی آگئی۔
"تو مشی صاحبہ کا نیا کارنامہ!"
وہ درپردہ اس کی اوٹ پٹانگ باتوں اور حرکتوں سے لطف اندوز ہوتا رہتا تھا کہ محترمہ خاصا اونچا بولنے کی عادی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"دادی! عالیہ پھپو کا فون ہے۔" مشی کی خوشی سے کانپتی آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی۔ ہانپتی کانپتی دادی بہت مشکل سے فون اسٹینڈ تک آئی تھیں۔
"میرے جگر کا ٹکڑا، میرے دل کی ٹھنڈک! کیوں اتنی دور ہوگئی ہو میری نظروں سے؟" آنسو قطرہ قطرہ ان کے جھریوں زدہ چہرے سے گر رہے تھے۔ مشی دم سادھے اماں کا ہاتھ تھامے کھڑی تھی۔ "کہتے ہیں بیٹیاں پرایا دھن ہوتی ہیں پر تم شادی کے بعد یوں پرائی ہوئیں کہ کوئی اپنا یاد ہی نہیں رہا تمہیں"
"ماں!" ائیر پیس سے پھپو کی نمی سے بوجھل آواز ابھری تھی۔
"آپ کو ایک بات بتانی تھی۔"
"کون سی بات؟"
"سدرہ کا رشتہ طے ہوگیا ہے۔ مشتاق کے دوست ہیں ظفران کے بیٹے سے" ریسور پر دادی کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑی تھی "اتنی دوریاں اتنے فاصلے!
"اب بھی نہ بتاتیں بیٹا! جب نکاح کے چھوہارے بٹ جاتے تب ایک ہی بار اطلاع دے دیتیں" دادی نے بے جان ہاتھوں سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا تھا۔ اماں نے فوراً" آگے بڑھ کر ان کا لرزتا بوڑھا وجود بانہوں میں بھرلیا۔
"ہائے کاش!" مشی غصے سے مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اگلے ڈھیر سارے دن یونہی گزر گئے۔ عالیہ پھپو کی فون کال اور سدرہ کے رشتے کی باتیں یوں موضوع گفتگو بنیں کہ مشی کالج میں داخلہ لینے والی بات بھی

وقتی طور پر بھول بھال گئی۔

یہ بھی ایک عام سا ہی دن تھا۔ دادی نے اعلان کیا کہ آج دوپہر کا سالن وہ خود پکائیں گی۔ ہفتے دو ہفتے بعد وہ ایسے اعلان کرتی رہتی تھیں۔ ایسے میں اماں ایک طرف بیٹھ کر چین کی بانسری بجاتیں اور سارا کچن دادی سنبھال لیتیں۔ کیونکہ دوران کام انہیں کسی کی مدد کے تحت ہی سہی اپنے کام میں مداخلت کرنا گراں گزرتا تھا۔

یہ جاتی سہ پہر کا وقت تھا۔ وہ مزے سے چوکی پر بیٹھی دادی کے ہاتھ کا بنا لذیذ کھانا کھا رہی تھی کہ سامنے سے آتی چاندنی باجی کو دیکھ کر نوالہ حلق میں اٹک کر رہ گیا۔

"الٰہی خیر!" وہ دونوں ہاتھ چہرے پر رگڑتی سلاخوں والی کھڑکی سے چپک کر کھڑی ہو گئی۔

"خدا جھوٹ سے بچائے دادی! میں تو آپ کے گھرانے کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتی پر ایک یہی بات دل کو لگتی ہے کہ کل کو خدانخواستہ مجھے کچھ ہو گیا تو آپ ساری عمر اس قرض کے عوض خدا کے ہاں پکڑی کھڑی رہیں گی۔"

ایک ڈرامائی وقفہ! مشی دم سادھے کھڑی رہی۔

"قرض! کیسا قرض؟" دادی نے ناک پہ انگلی دھرے حیرت سے پوچھا تھا۔ اور جب چاندنی باجی نے قرض کی نوعیت کے بارے میں بتانا شروع کیا تو دادی مارے غصے کے تھر تھر کانپنے لگیں۔ کم از کم مشی کو ایسا ہی لگا تھا۔ اس نے زور سے اپنی آنکھیں بند کرلی تھیں لیکن آنکھیں بند کردینے سے حقیقت نہیں بدل جایا کرتی۔

چاندنی باجی جب اپنا قرض بمعہ سود لے کر چلتی بنیں تب دادی کی دھاڑ نے نا صرف آنکھیں کھولنے بلکہ حقیقت کا سامنا کرنے پر بھی مجبور کردیا تھا۔

"میر صادق کی پھپھی! رسالے پڑھ کر بھی اخلاقیات نہ نبھا پائیں۔" پے در پے صدموں نے مشی کی کمر توڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

☼ ☼ ☼

امی عشاء کی نماز کے بعد اپنے اور اس کے لیے چائے بنا رہی تھیں۔ ابا کا اپنے کسی دوست کے ہاں ڈنر تھا۔ اس لیے وہ سر شام ہی تیار ہو کر گھر سے چلے گئے تھے۔

گھر کے تینوں مکین اپنے ہی مدار میں رہتے زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ نہ کوئی ہلا گلا نہ کوئی موج مستی! بہرام کو اپنے گھر میں ہمہ وقت پھیلا سکوت اب وحشت زدہ کردیتا تھا۔

دروازہ ہلکی سی چرر کی آواز کے ساتھ کھلا۔ امی نے دائیں ہاتھ میں چائے کی ٹرے پکڑ رکھی تھی اندر داخل ہونے کے بعد بائیں ہاتھ سے مڑے بغیر دروازہ دھکیل دیا جو چرر کرتا ہلکی سی ٹھاہ کے آواز کے ساتھ بند ہو گیا تھا۔

"امی! یہ رہا آپ کا رسالہ" اس نے چائے کا کپ لیتے ہوئے سامنے میز پر پڑے رسالے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"شکر تمہیں یاد تو آیا۔" امی وہیں اس کے قریب صوفے پر بیٹھ کر ورق گردانی کرنے لگیں۔

"ویسے آپ کی ایمن بے چاری کو تو طلاق ہو گئی"

"ہاں!" امی نے افسوس سے سر جھٹکا تھا۔

"لیکن تمہیں کیسے پتہ چلا؟" جلد ہی افسوس پر حیرت غالب آگئی تھی۔

"امی! کیا ہمارے محلے میں کوئی خاتون کرائے پر رسالے نہیں دیتیں؟ مطلب فی دن کرائے کے حساب سے؟ خوامخواہ میں نیا مہینہ شروع ہوتے ہی آپ ایجنسی تک میری دوڑیں لگوانا شروع کردیتی ہیں"

"بہرام!" امی نے رسالہ ایک طرف رکھ دیا تھا۔

"یہ تم آج کچھ عجیب سی باتیں نہیں کررہے؟" اور وہ ادھر ادھر دیکھتا سر کھجا کر رہ گیا تھا۔

"خیر چھوڑو، میں نے تمہیں یہ بتانا تھا کہ مجھے تمہاری پسند کی تین لڑکیاں تو اپنے خاندان میں ہی مل گئی ہیں۔ اب ان تینوں میں سے تم جسے فائنل کروگے میں اسی سے تمہاری شادی کروں گی۔"

"اوہ!" وہ جو قدرے ریلیکس انداز میں پھیل کر بیٹھا ہوا تھا ایک جھٹکے سے سیدھا ہو بیٹھا۔

"لڑکی پڑھی لکھی، میچور، سلیقہ مند اور کم گفتار ہونی چاہیے یہی کہا تھا نا تم نے؟" امی مگن انداز میں اور بھی بہت کچھ کہے جا رہی تھیں۔

وہ قدرے بے چین سا ہو کر کپ اٹھائے کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ اسے لگا گھر میں پھیلے سناٹے اس کے دل میں اترنے لگے ہوں۔

☼ ☼ ☼

دروازے پر زوردار قسم کی دستک ہوئی تھی۔ ابا کام پر، احمد اور چھٹکی اسکول جبکہ اماں دادی کے ساتھ محلے میں کسی کی عیادت کرنے گئی ہوئی تھیں۔ اتنی جلدی ان کی واپسی کی امید نہیں کی جاسکتی تھی۔

"پھر کون ہو سکتا ہے؟" مشی نہانے کے بعد گیلے بال سلجھا رہی تھی۔ برش پھینک کر جلدی سے دوپٹہ اوڑھتی باہر آگئی۔

"کون ہے" پوچھنے کے ساتھ ہی بنا جواب کا انتظار کیے دروازہ کھول دیا۔

"ابا!"

پٹیوں میں جکڑے ابا کو کسی کا سہارا لیے دروازے پر کھڑا دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی۔ منہ پر ہاتھ رکھتے آہستہ سے الٹے قدموں پیچھے ہٹی تھی۔

"ابا! یہ سب کیسے ہوا؟" آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر رخساروں پہ بہہ نکلے تھے۔

"کچھ نہیں ہوا، بس معمولی سا ایکسیڈنٹ ہے تم کیوں بچوں کی طرح رو رہی ہو؟" ابا نے تخت پر لیٹتے ہوئے ــــ کا سہارا لیا تھا۔

"ابا! آپ کو درد ہو رہا ہوگا؟" دوپٹہ سر سے ڈھلک کر کندھے پر آگرا تھا۔

"ظاہر ہے چوٹیں آئی ہیں درد تو ہوگا" مشی نے پہلی بار پلکیں اٹھا کر ساتھ کھڑے اجنبی کو دیکھا تھا پھر جلدی سے نظروں کا رخ بدلتے ہوئے ڈھلکا دوپٹہ سر پر جما لیا۔

"بیٹا! بہرام کو کوئی چائے پانی کا پوچھو" اس نے شاکی نگاہوں سے ابا کو دیکھا تھا حالانکہ جانتے بھی تھے کہ ــــ

"ارے بھئی مسئلہ یہ ہے کہ میری بیٹی کے ہاتھ سے بنی چائے صرف میں ہی پی سکتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں انکل! آج میں بھی اس تجربے سے گزرنا چاہوں گا۔" کمال بے تکلفی سے کہتے موصوف نے موڑھا سنبھال لیا تھا۔ لیکن وہ بھی سنی ان سنی کا تاثر دیتی ڈھیٹ بنی کھڑی رہی۔

"مشی! کم بخت پھر دروازہ کھلا چھوڑ دیا تم نے ــــ"

دادی دروازے ہی سے اسے کوستی چلی آرہی تھیں۔ ان کے پیچھے اماں نے دروازہ بند کیا تھا لیکن تخت پر لیٹے ابا پر نظر پڑتے ہی ان دونوں کی حالت مشی کی طرح غیر ہوئی تھی۔

یوں لگا جیسے سب ایک ساتھ بولنا شروع ہو گئے ہوں۔ مشی نے سب کی نظر بچا کر اماں کا بازو ہلایا۔

"اماں! ان صاحب کے لیے چائے بنا دیں، ابا نے کہا ہے۔"

اماں نے سخت ملامتی نظروں سے اپنی پھوہڑ بیٹی کو دیکھا تھا دل تو چاہا دو چار لگا ہی دیں لیکن گہری سانس کھینچتی اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

☼ ☼ ☼

ابا کے ایکسیڈنٹ کی خبر سارے خاندان میں پھیل گئی تھی۔ آئے دن کوئی نہ کوئی پوچھنے چلا آتا۔

اب تو ابا بالکل ٹھیک ٹھاک ہو گئے تھے اور کام پر جانا بھی شروع کردیا تھا۔ ڈھیر سارے دنوں کے بعد سب کچھ پہلے والے معمول پر آیا تو مشی نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

اس نے لکڑی کا بھاری پرانے طرز کا دروازہ تھوڑا سا دھکیل کر اندر جھانکا۔ دادی اپنے کمرے کی از سر نو سیٹنگ میں بری طرح مصروف تھیں۔ وہ گہری سانس کھینچتی اندر آگئی۔

"دادی! کیا کر رہی ہیں؟" اسے دادی کی سالوں سے

سنبھالی گئی نوادرات میں شروع ہی سے دلچسپی تھی۔ جنہیں دادی ہمیشہ اس کے ہاتھوں اور نظر سے بچا کر رکھنے کی کوشش کرتیں۔ لیکن آج تو سالوں سے بند الماریوں کے منہ کھل گئے تھے۔

"کام!" انہوں نے الماری میں سر دیے مختصر جواب دیا۔

"میں مدد کروں؟"

"رہنے دو اگر تم نے مدد کی تو اگلے چار گھنٹوں تک بھی یہ کام مکمل نہیں ہو پائے گا جبکہ میں اکیلی ایک آدھ گھنٹے میں ہی سب کچھ کر کرا کے فارغ بھی ہو جاؤں گی۔" وہ کبھی کبھار اتنی ہی بے مروت بن جاتی تھیں۔

"دیکھ لیں ابھی کچھ دیر پہلے کچن میں گئی تو اماں نے کہا تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ جاؤ یہاں سے میں خود سب کرلوں گی حالانکہ میرا ارادہ تھا انہیں آٹا گوندھ کر دوں اور ادھر آپ ہیں کہ۔۔۔"

"پچھلی بار آٹے کی جو لئی بنا کر رکھ دی تھی تم نے وہ تمہاری ماں ابھی بھولی تھوڑی ہے۔"

"خیر غلطی بھی انسانوں سے ہی ہوتی ہے۔" اس نے حسب عادت کندھے اچکائے تھے۔

"تم واقعی کچھ سیکھنا چاہتی ہو" دادی نے الماری کا پٹ بند کر کے خاصی جانچتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"ہاں تو اور کیا" دادی کو اس کے جواب سے خاصی تقویت ملی تھی۔ فوراً" سب چھوڑ چھاڑ کر اس کے قریب بستر پر بیٹھ کر قدرے ناصحانہ انداز میں بولیں۔

"دیکھ بیٹا! کل کو ہم نے تیری شادی بھی کرنی ہے اگلے گھر جاؤ گی تو وہ کیا کہیں گے کہ ماں اور دادی نے کچھ سکھا کر نہیں بھیجا۔"

"ارے آپ فکر کیوں کرتی ہیں دادی! اینٹ سے اینٹ بجادوں گی ان اگلے گھر والوں کی اگر میری ماں اور دادی کی شان میں کوئی گستاخی کی تو۔۔۔" وہ پھر پٹڑی سے اتر گئی تھی۔

"اٹھ بھاگ یہاں سے کم بخت!" دادی نے چھڑی کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں تو مشی نے وہاں سے اٹھ کر بھاگ جانے میں ہی عافیت جانی۔

"اماں! میں حمنہ کی طرف جا رہی ہوں۔"

اس کی دوڑ حمنہ کے گھر تک ہی تھی۔

"یہ تم کہاں سے بے وقت ٹپک پڑیں؟" حمنہ نے یقیناً" گھٹنوں تلے کچھ چھپانے کی کوشش کی تھی۔

"کیا چھپایا جا رہا ہے؟" اس نے حمنہ کی بات یکسر نظر انداز کر دی تھی۔ حمنہ ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئی۔

"اپنے اور تمہارے لیے بلوچی کڑھائی کا ایک سوٹ سی رہی تھی۔ سوچا تمہیں سرپرائز دوں گی۔ لیکن تم شیطان کی طرح یاد نہ بھی کرو تب بھی نازل ہو جاتی ہو۔" نیلے آسمانی رنگ کے کاٹن کی لانگ شرٹ پر گہری نیلے دھاگوں کی نفیس سی کڑھائی کی ہوئی تھی۔

"ہائے حمنہ تم کتنی اچھی ہو" وہ سچ مچ اس سے لپٹ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ حمنہ کے گھر سے واپس آئی تو پر اسرار سی خاموشی نے اس کا استقبال کیا تھا۔ وہ حیران سی ہوتی آگے بڑھ گئی۔ اچانک دھاڑ سے بڑے کمرے کا دروازہ کھولا تو کمرے میں موجود نفوس چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔ اور وہ اپنی جگہ جم سی گئی۔ وہ یقیناً" عالیہ پھپھو ہی تھیں۔ ساتھ میں مشتاق پھوپھا اور ان کا بیٹا شاہ زیب!

دادی اور اماں کے ستے ہوئے چہروں پر سے ہوتی ہوئی اس کی نظریں میز پر پڑے مٹھائی کے ڈبوں اور میرون رنگ کے کارڈز پر ٹھہر گئیں۔

"اوہ!" وہ ایک لمحے میں ساری صورت حال بھانپ گئی۔

"السلام علیکم!" وہ دوپٹہ سر پر اوڑھتی اندر آگئی تھی۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو مشی؟" شوہر اور بیٹے کے درمیان بیٹھی پھپھو اسے بہت اجنبی لگی تھیں۔ وہ جواب دے کر اماں کے ساتھ کرسی پر ٹک گئی۔

"پھر کب سے شروع ہے شادی؟" دادی کا لہجہ رویا رویا سا تھا۔

"کارڈ میں لکھا ہے سب" ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے پھوپھا نے خشک لہجے میں جواب دیا تھا۔

"تو پھر آپ کارڈ ہی بھیج دیتے" مشی کی زبان پھسلی تھی۔ جہاں دادی نے دہل کر اسے دیکھا وہاں اماں نے سر تھام لیا۔

"سوچا تو ہم نے بھی یہی تھا لیکن آپ کی پھپھو کو شوق ہو رہا تھا رشتہ داریاں نبھانے کا۔" پھوپھا کی بد مزاجی سے کون واقف نہیں تھا۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی اور تھا۔

"مشی!" اماں نے اسے منظر سے غائب ہونے کا اشارہ کیا تو وہ بے دلی سے اٹھ کر باہر آگئی۔ مہمانوں کی خاطر تواضع کا بھی تو کچھ نہ کچھ کرنا تھا۔ کچھ دیر تو وہ یہی سوچتی رہی کہ کیا کرے؟

اچانک اس کے دماغ میں ایک کوندا سا لپکا۔ دوسرے ہی لمحے وہ آہستگی سے درمیان والا دروازہ بجا رہی تھی۔

بہرام نے سوچا یقیناً" دادی ہوں گی سو بے دھڑک دروازہ کھول دیا۔ لیکن سامنے تو وہ تھی جسے ایک نظر دیکھنے کی خواہش روز بروز شدت پکڑتی جا رہی تھی۔ وہ شرٹ بند کرنا بھی بھول گیا تھا۔

"وہ۔۔۔ ہمارے گھر مہمان آئے ہیں بہت خاص مہمان کیا آپ ہمیں بازار سے کچھ سامان لا دیں گے پلیز!"

(ارے اس انداز میں اگر جان بھی مانگو گی تو انکار نہیں کروں گا)

"او نہوں! میری سوچ اتنی لوفرانہ تو کبھی نہیں رہی۔" بہرام نے خود کو گھر کا تھا۔

"ہائے واوے یہ خاص مہمان ہیں کون؟" کچھ بھی تھا بہر حال وہ اس سے بات کرنے کی خواہش دل میں دبا نہیں پایا تھا۔

"ہماری پھپھو اور ان کے ہزبینڈ۔۔۔"

"اوہ اچھا! میں ابھی آیا" عجلت میں کہتے دروازہ بند کر دیا تھا۔

"ارے سنیں تو! میں نے سامان کا تو بتایا ہی نہیں" مشی سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"شاباش ہے بٹی! سالوں بعد پھوپھی ملنے آئی ہے اور بجائے چائے پانی کا انتظام کرنے کے تو اپنے دھیان گیان میں گم آرام سے بیٹھی ہے۔"

"اوہو دادی! میں نے ساتھ والے بہرام کو سامان لانے کا کہا تو ہے" اور ابھی اس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ وہ ہلکا سا دروازہ بجا کر ڈھیر سارے شاپر اٹھائے اندر داخل ہوا۔

"ارے دادی! آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟ آرام سے بیٹھ کر مہمانوں کو کمپنی دیں۔ ان کی خاطر تواضع کا انتظام بس ہوا ہی چاہتا ہے۔"

"میری پوتی گھرداری میں کچھ زیادہ ماہر نہیں ہے۔ اس لیے فکر ہو رہی تھی" دادی نے اس کا پردہ رکھنا چاہا بھی تو کس کے آگے؟ بہرام کو ہنسی آگئی تھی۔ دادی اسے سب کچھ جلدی لے کر آنے کی تاکید کرتی چلی گئیں تو وہ اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"چائے بنالی؟"

"نہیں تو" مشی نے سادگی سے جواب دیا۔

"کیا؟" وہ چلایا تھا۔ "اتنی دیر پھر کیا کرتی رہیں؟"

"ہاں تو ابھی بنا دیتی ہوں" مشی ایک دم برا مان کر خفگی سے بولی۔

"صرف چائے نہیں بنانی بلکہ یہ سارے لوازمات سلیقے سے ٹرالی میں سیٹ بھی کرنے ہیں۔" وہ کچھ دیر کے لیے اس کا ٹیوٹر بن گیا تھا۔ اور مشی بلا چون و چرا اس کی ایک ایک ہدایت پر عمل کرتی گئی کچھ دیر بعد وہ خود کو داد دیے بنا رہ نہ سکی کہ بہر حال سب کام کیا اس نے ہی تھا بہرام نے صرف گائیڈ کیا تھا۔

"سب سیٹ ہے لے جاؤں؟"

"شیور!" بہرام نے عادتاً" بازو سینے پر باندھ لیے تھے۔

"ویسے لڑکیوں کو سب کچھ آنا چاہیے۔ بظاہر کوسنے دینے والی دادی ساری دنیا کے سامنے پردہ رکھ

سکتی ہے لیکن پریکٹیکل لائف کی ذمہ داریاں اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہیں۔ بہرحال۔" ٹرالی دھکیل کر آگے بڑھتی مشی کے قدم ٹھٹک کر رکے تھے اس نے پلٹ کر دیکھا لیکن وہ اپنی بات ختم کر کے جا چکا تھا۔

✲ ✲ ✲

مشی سارے گھر میں جلے پیر کی بلی کی مانند چکراتی پھر رہی تھی۔ لیکن کسی طور قرار نہیں مل پا رہا تھا۔ اماں کتنے اصرار سے انہیں ایک ایک چیز پیش کر رہی تھیں اور جواب میں ان کے بے لچک کھردرا لہجہ!

"مجھے اگر کچھ لینا ہوگا تو آپ سے اجازت کی ضرورت محسوس نہیں کروں گا۔" اماں سے ان کی بدلحاظی کی وجہ سمجھ میں آتی تھی لیکن وہ اپنی ماں کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑتے دیکھ کر بہت تلملائی تھی۔

ان کا بیٹا بھی تو انہی کا پرتو تھا۔ گردن اکڑائے یوں بیٹھا تھا گویا یہاں آ کر ان کی سات نسلوں پر احسان کیا ہو۔ پھپھو البتہ آہستہ آواز میں سدرہ کی شادی کی تیاری وغیرہ کے بارے میں چھوٹی چھوٹی باتیں کرتی رہیں لیکن پھوپھا جب تک بیٹھے رہے کوئی نہ کوئی ایسی بات کہہ دیتے کہ اگلے بندے کا خون خشک ہو کر رہ جاتا۔

ان کے چلے جانے کے بعد جہاں دادی پھوٹ پھوٹ کر روئی تھیں وہاں اماں بے دم ہو کر گر سی گئیں۔

برسوں پہلے دادا صاحب نے عالیہ پھپھو کا رشتہ مشتاق پھپا سے طے کیا تو ساتھ ہی اپنے اکلوتے بیٹے سعود کے لیے مشتاق کی بہن سلمیٰ جہاں کے رشتے کی بات بھی چھیڑ دی۔

سعود وٹہ سٹہ کے حق میں بالکل بھی نہیں تھے لیکن باپ کی بات کی نفی کرنا بھی مناسب نہیں لگا تھا سو خاموش رہے۔

وقت کا پہیہ کچھ اور گھوما۔ پھپھو بیاہ کر مشتاق کے گھر چلی گئیں دادا صاحب بوجہ ضعیفی و مختصر علالت اس جہان فانی سے کوچ کر گئے ان کے چالیسویں کے فوراً بعد ہی وہاں سے سلمیٰ جہاں اور سعود کی شادی کا قصہ چھیڑ دیا گیا۔

سعود پہلے ہی وٹہ سٹہ کے حق میں نہیں تھے مزید سلمیٰ جہاں کی غیر اخلاقی حرکات نے ان کا دل مکدر کر دیا۔ سو انہوں نے ماں کے سامنے رشتے سے انکار کر دیا۔

دادی بیٹی تو بیاہ ہی چکی تھیں لیکن بہت جلد اس خاندان کے طور طریقے انہیں کھٹکنے لگے تھے۔ وہ جانتی تھیں اگر رشتے سے انکار کیا تو بہت بڑا طوفان اٹھے گا جو اپنے ساتھ نجانے کیا کچھ بہا کر لے جائے دوسری طرف بیٹے کی زندگی برباد ہوتے بھی نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ ساری مصلحتیں بالائے طاق ہوئیں، انہیں اپنے بیٹے کی خوشی سے بڑھ کر کچھ نہیں تھا۔ آندھی آئی، طوفان بھی اٹھا۔ کتاب حیات کے اوراق بری طرح پھڑپھڑا کر رہ گئے تھے۔

مشتاق پھپا نے اس بات کو غیرت و انا کا مسئلہ بنا لیا۔ عالیہ پھپھو پر میکے جانے اور کسی قسم کا رابطہ رکھنے پر پابندی عائد کر دی۔

ستم تو یہ تھا خاندان برادری میں کسی خوشی غمی کی تقریبات میں بھی ایک دوسرے سے سلام دعا کرنے کی اجازت نہیں تھی کہ پھپھو کی نند اور دیورانی سائے کی طرح ان کے ساتھ ساتھ رہتیں۔

پھپھو جو اس وقت دو بچوں کی ماں تھیں، جہاں میکا چھوٹ جانے کا قلق تھا وہاں اپنے بھائی کا فیصلہ بالکل درست لگا تھا۔ انہوں نے سب کچھ وقت کے دھارے پر چھوڑ دیا۔

اور وقت کب رکا ہے بھلا؟ کبھی اچھا کبھی برا بہرحال گزر جاتا ہے۔ سلمیٰ کی شادی مشتاق نے اپنے کسی دوست سے کر دی تھی۔ دادی سعود کے لیے اپنی بھانجی زرینہ بیاہ کر لے آئیں اور ہر گزرتے دن نے انہیں احساس دلایا کہ ان کا انتخاب ہرگز غلط نہیں تھا۔

اتنے ڈھیر سارے سالوں بعد وقت کے سمندر میں ایک کنکر گرا تھا۔ کئی دائرے بنے تھے کئی بن کر ٹوٹ گئے تھے۔ مشی کو اپنے دل میں عجیب گھٹن کا احساس ہوا تھا۔ سارا دن لور لور پھرنے کے بعد وہ بے دم سی ہو کر دادی کے قریب بستر پر گری اور ان سے لپٹ کر

سونے کی کوشش کرنے لگی۔ انہوں نے بھی ہمیشہ کی طرح اسے پرے دھکیلنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

✲ ✲ ✲

"میاں صاحب زادے! دل لگ گیا کام میں؟"

کوئی اور وقت ہوتا تو وہ یقیناً "ابا کو ۔۔۔ جواب دیتا کہ "دل لگانے کے لیے کیا وہی دکان رہ گئی ہے؟" لیکن ایک خوب صورت مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا تھا۔

"جی ابا! بہت دل لگ گیا"

وہ اس کے لہجے کی معنی خیزی پر غور کیے بنا سادگی سے مسکرا دیے تھے۔

"بہرام! فارغ ہو بیٹا؟" امی جوڑا لپیٹتے اندر داخل ہوئی تھیں۔

"جی امی! کوئی کام ہے؟"

"ہاں بیٹا! تمہیں بتایا تو تھا رضوانہ کی بیٹی مائرہ کو دیکھنے جانا ہے۔ بلکہ میں تو دیکھ ہی چکی ہوں سوچا تمہیں بھی ملوا دوں بہت اچھی لڑکی ہے تمہاری پسند سے ملتی جلتی۔۔۔"

"وہ کیا ہے نا امی! ابھی مجھے اپنے ایک دوست کی طرف جانا ہے رضوانہ آنٹی کے گھر پھر کبھی چلیں گے" ایک فوری بہانہ اسے سوجھ ہی گیا تھا۔ امی کی آنکھوں میں خفگی جھلکی۔

"بہرام! تم کب سے مجھے مسلسل ٹالے جا رہے ہو۔ کبھی وہاں جانا ہے تو کبھی یہاں جانا ہے لیکن اس بار میں تمہاری ایک نہیں سننے والی، تم میرے ساتھ رضوانہ کے گھر چل رہے ہو بس، حد ہو گئی ہے اچھی لڑکیاں یوں چٹکیوں میں ہاتھوں سے نکل جاتی ہیں پتا بھی نہیں چلتا۔ آخر ہزاروں امیدواروں کی نظریں ان پر لگی ہوتی ہیں"

"ہر اچھی لڑکی پر نہیں لگی ہوتیں" بلا ارادہ اس کے منہ سے نکل گیا تھا۔

"مطلب؟" امی نے بھنویں سکیڑیں تھیں۔

"مطلب بعد میں بتاؤں گا ابھی پلیز جانے دیں واصف میرا انتظار کر رہا ہوگا"

"ٹھیک ہے لیکن یاد رہے یہ آخری بار ہے اگلی بار میں کوئی ایکسکیوز نہیں سنوں گی۔" امی نے انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا تھا وہ ہلکے سے مسکرا کر رہ گیا۔

"ویسے امی!" جاتے جاتے وہ پلٹ کر بولا تھا۔

"سعود انکل کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ میرے خیال میں آپ کو میرے ساتھ وہاں چلنا چاہیے نہیں؟"

امی جب بھی اسے اپنے ساتھ بر دکھوے کے لیے لے جانے کی بات کرتیں وہ کوئی بہانہ بنا کر نکلنے سے پہلے انہیں سوچنے کے لیے کوئی نیا موضوع ضرور دے کر جاتا۔ اس بار بھی وہ اپنی کوشش میں کامیاب رہا تھا۔

✲ ✲ ✲

یہ وسط فروری کا ایک خوشگوار دن تھا۔ بہاروں کا سندیسہ لائی معطر ہوا پیڑ پودوں کے پتوں سے اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔

وہ دادی کی نظر بچا کر بیری پر چڑھی مزے سے سرخ پکے بیر توڑتی دوپٹے کے پلو میں ڈالتی جا رہی تھی۔ بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ رسی پھاندتی چھٹکی نے بھاگ کر دروازہ کھول دیا۔

صحن میں بلند ہوتی ملی جلی آوازوں پر اس نے شاخوں سے پرے جھانک کر دیکھا۔ تو منہ مارے حیرت کے کھل کر رہ گیا۔ ہاتھ سے پلو چھوٹا اور ڈھیر سارے سرخ بیر نیچے سے گزرتے بہرام پر ٹپ ٹپ کر کے گرتے چلے گئے۔

بہرام نے سر پر ہاتھ رکھے بہت حیرت سے خود پر برستی بیروں کی بارش کو دیکھا تھا۔

"اف!" مشی نے بوکھلا کر جلدی سے نیچے چھلانگ لگا دی۔

"شائستہ اور بہرام تو ایک طرف اماں اور دادی بھی انگشت بدنداں رہ گئیں۔ خود پر جمی نظروں کے ارتکاز سے گھبرا کر اسے اور کچھ نہ سوجھا جلدی سے سلام جھاڑ دیا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام!" شائستہ یوں ہنسی تھیں گویا اس کی بچکانہ شرارت سے خوب لطف لیا ہو۔ بہرام نے مسکراہٹ چھپانے کے لیے رخ موڑ لیا تھا۔ حالانکہ سبز کاٹن کے سادہ شلوار قمیص پر سرخ دوپٹہ لیے چہرے کے اطراف میں جھولتی لٹوں کو کان کے پیچھے اڑستی وہ اتنی من موہنی لگ رہی تھی کہ اس کا دل منٹوں میں بے قابو ہوا تھا۔ دادی کے اگر دانت سلامت ہوتے تو وہ یقیناً" اس وقت انہیں بری طرح کچکچا رہی ہوتیں۔

"آپ اندر آئیں نا!" اماں نے اسے نظروں ہی نظروں میں یہاں سے دفعان ہونے کا اشارہ کیا تھا۔

"ارے تکلف کیسا؟ یہاں بیٹھ جاتے ہیں" شائستہ دادی کے تخت پر آرام سے بیٹھ گئیں۔ دادی کو ایسے سادہ مزاج لوگ بہت پسند تھے فوراً" ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

"آنٹی! آپ کہاں جارہی ہیں؟ ہمارے ساتھ بیٹھیے نا پلیز!"

بہرام نے کچن میں جانے کے لیے پر تولتی اماں کو روک دیا۔ اماں تذبذب کے عالم میں مسکراتی بیٹھ گئیں۔ اب بہرام نے انہیں یہاں سے اٹھنے نہیں دینا تھا وہ کچھ اور سوچ چکا تھا۔

"افوہ! ایک تو یہ اماں بھی ان کے ساتھ چپک کر بیٹھ گئی ہیں" مشی نے ایک بار پھر کوفت زدہ انداز میں لوہے کی سلاخوں کے پار جھانکا تھا۔ ان کے وہاں سے ہلنے کے آثار کم از کم اسے تو دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ اب جو کچھ بھی کرنا تھا اسے ہی کرنا تھا۔

کچھ سوچ کر وہ باہر نکل آئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ دیوار پر چڑھی حمنہ کو آوازیں دے رہی تھی۔

"حمنہ! گھر پر نہیں ہے" عاقب تولیے سے گیلے بال رگڑتا باہر نکلا تھا۔

"کوئی کام ہے؟"

"ہاں! اصل میں مجھے تم سے کام تھا۔ گھر میں کچھ مہمان آئے ہیں بازار سے سامان لادو گے؟"

"ہاں کیوں نہیں؟" وہ محتاط انداز میں بول رہا تھا۔ مشی کو ہنسی آگئی۔ جس طرح چڑیل کے لیے سات گھر چھوڑنے کی مثال دی جاتی ہے اسی طرح فلرٹی لڑکوں کو کم از کم اپنے محلے میں شرافت کا چولا پہنے رکھنا چاہیے۔ عاقب کو سامان کا بتانے کے بعد وہ قدرے ریلیکس انداز میں کچن میں چلی آئی۔ بہت دل لگا کر چائے تیار کی۔ تب تک عاقب نے آواز دی تو وہ فوراً" شاپر لے کر کچن میں گھس گئی۔

"لڑکیوں کو سب کچھ آنا چاہیے!" کچھ دن پہلے کا واقعہ پوری جزیات کے ساتھ دوبارہ زندہ ہو گیا تھا۔

اور آج اس نے ثابت کرکے دکھانا تھا کہ وہ اتنی بھی گئی گزری نہیں۔ سارے لوازمات سلیقے سے پلیٹوں اور ٹرے میں سیٹ کرنے کے بعد دوپٹہ سر پر اوڑھتی باہر آگئی۔

اماں کو تو ایک لمحے کے لیے اسے دیکھ کر سکتہ سا ہو گیا۔ بہرام انہیں ایک کے بعد ایک بات میں الجھا تا اٹھنے نہیں دے رہا تھا اور وہ دل میں بری طرح پشیمان ہو رہی تھیں کہ بیٹی اس قابل نہیں کہ ماں کو باتوں میں مصروف دیکھ کر مہمانوں کے لیے کوئی چائے پانی کا انتظام ہی کرلے۔

لیکن مشی کو کچھ نہ کچھ تو کفارہ ادا کرنا ہی تھا۔

"ارے بیٹا! کیوں اتنا تکلف کرلیا؟" شائستہ کی بات پر اماں کے چہرے پر آسودہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔ بہرام بہت ریلیکس انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے چائے پینے لگا۔ اس کی کوشش اور توقع رائیگاں نہیں گئی تھی۔

☼ ☼ ☼
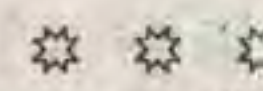
وہ ہمیشہ سے کہتی تھی کہ کوئی کام کرو یا پھر مت کرو۔ بیچ والی کیفیت بہت بری ہوتی ہے۔ سدرہ کی شادی میں آنے کا اس کا بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن اماں اور دادی کے مجبور کرنے پر وہ جیسے تیسے آنے کو تیار تو ہو گئی تھی۔ لیکن یہاں آکر بہت بری طرح پچھتا رہی تھی۔

اتنا قریبی رشتہ ہونے کے باوجود بھی اسے بہت اجنبیت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ تو اماں اور دادی کا حوصلہ تھا جو لوگوں کے ٹیڑھے میڑھے سوالوں کے جواب خندہ پیشانی سے دے رہی تھیں۔ اس کا تو دل چاہ رہا تھا فوراً" اٹھ کر یہاں سے بھاگ جائے۔

اسٹیج پر دلہن بنی سدرہ کو بھی اس نے بس دور سے ہی دیکھا تھا۔ قریب جاکر مبارک دینے کو دل ہی نہیں چاہا۔ کتنی افسانوی سی بات ہے کہ نظروں سے دور رہیں تو کیا ہوا دل سے تو قریب ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کچھ لوگ نظروں سے دور ہونے کے ساتھ ساتھ دل سے بھی بہت دور ہوتے ہیں۔

"ارے اماں! آپ لوگ کیوں ایک جگہ ڈیرہ جما کر بیٹھ گئی ہیں؟ اسٹیج پر چلیں نا۔ سدرہ کب سے آپ لوگوں کا پوچھ رہی ہے۔" پھوپو کے گرد اپنے سسرالی عزیزوں کا گھیرا آج بھی اتنا ہی تنگ تھا جتنا کہ برسوں پہلے۔

ماں، بھابھی اور بھتیجی کو سب سے الگ تھلگ غیروں کی مانند بیٹھے دیکھا تو رہا نہیں گیا۔ دادی کی پیاسی نظریں بیٹی کو قریب سے دیکھ کر سیراب ہونے لگی تھیں۔

"مشی! تم اٹھو یہاں سے اپنی عمر کی لڑکیوں کو دیکھا ہے کیسے اسٹیج پر دھاوا بول رکھا ہے۔ آخر اس کی ننھیال میں سے بھی تو کسی کو ہونا چاہیے" مشی کو مخاطب کرتے ہوئے آخر میں ان کی آواز رندھ گئی تھی۔ وہ پلکیں جھپک کر آنسو پینے کی سعی کرنے لگیں۔

پھپو کی نند تسلیمہ جہاں کی ان پر نظر پڑی تو تیر کی طرح ان کے سر پر پہنچی تھیں۔ "لو بھئی! دلہن کی اماں تو یہاں اپنے رونے رو رہی ہیں۔ باقی سارے مہمان جائیں بھاڑ میں" ان کا انداز ایسا تھا کہ جو لوگ متوجہ نہیں ہیں وہ بھی متوجہ ہو جائیں۔

"نہیں وہ تو میں۔۔۔"

"اپنے رونے رونے کے لیے یہ وقت مناسب نہیں ہے بھائی جان! سدرہ کے سسرالیوں نے دیکھ لیا تو کیا سوچیں گے؟ ہماری عزت کی تو ویسے بھی آپ کو پروا نہیں ہے۔ کم از کم اپنی بیٹی کا ہی کچھ خیال کریں۔" سلمٰی کے دل میں آج بھی ان کی طرف سے میل تھا۔

"ہونہہ!" آخر میں اماں کو کینہ توز نظروں سے گھورتی وہ وہاں سے چلی گئی تھیں۔

مشی کا دل اتنا برا ہوا کہ وہ وہاں سے اٹھ کر کاسنی پھولوں والی بیل سے لپٹی گرل کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے حمنہ کا گفٹ کیا بلوچی کڑھائی والا سوٹ پہن رکھا تھا۔ کندھے سے نیچے آتے بالوں کو تھوڑا سا اوپر کرکے کیچر لگائے باقی بال کھلے چھوڑ دیے تھے۔ میک اپ کے نام پر صرف نیچرل کلر کی لپ اسٹک لگا رکھی تھی۔۔۔

کسی خاص اہتمام کے بغیر بھی وہ بہت منفرد بہت خاص دکھائی دیتی تھی۔

"بور ہو رہی ہو؟" بہرام کب سے اسے بے زار سی شکل بنائے لوگوں کا جائزہ لیتے دیکھ رہا تھا۔ آخر رہا نہیں گیا تو ساتھ آکر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں بہت" مشی نے فوراً" جواب دیا تھا۔ پھر قدرے سنبھل کر کھڑی ہو گئی۔

"حالانکہ مجھے لگتا تھا تمہاری موجودگی میں بوریت نام کی کوئی چیز آس پاس پھٹک بھی نہیں سکتی۔"

"کیوں میں کوئی جوکر ہوں" وہ ایک دم برا مان کر بولی تھی۔

"تمہیں پتا ہے سب سے زیادہ بور جوکر ہی ہوتے ہیں۔ لوگوں کو انٹرٹین کرکے وہ خود شدید قسم کی بوریت کا شکار ہو جاتے ہیں" مشی نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"ایک بات کہوں مائنڈ تو نہیں کرو گی؟"

"اگر مائنڈ کرنے والی ہوئی تو ضرور کروں گی" وہ شاہانہ انداز میں گویا ہوئی تھی۔ بہرام خاموش ہو کر سامنے دیکھنے لگا۔ شائستہ دادی لوگوں کے ساتھ بیٹھی نجانے کہاں کہاں کے قصے چھیڑے بیٹھی تھیں۔ مشی کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی لیکن وہ تو لگتا تھا بات شروع کرکے بھول گیا ہے۔

"اب کہہ بھی دیں کیا کہنے والے تھے؟" وہ مانتی تھی صبر کا مادہ اس میں واقعی بہت کم تھا۔

"گھر میں بچکانہ شراتوں اور اوٹ پٹانگ حرکتوں کی وجہ سے دادی سے جھڑکیاں سننے والی مشی اور یہاں شور ہنگامے سے دور چپ چاپ کھڑی اداس مشی میں بہت فرق ہے۔ نہیں؟"

مشی پوری کی پوری اس کی طرف گھوم گئی تھی۔ اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"آپ دکان میں بیٹھ کر میری جاسوسی کرتے ہیں؟ نہیں! بلکہ کان لگا کر میری باتیں سنتے رہتے ہیں؟" آنکھیں جھپک جھپک کر خفگی سے بولی وہ پھر پہلے والی مشی بن گئی تھی۔ بہرام کو ہنسی آگئی۔

"کان لگا کر سننے کی ضرورت پیش نہیں آتی مادام! بلکہ بعض اوقات کانوں میں انگلیاں ٹھوس لینے کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔"

"ہمارا گھر ہے ہم چیخیں یا چلائیں آپ کو کیا؟" کیا انداز بے نیازی تھی بہرام اش اش کر اٹھا۔

"ہاں واقعی ہمیں کیا؟" بالکل اسی کے انداز میں کہہ کر وہ پھر سامنے دیکھنے لگا تھا۔

"ویسے تم میری بات کے دوسرے حصے کو گول کر گئیں" بہرام نے پھر بات کا سرا پکڑا تھا۔ مشی گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

"میں سوچ رہی تھی کچھ لوگ دوسروں کے لیے روتے رہنے کا ایک واضح جواز چھوڑ کر خود اپنے لیے کس طرح خوشیاں کشید کرلیتے ہیں" وہ یوں کسی سے اپنی سوچیں شیئر نہیں کرتی تھی۔ لیکن مقابل بھی تو وہ تھا۔

"ایک ماں کے دل کی دو بڑی خواہشیں یہی ہوتی ہیں کہ ایک تو اس کی اولاد اس کی آنکھوں کے سامنے رہے دوسری یہ کہ وہ ہمیشہ خوش رہے لیکن اس شخص نے میری دادی کی دونوں خواہشیں حسرت بنادی ہیں۔" اس کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھ گیا تھا۔

بہرام کی نگاہیں خود بخود ہی وائٹ کاٹن کے شلوار قمیص میں ملبوس مشتاق انکل پر جم گئی تھیں ساتھ کھڑی لڑکی کی آنکھوں میں جمع ہوتے نمکین قطرے اسے اپنے دل پر گرتے محسوس ہوئے تھے۔

"وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا۔ آج برا ہے تو کل اچھا ضرور آئے گا۔"

اس کے لہجے میں ڈھارس بندھاتی امید تھی۔

"کل کس نے دیکھا ہے؟" وہ ہنسی تھی لیکن بہرام کو لگا رونے کا ایک اسٹائل شاید یہ بھی ہے۔

"انہوں نے کوئی چوائس نہیں رکھی تھی ہمارے سامنے بس فیصلہ صادر کردیا تھا وہ تب کی بات تھی لیکن اب میرا دل چاہتا ہے کاش کوئی راستہ، کوئی سبیل ہوتی تو میں اپنے پیاروں کے دل میں اتنے عرصے سے گڑے دکھ کے اس کانٹے کو نکال پھینکتی چاہے اس کے لیے مجھے کچھ بھی کرنا پڑجائے" وہ اس لاابالی لڑکی جس کے ایک ایک انداز سے الہڑپن جھلکتا، کے ایک نئے رخ سے آشنا ہوا تھا۔

"لازمی نہیں ہے کہ ہر خوشی مشروط ملے۔ بعض خوشیاں ویسے بھی تو مل جایا کرتی ہیں" وہ نجانے کون سی خوشیوں کی بات کررہا تھا۔ مشی کے لبوں پر ایک تلخ مسکراہٹ نے آکر دم توڑا تھا۔

☼ ☼ ☼
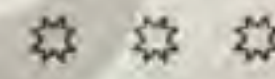
"بہرام! یہ کیسا مذاق ہے؟"

"یہ مذاق نہیں ہے امی!"

چائے کا کپ میز پر رکھ کر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"تمہارا کہنا ہے ہم سعود صاحب کے گھر جاکر مشی کے لیے تمہارا رشتہ مانگیں وہ مشی جو تمہاری پسند سے بالکل بھی میچ نہیں کرتی۔ یہ مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ حالانکہ میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا کہ میں رضوانہ کی بیٹی مائرہ کو تمہارے لیے فائنل کرچکی ہوں جو تمہاری پسند ناپسند پر بالکل پورا اترتی ہے پھر یہ سب۔"

"آئی ایم سوری امی! مجھے آنٹی رضوانہ یا ان کی بیٹی پر کوئی اعتراض نہیں لیکن بہت اچانک مجھے احساس

ہوا ہے کہ میں مشی کے علاوہ کسی اور سے شادی کرکے خوش نہیں رہ پاؤں گا" اس کے لہجہ میں کچھ ایسا تھا کہ امی ایک دم ڈھیلی پڑگئیں۔

"وہ بہت لاابالی سی لڑکی ہے۔ انتہائی امیچور! کیا تمہیں لگتا ہے تم اس کے ساتھ ایڈجسٹ کرپاؤ گے؟"

"امی آپ کو نہیں لگتا ہمارے اس سوئے ہوئے محل میں اسی لڑکی کو قدم رکھنے چاہئیں جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر بے تحاشا خوش ہو، کسی کی معمولی تکلیف پر تڑپ اٹھے اور جس کے آنے سے زندگی جاگ جائے، رونق ہو، ہلچل ہو" شائستہ بہت حیران ہو کر اپنے بیٹے کو جوش سے بولتا دیکھتی رہیں۔ وہ اکلوتا تھا۔ بہت بچپن میں ہی اس کے ماں باپ نے جو اصول اس کے لیے وضع کیے وہ بنا تردد ان پر چلتا ان کی توقعات پر پورا اترتا چلا گیا۔ وہ یہ تو جان ہی نہیں پائی تھیں کب گھر میں پھیلے سناٹوں نے اس کے دل تک کا راستہ طے کرلیا۔ وہ بہت خاموش طبع تھا لیکن اپنے اردگرد رونقیں، زندگی سے بھرپور ہنگامے دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ شائستہ نے ایک بار پھر جوش سے سرخ پڑتے اپنے بیٹے کے چہرے کو دیکھا تھا جہاں اس کے دل کی ساری ان کہی رقم تھی۔ تو کیا وہ اتنی بے خبر تھیں؟

خاصا وقت بیت گیا۔ وہ یونہی ایک ہی جگہ ایک ہی زاویے پر بیٹھی مختلف سوچوں کے بھنور میں ڈوبتی ابھرتی رہیں۔

☼ ☼ ☼
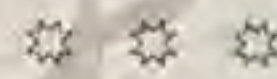
"مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا کس طرح پسند آگئی ہماری مشی ان کو" دادی نے کوئی آٹھویں بار یہ بات دہرائی تھی۔ ان کے لہجے میں ایک محسوس کی جانے والی کھنک اور طمانیت تھی۔

یہ بھی ایک عام سا ہی دن تھا۔ وہ حسب معمول ناشتا کرنے کے بعد ٹیپ ریکارڈ لگائے، کمر کے گرد دوپٹہ کسے، جھاڑو اٹھا کر صفائی میں جت گئی۔ وہ شڑپ شڑپ کرتی صحن دھونے میں مگن تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی، اس نے جھاڑو ایک طرف رکھنے کا تکلف کیے بنا آگے بڑھ کر کنڈی گرادی اور فوراً سے پیشتر جھاڑو والا ہاتھ کمر کے پیچھے کیا تھا۔

"ہائیں یہ کیا" بہرام اپنی امی کے ساتھ دروازے پر ہی تو کھڑا تھا۔

"اندر آنے کو نہیں کہو گی؟" شائستہ مسکرائی تھیں۔ ہر دم ایک نئے روپ میں سامنے آنے والی اس لڑکی کو آج انہوں نے بہت خاص نظروں سے دیکھا تھا اس نے گڑبڑا کر رستہ چھوڑ دیا۔

"افوہ! اتنی نامعقول سچویشن!" مشی کو رونا ہی تو آگیا تھا۔ ان کے آگے بڑھ جانے کے بعد جھاڑو پھینکی، دوپٹہ کھول کر درست کیا۔

"بہت پیار کرتے ہیں تم کو صنم" کا راگ الاپتے ٹیپ ریکارڈ کو زوردار دھپ رسید کرکے خاموش کیا۔ مشی کی پھر ان کے سامنے جانے کی ہمت نہیں ہوسکی تھی۔ شائستہ اپنے ساتھ ڈھیر سارے پھل اور مٹھائی وغیرہ بھی لے کر آئی تھیں۔ اس کا عقدہ بھی ان کے جانے کے بعد کھل گیا۔

مشی کے لیے بہرام کا رشتہ! اماں اور دادی کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ پھر بھی سوچنے کے لیے رسمی طور پر وقت مانگنا ضروری سمجھا تھا۔ رات کو ابا آئے، بڑے کمرے میں محفل سی سج گئی۔ مشی بہت خاموشی سے وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے کی کھڑکی میں آن کھڑی ہوئی۔ دور آسمان پر چودھویں کا چاند روشنیاں بکھیر رہا تھا۔ ہر منظر دودھیا چاندنی میں نہا سا گیا۔

"کچھ خوشیاں ویسے بھی تو مل جایا کرتی ہیں" ایک دلفریب مسکراہٹ "کان لگا کر سننے کی ضرورت پیش نہیں آتی مادام! البتہ کانوں میں انگلیاں ٹھونس لینے کی ضرورت پیش آجاتی ہے" اس کی مسکراہٹ اور گہری ہوئی تھی۔

مشی جلدی سب کچھ بدل جاتا ہے رشتے، خواب، سوچنے کا انداز سب کچھ، وہ نیند کی بہت پکی تھی۔ تکیے پر سر رکھتے ہی بے خبر ہوجاتی لیکن اس رات دیر

تک کروٹیں بدلنے کے بعد بمشکل نیند کی پری اس پر مہربان ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

بہرام نے سچ کہا تھا "وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا" لیکن وقت اتنی جلدی گزر جاتا ہے وہ نہیں جانتی تھی۔ ابھی تو پلکوں کی جھالر تلے روپہلے خوابوں نے بسیرا بھی نہیں کیا تھا کہ کسی نے اجڑنے کی نوید سنا دی۔ موسم، لوگوں اور حالات پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ کب بدل جائیں کچھ پتا نہیں چلتا۔

اتنی جلدی پھپھو کی دوبارہ آمد سب کو ورطہ حیرت میں ڈال گئی تھی۔ وہ پھپھو جو اپنے سسرالیوں کی موجودگی میں کسی مجرم کی مانند اپنے میکے والوں سے دو چار رسمی سی باتیں بہت مشکل سے کر پاتی تھیں، آج سر اٹھائے بہت کھل کر بول رہی تھیں۔ پھوپھا کے کروفر میں بھی خاطر خواہ کمی تھی جن لوگوں کو آپ ایک جیسے مزاج میں دیکھنے کے عادی ہوں ان کے مزاج میں در آتی ذرا سی تبدیلی بھی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ لگتی ہے۔

دادی کی برسوں پرانی خواہش آج پوری ہو رہی تھی۔ لیکن ان کے دل میں مسرت کا کوئی پھول نہیں کھلا تھا۔ بلکہ ایک عجیب سا دھڑکا لگ گیا تھا۔ اور کچھ دھڑکے یونہی بے وجہ نہیں لگا کرتے۔ چائے لے کر اندر آتی مشی کے قدم دروازے کی دہلیز پر ساکت رہ گئے تھے اس نے متوحش ہو کر پہلے ماں پھر دادی کا چہرہ دیکھا۔ وہاں ایسا کچھ دکھائی نہیں دیا تھا جس سے اس کا اتھاہ گہرائی میں ڈوبتا دل ابھر آتا۔ ٹرے میز پر رکھ کر وہ جلدی سے باہر نکل آئی۔

پھپھو پورے حق کے ساتھ اپنے بیٹے کے لیے مشی کا ہاتھ مانگنے آئی تھیں۔ برسوں سے حائل خلیج کو پاٹنے کی ایک واضح سبیل! اماں چپ ــ ابا چپ، دادی چپ پھر وہ کیوں بولتی کبھی کبھار خاموشی بھی کتنی جان لیوا بن جاتی ہے۔

☆ ☆ ☆

دوسروں کو دہکتے الاؤ میں پھینکنے کے باوجود بھی کچھ لوگوں کے دل میں بھڑکتی انتقام اور جھوٹی انا کی آگ سرد نہیں ہو پاتی۔

سلمیٰ جہاں خود کو ریجیکٹ کیے جانے کی بے عزتی کبھی نہیں بھلا سکتی تھیں یا شاید انہوں نے بھولنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ عالیہ کو اپنے میکے سے دور رکھ کر بھی ان کی تشفی نہیں ہوئی تو ان کے تخریبی ذہن نے انہیں ایک اور راہ سجھائی۔

ٹوٹے رشتوں سے ایک بار پھر جڑ جانے کی خوشی میں عالیہ پھپھو نے بہت کچھ نظر انداز کر دیا تھا شعوری طور پر یا شاید لاشعوری طور پر۔

اماں شائستہ کا فون سن کر آئیں تو تھکے تھکے انداز میں دادی کے قریب ہی تخت پر بیٹھ گئیں۔ نیچے چٹائی پر بیٹھی مشی دھلے کپڑوں کی تہ کر رہی تھی۔

"کیا کہہ رہی تھی شائستہ؟" دادی نے پوچھا تھا۔

"یہی کہ ہمارے گھر دعوت پر کب آ رہے ہیں۔ ہم آپ کی ایک ہاں کے منتظر بیٹھے ہیں اور آپ ہیں کہ سوچ بچار میں وقت پہ وقت لیے جا رہے ہیں"

"کہتی تو سچ ہے شائستہ" دادی نے گہری سانس خارج کی تھی۔

"پھر عالیہ کا بھی تو فون آیا تھا آج کہتی تھی اماں! دیکھا کیسا سبب بنایا اللہ نے۔ مشتاق اور سلمیٰ کے رویے سے لگتا ہے اس ایک رشتے کے جڑ جانے سے برسوں کی دوریاں سارے فاصلے مٹ جائیں گے۔ کیسی آس گھلی تھی اس کے لہجے میں۔ یا خدا! یہ کس دوراہے پہ آ کھڑے ہیں ہم" مشی چپ چاپ کپڑے اٹھائے اندر چلی گئی۔ "اور وہ کہتا تھا لازمی نہیں ہر خوشی مشروط ملے" وہ کھڑکی کے پٹ سے سر ٹکائے بے اختیار رو دی تھی۔

☆ ☆ ☆

"تو آج پانچواں دن بھی گزر گیا"

بہرام نے بالوں میں انگلیاں پھنسائے تھکے تھکے انداز میں صوفے کی پشت سے کمر ٹکا دی۔ پانچ دن پہلے ایسا کیا ہوا تھا کہ وہ چہکتی مینا ایک دم چپ ہو گئی۔ وہ سارا دن لاشعوری طور پر اس کی آواز سننے کا منتظر رہتا لیکن ادھر تو لگتا تھا وہ بولنا ہی بھول گئی ہے۔

کچھ نہ کچھ ہوا ضرور ہے! اس کا شک یقین میں بدلنے لگا۔ شائستہ کی طرح اسے بھی کلی اطمینان تھا کہ اس کے پرپوزل کو سند قبولیت بخش دی جائے گی۔ لیکن رسمی طور پر لیا جانے والا وقت اتنی طوالت کیوں اختیار کر گیا تھا؟ بلا ارادہ اس کی انگلیاں جانا پہچانا نمبر پریس کرنے لگیں۔

اگر دل ہار بیٹھے ہو میرے ہمدم محبت میں
فنا کیسی بقا کیسی سزا کیسی جزا کیسی

"آپ کی ہر بات جھوٹ تھی نا؟"

"کیا جھوٹ بولا میں نے؟"

"وہ جسے سچ مان لینے کو دل چاہا تھا"

"مشی!" بہرام کو اس کے لہجے میں ایک بار پھر وہی کسک محسوس ہوئی تھی۔

"لیکن میں آپ کو ایک سچ بتاؤں یہ لازمی ہے کہ ہر خوشی مشروط ہی ملے" دو آنسو اس کی پلکوں کی باڑ توڑ کر رخساروں پر کیا بہے کہ کب سے دل میں ہوتی رم جھم کو راستہ مل گیا۔

"مشی! پلیز مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟" اور مشی کا ایک بار پھر دل چاہا تھا کہ خود پہ بیتی ساری کہانیاں اسے سنائے۔

☆ ☆ ☆

"بہو! تم کچھ کہتی کیوں نہیں؟ آخر ماں ہو اس کی"

"ہاں! ماں تو ہوں لیکن وہ جس نے اسے صرف جنم دیا ہے۔ پالا پوسا تو آپ نے ہے۔ اس کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرنے کا آپ کو پورا اختیار ہے۔"

کمرے میں قدم رکھتی مشی اپنی جگہ ٹھٹک کر رک گئی۔ اس کا رواں رواں سماعت بن گیا تھا اسے پیار، محبت سب افسانوی باتیں لگا کرتی تھیں لیکن صرف تب تک جب حقیقت میں اس کی زندگی میں ایسا موڑ نہیں آیا تھا۔ اس کے دل کے کورے کاغذ پر پہلا نام بہرام کا لکھا گیا تو اس نے اپنی کتاب قلب کے سارے باب اس کے نام کر دیے۔ وہ پہلی بار اپنے نام کے ساتھ جڑنے والے نام کو ہمیشہ جوڑے رکھنا چاہتی تھی۔

"شاہ زیب میرا نواسا میرا خون ہے لیکن مشی کے لیے بہرام سے بڑھ کر نہیں" مشی کا دل کسی اور لے پر دھڑکنے لگا تھا اس کی ہتھیلیوں میں پسینہ سا اتر آیا۔

"پر بہو! میری عالیہ! بہت جدائی سہی ہے میں نے اس کی۔ ایک ہی شہر میں رہنے کے باوجود میری آنکھیں اسے دیکھنے کو ترستی رہیں اب جا کر کچھ آس بندھی ہے اگر رشتے سے انکار کر دیا تو......"

دادی کا بوڑھا لرزیدہ وجود! ان کا ایک ایک آنسو مشی کے دل پر گر رہا تھا۔

"میں کیا کروں بہو! مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ پوتی کا مستقبل دیکھوں تو بیٹی کو زندہ ہوتے ہوئے بھی کھو دوں گی۔ بیٹی کا سوچوں تو جان سے پیاری پوتی کا مستقبل ڈراتا ہے۔"

کچھ فیصلے بہت مشکل سہی لیکن آسانی سے ہو جاتے ہیں۔ دروازے کی دہلیز پر کھڑی سناٹوں میں گھری مشی نے بھی ایک فیصلہ کر لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ میں سب ٹھیک کر لوں گا؟ پھر اتنی جلد بازی کیوں مشی!" ایئرپیس سے ابھرتی اس کی آواز میں دکھ، تاسف، خفگی سب کچھ شامل تھا۔

"یہ جلد بازی نہیں ہے بہرام! بعض فیصلے اگر وقت پر نہ کیے جائیں تو بہت کچھ غلط ہو جاتا ہے۔" اس کے لہجے میں عجیب سا ٹھہراؤ تھا۔ بہرام تلملا کر رہ گیا۔

"کس کے دباؤ میں آ کر یہ سب کر رہی ہو؟"

"دباؤ نہیں محبت! مجھے اپنی دادی سے بہت محبت ہے، بہرام!"

"اور میری محبت؟"

"آپ کی محبت کا ابر ابھی میری ذات پر پوری طرح سایہ فگن بھی نہیں ہوا تھا پھر میں کیسے ــــ اس ہستی کی خوشیاں داؤ پر لگا دیتی جن کی محبت میں میں ساری

عمر پور پور بھیگتی رہی۔" اس کی آواز میں نمکین آنسوؤں کی نمی گھل گئی تھی۔ بہرام کے تنے اعصاب ایک دم ڈھیلے پڑنے لگے۔ بہت مشکل لگتا ہے دل کو سمجھانا کہ جس چیز کو آپ ہاتھ بڑھا کر چھو سکتے ہوں وہ ایک دم آپ سے بہت دور چلی جائے۔ لیکن وہ اتنی جلدی ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں بہت خوش ہوں اماں!"

وہ اماں کے قریب ہی چٹائی پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی اور ٹوکری سے مٹر اٹھا کر دانے نکالنے لگی۔

"لیکن میں نے تو نہیں پوچھا کہ تم خوش ہو یا نہیں۔"

"آپ نے نہیں پوچھا پھر بھی میں بتا رہی ہوں کہ میں بہت خوش ہوں پھر کیا مسئلہ ہے؟" وہ جان بوجھ کر ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"مسئلہ یہ ہے کہ تم بنا کسی کے پوچھے ہر ایک کو بتاتی پھر رہی ہو کہ تم بہت خوش ہو" اماں آلو کے چھلکے اتارتے ہوئے سادہ انداز میں کہہ رہی تھیں۔

"ارے واہ! کیا بات ہے ہماری اماں اور فلسفہ!"

وہ قصداً" ہنسی تھی اماں اپنے کام میں مصروف رہیں۔ انہوں نے نظر اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا پھر بھی وہ جانتی تھیں کہ ان کی وہ بیٹی جو معمولی خواہش پوری نہ ہونے پر ایک ہنگامہ کھڑا کر دیتی تھی۔ اب سر جھکائے آنسو پینے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ اپنی بیٹی کی خوشی سے اچھی طرح واقف تھیں۔ جب بہرام کا رشتہ آیا تھا وہ کس طرح پھول کی مانند کھل اٹھی تھی۔ اور چاہتی تو وہ بھی یہی تھیں کہ ان کی بیٹی اس مہذب، رکھ رکھاؤ والے خاندان کی بہو بنے لیکن حالات نے یوں اچانک پلٹا کھایا کہ انہیں ایک بار پھر سب کچھ وقت کے دھارے پر چھوڑنا پڑا۔

"کبھی کبھی میں سوچتی ہوں اگر شاہ زیب بھی اپنے باپ جیسا نکلا تو ہم کیا کریں گے؟" اماں نے پہلی بار اپنے کسی خدشے کو زبان دی تھی مشی سر جھکائے بیٹھی رہی۔

اسی دم پھپھو اور سدرہ ڈھیر سارے شاپنگ بیگز اٹھائے داخل ہوئی تھیں۔ پھپھو تو ہر دوسرے دن آجاتیں اور کبھی کبھار ان کے ساتھ سدرہ بھی۔ "میں تو سوچ رہی تھی پہلے دھوم دھام سے منگنی کا فنکشن ارینج کریں گے پھر ایک ماہ بعد شادی کی تاریخ رکھ لیں گے۔ لیکن شاہ زیب کے ابو نے کہا منگنی وغیرہ کے جھنجھٹ میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ سیدھے سیدھے نکاح کے بعد رخصتی رکھ لیتے ہیں اور رخصتی کے اگلے دن ولیمہ!" وہ ان کے قریب ہی بیگز رکھے ڈھیر سی ہو گئیں۔ مشی جلدی سے ساری سبزیاں وغیرہ سمیٹنے لگی۔

"میرے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے اتنی جلدی سب تیاریاں کیسے ہوں گی؟ اس لیے تو دوڑی دوڑی آپ کے پاس آئی ہوں۔ اماں کہاں ہیں؟ ان سے بھی تو مشورہ کرنا ہے۔ اور بھائی جان کو بھی بلائیں بھابھی!"

پھپھو کا جوش و خروش قابل دید تھا ان کی ایک ایک حرکت سے اندرونی خوشی جھلک رہی تھی۔ مشی خاموشی سے ٹوکری اٹھائے کچن میں چلی آئی۔

☼ ☼ ☼

"مشتاق انکل کی بلیک میلنگ نے اسے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے امی! وہ آپ کے کزن ہیں ان سے بات تو کریں پلیز! ہو سکتا ہے انہیں اپنی خود غرضی کا احساس ہو جائے۔ وہ خود بھی تو جانتے ہیں کہ ان کا بیٹا اول درجے کا فلرٹی انسان ہے۔ شہر بھر کی سینکڑوں لڑکیوں سے تو اس کی دوستی ہے۔ وہ شادی جیسے بندھن کو نبھانے کا ہرگز اہل نہیں۔"

اس کا تنفس تیز سے تیز تر ہوتا چلا جا رہا تھا۔ چہرہ جذبات کی شدت سے بری طرح سرخ پڑ چکا تھا۔

"کوئی فائدہ نہیں بیٹا! میں سب کر چکی ہوں۔ مشتاق کی باگ ڈور سلمیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اسی کی زبان بولتا ہے اسی کے کانوں سے سنتا ہے اور اب تو..." انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر سامنے میز پر

رکھے مٹھائی کے ڈبے کو قدرے بے بس نظروں سے دیکھا تھا۔ کل رات ہی تو عالیہ نے بیٹے کی شادی کی تاریخ مقرر ہونے کی خوشی میں یہ مٹھائی بھجوائی تھی۔ بہرام نے ان کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور سرعت سے اٹھ کر مٹھائی کا ڈبا اٹھا کر باہر اچھال دیا۔ امی ششدر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

مشی نے بالوں کو تھوڑا سا فولڈ کر کے اوپر کیچر لگایا اور آستینیں موڑ کر توے پر بہت مہارت سے گول گول روٹیاں ڈالنے لگی۔

ساتھ والے چولہے پر سالن چڑھا رکھا تھا۔ کچھ دیر پہلے وہ سارے برتن دھو کر فارغ ہوئی تھی۔

جب سے شادی کی تاریخ طے ہوئی تھی اماں اور دادی بے انتہا مصروف ہو گئی تھیں۔ اور اس نے یوں سلیقے سے سارا گھر سنبھال لیا گویا ہمیشہ سے یہی کام تو کرتی آ رہی ہو، شاید کاموں میں خود کو الجھا کر وہ لاشعوری طور پر ذہن و دل پر دستک دیتے خیالات کو جھٹک دینے کی سعی کر رہی تھی۔

چوکی پر بیٹھی حمنہ کتنی دیر سے اسے چپ چاپ کاموں میں مگن دیکھتی رہی۔ "کیا ہوا؟ نظر لگاؤ گی کیا؟"

اس کی گہری نگاہوں کے ارتکاز سے گھبرا کر مشی جان بوجھ کر خفگی سے ابرو اچکا کر بولی تھی۔

"دیکھ رہی ہوں جس مشی کو میں انیس سالوں سے جانتی تھی وہ انیس دنوں میں کیسے سراپا بدل گئی؟" حمنہ گہری سانس کھینچتے ہوئے بولی تھی۔

"ہاں تو چینج اچھی بات ہے نا! یکسانیت انسان کو بہت جلد اکتا دیتی ہے۔" مشی کا انداز ہنوز لاپروا سا تھا۔

"بلکہ مجھے تو اب احساس ہوا ہے میں نے ناحق دادی، اماں اور ابا کو کتنا ستایا ہے۔ چھوٹے ہونے کے باوجود اتنے نخرے تو چھٹکی اور احمد نے بھی نہیں دکھائے جو میں دکھاتی رہی" اس کی ساری توجہ اپنے کام کی طرف تھی۔ آگ کی تپش سے اس کا گندمی چہرہ تپ رہا تھا۔

"کبھی اپنے ابا سے پوچھنا انہیں اپنے کندھے سے لٹک کر فرمائشیں کرنے والی مشی عزیز تھی یا ہر دو منٹ بعد یہ پوچھنے والی 'ابا آپ چائے پئیں گے؟ ابا آپ کے لیے کھانا لاؤں؟ ابا کوئی کام ہے تو بتائیں؟'" مشی کے ہاتھ ایک دم سست پڑے تھے اس نے بے بسی سے پہلے حمنہ کو دیکھا پھر توے پر دھواں چھوڑتی روٹی کو۔

☼ ☼ ☼

اس نے تھک ہار کر دادی کے قریب بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگالی تھی۔ ٹہل ٹہل کر اس کی ٹانگوں میں درد ہونے لگا تھا۔ رات قطرہ قطرہ بھیگ رہی تھی لیکن نیند اس کی آنکھوں سے بہت دور تھی۔ ذرا سی دیر کے لیے بھی تو اس کی پلکیں آپس میں جڑ نہیں پائی تھیں۔

اس نے زرد و سبز امتزاج کا کاٹن کا ہلکے کام والا شلوار قمیص پہن رکھا تھا۔ کلائیوں میں زرد و سبز چوڑیاں اور گجرے! اس کے وجود سے مہندی اور ابٹن کی دلفریب مہک اٹھ رہی تھی۔ کل اس کا نکاح اور رخصتی تھی۔ "بہت ولی ہے تمہارا دل جو تمہارے کہے میں آجاتا ہے" کسی کے تمسخر اڑاتے الفاظ میں کتنا درد چھپا تھا وہ بخوبی جانتی تھی۔ محبت قربانی مانگتی ہے۔ اس نے اپنی محبت قربان نہیں کی تھی بلکہ کسی کی محبت میں خود کو قربان کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ہر طرف شور تھا ہنگامہ تھا۔ خوشگوار چہل پہل تھی۔

رنگین لہراتے آنچل، شادی کے گیت، سب نے ایک سماں سا باندھ دیا تھا۔

وہ آج کتنے دنوں بعد دل کی پوری آمادگی کے ساتھ خوب تیار ہوئی تھیں۔ خوشی و مسرت ان کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ انہوں نے جگر جگر کرتی آنکھوں سے کسی کو تلاشا تھا۔ نجانے سب کہاں چلے گئے تھے؟ وہ دوپٹہ سنبھالتی اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

"ارے آپ لوگ یہاں کیوں جمع ہو گئے ہیں؟ بارات لے کر جانے کا وقت ہو رہا ہے۔" مشتاق شاہ زیب اور سلمٰی نے ایک ساتھ گردن موڑ کر ان کی جانب دیکھا تھا۔ کچھ تھا جو انہیں چونکا گیا۔

"بارات کہیں نہیں جا رہی!" انہوں نے گھبرا کر مشتاق کا سرد و سپاٹ چہرہ دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

"حمنہ! میرا دل بہت گھبرا رہا ہے" حمنہ اس کی کلائیوں میں چوڑیاں پہنا رہی تھی جب وہ اس کے دونوں ہاتھ تھام کر عجیب بے بس لہجے میں بولی۔

"وہم ہے تمہارا۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک تو ہے" حمنہ کا اپنا دل عجیب ہو رہا تھا۔ لیکن یہ وقت اسے دلاسا دینے کا تھا جس کا سب کچھ داؤ پر لگا تھا۔ مشی نے زور زور سے اپنی بوجھل پلکیں جھپکی تھیں۔

"دیکھو! یہ رونے دھونے کا پروگرام ابھی مت شروع کرنا پورے تین گھنٹے صرف کیے ہیں میں نے تمہیں تیار کرنے میں اور تم تین سیکنڈ میں سب کیے کرائے پر پانی پھیر دو گی" حمنہ نے اسے ڈپٹا تھا۔

فطری سی بات ہے کسی روتے ہوئے کو اپنا کوئی کہے رو مت" تو وہ اور شدت سے رو دیتا ہے۔ حمنہ کے ڈانٹنے اور گھرکنے کے باوجود اس کے آنسو بند توڑ کر بہہ نکلے تھے۔

اماں اور دادی اتنی مصروف تھیں کہ ان کے پاس اس کے قریب دو گھڑی بیٹھ کر بات کرنے کا وقت بھی نہیں تھا۔

اچانک باہر نامانوس سا شور بلند ہوا تھا۔ حمنہ ننگے پاؤں بھاگ کر دروازے تک گئی تھی۔ سب لوگ ایک ساتھ اتنی اونچی آواز میں کیوں بول رہے ہیں؟ مشی کا دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آج پتا چلا سعود احمد! دھتکارنے یا ٹھکرائے جانے کی اذیت کیا ہوتی ہے؟ برسوں پہلے تم نے مجھے ٹھکرایا تھا تو آج ہم تمہاری بیٹی کو ٹھکرا رہے ہیں اگرچہ بہت وقت لگا حساب چکانے میں لیکن ہم ادھار رکھنے کے قائل نہیں" ایئرپیس سے ابھرتی سرد آواز ان کی سماعتوں پر عذاب بن کر اتری تھی۔ انہوں نے بے ساختہ دیوار کا سہارا لیا۔

"تمہیں کیا لگا تھا کہ تم سلمٰی جہاں سے شادی نہیں کرو گے تو کوئی اور بھی اسے بیاہنے نہیں آئے گا ہاں؟" اس کے لفظ لفظ سے نفرت ٹپک رہی تھی۔

"تو اب میں دیکھتی ہوں تمہاری دلہن بنی بیٹی کو بیاہنے کون آتا ہے؟"

"نہیں... خدا کے لیے ایسا مت کہو۔ میری بچی بہت معصوم ہے بے گناہ ہے۔ اس پر یہ ظلم مت کرو۔" ابا کے تڑپتے مچلتے الفاظ کا دوسری طرف کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ انتقام کی آگ شاید یونہی انسان کو انسانیت کے درجے سے گرا دیتی ہے۔

☼ ☼ ☼

"بارات نہیں آ رہی!"

بارات کے انتظار میں کھڑے احمد اور چھٹکی کے ہاتھوں سے گلاب کی پتیوں بھرے تھال چھوٹ کر زمین پر گر گئے تھے اماں اس کے قریب بے دم ہو کر گر سی گئیں۔ دادی نے زور سے اپنے سینے پر دو ہتھڑ مارے تھے۔

"مجھے معاف کر دو میری بچی! میں نے خود اپنے ہاتھوں سے تمہیں قبر میں اتارنے کا سامان کیا۔ مجھے معاف کر دو۔ اپنی بدنصیب دادی کو معاف کر دو" دادی اسے اپنے ساتھ بھینچے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ منہ پر ہاتھ رکھے اماں سسکی تھیں۔ ہمیشہ سر اٹھا کر چلنے والے اس کے باپ کے کندھے جھک گئے تھے۔ وہ اس وقت ضبط کی کن منازل سے گزر رہے تھے کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے جس گھر میں اتنی رونق چہل پہل تھی اب وہاں دل چیرتا سناٹا چھا گیا تھا۔ گھر کے در و دیوار ماتم کناں تھے۔ ساکت بیٹھی مشی تیورا کر دادی کی بانہوں میں جھول گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اکیس سال پہلے تم نے مجھے کہا تھا نا کہ اگر زبان پر میکے کا نام آیا تو طلاق نامہ تھما کر ہمیشہ کے لیے رخصت کر دوں گا؟ تب میں نے اپنی اولاد کی خاطر دل بھاری پتھر رکھے اپنے پیاروں کو مردہ تصور کر لیا تھا۔ لیکن آج میں خود تم سے مطالبہ کرتی ہوں مشتاق احمد! مجھے تم سے طلاق چاہیے"

ان کی نہ زبان لڑکھڑائی تھی اور نہ ہی دل کانپا تھا۔ شوہر کبھی ان کا نہیں ہو سکا تھا لیکن یہ تو آج پتا چلا کہ اولاد بھی ان کی نہیں ہو سکی تھی۔ باپ کے شانے سے شانہ ملا کر کھڑے شاہ زیب کی آنکھوں میں بھی تو وہی تحریر رقم تھی جو وہ اس کے باپ کی آنکھوں میں دیکھتی آ رہی تھیں۔

اتنا بڑا دھوکہ اتنی بڑی چال!

برسوں سے تھپک تھپک کر سلائے جذبات ایک دم جاگ اٹھے تھے۔

"امی!" قریب ہی کہیں سدرہ کی بے چین آواز ابھری تھی۔ لیکن نہ تو ان کے قدم رکے تھے اور نہ ہی انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔

☼ ☼ ☼

اس کے چاروں اور گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی کہیں کوئی آواز سرگوشی کچھ بھی تو نہیں تھا۔ ساری آوازیں سارے مناظر ساکن تھے۔ اسے اپنی پیشانی پر کسی کے نرم ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا تو پلکوں میں ہلکی سی لرزش اتر آئی۔

"دادی!" بند آنکھوں سے آنسوؤں کی پتلی لکیر چہرے سے پھسلتی تکیے میں گم ہو گئی تھی۔

"مشی! آنکھیں کھول بیٹا!" اس نے اور سختی سے آنکھیں میچ لی تھیں۔ نجانے وہ کس کا سامنا کرنے سے کترا رہی تھی۔

"مشی!" وہ بے اختیار ان کی گود میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ "دادی میں نے ایسا نہیں چاہا تھا۔ میں تو سوچ رہی تھی وہ لوگ پھپھو کو ہم سے ملنے سے نہیں روکیں گے ان پر کوئی پابندی نہیں لگائیں گے اب تو سب کچھ ٹھیک ہونے جا رہا تھا پھر اتنا کچھ غلط کیسے ہو گیا؟"

روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔

دونوں ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر چہرہ صاف کیا تو نظر سامنے عالیہ پھپھو پر پڑی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ اس کی آنکھوں میں حد درجہ بے یقینی اتر آئی تھی۔

"کچھ غلط نہیں ہوا بلکہ اب ہی تو سب ٹھیک ہو گا" پھپھو ساتھ بیٹھی شائستہ کی طرف دیکھ کر مسکرائی تھیں۔ جواباً" وہ بھی مسکرا دیں مشی الجھن بھری آنکھوں سے ایک ایک کا مطمئن چہرہ دیکھے گئی۔ وہ ابھی تک عروسی لباس میں پور پور سجی ہوئی تھی۔

اتنا ڈھیر سا انتظام کس کے لیے؟

"انہوں نے بارات لانے سے انکار کر دیا!" اس کی آنکھیں ایک بار پھر بھیگنے لگی تھیں۔ پھپھو کی آنکھوں میں نمی چمکی۔ اس کا ہاتھ تھام کر آہستگی سے کہنے لگیں۔

"شاید قدرت نے ہمیں آنکھیں کھولنے کا ایک موقع فراہم کیا ہے۔ ساری عمر میں ان کے ہاتھوں بلیک میل ہوتی رہی۔ پہلی بار ہی ان کا ناجائز مطالبہ ماننے سے انکار کر دیتی تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ دنیا کے سب سے بزدل لوگ وہ ہوتے ہیں جو دوسروں کی کمزوریوں کو آڑ بنا کر اپنی ہر جائز ناجائز بات منواتے ہیں۔ غلطی ہماری ہے ہم کیوں اپنی کمزوریاں ان کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں؟ ساری ذات کو سنگ میل بنا کے ہم ایک بار پھر وہی غلطی دہرانے لگے تھے۔ لیکن ایسا کب تک چلتا؟" وہ لحظہ بھر کو رکی تھیں۔ مشی دم سادھے بیٹھی تھی۔

"وقت پر نہ سہی لیکن غلط کہنے کا جب بھی موقع ملے کہہ دینا چاہیے۔ آج میں اپنے دل پہ دھرا سارا بوجھ اتار آئی ہوں۔ دیکھتی ہوں وہ کب اپنے ضمیر کی

عدالت میں پیش ہوتے ہیں۔ جہاں ہر فیصلہ انصاف پر مبنی ہوتا ہے۔"

اتنے دنوں سے اس کے دل پہ چھایا غبار چھٹنے لگا تھا۔ چٹختے اعصاب ایک دم پر سکون ہونے لگے۔

شائستہ کے نمبر پر بہرام کی کال آنے لگی تو انہوں نے مسکراتے ہوئے سر جھٹکا تھا۔

"ارے بھئی! ہمارا شارٹ نوٹس پر بلایا گیا دولہا کب سے تیار بیٹھا ہے اگر اجازت ہو تو نکاح خواں کو بلا لیا جائے؟" انہوں نے اجازت طلب نظروں سے مسکراتے ہوئے دادی کی جانب دیکھا تھا۔

"آج کے دن کا آخری سرپرائز!" حمنہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ وہ نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔ اسی دم ابا کے ساتھ دو مرد حضرات اندر داخل ہوئے تھے۔

"میری بیٹی میرے حوالے کر دیں بس!" شائستہ نے اس کے کندھے پر بازو پھیلاتے ہوئے پیار سے کہا تو وہ غش کھا کر بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔

"جو دعائیں زبان پر نہ آئیں دلوں میں بسنے والا خدا انہیں یوں بھی مستجاب کر لیتا ہے؟"

ایجاب و قبول کے مرحلے کیسے طے ہوئے اسے کچھ خبر نہ تھی وہ تو اپنے دل کی دھڑکنوں کو سنبھالنے میں لگ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے عجب سرشاری کے سے عالم میں اپنے کمرے میں قدم رکھا تھا۔ سارا فرنیچر، سارا سامان اور سیٹنگ وغیرہ ویسی ہی تھی جو وہ ہمیشہ سے دیکھتا آرہا تھا۔

لیکن اس کی تمام تر توجہ کا مرکز تو وہ تھی جو سرخ عروسی لباس میں ملبوس پور پور سجی سر جھکائے اس کی منتظر تھی۔ اس کے دونوں حنائی ہاتھ گود میں دھرے تھے۔ بہرام عادتاً سینے پر بازو باندھے کئی ثانیے یک ٹک اسے دیکھے گیا۔

مشی نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔ بہرام چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا عین اس کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔

"ایمرجنسی میں شادی کرنے کا اپنا ہی مزا ہے سب کچھ ہاتھ سے نکلتے نکلتے قسمت کا ایک دم مہربان ہو جانا۔ آئی کانٹ بلیو دس!"

بہرام کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کس طرح اپنے بے قابو ہوتے جذبات کا اظہار کرے جنہیں تھپک تھپک کر سلانے میں وہ بری طرح ناکام ہو گیا تھا۔

"حمنہ کی بچی نے واٹر پروف مسکارا استعمال نہیں کیا۔ اف میرا چہرہ کتنا خوفناک منظر پیش کر رہا ہو گا۔ جب ہی تو یہ اتنے غور سے دیکھ رہا ہے" مشی نے دل ہی دل میں حمنہ کو کوسا تھا۔

"میں ہی بولتا رہوں گا کیا؟ تم کچھ نہیں کہو گی؟" بہرام کو اس کی خاموشی چونکا گئی تھی۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں سینکڑوں خدشات نے اس کے دل میں سر ابھارا تھا۔

"وہ ..... میں نے کل رات سے کچھ بھی نہیں کھایا۔ اس وقت مجھے بہت زور کی بھوک لگی ہے کیا آپ مجھے کچھ کھانے کو لا دیں گے پلیز!"

انگلیاں مروڑتی کچھ اس طرح مسکین لہجے میں بولی تھی کہ بہرام کا بے ساختہ قہقہہ گونج کر رہ گیا۔

اس شخص کی ہمراہی میں زندگی کا ہر پل یونہی مسکراہٹ کی کلیوں سے مہکتا گزرے گا۔ مشی کو یقین ہو چلا تھا۔

سمیر کافی دن سے بدلے بدلے سے تھے۔ آج کل ان کی تیاری ہمیشہ سے زیادہ ہونے لگی تھی پرفیومز اسپرے کا استعمال بڑھ گیا تھا۔ ہر سوٹ کے ساتھ میچنگ ٹائی 'کف لنکز' ٹائی پن 'سلیقے سے بنے بال چمکتے جوتے اور اگر کبھی میں پوچھ لیتی تو فوراً" جواب آتا۔

"ارے ہم تو ہمیشہ سے ہی ایسے ہیں آپ کی نظر اب پڑی ہے یا آپ نے ہمارا نوٹس لینا ہی ابھی شروع کیا ہے۔" وہ شرارت سے میری لٹ کھینچ کر کہتے۔

بظاہر کوئی بڑی بات نہیں تھی ان کی ترقی ہوئی تھی۔ انہیں اپ ٹو ڈیٹ رہنا چاہیے تھا۔ گھر کو مجھے اور بچوں کو بھی وہ برابر ٹائم دے رہے تھے۔ ہماری ہر فرمائش پہلے کی طرح پوری کر رہے تھے۔ آؤٹنگ کے لیے ہوٹلنگ کے لیے جب ہم کہتے تھے وہ لے جاتے تھے۔

مگر کہیں کچھ تھا جو میری چھٹی حس کو کھل رہا تھا اور جس کا پتا نہیں مل رہا تھا۔ میری ایک کزن کی بہت پہلے میرے بچپن میں ڈائی ورس ہو گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہماری مشرقی خواتین کی طرح وہ بھی یہی سمجھنے لگی تھیں کہ شادی ہو گئی اور بس۔ انہوں نے خود پر توجہ دینی چھوڑ دی تو شوہر نے بھی ان پر توجہ دینا چھوڑ کر کسی اور پر توجہ دینی شروع کر دی۔ میں نے تب ہی سوچ لیا تھا گھر اپنی جگہ مگر میری اپنی ذات اپنی جگہ گھر اور دونوں بچوں کو مکمل توجہ دینے کے باوجود میں اپنا پورا خیال رکھتی تھی۔ میرے ساتھ کی لڑکیاں آج بھی مجھے رشک اور حسد سے دیکھتی تھیں۔ اور سمیر کا انداز بھی محبوبانہ تھا مگر ابھی ادھر کچھ دن سے سب کچھ ٹھیک ہوتے ہوئے بھی مجھے کچھ کھٹک سی تھی۔

☼ ☼ ☼
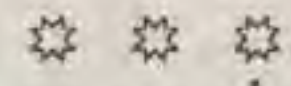
اس دن کسی بات پر ساشا اور سمیط کی لڑائی ہو گئی دونوں ہی بچے تھے۔ معمولی شرارت بحث میں بحث تکرار میں تبدیل ہو گئی شور ہونے لگا۔ سمیر آفس سے آئے تھے واش روم سے فریش ہو کر باہر آکر کسی سے موبائل پر بات کر رہے تھے۔ ان کے شور کرنے پر زور سے چیخے کہ بچے تو سہم ہی گئے میری ساس اماں بی بھی دہل کر کمرے سے باہر آگئیں لیکن اماں بی کی عادت اچھی تھی بلاوجہ کی کرید نہیں کرتی تھیں انہوں نے سہمے ہوئے بچوں کو دیکھا تو انہیں آواز دے کر اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لے گئیں اور میں بھی خاموشی کا پیراہن اوڑھ کر کچن میں چلی آئی کھانا آخری مراحل میں تھا۔ کھانا تیار کر کے میں کمرے میں آئی تھوڑی دیر پنکھے کے نیچے کھڑے ہو کر پسینہ خشک کیا پھر واش روم میں جا کر شاور لے کر کپڑے تبدیل کیے باہر نکل کر بالوں کو خشک کر کے برش کیا ہلکی سی جیولری پہنی اور نیچرل کلر کی لپ اسٹک لگائی۔

"اب لگ رہی ہو نا! میری بیوی۔" سمیر اچانک بالکنی سے نکل کر آگئے مگر میں نے کوئی جواب نہیں دیا

"ناراض ہو؟" انہوں نے سوال کیا مگر میں ہنوز خاموش رہی۔

"یار! میں موبائل پر بات کر رہا تھا وہ شور مچا رہے تھے بس غصہ آگیا۔" انہوں نے صفائی دی۔

"سمیر جمال! بچے ہیں اور انتہائی تمیزدار بچے پورا خاندان ان بچوں کی تعریف کرتا ہے۔ آج ایک زمانے بعد ان کی کسی بات پر تکرار ہوئی ہے اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہ ہاتھ باندھ کر منہ پر انگلی رکھ کر خاموشی سے بیٹھیں تو یہ آپ کی غلطی ہے ان کی نہیں۔" میں نے برہم لہجے میں کہا۔

"یار! بہت اہم کال تھی بس اس لیے۔" انہوں نے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔

"یہی تو میں جاننا چاہتی ہوں ـــ سمیر جمال! ایسی کون سی اہم کال تھی جس نے ـــ اتنا اگریسو کر دیا ورنہ اس سے پہلے آپ ہمیشہ ان کی بحث و تکرار کو انجوائے کرتے تھے اہم سے اہم فون کال پر بات کرنے والے سے کہہ دیا کرتے تھے کہ سوری یار! آجکل آفس ٹائمنگ میں بات ہو گی یہ وقت میرا' میری بیوی اور بچوں کا ہے۔" میری برہمی برقرار تھی کیونکہ فریش ہونے سے پہلے بچوں کو دیکھ کر آئی تھی وہ دادی سے

چمٹے رو رہے تھے اور میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ سمیر کے ابو جنہیں سب ابا جی کہا کرتے تھے عجیب لاپروا انسان تھے انہیں بیوی سے محبت تھی نہ بچوں کی پروا وہ جو کچھ کماتے تھے خود پر خرچ کر دیا کرتے تھے اماں بی پیسے پیسے کو ترستی تھیں پھر انہوں نے اس کا حل یہ نکالا کہ خود جاب کر لی سرکاری اسکول میں جاب۔ یوں انہوں نے ساری زندگی جدوجہد بھی کی اور بچوں کی تربیت بھی کی۔ بچے انہوں نے دو بہت جان کر خدا کا شکر ادا کیا سمیر اور ندا آپی باپ کی محبت و شفقت کو ترسے ہوئے بچے تھے آپی کا تو پتا نہیں مگر سمیر نے اس تشنگی سے اپنے اندر کوئی نفسیاتی گرہ نہیں لگنے دی بلکہ انہوں نے اس کے جواب میں اپنے بچوں کو بے تحاشا محبت دی کہ ان میں کوئی کمی کوئی تشنگی نہ رہ جائے۔

"یار! تھا ایک آفس کا مسئلہ۔" انہوں نے مجھے کندھوں سے پکڑ کر کہا۔

"میں نے آپ سے ہمیشہ کہا ہے سمیر آفس کے مسئلے آفس چھوڑ کر آیا کریں کیا میں گھر کا کوئی مسئلہ لے کر گھر میں کوئی ٹینشن کری ایٹ کرتی ہوں۔" میں نے دوٹوک کہا۔

"یار! غلطی ہو گئی آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔ چلو اس غلطی کی تلافی کر دوں آج تم سب کو "لال قلعہ" میں ڈنر کراتا ہوں۔" انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"سمیر! میری آنکھوں میں دیکھ کر بتائیں کچھ غلط تو نہیں ہے نا! آپ کی زندگی میں۔" میں نے کئی دنوں سے پلتے دل کے وہم سے گھبرا کر کہا۔

"تمہیں شک کیوں ہے ساشا۔" انہوں نے جھنجلا کر کہا۔

"سمیر! شک ایسے ہی نہیں پنپتے وہ ہماری ہی حرکات ہوتی ہیں جو شکوک کو دوسرے کے دل میں گھر کرا دیتی ہیں اور پھر مستحکم کر دیتی ہیں۔" میں نے بے خوفی سے کہا۔

"یار! اگر اتنا محبت کرنے والے شوہر کی بیوی یہ بات کرتی ہے تو اس کی سزا کیا ہونی چاہیے۔" انہوں نے مجھے خود سے قریب کرتے ہوئے شرارت سے کہا۔

" بیوی کی نہیں شوہر کی ہونی چاہیے کہ وہ بچوں کو منائے اور جو سزا وہ تجویز کریں اسے پوری کرے۔" میں نے شاہانہ انداز میں کہا۔

"جو حکم سرکار۔" انہوں نے سر تسلیم خم کیا۔

اور تھوڑی ہی دیر میں ہم اماں بی سمیت "لال قلعہ" میں موجود تھے مگر وہ کھٹک کم نہیں ہوئی۔

☼ ☼ ☼

اس دن میری بھتیجی رانیہ کی نشرح تھی۔ میں نے سمیر کی فیورٹ کاسنی اور گرے کامبینیشن کی ہلکے سے کام والی ساڑھی باندھی۔ بالوں کو کلپ کر کے کھلا چھوڑ دیا میچنگ جیولری اور لائٹ میک اپ' سمیر نے کھلے دل سے میری تعریف کی۔ میں بچے وہ تقریباً" تیار ہی تھے کہ اسی وقت ان کے موبائل کی بیپ بجی بجنے لگی اور پھر اچانک ہی ان کے سر میں درد اٹھا ابھی ان کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ موبائل بند کر کے باتھ روم کی طرف بھاگے اور واش بیسن میں قے کرنے لگے میں ان کے پیچھے اندر جانے لگی تو انہوں نے منع کر دیا اور پھر انہوں نے جانے سے معذرت کر لی۔

انہوں نے کبھی بھی میرے میکے کی تقریبات میں جانے سے بخل سے کام نہیں لیا تھا میرے ساتھ جاتے بھی تھے اور خوب انجوائے بھی کرتے تھے۔ اسی لیے میں نے اس بات کا زیادہ اثر نہیں لیا انہیں ایک کپ چائے بنا کر سر درد کی گولی کے ساتھ دے دی اماں بی کو سانس کا پرابلم تھا۔ انہوں نے پہلے ہی بھائی سے معذرت کر لی تھی میں نے ان کا پرہیزی کھانا پکا کر رکھ دیا تھا۔ میں نے سمیر سے بھی کہہ دیا کہ درد ٹھیک ہو جائے تو کڑاہی گوشت رکھا ہے اور کباب فرائی کر کے کھا لیں۔

اور میں بچوں کے ساتھ بھائی کے گھر آگئی۔ بھائی نے گھر کے لان میں تقریب کا انتظام کیا ہوا تھا۔ رانیہ

وائٹ شرارہ سوٹ میں زرقون کے سیٹ اور بندیا کے ساتھ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اس کی استانی نے الم نشرح اور سورۃ رحمٰن پڑھوائی پھر کھانا وغیرہ بڑے اچھے ماحول میں کھلایا گیا میرے بھابھی سے ہمیشہ سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ وہ بہت محبت سے ملیں سمیر کے نہ آنے کا گلہ بھی کیا اور میرے بہت منع کرنے کے باوجود سمیر اور اماں بی کا کھانا بھی ساتھ کر دیا۔ میں گھر واپس آئی تو سمیر گہری نیند سو رہے تھے میں نے انہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ کھانا فریج میں رکھا بچوں کو کپڑے تبدیل کروا کر ان کے کمرے میں چھوڑا اور خود باتھ لے کر نائٹی پہنی اور بستر پر آ گئی۔

☼ ☼ ☼

صبح ہی ناشتے کی میز پر اماں بی نے مجھے آڑے ہاتھوں لے لیا۔ اس وقت ٹیبل پر ہم دونوں ہی تھے بچے اسکول جا چکے تھے اور سمیر آفس، میں اماں بی کے ساتھ ہی اطمینان سے ناشتا کرتی تھی۔

”ساشا! مجھے تمہاری اور سمیر کی کل کی حرکت قطعی پسند نہیں آئی۔“ انہوں نے برہمی سے کہا۔

”کیوں اماں بی کیا ہوا؟“ میں نے حیرت سے سوال کیا۔

”جب ایک ہی جگہ جانا تھا تو الگ الگ جانے کا مطلب اور پھر واپسی بھی علیحدہ علیحدہ۔“ انہوں نے خفا خفا انداز میں کہا۔

”نہیں اماں! سمیر کہاں گئے تھے ان کی تو طبیعت خراب ہو گئی تھی بتایا تو تھا میں نے آپ کو۔“ میں نے دھڑکتے دل کو قابو کرتے ہوئے کہا۔

”کیوں وہ آیا نہیں تھا وہاں، یہاں سے تو وہ یہی کہہ کر نکلا تھا؟“ انہوں نے لہجے کو حتی الامکان سرسری بنایا۔

”نہیں اماں! وہ وہاں نہیں آئے تھے اور میرے جانے کے کتنی دیر بعد نکلے تھے؟“ میں نے بھی لہجہ سرسری کر لیا۔

”تمہارے جانے کے پندرہ منٹ بعد نکلا تھا اور ڈھائی گھنٹے میں واپس آ گیا تھا اور اس نے آ کر یہی کہا تھا کہ تم دیر سے آؤ گی وہ آفس جانے کی وجہ سے جلدی گیا ہے۔“ انہوں نے تفصیل سے بتایا اور میری آنکھوں سے جھر جھر آنسو بہنے لگے اماں بی نے مجھے گلے سے لگا لیا۔

”کیا بات ہے میری بچی ایسے کیوں رو رہی ہو؟“ انہوں نے پیار سے مجھے تھپکتے ہوئے کہا۔

”اماں بی! پتا نہیں، بہت دنوں سے مجھے لگ رہا ہے کہ سمیر کی زندگی میں کہیں نہ کہیں کچھ ہے اور ایسا ہے جو وہ مجھ سے چھپا رہے ہیں۔“ میں نے سسکتے ہوئے کہا۔

”اور یہ تم مجھے اب بتا رہی ہو اور شاید اب بھی نہ بتاتیں اگر میں نہ پوچھتی تو؟“ انہوں نے شکوہ آمیز انداز میں کہا۔

”نہیں اماں! بات یہ ہے کہ مجھے شک تو ہے مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا تو میں آپ کو کیا بتاتی۔“ میں نے ان کے شکوہ پر اپنی محبت کا پھایا رکھا۔

”چلو، لیکن ابھی بھی تم اس سے کچھ کہنا نہیں ایسے معاملات کو سمجھ داری اور دور اندیشی سے حل کرنا ہوتا ہے۔“ انہوں نے مجھے تسلی دینے کے ساتھ نصیحت کی۔

”مگر اماں! مجھ سے صبر نہیں ہوتا مجھے لگتا ہے کہ اگر کچھ ہوا تو میرا دل بند ہو جائے گا یا میرا نروس بریک ڈاؤن ہو جائے گا۔“ میں بری طرح رو دی۔

”ہمت سے کام لو میری بچی اپنے بچوں کی طرف دیکھ کر ہمت پکڑو اور پھر میں تمہارے ساتھ ہوں۔“ انہوں نے مجھے تسلی دی اور میری ہمت بندھاتی رہیں۔

☼ ☼ ☼

اس کے بعد کے دن عجب بے دلی لیے ہوئے تھے اور اس چیز کو سمیر نے بھی محسوس کر لیا۔ ”کیا بات ہے جان سمیر بہت ڈل ڈل سی ہو رہی ہو۔“ انہوں نے لگاوٹ سے کہا۔

”کچھ نہیں بس طبیعت کچھ گری گری سی ہے شاید بی پی لو ہے۔“ میں نے بمشکل تمام اپنے آپ اور اپنے لب و لہجے پر قابو پایا۔

”ارے تو بتایا کیوں نہیں۔“ اور میرے منع کرنے کے باوجود وہ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئے میرا بی پی واقعی لو تھا۔ واپسی ڈھیروں پھلوں، دواؤں اور جوسز کے ساتھ ہوئی اور انہوں نے دواؤں کے ساتھ پھلوں اور غذاؤں کی بھی میری نگرانی شروع کر دی مجھے ڈانٹ ڈانٹ کر کھلاتے پلاتے مجھے شرمندگی سی ہوتی کہ شاید میری سوچ غلط ہے ایسا کچھ نہیں ہے۔

☼ ☼ ☼
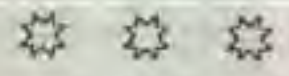
پھر میں بہتر ہو گئی اور زندگی کی طرف میری واپسی ہونے لگی اس دن نتاشا اسکول سے آئی تو اس نے بتایا کہ اگلے دن ٹیچر نے آرٹ ورک کروانا ہے اور اسے اپنا مونٹینا والا کلرنگ باکس ہر حالت میں لینا ہے فارمک شیٹ کچھ خالی ڈبے چاہیے تھے۔ میں نے سمیر کے موبائل پر بیل دی کہ وہ آتے میں لیتے آئیں گے مگر کال ان کے بجائے کسی خاتون نے ریسیو کی۔ ہیلو کے جواب میں میں نے پوچھا۔

”آپ کون؟“

”حالانکہ یہ سوال مجھے کرنا چاہیے تھا کال آپ نے کی ہے؟“ آواز خاصی دلکش تھی۔

”نہیں میرا سوال جائز ہے کیونکہ یہ موبائل میرے شوہر کا ہے اور میرا نمبر ان کے پاس ”مائی وائف مائی لو“ کے نام سے سیو ہے۔“ میں نے دھڑکتے دل کو قابو میں لاتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

”اوہ! تو تم ہو سمیر ڈارلنگ کی وائف“ اس نے ایک خاص ادا سے کہا۔

”شٹ اپ! سمیر کو موبائل دو“ میں نے چیخ کر کہا تب ہی ایسا لگا کسی نے موبائل چھینا ہو۔

”ہیلو!“ سمیر کی آواز آئی۔

”سمیر! یہ کون تھی؟“ میں نے ہیلو کہنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی۔

”میری کولیگ ہے“ انہوں نے صفائی دی۔

”سمیر! آپ کی کبھی بیوی سے تو اتنی بے تکلفی نہیں ہوئی کہ وہ آپ کو ڈارلنگ کہہ کر مخاطب کرے۔“ میں نے غصے سے کہا۔

”ساشا! کوئی بات نہیں ہے یار! بس ہماری Understanding ہے۔“ انہوں نے لائٹ لیا۔

”سمیر! ویسی ہی Understanding تو نہیں جیسی آپ کی اور میری یونی ورسٹی کے زمانے میں تھی اب آپ کی ان خاتون سے ہے کہیں اور جائیں گے تو وہاں کسی اور سے Understanding ہو جائے گی۔“ میں نے بغیر لحاظ اور لاگ لپیٹ کے کہا۔

”ساشا! میں گھر آتا ہوں تو پھر بات کرتے ہیں“ یہ کہہ کر انہوں نے موبائل آف کر دیا۔ میں نے بعد میں بھی کال کرنے کی کوشش کی مگر میری ہر کوشش بے کار گئی میری آنسو کسی طرح سے رک ہی نہیں رہے تھے۔ نتاشا کی فرمائشوں پر میں نے اسے بھی ڈانٹ کر باہر نکال دیا۔

شام میں سمیر واپس آئے تو سب سے پہلے نتاشا انہیں ساتھ لے جا کر اپنی مطلوبہ چیزیں لے کر آئی۔ شام کی چائے کے لیے بھی وہ واپسی میں کئی چیزیں لے آئے مگر میں نے کسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ اماں بی خاموشی سے میری حالت کو نوٹ کر رہی تھیں چائے کے بعد سمیر اماں بی کے پاس جا کر بیٹھ گئے میں کھانے کی تیاری کرنے لگی۔ کھانا نہایت خاموشی سے کھایا گیا کھانے کے بعد میں برتن دھو رہی تھی تب سمیر نے آ کر کافی کی فرمائش کی مگر میں ان سنی کرتی کمرے میں آ گئی۔

”یار! کافی بھی نہیں بنا کر لائیں اس سے پتا چلتا ہے کہ بہت ناراض ہو۔“ سمیر ایسے بولے جیسے کوئی بات ہی نہ ہو میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

”یار! ایسی بھی کیا ناراضی کہ بات ہی نہ کرو۔“ انہوں نے مجھے کاندھے سے تھاما مگر میں نے ہاتھ جھٹک دیے اور وہ سنجیدہ ہو گئے۔

”ٹھیک ہے بات کھل ہی گئی ہے تو اب مزید چھپانا بے کار ہے۔“ انہوں نے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہا

اور میرے دل کی دھڑکن بڑھ گئی یوں لگا دل سینے کا پنجر توڑ کر باہر نکل آئے گا۔

"میری ڈولی سے کافی عرصے سے زبردست Understanding ہے وہ میرے دل کی بات میرے کہے بغیر جان لیتی ہے اور دو ہفتے قبل ہم نے نکاح کر لیا ہے۔" ان کے الفاظ نہیں تھے ایٹم بم تھا۔ جس نے میری ذات کے پرخچے اڑا دیے۔

"ہاں نکاح کر لیا ہے میں نے اس سے میں چاہتا تھا کہ تم پر آگہی کا عذاب نہ اترے مگر تم خود ہی نہیں چاہتیں تو میں کیا کروں۔" انہوں نے بے نیازی سے کہا اور میں نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

"رو رو کر بھی اس بات کو قبول کرنا ہے بہتر ہے ظرف بڑا کر لو یوں بھی دوسری شادی کوئی غیر قانونی اور غیر شرعی نہیں ہے۔" وہ پرسکون انداز میں کہہ رہے تھے اور میرے آس پاس دھماکے ہو رہے تھے۔ میں نے انہیں یاد نہیں دلایا کہ عائلی قانون کے مطابق پہلی بیوی کی تحریری اجازت ضروری ہے۔ میرا مان میرا اعتبار میرا یقین ٹوٹ گیا تھا اب سارے قوانین دنیا کے سارے الفاظ بے معنی ہو گئے تھے بے قیمت و بے وقعت۔

"دل میں وسعت پیدا کرو تمہاری جگہ مستحکم ہے اسے کوئی نہیں چھین سکتا۔" میری محبتوں اور قربانیوں کا صلہ یہ الفاظ تھے۔

"میری جگہ اور حیثیت کا تعین ہو چکا ہے بدلی ہوئی جگہ اور حیثیت۔ میں ہاف بیٹر سے سیکنڈ بیٹر پر آ چکی ہوں اور یہ حیثیت مجھے منظور نہیں۔" میں نے بے دردی سے اپنے آنسو پونچھے۔

"تو تم کیا کرو گی۔" ان کے لہجے میں پہلی بار تشویش در آئی۔

"کچھ نہیں سمیر جمال! عورت جب ماں بن جاتی ہے تو اولاد کی محبت ہر جذبے ہر احساس پر بھاری ہوتی ہے اگر اسے پھر بحیثیت بیوی کے دھتکار بھی دیا جائے تو وہ بحیثیت ماں اپنے ہی مقام پر مضبوط رہتی ہے۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"کون دھتکار رہا ہے ساشا! تم میری پہلی محبت تمہارا مقام میرا دل ہے۔" انہوں نے پھر مجھے لفظوں سے گھیرنا چاہا۔

"اور ہر مرد کی طرح آپ بھی ہر خانے میں ایک عورت کا قیام پسند کرتے ہیں۔" میں نے طنزاً کہا۔

"بہرحال میں بچوں کے کمرے میں جا رہی ہوں آج سے میں وہیں رہوں گی۔" میں نے قطعی لہجے میں کہا۔

"پاگل ہو گئی ہو کیا؟ سب کو تماشا دکھانا چاہتی ہو بچے کیا سوچیں گے۔" ان کے چہرے سے پریشانی مترشح تھی۔

"تماشا میں نے نہیں آپ نے لگایا ہے اور بچے کیا سوچیں گے یہ پہلے سے طے کرنا تھا۔" میں نے قطعیت سے کہا اور باہر نکل آئی باہر آ کر میں بچوں کے کمرے میں آ گئی اور تاشا کے برابر میں جگہ بنا کر لیٹ گئی مگر نیند نہ آئی تھی نہ آئی۔

☼ ☼ ☼
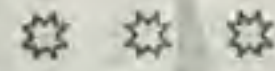
اور صبح اماں بی نے مجھے بچوں کے کمرے سے نکلتے دیکھ لیا۔ میری خاموشی اور رویا رویا چہرہ تو وہ کل سے ہی نوٹ کر رہی تھیں۔ ان کے پوچھنے کی دیر تھی میں ضبط کھو بیٹھی اور آنسوؤں کی برسات میں سب کچھ بتاتی چلی گئی اور اماں بی نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا پھر مجھے گلے سے لگا کر خود بھی رونے لگیں۔

"ہے کون؟" بالآخر انہوں نے سوال کیا۔

"آفس میں کام کرتی ہے کہتے ہیں اس سے ذہنی ہم آہنگی ہو گئی ہے۔" میں نے روتے روتے بتایا۔

"یہ آج کل کے مردوں نے اچھا نکالا اچھی خوب صورت پڑھی لکھی بیوی اور بچوں کی موجودگی میں باہر کی غیر عورتوں سے Understanding کرتے پھرتے ہیں ہمارے میاں کی اور ہماری تو کبھی سمجھوتے کی راہ نکل ہی نہ سکی پھر بھی سو عیب ہوں ان میں یہ عیب نہیں تھا کبھی کسی غیر عورت کو نظر بھر کر بھی نہیں دیکھا بس چچا چچی کے ہاتھوں ساری زندگی چیزوں کو ترستے ہوئے ملے تھے جب کمانے لگے پیسہ ہاتھ آیا تو سر نہیں جاگ اٹھیں یا چچا چچی کا انتقام وہ سب سے لینے کھڑے ہو گئے یا کوئی نفسیاتی گرہ لگ گئی بس لاپروا ہو گئے تھے سب کی طرف سے اور خود پر خرچ کرتے تھے مگر اور کوئی برائی نہیں تھی ان میں بیٹی! ایک بات کہوں تم سے وہ لوٹے گا ضرور یہ میرا یقین ہے۔ ان بازاری عورتوں کی اداؤں کا خمار جلدی چڑھتا ہے اتنی ہی جلدی اترتا بھی ہے اور وفاشعار بیوی ہی مرد کا ٹھکانا ہوتی ہے۔

"یہ نشہ تاحیات ہوتا ہے یہ اترنے والا نہیں ہے۔" اماں بی نے مجھے سمجھایا۔

"اماں بی! اب پلٹیں بھی تو کیا میرے اعتبار، یقین اور مان کا خون تو ہو ہی گیا نا! اور میں پروین شاکر کی طرح بہادر بھی نہیں کہ وہ اسی بات پر قانع ہوتی ہیں کہ کہیں بھی جانے کے باوجود ان کا ہرجائی انہیں کی جانب پلٹتا ہے۔" میں رونا بند کر چکی مگر میری ہچکیاں بندھ گئی تھیں ناک سے مسلسل پانی بہہ رہا تھا۔

"بیٹا! یہ بہادری نہیں مشرقی عورت کا ایثار ہے۔" انہوں نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اماں! آپ اب بھی مجھے معافی اور ایثار کے درس دیں گی۔" میں پھر روہانسی ہو گئی۔

"ہاں بیٹا! یہ درس نہیں التجا ہے وہ پلٹے تو اسے معاف کر دینا اگر عورت بیوی کے ساتھ ماں بھی ہو تو اسے کمپرومائز کر لینا چاہیے ورنہ انا کا پرچم تو بلند ہو جاتا ہے مگر ممتا مر جاتی ہے بچے متاثر ہو جاتے ہیں۔ تمہارا غصہ بالکل جائز ہے تم اسے سزا دو اس میں بھی تم حق بجانب ہو مگر کوئی انتہائی فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار بچوں کو ضرور دیکھ لینا۔" اماں بی نے ملتجی لہجے میں کہا اور میرے رکے ہوئے آنسو ایک بار پھر بہہ نکلے۔

☼ ☼ ☼
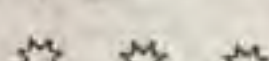
آج کل سمیر نے عجیب رویہ اختیار کیا ہوا تھا بجائے اس کے کہ وہ مجھے مناتے وہ خود روٹھے ہوئے تھے کہ میں بچوں کے کمرے میں کیوں سو رہی ہوں اور بچے مزے میں آئے ہوئے تھے کہ مما آج کل ان کے ساتھ سو رہی ہیں۔

اماں بی آئے دن مجھے صبر، ہمت اور برداشت کے درس دے رہی تھیں بقول ان کے۔

"یہ میرا گھر ہے کوئی راجد ھانی نہیں جہاں کوئی غاصبانہ قبضہ کر لے۔" مگر آج کل سب کچھ بے کار، بے کیف، سا لگ رہا تھا اماں بی نے سمیر کو بھی سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر ان پر عشق کا بھوت سوار تھا۔

اس واقعے کے ٹھیک سترہ دن بعد میرے موبائل پر کوئی Unknown کال آئی میں نے ریسیو کی وہ وہی اس دن والی کھنکتی ہوئی آواز تھی یعنی ڈولی سمیر کی۔

"اوہ! مسز سمیر کیسی ہیں آپ بڑی آرزو تھی میری آپ سے بات کرنے بلکہ آپ کو دیکھنے کی بڑا شہرہ تھا یہاں آپ کا کہ مسز سمیر نے سمیر جمال پر ایسا جادو کیا ہے کہ وہ کسی جانب دیکھتے ہی نہیں اور میری موجودگی میں کسی اور عورت کی تعریف ہو یہ میرے مزاج کے خلاف ہے تھوڑی سی مشکل ہوئی تف ٹارگٹ تھے سمیر جمال مگر میں نے گین کر لیا۔" وہ دلکشی سے مسکرائی مگر میں خاموش رہی۔

"کیا بات ہے بولتی کیوں بند ہے ویسے فکر مت کرو تمہاری گرہستی کو مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے سمیر جمال میرا ٹارگٹ نہیں ٹارگٹ تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں کیونکہ میری سب سے الگ پہچان اور بادلوں سے اونچی اڑان ہے۔" وہ مزے سے بولتی چلی گئی۔

"ہیلو میڈم! ابھی مجھ پر اتنا برا وقت نہیں آیا کہ مجھے اپنے گھر کی مضبوطی کی ضمانت تم جیسی عورتوں سے لینا پڑے۔" میں نے اتنے ٹھنڈے لہجے میں کہا جتنے ٹھنڈے لہجے میں اس جیسی عورت کو آگ لگ سکتی اور ایسا ہی ہوا وہ فوراً بھڑک گئی۔

"ترس آتا ہے مجھے تم جیسی عورتوں پر جن کی زندگی کا محور ایک ہی مرد ہوتا ہے اور وہ بھی انہیں لات مار کر نکل جاتا ہے۔" وہ اوچھے پن پر اتر آئی۔

"اور تم جیسی، عورت کو عورت کہتے ہوئے مجھے عورت ذات پر ترس آتا ہے۔" میرا لہجہ ویسا ہی ٹھنڈا

ٹھار تھا میرا فطری اعتماد لوٹ آیا تھا۔

"شٹ اپ۔" وہ چلا اٹھی۔

"کیوں سچ برداشت نہیں ہوا ابھی کچھ دیر پہلے تو بہت سچ کی دیوی بنی ہوئی تھیں اپنے منہ سے ہی تم نے قبول لیا کہ میرے شوہر نے تمہارے منہ پر تھوکنا بھی گوارا نہیں کیا جب تک تم نے سستی گھٹیا اور گری ہوئی اداؤں سے زبردستی اسے اپنی جانب راغب نہیں کیا" میں طنزیہ ہنسی۔

"بہت بول لیں تم بس اب میری باری ہے پہلے تو میرا ارادہ تھا سمیر جمال کی زندگی سے کچھ عرصے میں نکل جانے کا مگر اب میں نہیں تم نکلو گی اس کی زندگی سے۔" وہ پھنکاری۔

"چلو یہ کوشش بھی کر دیکھو۔" میں نے کہا تو اس نے جلبلا کر لائن ڈسکنکٹ کردی۔ میں جانتی تھی سمیر اس انتہا تک کبھی نہیں جاسکتے کیونکہ اماں بی نے جب شروع میں ان سے بازپرس کی تھی تو انہوں نے اس بات کی صحت سے قطعی انکار کردیا تھا۔

میں کافی دن سے سمیر کو بہت پریشان دیکھ رہی تھی وہ جو کبھی ایک آدھ سگریٹ پیا کرتے تھے ان دنوں چین اسموکر بنے ہوئے تھے اور اس دن کے بعد سے تو میں نے ان کا خیال رکھنا قطعی چھوڑا ہوا تھا۔ وہ ناشتا، لنچ، ڈنر کرتے ہیں یا نہیں مجھے پروا نہیں تھی۔ کمرے کی صفائی تو درکنار ڈسٹنگ تک کرنا چھوڑ دی تھی جو کہ مجھے پتا تھا سمیر جیسے نفیس انسان پر کتنا گراں گزرتی ہو گی۔ ان کے میلے کپڑوں کا انبار لگا ہوا تھا کئی بار میں واشنگ مشین لگا چکی تھی مگر ان کے کپڑوں کو میں نے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا اور اس بات کی شکایت انہوں نے اماں بی سے بھی کی تھی کہ اپ ٹو ڈیٹ صاف ستھرے ویل ڈریسڈ سمیر آج کل بکھرے بکھرے سے آفس جارہے تھے۔ میں ان کی ہر چیز تیار جگہ پر رکھا کرتی تھی جس سے میں نے ہاتھ اٹھالیا تھا اور ان کی شکایت کے جواب میں اماں بی نے کہا تھا۔

"بیٹا! لڑائی میں لڈو پیڑے تو بٹا نہیں کرتے تم نے اس کے سر پر سوت لاکر بٹھادی ہے تو وہ بھی تمہارے عشق میں دمڑی نہیں جارہی کہ اس پر بھی تمہارا پہلے کی طرح کرے۔" اماں بی نے بغیر لاگ لپیٹ کہا اور سمیر جھنجلا کر وہاں سے چلے گئے اگر اماں بی اتنا ساتھ نہ دیتیں تو......

آج انہیں تذبذب میں دیکھ رہی تھی وہ کئی بار کچن میں آکر جاچکے تھے اور اب کی بار وہ آئے تو میں نے اپنے فطری اعتماد کے ساتھ پوچھا۔

"کیا بات ہے سمیر جمال! کوئی پریشانی ہے کوئی مطالبہ کردیا ہے کیا لاڈلی نے؟"

"وہ بات یہ ہے کہ ڈولی یہاں اس گھر میں آکر رہنا چاہتی ہے۔" بالآخر انہوں نے ہمت کرکے کہہ ہی ڈالا۔

"ہاں تو لے آئیں آپ کے بیڈ روم میں اس کے لیے جگہ نکل ہی آئے گی۔" میں نے بے نیازی سے کہا۔

"تمہیں دکھ نہیں ہوگا۔" انہوں نے جانچتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا۔

"میرے دکھوں کا بڑی جلدی خیال آگیا آپ کو بہرحال جس دن آپ نے اپنے نکاح ثانی کی خبر مجھے دی تھی اس دن میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو مجھے احساس ہوا کہ اس اطلاع کے ساتھ ہی آپ کی محبت میرے دل سے ہجرت کرگئی۔ مردوں کو شوق ہوتا ہے نا دلوں کی تسخیر کا مگر بعض دفعہ وہ اس تسخیر میں اس سچے اور کھرے دل کی محبت بھی کھو دیتے ہیں جو صرف انہی کے لیے دھڑکتا ہے۔" میں نے گہرے دکھ سے کہا۔

"وہ اماں بی!" انہوں نے نظریں چرا کر کہا۔

"یہ ایوریسٹ آپ کو خود سر کرنا پڑے گا۔" میں نے رکھائی سے ہری جھنڈی دکھائی اور وہ ٹھنڈی سانس بھر کر چلے گئے۔

اماں بی سے انہوں نے بات کی تو اماں بی نے ان کے لتے لے لیے۔

"میرے جیتے جی ایسا نہیں ہوسکتا اس کو یہاں لانے کے لیے میرے مرنے کی دعائیں خضوع و خشوع سے مانگو۔" انہوں نے دوٹوک کہا۔

"مگر کیوں اماں! میں نے کوئی ناجائز کام نہیں کیا ہے دوسری شادی شرعاً "جائز" ہے۔" انہوں نے کمزور سے لہجے میں کہا۔

"اس جائز شرعی کام کے لیے بیوی سے اجازت لی تھی؟" انہوں نے طنزیہ پوچھا تو سمیر نے سر جھکالیا۔

"اپنے تمام تحفظات کا پتا ہے یہ شرعی کام ہے یہ جائز ہے، بیوی کے تحفظات کا نہیں پتا اور میں اس عمر میں اپنے سر میں خاک نہیں ڈلوانا چاہتی کہ اتنی پیاری، پڑھی لکھی، سلیقہ مند باادب بہو کے ہوتے ہوئے اتنے پیارے باادب باتمیز بچوں پرسکون گھر و ماحول کے ہوتے ہوئے میں نے نا صرف تمہیں دوسری شادی کرنے دی بلکہ تمہاری دوسری بیوی کو لاکر بہو کے سر پر بھی بٹھادیا اگر تمہارے لیے پھر بھی اسے لانا ناگزیر ہے تو پھر میں یہاں سے چلی جاتی ہوں۔" انہوں نے قطعیت سے کہا۔

"اماں! کیسی باتیں کررہی ہیں آپ، آپ پر میری جان قربان وہ آپ کی جگہ کہاں لے سکتی ہے۔" سمیر نے اماں کا ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگایا۔

"جگہ تو ساشا کی بھی کسی کو نہیں لینی چاہیے تھی نا! مگر کسی نے لی نا!" اماں کسی طرح سے سمیر کو بخشنے پر تیار نہیں تھیں۔

"اماں! اس کی جگہ بھی کسی نے نہیں لی ہے میرے دل میں پہلے جیسا ہی پیار اور محبت ہے اس کے لیے پہلے کی طرح احترام ہے محبت کا کینوس بہت وسیع ہے اماں کسی سے محبت کرنے کے لیے کسی پہلے سے دل میں بسے کی محبت نکالنا نہیں پڑتی محبت محبت کو خود ہی جگہ دے دیتی ہے، بہت وسعت ہوتی ہے محبت میں۔" وہ فلسفے پر اتر آئے۔

"اور شراکت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے اگر ساشا کسی اور کی محبت دل میں بسالے تم نے تو خیر حد کردی مگر ساشا صرف کسی دوسرے کا خیال دل میں بسالے تو کیا تم اسے اس گھر میں رکھو گے۔" اماں بی نے نیا نکتہ نکالا۔

"اماں! اب آپ زیادتی کررہی ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"واہ میاں واہ! تم عملی زیادتیاں کرجاؤ ہم لفظی بھی نہیں، بڑا اچھا انصاف ہے تمہارا۔" اماں کی ایسی شعلہ بیانی میں نے اپنی شادی شدہ زندگی کے آٹھ سالوں میں نہیں دیکھی تھی۔

"ٹھیک ہے اماں! آپ کی مرضی نہیں ہے تو وہ یہاں نہیں آئے گی۔" انہوں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بہت مہربانی بہت احسان ہے تمہارا کہ تم ہمارا اتنا سوچتے ہو۔" اماں نے طنز سے کہا اور سمیر اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆ ☆ ☆

اس دن سمیر نے آفس سے چھٹی کی تھی صبح سے ان کی موبائل بیپ ہر تھوڑی دیر بعد ہو رہی تھی وہ بات کر کر کے جھنجلانے لگے تھے۔ مجھے پتا تھا دوسری جانب کون ہے مگر میں نے کوئی توجہ نہ دی جب کالز کی تعداد دس بارہ سے تجاوز کرگئی تو وہ جھنجلا گئے۔

"میں نے کام کے لیے چھٹی کی ہے تفریح کے لیے نہیں۔" انہوں نے نام نہیں لیا تھا پھر بھی مجھے پتا تھا دوسری طرف ڈولی ہے سمیر کا لہجہ انتہائی روڈ تھا اور اس لہجے کا دوسری طرف کیا اثر ہونا تھا میں اچھی طرح جانتی تھی اور وہی ہوا اس کے بعد پھر کوئی کال نہیں آئی۔

میں نے صبح ناشتا بنایا اور حسب عادت اماں کو بلا کر ان کے ساتھ ناشتا شروع کردیا تھوڑی ہی دیر میں سمیر بھی آگئے وہ جانتے تھے میں ان کو نہیں بلاؤں گی۔

ناشتے کے بعد میں برتن وغیرہ سمیٹ کر دوپہر کے کھانے کا انتظام کرنے لگی تب ہی ہماری ماسی زلیخا آگئی۔ ابھی اس نے صفائی شروع بھی نہیں کی تھی کہ سمیر اندر سے نکل کر آئے اور اسے کچھ پیسے دے کر کپڑے دھونے کو کہا اسے کیا چاہیے تھا فوراً کمرے سے جاکر کونے کھدروں تک سے کپڑے سمیٹ کر مشین لگالی۔ ان کا کمرہ سمیٹ کر جھاڑو ڈسٹنگ کرڈالی

کپڑے دھو کر الگنی پر ڈال دیے۔

اور پھر دو دن تک کپڑے الگنی پر لٹکتے رہے میں نے نا صرف یہ کہ کپڑے نہیں اتارے بلکہ ان دنوں کپڑے بھی نہیں دھوئے تیسرے دن وہ صبح کچن میں آ گئے۔

"میرے دھلے ہوئے کپڑے کہاں ہیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"مجھے کیا پتا نہ میں نے دھوئے نہ دیکھے نہ مجھے پتا ہے۔" میں نے ان کی حالت کا مزا لیتے ہوئے کہا۔

"ساشا! آخر تم چاہتی کیا ہو یہ سب میں بھی کر سکتا ہوں بہرحال یہ گھر میرے ہی سہارے چل رہا ہے۔" انہوں نے ضبط کی انتہاؤں سے گزر کر کہا۔

"یہ بھی کر دیکھیں سمیر جمال۔" میں نے بے لچک لہجے میں کہا۔

"نہیں میں نہیں کر سکتا میں کبھی تمہاری سطح پر نہیں اتر سکتا۔" وہ چیخ کر بولے۔

"آپ کس سطح تک اتر سکتے ہیں مجھے معلوم ہے پلیز اپنی عظمت کے قصیدے میرے سامنے مت پڑھیے گا۔" میں نے بھی انہیں کے لہجے میں جواب دیا اور وہ پیر پٹختے ہوئے باہر چلے گئے۔ سمیر چاہتے تو وہ مجھ کو کب کا توڑ چکے ہوتے اگر جو میری بیک پر اماں نہ ہوتیں میرے کاندھے پر ان کا ہاتھ نہ ہوتا تو میں گھر کے کسی کونے میں پڑی 1950ء کی کسی فلم یا ناول کا کردار بنی آنسو بہا رہی ہوتی۔ اماں میری طاقت تھیں انہوں نے مجھے بیٹی کہا ہی نہیں سمجھا بھی تھا انہوں نے سمیر کے بجائے میرا ساتھ قدم قدم پر دیا تھا کتنی بڑی نعمت ہوتے ہیں بزرگ۔

صبح والے مکالمے کے بعد سمیر آفس چلے گئے آفس سے فون کر کے انہوں نے زلیخا کو ہدایت کی کہ "وہ تمام کپڑے الگنی سے اتار کر استری کر کے ہینگر کر دے۔ انہوں نے اس کے لیے پیسے وہیں کمرے میں رکھ دیے ہیں یوں زلیخا نے ان کے کپڑے بھی استری کر دیے اور کمرہ بھی صاف کر دیا۔ اس دن اماں نے باقاعدہ مجھے شاباشی دی میرا کاندھا ٹھونک کر۔

آج کل سمیر کی حالت بڑی ابتر تھی کوئی پریشانی یا ٹینشن تھی جس نے انہیں پریشان کیا ہوا تھا۔ گھر کی دونوں ہستیاں جن سے وہ اپنے پرابلمز شیئر کیا کرتے تھے دونوں کو انہوں نے ناراض کر دیا تھا لیکن ایک دن ان کی حالت ایسی ابتر تھی کہ میں رہ نہ سکی اور پوچھ بیٹھی کہ آج وہ سگریٹ سے سگریٹ جلا کر پیے جا رہے تھے۔

"کوئی مسئلہ ہے سمیر جمال! لاڈلی کی طرف سے پھر کوئی فرمائش ہے" میں طنز کا تڑکا لگانا نہیں بھولی۔

"وہ ڈائی ورس مانگ رہی ہے" انہوں نے شکستگی سے کہا۔

"اوہ! اور آپ کی محبت بلکہ عشق پر یہ بات تازیانہ ہے" میں نے طنزیہ کہا۔

"نہیں ساشا! جب تک اس کی فطرت سے آگاہ نہیں ہوا تھا جب تک محبت تھی اس کی دل میں مگر اس کی فطرت کا اندازہ ہوتے ہی تمہاری وفاؤں کی تمہاری محبت کی قدر دل میں بڑی شدت سے جاگی ہے جب تک میں اس پر بے دریغ خرچ کرتا رہا تو اسے کوئی غرض نہیں تھی مگر میری بھی زندگی ہے میرے اپنے اخراجات ہیں تم لوگوں کی ذمے داری ہے مجھ پر جب اس پر بے دریغ لٹانا بند کیا تو اب اسے ڈائی ورس چاہیے۔" انہیں یقیناً "کسی غم گسار کی ضرورت تھی جو میری صورت میں انہیں میسر آ گیا تھا۔

"تو پھر مسئلہ کیا ہے" میں نے پوچھا۔

"اس کا حق مہر پانچ لاکھ ہے" انہوں نے گویا میرے سر پر بم پھوڑا۔

"پانچ لاکھ سمیر! آپ کا دماغ تو ٹھیک تھا نا نکاح کے وقت ایسی کون سی قلوپطرہ سے آپ نکاح رچا رہے تھے" میرا غصے میں آنا فطری عمل تھا۔

"بس اس وقت عقل پر پتھر پڑ گئے تھے" وہ ٹوٹے لہجے میں بولے۔

"تو بینک سے نکلوا لیں" میں نے مشورہ دیا۔

"اس نے جیسا بے دریغ میرا خرچ کروایا ہے اس کے لیے اکثر مجھے بینک سے پیسے نکلوانے پڑ جاتے تھے

بینک میں ہیں تو مگر پانچ لاکھ سے کم ہیں۔" انہوں نے آہستگی سے کہا۔

"تو پھر میرے زیور بیچ دیں پانچ لاکھ سے زیادہ ہی مالیت کے ہوں گے" میں اور کیا مشورہ دیتی۔

"نہیں ساشا! تمہارے ساتھ پہلے ہی بڑی زیادتی کی ہے میں نے اب اور نہیں" انہوں نے کہا تو میں نے دل میں سوچا کہ چلو انہیں احساس تو ہوا مگر یہ اعتراف دل میں خوشی کو نہ جگا سکا جو کہ ہونی چاہیے۔

"میرا زیور، میرے بچے اور آپ ہیں آپ لوگ سلامت رہیں زیور اور بن جائے گا زیور کا کیا ہے اور زیور ہوتا ہی اس لیے ہے کہ برے وقت میں کام آ سکے۔" میں نے کہا سمیر کسی طرح سے نہیں مان رہے تھے وہ لون لینا چاہ رہے تھے مگر اماں نے بھی انہیں سمجھایا کہ لون پر سود بہت ادا کرنا ہوتا ہے ابھی زیور سے اپنی ضرورت پوری کر لیں بعد میں مجھے بنوا دیں حالانکہ اب تو دل ایسا مردہ سا ہو گیا تھا کہ دل ہی نہیں چاہتا تھا بننے سنورنے کو اماں بی زبردستی کپڑے وغیرہ بنوا لیتی تھیں اور پہلے کی طرح ہی رہنے کی تلقین کرتی تھیں۔

بہرحال جو اماں بی نے کہا تھا وہی ہوا ایسی عورتیں مالدار آسامی کی تلاش میں ہوتی ہیں مگر یہ تو ڈولی نے خود مجھ سے اعتراف کیا تھا کہ وہ میری غائبانہ جیلسی کا شکار ہوئی تھی۔ ہم لوگ کوئی لینڈ لارڈ کوئی مل اونر تو تھے نہیں کہ وہ یہاں رکی رہتی بس اچھے کھاتے پیتے لوگ تھے اپنی ضروریات کے لیے سسکنا نہیں پڑتا تھا کسی سے مانگنا کسی سے قرض لینا نہیں پڑتا تھا اور وہ یوں بھی سمیر کو اتنا دیوانہ نہیں بنا سکی کہ اپنی منوا سکتی نہ وہ ہمارے گھر آ سکی نہ ہی مجھے گھر سے نکلوا سکی۔ بس ان کی جیب اور بینک اکاؤنٹ خالی کرتی رہی۔

اب وہ ایم ڈی کے بیٹے کے چکر میں تھی۔ سمیر نے بازپرس کی تو اس نے ڈھٹائی سے اعتراف کر لیا تھا۔

"مسٹر سمیر جمال! میں شادی کا ڈھول اپنے گلے میں ڈالنے کے لیے قطعی تیار نہیں تھی مگر تم جیسے باشرع اور شریف لوگ 'مجبوراً' یہ سب کرنا پڑا ورنہ تم سے اب تک کئی میری زندگی میں آ چکے ہیں اور آ کر جا بھی چکے اگر میں سب سے شادیوں کے چکر میں پڑ جاتی تو میری تو زندگی طلاقوں اور عدتوں میں ہی پوری ہو جاتی مگر شادی کا تجربہ بھی برا نہیں۔ مرا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا کے مصداق پانچ لاکھ تو طلاق کے بھی ہاتھ آئیں گے۔" اس نے اپنی فطرت پوری طرح عیاں کی اور سمیر اس کی فطرت پر لعنت بھیجتے اور اس سے جان چھوٹنے پر خدا کا شکر ادا کرتے گھر واپس آئے۔

☼ ☼ ☼
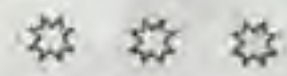
میں نے اور اماں نے سمیر کو زیور فروخت کرنے پر منا ہی لیا یوں ان کی گلو خلاصی ہو گئی سب کچھ پہلے جیسا ہو گیا مگر پھر بھی نہ ہو سکا۔ سمیر نے مجھ سے معافی مانگ لی اور میں نے قبول کر لی مگر معاف کر دینا خدائی صفت ہے کتنا بڑا دل چاہیے ہوتا ہے کسی کو معاف کرنے کے لیے اور اس شخصیت کو معاف کرنا جس نے آپ کا دل دکھایا ہو آپ کے یقین، اعتبار اور مان کا خون کیا ہو۔

اماں بی نے کہا تھا وہ پلٹے گا پلٹے تو اسے معاف کر دینا میں نے ان کا مان رکھ لیا اور خود میرا بھی خیال ہے کہ عورت اگر ماں ہے تو اسے کمپرومائز کر لینا چاہیے چاہے اس کے لیے اس کی انا کا خون ہو جائے۔

اور میں نے اپنی انا کے چہرے پر اپنے قدم رکھ کر سمیر سے کمپرومائز کر لیا مگر اب دل میں سمیر کے وجود سے ویسی رونق نہیں لگتی سناٹا سا رہتا ہے یہ جو شیشہ ہے نا! اس میں ایک بار بال آ جائے تو نہیں جاتا کچھ بھی کر لو اور میرے دل کے شیشے میں بال آ گیا ہے۔

اور اب سمیر کہتے ہیں کہ میں بدل گئی ہوں تو میں ہنس دیتی ہوں کہ میرے کورے دل پر تو سمیر جمال تمہارا ہی نام لکھا تھا مگر کسی اور دل کی تسخیر کی خواہش نے وہ نام اپنے ہاتھوں ہی تم نے مٹا دیا مجھے سمیر کا اعتبار نہیں رہا۔

☼ ☼

عنیقہ محمد بیگ

خواب جلتی آنکھیں
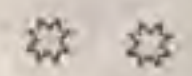
تیسری قسط

"اچھا میرا گفٹ۔" وہ جھٹ سے بولی۔

"پیچھے رکھا ہے" یشانے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔ فرحی نے جھٹ سے پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا تو اسے ایک گفٹ پیک نظر آیا۔ فرحی نے بے تابی سے اسے گود میں رکھا اور اسے دیکھ کر بولی۔

"کیا ہے؟" یشا ہنسی اور کہا۔

"یار کھول کر دیکھ لو تمہیں بہت پسند آئے گا۔"

فرحی نے جھٹ سے گفٹ پیپر پھاڑا۔ اور پھر اچھلی۔

"واؤ ایپل کا آئی پیڈ یار رئیلی مجھے اس کی بہت ضرورت تھی۔" فرحی نے اسے خوشی سے دیکھا۔

مکمل ناول

"میں جانتی تھی کہ تمہیں اس کی ضرورت تھی اس لیے میں نے اس کا انتخاب کیا تم خوش ہو۔" یشا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں۔ بہت خوش ہوں ملکہ عالیہ۔" فرحی نے کنیز کی طرح ادب سے سر جھکا کر ہاتھ سے سلامی دی۔

"اوہو' یہ کیا کر رہی ہو اور کیا ملکہ عالیہ۔" وہ ہنسی اور اس نے گاڑی کی اسپیڈ تیز کر دی۔

فرحی چیخی۔

"یشا پلیز مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔ جب تم گاڑی تیز چلاتی ہو کہیں آج برتھ ڈے کے دن مجھے اوپر نہ بھیج دینا۔" فرحی نے چیخ چیخ کر اسے گاڑی آہستہ چلانے کا مشورہ دیا۔

"یار فرحی مجھے اپنی گاڑی ہوا سے باتیں کرتی اچھی لگتی ہے پلیز آج کے دن تو انجوائے کر لینے دو۔" اس نے مزید گاڑی کی رفتار بڑھا دی اور اپنا ہاتھ ہارن پر رکھ دیا۔

"توبہ ہے۔ یشا تم بالکل لڑکوں جیسی ہوتی جا رہی ہو۔" فرحی نے سیٹ بیلٹ باندھی۔

"کیوں کیا تیز گاڑی لڑکے ہی چلا سکتے ہیں لڑکی نہیں۔" اس نے منہ بسورا اسے فرحی کی بات پسند نہ آئی۔

"اوہو۔ میرا مطلب تھا کہ گاڑی آہستہ کرو۔" فرحی نے دل تھام لیا اور بمشکل ہونٹوں پر مسکراہٹ لائی۔

"اوکے۔ اوکے۔" اس نے فرحی کے زرد چہرے پر ترس کھا لیا اور گاڑی کی اسپیڈ آہستہ کر دی فرحی اسے پیار سے دیکھنے لگی اور اس کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

☼ ☼ ☼

کلثوم تنہا بیٹھی سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھیں کہ سکینہ ان کے پاس آ بیٹھیں تو کلثوم اپنی سوچوں سے آزاد ہو گئیں۔

"کیا ہو رہا تھا بہن؟" سکینہ نے پیار سے پوچھا جبکہ وہ جانتی تھیں کہ کلثوم کو مدیحہ کی فکر کھائے جا رہی ہے۔

"بس سوچ رہی تھی کہ اگر تم لوگوں کا ساتھ نہ ہوتا تو میرا اور میرے بچوں کا کیا حال ہوتا۔" کلثوم کی

آنکھیں پرنم سی ہو گئیں۔

"مدیحہ اور ارسلان میرے بھی کچھ لگتے ہیں اور تمہیں کتنی دفعہ سمجھا چکی ہوں کہ اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں۔" سکینہ نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں۔ میں مدیحہ کا سوچ کر بہت پریشان ہو رہی ہوں سکینہ میری مدیحہ کو جیسے کوئی روگ اندر ہی اندر نگل رہا ہے ہر آہٹ پر یوں چونکتی ہے۔ جیسے اس کو کسی کا خوف ہو۔" کلثوم نے مدیحہ کے متعلق بات کی۔

"نہیں نہیں وہ کسی بات پر خوفزدہ نہیں وہ بیمار ہے اس وجہ سے تمہیں ایسا محسوس ہو رہا ہو گا۔" سکینہ نے بات کو سنبھالا وہ کلثوم پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتی تھیں کیونکہ وہ مدیحہ کی ماں تھیں۔ انہیں یہ سن کر تکلیف ہوتی کہ مدیحہ نے زہر کھانے کی غلطی کی ہے۔

کلثوم نے ایک آہ بھری اور پھر افسردگی سے بولیں۔

"میں کرن کا سامان لینا نہیں چاہتی تھی مگر مدیحہ کی بیماری کو دیکھ کر میں نے امجد کی ماں تبسم سے بات کرلی وہ لوگ شادی کے لیے تیار ہیں اب باقی شادی کا خرچ کیسے پورا ہو گا۔" کلثوم نے سکینہ کو دیکھتے بتایا۔

"شادی کا انتظام بھی ہو جائے گا تم فکر نہ کرو میں ایک دو ایسی خواتین کو جانتی ہوں جو پیسے ادھار دیتی ہیں۔" سکینہ نے تسلی دے کر بتایا۔

"اچھا، مگر ادھار تو ادھار ہے ہم کیسے ادھار پھر چکا سکیں گے ارسلان بھی اب ایک ویٹر کی ملازمت کر رہا ہے اتنا بڑا ادھار اٹھا کر ہم کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔" کلثوم نے فکرمندی ظاہر کی۔

"اللہ ہمیں مصیبت سے نکال لے گا اور ہم اچھی نیت کی وجہ سے ادھار اٹھا رہے ہیں۔" سکینہ نے پیار سے جواب دیا۔ مگر درحقیقت کلثوم کی بات سے وہ بھی متفق تھیں مگر انہیں یہ بہتر لگ رہا تھا کہ مدیحہ اپنے گھر کو رخصت ہو جائے۔

"ہاں۔ اللہ تو بہت بڑا ہے ہمیں مصیبتوں سے نکالنے والا ہے آج میں ارسلان سے بات کرلوں پھر ادھار پکڑتے ہیں۔" کلثوم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

اس سے پہلے کہ سکینہ لب کھولتیں کمرے میں کرن اور مدیحہ آ گئیں، مدیحہ کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی جو اس نے ٹیبل پر رکھی۔

"اماں آج چائے مدیحہ نے تیار کی ہے۔" کرن نے بتایا۔

"اچھا۔ سچ؟" کلثوم نے ہنس کر پوچھا۔

"ہاں خالہ اب وہ پھوہڑ مدیحہ نہیں رہی رات کے لیے چنے کی دال بھی اس نے تیار کی ہے۔" کرن نے اسے باورچی خانے کے کاموں میں الجھا کر اسے مصروف کر دیا تھا جس سے وہ عثمان اور زہر والے واقعے کو بھولتی جا رہی تھی۔

"واہ، واہ کیا بات ہے۔" کلثوم نے اپنی بیٹی کو داد دی مدیحہ خوشی سے کھل اٹھی۔ جب سکینہ نے اس کے ہاتھ میں سو روپے کا نوٹ تھمایا۔

"چائے بہت اچھی ہے۔ یہ میری طرف سے چھوٹا سا تحفہ۔" سکینہ نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"خالہ کلثوم یہ زیادتی ہے اماں کو مجھے بھی پیسے دینے چاہئیں میں نے ہی تو مدیحہ کو اتنی مزے دار چائے بنانا سکھائی ہے۔" کرن نے ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے منہ بسور لیا۔ تینوں اس کو دیکھ کر قہقہے لگانے لگیں اور کرن بھی یہی چاہتی تھی۔

☼ ☼ ☼
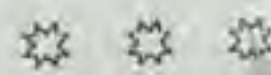
وہ ہوٹل میں داخل ہوئی تو اس کے دوست اسے دیکھ کر گرمجوشی سے چیخے۔ ارسلان ایک ٹیبل پر کھانا پیش کر رہا تھا اس نے جھٹ سے پلٹ کر دیکھا، اپنا چھوٹا سا پرس بہت اچھے اسٹائل سے گھما کر فرحی سے باتیں کرتی اس کے پاس سے گزری اس کے پرفیوم سے ارسلان چند منٹ تک خود کو دوسری دنیا میں محسوس کرنے لگا پھر کسی دوست ویٹر نے اس کا کندھا ہلایا تو اس نے آنکھیں کھولیں وہ فوراً" باورچی خانے

پہنچا اور عاقب کے پاس آ کر اس نے سانس لیا۔

"کیا ہوا ہے؟" عاقب نے اسے ہانپتے دیکھ کر پوچھا

"وہ میشے میم آ پہنچی ہیں۔" ارسلان نے بے تابی سے بتایا۔

"کیسی لگی تمہیں میشے۔" عاقب نے ہنس کر پوچھا۔

"وہ بہت خوب صورت ہیں بالکل پری جیسی۔" ارسلان نے کچھ سوچ کر اس کی تعریف کی اس سے پہلے وہ لب کھولتا منیجر صاحب فوراً" باورچی خانے میں داخل ہوئے۔

"میشے جی سے آرڈر لے کر آؤ۔" منیجر نے ارسلان کو سختی سے حکم دیا۔

"جی سر۔" ارسلان نے مینو کارڈ اٹھایا اور پھر ایک لمبی سانس چھوڑ کر وہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔

وہ اپنے دوستوں کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی اور بار بار اپنے بالوں کو اپنے ہاتھوں سے سنوار رہی تھی وہ اس کے پاس آ کھڑا ہوا مگر اس میں ہمت نہ ہوئی کہ وہ اسے مخاطب کر سکے۔ وہ باتیں کر رہی تھی کہ فرحی نے اسے مسکرا کر دیکھا اور میشے سے بولی۔

"میشے ویٹر کھانے کا آرڈر لینے آیا ہے۔" اس نے بغیر اس کی طرف دیکھے اپنے دوستوں سے پوچھ کر کچھ ڈشز کے نام بول دیے اور پھر باتوں میں مصروف ہو گئی۔ وہ خاموشی سے وہاں کھڑا رہا۔ فرحی نے اس کو مسکرا کر دیکھا اور بولی۔

"آپ جا سکتے ہیں۔" اس نے بڑے خوشگوار موڈ سے اسے جانے کا حکم دیا۔

وہ خاموشی سے باورچی خانے میں آ گیا منیجر نے جلدی سے اس کی لکھی ڈشز پر سب کو آرڈر مکمل کرنے کا حکم دے دیا وہ عاقب کے پاس آ کھڑا ہوا جو کریم سلاد بنانے میں مصروف ہو گیا۔

"کچھ گھبراہٹ کم ہوئی۔" عاقب نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں مگر وہ بہت مغرور ہیں انہوں نے تو ایک بار بھی مجھے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔" وہ ہنسا۔

"تم کیا ہیرو ہو جو وہ تمہیں دیکھے گی۔" عاقب نے بتیسی نکال کر کہا۔

"ہاہاہا یہ بھی تم نے ٹھیک کہا چلو اچھا ہے کہ انہوں نے مجھے دیکھا نہیں ورنہ شاید میں گھبراہٹ سے ان کا آرڈر ٹھیک نوٹ نہ کر سکتا تو بھی مجھے ہی پرابلم ہوتی تھی۔" وہ مسکرا دیا اور عاقب کے ہاتھ تیزی سے کام میں مصروف ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

نوری بہت افسردہ گھر پہنچی ابھی وہ گھر میں داخل ہوئی تھی کہ دونوں بچے اس کی طرف لپکے اور اسے پورے دن میں ہونے والے واقعات کی تفصیل بتانے لگے۔

اس نے بمشکل لبوں پر مسکراہٹ سجائی۔

"ماما حماد نے آج پھر گلاس توڑا۔" ہادیہ نے اپنے چھوٹے بھائی کی شکایت لگائی حماد کا رنگ زرد پڑ گیا۔

"کیوں حماد آپ نے ایسا کیوں کیا؟" نوری نے خفگی سے پوچھا۔

"ماما، ماما میں نے جان بوجھ کر گلاس نہیں توڑا۔" حماد نے منہ بسور کر ہادیہ کو غصے سے دیکھا۔

"دیکھ لیں ماما یہ مجھے اب گھور رہا ہے اور ماما میں نے ایسے ڈانٹا تو اس نے میری چوٹی پکڑ لی تھی۔"

ہادیہ جو اس سے تین سال بڑی تھی اس نے حماد کی حرکت بتا دی۔

"حماد بیٹا ہادیہ بڑی بہن ہے اور اگر خدانخواستہ گلاس آپ کے پاؤں پر لگ جاتا تو؟" نوری نے اسے پیار سے اپنے پاس بٹھا کر سمجھایا کہ وہ پوری توجہ سے ہر کام کیا کرے۔

یک دم ہادیہ بولی۔

"ماما آج ٹیچر نے مجھے آدھا گھنٹہ کلاس سے باہر رکھا

تھا۔"

حماد جھٹ سے بولا۔

"ماما مجھے بھی آدھا گھنٹہ کلاس سے باہر کیا گیا تھا اور میرے تو ٹیچر نے کان بھی مروڑے تھے۔" اس نے معصومیت سے بتایا۔

"کیوں؟ ایسا کیوں۔" نوری بولی۔

"ماما آپ نے پچھلے دو ماہ سے اسکول کی فیس ادا نہیں کی۔" ہادیہ نے اسے یاد کروایا تو وہ مزید مرجھا سی گئی۔

"ماما میری ٹیچر بول رہی تھیں کہ اگر میں کل فیس نہ لے کر آیا تو وہ مجھے اسکول سے نکال دیں گی۔" حماد نے ڈرے لہجے سے اپنی ٹیچر کی داستان سنادی۔

"میں بیٹا کل آپ کے اسکول فون کردوں گی پھر آپ کی ٹیچر کچھ نہیں کہیں گی۔" نوری نے حماد کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"ماما میں اسکول نہیں جاؤں گی جب تک آپ فیس جمع نہیں کریں گی۔ مجھے میری دوست چھیڑتی ہیں کہ میں فیس بھی جمع نہیں کرواسکتی۔" ہادیہ نے لرزتی آواز سے اپنی دوستوں کے متعلق بتایا۔

"نہیں ہادیہ بیٹی۔ آپ اسکول نہیں جائیں گی تو آپ کا کام پیچھے رہ جائے گا میری بچی۔" اس نے پیار سے جواب دیا۔

"ماما آپ مجھ سے وعدہ کریں پھر کہ آپ کل اسکول فیس جمع کروادیں گی۔" ہادیہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور وعدہ مانگنے لگی۔

"ہاں ہاں میں کل کوشش کرتی ہوں۔" نوری نے فکر مندی سے جواب دیا وہ ہادیہ اور حماد کو مطمئن کرنا چاہتی تھی تاکہ وہ اسکول سے چھٹی نہ کریں۔

"ماما مجھے برگر کھانا ہے۔" حماد نے پیار سے کہا۔

"کل بیٹا میں آفس سے آؤں گی تو ساتھ لے آؤں گی۔" اس نے حماد کو پیار سے جواب دیا۔ جو ابھی دس سال کا تھا وہ کیسے اسے بتاسکتی تھی کہ اس کی ماں کا پرس خالی ہے۔

ہادیہ جھٹ سے بولی۔

"ماما اگر آپ حماد کے لیے برگر لائیں گی تو مجھے [illegible] بکس لے کردیں۔" ہادیہ نے بھی فرمائش کردی۔

"جی نہیں ماما اس کے پاس پرانے کلر ابھی [illegible]" حماد نے فوراً بتایا ہادیہ اس سے تکرار کرنے لگی [illegible] نوری کو ان کی تکرار اب سنائی نہیں دے رہی تھی اس کو یہ فکر لگی ہوئی تھی کہ کل کی صبح اسے ملازمت کی تلاش میں نکلنا ہے اور یہ تلاش کب ختم ہوگی یہ وہ نہیں جانتی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس کے تمام دوست خوشگوار موڈ سے بات چیت میں مصروف تھے اس نے ٹیبل پر پلیٹیں سجانی شروع کردیں اس نے میشے کی آواز سنی جو اپنی ایک سہیلی سے کہہ رہی تھی کہ وہ اگلے مہینے لندن جارہی ہے۔

"میشے واپس کب تک آجاؤ گی۔" اس کی سہیلی نے پوچھا۔

"ایک ہفتے کے لیے جارہی ہوں۔" میشے نے مسکرا کر جواب دیا اور اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا وہ واپس باورچی خانے میں آیا۔

عاقب ان کا تمام آرڈر ٹرے میں سجا کر اسے دے رہا تھا اور وہ باری باری سب چیزیں لے جارہا تھا۔

"یہ لیجیے سوپ ذرا سنبھل کر۔" عاقب نے اسے ٹرے تھمائی جس میں ایک بڑا باؤل سوپ سے بھرا ہوا تھا اور اس سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ سوپ کو سنبھالتا ہوا اس کے ٹیبل کے پاس آنے ہی والا تھا کہ میشے باتھ روم جانے کی غرض سے اٹھی اور پیچھے ارسلان سے ٹکرا گئی۔ زور سے میشے کی چیخ نکلی۔ جس کے پاؤں اور کپڑوں پر سوپ گر گیا تھا۔

ٹیبل پر دوسرے لوگ یہ منظر دیکھ کر پریشان ہوئے۔ فرحی اور اس کے دوستوں نے جلدی سے میشا کو سنبھالنا چاہا جو خود سے سوپ صاف کرنے کے لیے ٹشو

پیپر کی طرف بڑھی۔

فرحی نے اس کی مدد کی ارسلان اپنی جگہ سہما کھڑا رہا منیجر اور ایک ویٹر میشا کی ٹیبل کی طرف دوڑے منیجر اس پر آکر چیخا۔

"پاگل ہوگئے ہو ہوش میں نہیں تھے۔" منیجر نے ارسلان کو ڈانٹنا شروع کردیا۔ وہ پاگلوں کی طرح آگے بڑھی اور اس نے زور کا طمانچہ ارسلان کو رسید کیا ارسلان جو میشا کی اس حرکت کے لیے تیار نہیں تھا وہ بری طرح سے بوکھلا کر دوسرے ٹیبل پر جا گرا اور اس ٹیبل کے لوگ گھبرا کر اٹھے ارسلان کے ماتھے پر ٹیبل کی نوک لگ گئی پھر اس کا خون بہنے لگا۔

میشے چیخی۔

"کس پاگل نے اسے میرے ٹیبل کو اٹینڈ کرنے کا حکم دیا تھا اگر یہ یہاں نیا آیا ہے۔" میشا غصے سے بولتی جارہی تھی اور منیجر سر جھکا کر اس کی ڈانٹ سن رہا۔ ارسلان نے معاملہ بہت سنجیدہ دیکھا تو وہ میشا کی طرف بڑھا جس کے ماتھے سے خون ٹپکتا ہوا اس کے گال سے گردن تک آپہنچا تھا۔

"معاف کردیجیے میڈم۔" اس نے ادب سے کہا۔ وہ غصے سے چیخی۔

"شٹ اپ تمہاری معافی سے میرے پاؤں پر ہونے والی جلن کم نہیں ہوگی۔" اس نے ٹشو سے اپنے سفید پاؤں رگڑے۔ جو کافی حد تک سرخ ہوچکے تھے۔

"میڈم پہلی غلطی سمجھ کر معاف کردیجیے۔" اب اس نے میشا کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے جو منیجر سے کہہ رہی تھی کہ اس کو ہوٹل سے باہر پھینک دیا جائے اپنے گھر کی وجہ سے وہ اپنے ہاتھ جوڑنے پر مجبور ہو گیا۔

فرحی نے اسے دیکھا اور میشا کی طرف بڑھی۔

"میشے جانے دو۔ آج میری برتھ ڈے ہے معاف کردو۔" فرحی نے اس کے ٹپکتے خون کو دیکھتے اس کی حمایت کی اور پھر نہ جانے اس نے میشا کے کان میں کیا

سرگوشی کی کہ وہ اسے ایک نظر دیکھ کر بولی۔

"اچھا جاؤ اب میرے سامنے کبھی مت آنا۔" میشے نے غصے سے حکم دیا۔

مینیجر اسے برا بھلا کہہ کر باورچی خانے لے آیا وہ عاقب کے پاس آکھڑا ہوا اس کی سانسیں حلق میں اٹک رہی تھیں۔ جانتا تھا کہ وہ بے قصور ہے مگر وہ میشا کے سامنے خود کو کیسے بے قصور ثابت کر سکتا تھا جس کے سامنے شاید ہر کوئی اس کی غلطی کو اپنا قصور مان لیتا تھا وہ شخصیت ہی کچھ عجیب سی تھی۔

☆ ☆ ☆

"تم حمنہ کو خود کیوں نہیں ایئرپورٹ لینے گئے۔" حلیمہ نے بے تابی سے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ جس پر رات کے دس بج رہے تھے حلیمہ نے اسے فون پر ہی بتایا تھا کہ وہ آج کسی بھی وقت گھر پہنچ جائے گی۔

"دادی جان اس نے مجھے اپنی فلائٹ ٹائم کے متعلق آگاہ نہیں کیا۔" اس نے بتایا۔

"کیوں؟" حلیمہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"بس وہ یہ سمجھتی ہے کہ میرا ٹائم اسے ایئرپورٹ سے لانے کے لیے ضائع ہو جائے گا۔" اس نے حمنہ کی بات دادی سے شیئر کی۔

"وہ... وہ تم سے خفا ہے بیٹا۔" حلیمہ نے فکر مندی سے پوچھا۔

"ہاں دادی خفا ہے مگر آپ فکر نہ کریں میں اسے منالوں گا۔"

"سعد بیٹا اگر وہ یہ چاہتی ہے کہ تم اس کے ساتھ لندن شفٹ ہو جاؤ تو تم نے اسے بتا دینا تھا کہ میری طرف سے کوئی اعتراض نہیں۔" حلیمہ نے اسے پیار سے کہا۔

"دادی جان وہ تو میری بات نہیں سن رہی تھی میں نے کافی دفعہ بتانا چاہا مگر وہ اس سے پہلے ہی بات ختم کر دیتی تھی اب آ رہی ہے تو اسے یہ خوشخبری دے دوں گا۔" سعد نے مسکراتے ہوئے حلیمہ کا ہاتھ تھام لیا جو ان دونوں کی خفگی سے اب افسردہ سی لگنے لگیں۔

ڈور بیل بجی تو حلیمہ اور سعد نے مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھا حلیمہ صوفے سے اٹھیں اور ہال کی جانب بڑھیں سعد بھی ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا ملازم نے خوش دلی سے دروازہ کھولا سعد نے حمنہ کو دیکھا جو بلیو جینز اور سرخ شرٹ میں بہت پیاری لگ رہی تھی وہ مسکرا کر حلیمہ کے گلے لگی۔ سعد اس سے پہلے کچھ بولتا دروازے میں سے ایک نوجوان بھی اندر داخل ہوا اس نے ادب سے حلیمہ کو سلام کیا اور سعد سے ہاتھ ملایا۔ سعد نے حیرانی سے اسے دیکھ کر حمنہ کو دیکھا حلیمہ مسکرا کر بولیں۔

"حمنہ بیٹی تم سعد کو ٹائم بتا دیتیں وہ تمہیں لینے آجاتا راستے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔" حلیمہ نے اس کا ہاتھ تھام کر پوچھا۔

"نہیں، نہیں میں سعد کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھی۔" اس نے طنزیہ کہا اور پھر یک دم اس نے نوجوان کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولی۔

"ہارون میرے ساتھ تھے اس لیے کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔" حلیمہ اور سعد ہارون اور حمنہ کو دیکھنے لگے۔

حمنہ پھر مسکرائی اور بولی۔

"آئی ایم سوری میں نے تو ہارون کو آپ لوگوں سے متعارف نہیں کروایا۔"

ہارون ان دونوں کو دیکھ کر مسکرایا اور حمنہ بولی۔

"ہارون یہ ڈاکٹر سعد میرے بہت بہت اچھے دوست ہیں اور یہ ان کی دادی جان ہیں۔" پھر وہ سعد کی طرف دیکھ کر بولی۔

"سعد یہ ہارون میرے ہسبینڈ ہیں پچھلے ہفتے ہماری شادی ہوئی ہے۔" اس نے طنزیہ سعد کو بتایا اور پھر ہارون کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

"شادی؟ کیا؟" حلیمہ کے منہ سے صرف اتنا ہی نکلا اور ان کے ہاتھ سے حمنہ کا ہاتھ چھوٹ گیا۔

★★★

وہ رات گھر پر لیٹ پہنچا کرن ابھی تک نہیں سوئی تھی اور شاید سو بھی نہیں سکتی تھی اسے اب اس کے انتظار کی عادت پڑ چکی تھی۔ وہ بستر پر کروٹیں بدل بدل کر دیوار پر لگی وال کلاک سے نظریں نہیں ہٹا پا رہی تھی۔

رات کے ٹھیک دو بجے کے قریب دروازے پر دستک ہوئی۔ تو اس نے جھٹ سے چادر خود سے ہٹائی اور چپلیں پہن کر تیزی سے دروازے کی سمت بڑھی اس نے دروازہ کھولا تو ارسلان کو پایا وہ فکر مندی سے بولی۔

"آج آپ نے کافی دیر لگا دی خیریت تو ہے نا۔" اس نے ارسلان کے چہرے سے اندازہ لگایا... جو کافی اپ سیٹ لگ رہا تھا۔

"بس... آج تو یہ ویٹر کی ملازمت بھی ہاتھ سے جانے والی تھی۔" اس نے میشا کے واقعے کو یاد کیا اور صحن میں آگیا۔

اس نے دروازے کو لاک کیا اور حیرت سے اسے دیکھا۔

"سچ کہہ رہا ہوں آج میری غلطی نہ ہونے کے باوجود مجھے بہت سی باتیں سننی پڑیں..." اس نے بے بسی سے بتایا۔

"کیا ہوا؟... اور پھر آپ کی غلطی نہ ہونے پر آپ نے دوسروں کی باتیں کیوں سنیں۔" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"امیر لوگوں کے سامنے غریب انسانوں کی کیا وقعت ہوتی ہے۔ تم تو اچھی طرح سے جانتی ہو۔" وہ چارپائی پر بیٹھ کر بولا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ مسلنے لگا وہ اپنی بے بسی کو قابو پانے کی کوشش میں ناکام ہوتا جا رہا تھا۔ اس لیے اس نے اپنا چہرہ چھپانا چاہا۔

"میں آپ کے لیے پانی لاتی ہوں۔" وہ اسے دیکھ کر بولی۔

وہ باورچی خانے کی جانب چل دی دو منٹ کے بعد اس نے پانی کا گلاس اسے پکڑایا۔ اس نے ایک ہی سانس میں پانی پی لیا اور اسے خالی گلاس تھمایا جو اسے بہت پریشانی کی حالت میں دیکھ رہی تھی۔ ارسلان نے لمبی آہ بھر کر اپنے جوتے کے تسمے کھولے۔

"ارسلان کھانا گرم کر دوں آج چنے کی دال بنی ہے۔" اس نے کہا اسے ارسلان کی خاموشی بے چین سی کرنے لگی وہ ارسلان کی اداسی کے متعلق جاننا چاہتی تھی۔ اس نے اپنے پاؤں جوتے سے آزاد کیے اور صحن میں پڑی اپنی چپلیں پہننے لگا۔ کرن کی بات پر اس نے ہلکی آواز میں جی کا لفظ ادا کیا اور پھر واش روم کی طرف تھکے تھکے قدموں سے جا گھسا۔ وہ دیر تک اس کرسی پر بیٹھی رہی اور پھر ارسلان کے لیے کھانا نکالنے کے لیے باورچی خانے کی جانب بڑھ گئی مگر ذہن اسی بات کو سوچ رہا تھا کہ آخر ہوٹل میں کس کی بات نے ارسلان کو پریشان کر دیا ہے۔

☆ ☆ ☆

"مجھے، مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔" وہ اس کے کمرے میں آکھڑی ہوئی تو سعد نے اسے جھنجھوڑ کر پوچھا جس کے ہاتھ اس کے بازوؤں کو جکڑے ہوئے تھے۔

"اور مجھے بھی تم سے ایسی امید نہیں تھی کہ تم اپنی دادی کے لیے مجھے ترساتے رہو گے۔" حمنہ نے غصے سے خود کو چھڑوا کے کہا۔

"مجھے یقین نہیں ہو رہا کہ تم، تم اتنی بدل جاؤ گی" اس نے غصہ سے اسے چھوڑا اور چیخا۔

"میں تمہارے لیے کبھی خاص نہیں تھی اور جس کے لیے میں خاص تھی۔ اس نے مجھے اپنا بنا لیا میں ہارون کے ساتھ بہت خوش ہوں۔" اس نے لفظ چبا چبا کر ادا کیے۔

"حمنہ تمہاری غلط فہمی تھی جو تم یہ سمجھتی رہیں کہ تم میرے لیے خاص نہیں تھیں" وہ دراز کی طرف بڑھا اور اس میں سے اپنا پاسپورٹ ٹکٹ نکال کر دیکھا اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو چکی تھیں اور اس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔

"یہ، دیکھو..." وہ چیختے ہوئے بولا اور اس نے

پاسپورٹ مزید آنکھوں کے پاس کر دیا۔ حمنہ اس کا پاسپورٹ جس پر لندن کے ویزے کی مہر تھی اور ساتھ میں ٹکٹ دیکھ کر بوکھلا سی گئی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ مگر اس کی زبان ساتھ دینے سے قاصر تھی۔

"حمنہ ۔۔۔ حمنہ تم نے میری محبت کو اپنے ہاتھوں سے جلایا۔ میں تمہارا تھا صرف تمہارا' دادی جان مجھے لندن بھیج رہی تھیں یہاں تک کہ ہم لوگ تمہیں سرپرائز دینے آ رہے تھے۔ مگر تم نے پاکستان آنے کی اطلاع دے دی۔ میں نے تمہیں ہر دفعہ کچھ کہنا چاہا مگر اس سے پہلے کہ میں اپنی بات مکمل کرتا تم فون بند کر دیتی تھیں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم مجھے اک دم چھوڑ کر ہارون کے ساتھ شادی کر لو گی تمہیں مجھ سے محبت شاید تھی ہی نہیں۔"

"نہیں ۔۔۔ سعد نہیں۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اس نے سعد کا ہاتھ پکڑنا چاہا مگر سعد اس سے دور ہٹ گیا۔

"مس حمنہ ۔۔۔ اب آپ میرا ہاتھ کس حق سے پکڑنا چاہ رہی ہیں آپ مسز ہارون ہیں میرے ہاتھ پکڑنے والی حمنہ تو کب کی مر چکی ہے۔" اس نے حمنہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔

"مجھے معاف کر دو سعد میں' میں تمہیں سمجھ ہی نہیں پائی بس تمہارے لندن نہ شفٹ ہونے پر اور پھر تمہارے فون پر کسی لڑکی کی آواز نے مجھے پاگل کر دیا تھا۔" اس نے سعد کا ہاتھ تھام لیا اور پاگلوں کی طرح رونے لگی۔

"پلیز حمنہ ۔۔۔ اب بہت دیر ہو چکی ہے میں مزید اس گھر میں تمہیں دیکھنا نہیں چاہتا۔" اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑوایا اور اس کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو گیا۔

"مجھے معاف کر دو سعد ۔۔۔ میں بہت بری ہوں میں تمہیں یہاں تکلیف دینے کی غرض سے آئی تھی میں تو یہ سمجھ رہی تھی کہ تم مجھ سے زیادہ اپنی فیملی سے محبت کرتے ہو میں تمہاری محبت صرف اور صرف اپنے لیے چاہتی تھی۔

اس لیے دادی جان کو بھی میں قبول نہیں کر پا رہی تھی۔ مگر در حقیقت میں خود یہاں سے سب سچ جاننے کے بعد تکلیف لے کر جا رہی ہوں مجھے معاف کر دینا۔" اس نے ترستی نظروں سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

سعد نے مڑ کر اسے نہ دیکھا۔ بلکہ وہ اسے اپنا چہرہ دکھانا نہیں چاہتا تھا جس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

"سعد ۔۔۔ میں جا رہی ہوں۔" اس نے کندھے سے ہاتھ ہٹا لیا اور روتے ہوئے بولی۔

"دروازہ بند کر جانا۔" اس نے مڑ کر اسے دیکھنا مناسب نہ سمجھا۔

سعد کی بات پر وہ روتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی دروازے کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا کمرا خالی تو ہو چکا تھا مگر اس کی یاد سے سعد کا ذہن خالی نہیں ہو سکتا تھا جس نے شدت سے حمنہ کو چاہا تھا۔

☼ ☼ ☼
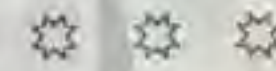
اس نے بجھے دل سے کھانا کھایا وہ اس کے پاس بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھی وہ چاہتی تھی کہ وہ ہوٹل والی بات خود سے دوبارہ چھیڑے آخر کار کرن کے دل کی بات خدا نے سن لی ۔۔۔ اور پھر ارسلان نے شیشے کے گلاس کو گھور کر دیکھتے کہا۔

"شیشہ" میری زندگی کو تباہ کر دیتا ۔۔۔ اگر اس یشا میڈم کو مجھ پر ترس نہ آتا۔

"کون ۔۔۔ یشا کیسا شیشہ؟" اس نے افسردگی سے پوچھا اور اسے حیرت سے تکنے لگی۔

"یشا آج ہمارے ہوٹل میں آئی تھیں بہت بڑی ڈیزائنر ہیں۔" اس نے یشا کو یاد کر کے جواب دیا۔

"ہاں تو پھر کیا ہوا؟"

"یشا کے اوپر سوپ گر گیا تھا۔" اس نے آہستگی سے بتایا۔

"کیا ۔۔۔ کیا مطلب؟ ۔۔۔ آپ سے گر گیا تھا۔" وہ

فکر مندی سے بولی جس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"نہیں' نہیں غلطی میری نہیں تھی کرن ۔۔۔! یشا میڈم نے ہی خیال نہیں کیا۔ میں ان کے پیچھے کھڑا تھا مگر وہ کسی سے فون پر بات کرنے میں اتنی مگن تھیں کہ ان کا بازو ٹرالی سے جا ٹکرایا۔ اور ان پر سارے کا سارا گرما گرم سوپ گر گیا۔"

اس نے ہوٹل کا سارا واقعہ اس کے سامنے پیش کیا۔

"یا خدا ۔۔۔ کیا ہوا پھر؟" اس نے گھبرا کر پوچھا۔

"ایک زور کا طمانچہ اس نے میرے منہ پر رسید کیا ۔۔۔ اور یہ دیکھو" اس نے اپنے ماتھے سے بال ہٹائے تو اسے سرخ نشان نظر آیا۔

"اف ۔۔۔ یہ کیسے ہوا؟" وہ گھبرا سی گئی۔

"بس آج کا دن بہت برا تھا شاید آج اس امیر زادی کی وہ اچھی سہیلی ساتھ نہ ہوتی ۔۔۔ تو مجھے ملازمت سے فارغ کر دیا جاتا۔" اس نے مسکرا کر فرحی کو یاد کیا۔ جس کی سرگوشی پہ یشا نے اسے معاف کیا تھا اور اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کا شکریہ بھی ادا کر دیا تھا۔

"یہ امیر لوگ بہت بد تمیز ہوتے ہیں۔ اپنی غلطی انہیں نظر نہیں آتی ہم جیسے غریبوں پر الزام تھوپ دیتے ہیں۔" وہ خفگی سے بولی۔

"نوکری بچ گئی بس سارا درد بھول گیا شاید نوکری نہ رہتی تو یہ چھوٹی چوٹ بہت زیادہ درد دیتی۔" اس نے لبوں پر مسکراہٹ سجالی۔

"تمہاری نیت صاف تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا کرم رکھا آئندہ ان امیر شہزادیوں کی ٹیبل کے پاس بھی مت جایا کرو آج ایسی حرکت ہوئی کل مزید کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔" اس نے اپنا ڈر ظاہر کیا۔

"ہاہاہا ۔۔۔ کرن ۔۔۔ کیا تم جیلس ہو رہی ہو" وہ اس کی بات پر ہنسا جو اسے لڑکیوں کی ٹیبل پر جانے سے منع کر رہی تھی۔

"نہیں میں کیوں جیلس ہوں گی۔" وہ اس کی بات سمجھ نہ سکی جو اس کی بات اب مذاق میں لے رہا تھا۔

"مجھے جیلس ہونے کی ضرورت نہیں ۔۔۔ آپ ہر لڑکی کے لیے ٹیبل سجائیں" اس کو ارسلان کی بات سمجھ میں آ گئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔ چاند کی روشنی ان کے چہروں کو مزید روشن کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼
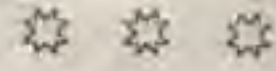
اس کا فون بج رہا تھا جب وہ بے دار ہوا وہ پوری رات کرسی پر بیٹھا رہا پھر نہ جانے کب اسے نیند آ گئی۔ اس نے اپنی آنکھوں کو مسلا اور اپنا سیل فون اٹھایا۔ ہسپتال سے دس دفعہ کال آ چکی تھی اس نے گردن کو دائیں بائیں موڑا جس میں وہ کافی تھکن محسوس کر رہا تھا ابھی وہ خود کو نارمل کر رہا تھا کہ اس کا سیل فون پھر بج اٹھا اس نے سیل فون کی اسکرین کو دیکھا ہسپتال کا نمبر دیکھ کر اس نے فون جھٹ سے اٹھا لیا۔

"ہیلو ۔۔۔" وہ تھکے تھکے لہجے سے بولا۔

"ڈاکٹر سعد میں احمد بول رہا ہوں۔" احمد نے شائستگی سے کہا۔

"ہاں احمد بولو؟"

"یہ معلوم کرنا تھا کہ آج آپ ہسپتال آئیں گے یا پھر آپ کا راؤنڈ ڈاکٹر فضا لے لیں۔" احمد نے تصدیق چاہی۔

"احمد' میں آج نہیں آسکوں گا آپ ڈاکٹر فضا کو بتا دیجیے گا۔ وہ سب کچھ سنبھال لیں گی۔" سعد نے اپنی کولیگ ڈاکٹر فضا کے متعلق اس سے بات کی اور پھر فون بند کر دیا۔ کافی دیر تک وہ فون کو دیکھتا رہا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کہ رات اس نے بہت برا خواب دیکھا ہے اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ حمنہ کسی اور کی ہو چکی ہے اور اب وہ کبھی بھی اسے نہیں پا سکے گا۔

وہ اپنے ہاتھوں سے اپنا سر دبانے لگا اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ کب کا کسی مرض میں مبتلا تھا اور اب یہ مرض اس کی جان لے لے گا۔ اس نے آنکھیں موندیں۔

توحمنہ کا چہرہ اس کی آنکھوں میں سما گیا۔ حمنہ تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں میں نمی سی آگئی۔

جو سزا حمنہ نے اسے دینی چاہی تھی۔ وہ خود اس سزا کی حصے دار بن کر گئی تھی وہ جانتا تھا کہ یہ سب جان لینے کے بعد کہ وہ لندن شفٹ ہو رہا تھا۔

حمنہ بھی کبھی چین سے نہیں جی پائے گی۔۔۔ مگر اب کچھ بھی تو نہیں ہو سکتا تھا۔۔۔ وہ کسی کی بیوی تھی اس کی محبوبہ نہیں رہی تھی۔

اسے یہ بات اپنے ذہن میں بٹھانی تھی۔ مگر اس کا ذہن تھا جو بار بار حمنہ کو یاد کر رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور خود کو اس کی یاد کے حوالے کر دیا۔

☆ ☆ ☆

فجر کی اذان پر اس کی آنکھ کھلی اس نے جلدی سے بستر چھوڑا تو سکینہ کو چادر ٹھیک کرتے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔

"اماں آپ اٹھ گئیں۔" اس نے جمائی لی۔

"ہاں بیٹی اب جلدی سے وضو کرلو" سکینہ نے اس کا گال چھو کر جواب دیا اور جائے نماز کی طرف بڑھیں جب تک وہ باہر نکلی۔ سکینہ نے نماز کی نیت سے جائے نماز فرش پر بچھایا اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری دینے لگیں۔

کرن نے بھی جلدی سے وضو کیا اور کمرے میں آکر اپنی ماں کے پاس ہی دوسری جائے نماز بچھا کر نماز ادا کرنے لگی۔ سکینہ دعا میں مشغول تھیں کہ کرن نے نماز اور دعا مانگ کر جائے نماز اٹھائی اور بولی۔

"اماں آپ اتنی دیر سے کس کے لیے دعا کر رہی ہیں" اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ سکینہ نے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرے اور کرن کی طرف پھونک مار کر بولیں۔

"میری سب دعائیں تمہارے نام ہوتی ہیں میرا اس دنیا میں تیرے علاوہ کون ہے" سکینہ نے بتایا۔

"اچھا اماں آپ نے میرے لیے کیا دعا مانگی" وہ تجسس سے پھر بولی۔ سکینہ نے آہستگی سے اٹھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"بس جو مانگا تھا وہ مل تو گیا۔"

"اچھا اماں کیا مل گیا ہے؟" وہ حیرت سے بولی۔

"اوہو تم نہیں سمجھوگی" وہ تسبیح سنبھال کر بستر پر بیٹھیں۔ وہ ماں کے پاس بستر پر آکر بولی "اماں آپ لوگوں کا وہ کام ہو گیا تھا۔" اس نے نظریں چرا کر پوچھا ۔۔۔ جس کے علم میں تھا کہ کل سکینہ اور کلثوم محلے کی ایک امیر عورت سے مدیحہ کی شادی کے لیے قرض مانگنے کے لیے گئی تھیں۔ تاکہ وہ مدیحہ کو جلد از جلد رخصت کر دیں۔

سکینہ نے آہ بھری اور بولیں۔

"کام تو ہو گیا ہے مگر تھوڑا مشکل لگا۔" سکینہ نے افسردگی سے بتایا۔

"کیسی مشکل اماں؟" وہ حیرت سے بولی۔

"زرینہ سود پر پیسہ دیتی ہے دو لاکھ کے بدلے میں ہمیں تین ہزار ہر ماہ اسے دینا ہوگا جب تک ہم اسے دو لاکھ نہیں ادا کریں گے۔۔۔ تین ہزار کا بوجھ ہم پر رہے گا۔" انہوں نے سوچتے ہوئے بتایا۔

"اماں۔۔۔ یہ، یہ تو ناممکن ہے ہم لوگ کیسے تین ہزار دے سکیں گے آپ نے زرینہ خالہ سے بات کرنی تھی کہ ہم لوگ تین ہزار تو نہیں دے سکیں گے۔" کرن نے فکر مندی ظاہر کی۔

"نہیں مان رہی تھی اور لوگ مجبوری کا تو فائدہ اٹھاتے ہیں اس سے بات کی تھی وہ تو بگڑ سی گئی کہ لینے ہیں تو تین ہزار دینا ہی پڑے گا ورنہ بات ختم۔" سکینہ نے زرینہ کے رویے کے متعلق صاف صاف بتا دیا۔

"پھر آپ نے کیا سوچا ہے۔" وہ فکر مندی سے پوچھنے لگی۔

"کلثوم سے بات تو کی تھی وہ تو بے چاری کچھ بول نہیں پائیں۔ اب جو سوچنا ہے مجھے اور ارسلان کو ہی سوچنا ہوگا۔" سکینہ نے تسبیح کے دانوں پر ہاتھ پھیرتے کچھ پڑھتے بات ختم کی۔

کرن نے وال کلاک کی طرف دیکھا صبح کے چھ بجنے

والے تھے سکینہ نے اسے دیکھا اور بولیں۔

"جلدی سے ناشتا تیار کرلو۔۔۔ ارسلان بھی اٹھ گیا ہوگا۔ اللہ بہت بڑا ہے کوئی نہ کوئی راستہ نکل آئے گا۔" سکینہ نے اس کا ہاتھ تھام کر تسلی دی۔

"اچھا۔۔۔ اماں میں ناشتا لے کر آتی ہوں۔" اس نے پیار بھری نظروں سے ماں کو دیکھا اور پھر کمرے سے باہر آکر باورچی خانے میں مصروف ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ یشا کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

ملازمت کہیں اور جگہ پر اتنی جلدی ملنی ناممکن تھی صبح سے وہ چار جگہوں پر جا کر انکار سن آئی تھی وہ جانتی تھی کہ مزید ایک ہفتے کے بعد اس کے گھر پر فاقوں کی نوبت آپہنچے گی۔ اس لیے پھر سے اس نے یشا کے پاس آنے کا سوچ لیا تھا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے یشا کے دروازے پر دستک دی۔

کمرے میں کوئی آواز نہ ابھری۔ اس نے دوبارہ سے دستک دی۔ تو یشا کی چیختی آواز ابھری

who the hell of you

"جی۔۔۔ جی۔۔۔ میں نوری، نوری۔" اس نے دروازہ کھول کر اپنا چہرہ دکھاتے جواب دیا۔

یشا فون پر کسی سے بات چیت میں مصروف ہو گئی۔ مگر اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے نوری کی موجودگی بالکل پسند نہیں آئی ہے تقریباً "دس منٹ کے بعد اس نے فون بند کیا اور نوری پر غصے سے چیخی۔

"کیوں یہاں آئی ہو میں نے تمہیں صاف صاف کہہ دیا تھا کہ مجھے تمہارے جیسے نااہل لوگ یہاں یشا بوتیک میں نہیں چاہئیں۔" اس نے با آواز بلند اسے بتایا۔

"میڈم پہلی غلطی معاف کر دیں آئندہ میری کیا مجال جو میں اپنی مرضی سے کوئی بات سوچوں۔" نوری نے بے بسی سے ہاتھ جوڑ دیے اب اس کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔

"سوری نوری تمہاری جگہ کسی اور نے لے لی ہے اب مجھے تمہاری ضرورت نہیں رہی" یشا نے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بے زاری سے اسے جتایا کہ وہ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔

"میڈم، نہیں نہ کہیں تو مجھے ایڈجسٹ کرلیں میں بہت مجبور ہوں۔" اس نے کانپتی آواز سے جواب دیا۔

"اچھا مجبور نہ ہوتیں تو شاید تم میرے سامنے ہاتھ نہ جوڑتیں۔" اس نے طنزیہ لہجے سے بات کا جواب دیا۔

"نہیں، نہیں یشا جی ایسی بات نہیں میں اپنی غلطی مانتی ہوں۔ مجھے آپ نے یہاں پر جس چیز کے لیے ملازم رکھا اس کام میں مجھ سے کوتاہی ہوئی ہے۔" نوری نے پھر سے ہاتھ جوڑے۔

"اچھا۔۔۔ بس زیادہ ڈرامہ مت کرو آئندہ غلطی کی ۔۔۔" اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتی اس کا سیل فون بج اٹھا۔ نوری نے اطمینان کی سانس لی وہ سیل فون پر چیخی۔

"کیا یہ سچ ہے۔" اس نے نوری کو گھورا۔ اس کا چہرہ کسی سے بات کرتے ہوئے سرخ ہو گیا تھا۔

"ہاں، ہاں وہ میرے پاس کھڑی ہے۔" یشا نے غصے سے اسے دیکھتے کسی کو اطلاع دی اور پھر فون بند کر کے چیخی۔

"مائی فٹ تم چندا کے بوتیک جاب کے لیے گئی تھیں" یشا نے اپنی سب سے بڑی دشمن چندا کا نام لیا جس سے کافی عرصے سے بوتیک کے سلسلے میں ان دونوں کی بن نہیں پائی تھی۔

"جی وہ وہ۔" نوری بوکھلا گئی اسے کچھ سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا جواب دے۔

"مجھے اندازا ہے کہ تمہیں چندا نے خرید لیا ہے اور تم یہاں اس لیے آئی ہو کہ میرے کام کی خبر تم اسے دیتی رہو اور اگلے سال کا ایوارڈ فیشن ڈریس کا وہ جیت جائے۔" یشا نے چیختے ہوئے اپنی سوچ اس پر ظاہر کی جبکہ ایسا کچھ نہیں تھا وہ چندا بوتیک میں ملازمت کے غرض سے گئی تھی مگر وہاں بھی چندا نے انکار کر دیا شاید

وہ بھی یشا کی طرح سوچ رہی تھی۔

"نہیں، نہیں یشا جی میں اتنی گھٹیا حرکت نہیں کر سکتی آپ میرا یقین کرلیں میں نے آپ کا نمک کھایا ہے۔" وہ اپنی صفائیاں دینے لگی یہ ملازمت اس کے لیے بہت ضروری تھی ورنہ وہ جانتی تھی کہ اس کے بچے بھوکے مرجائیں گے۔

یشا نے غصے سے اپنے سر پر ہاتھ مارا اور بیل بجادی اس کے بیل بجاتے ہی چپڑاسی ظفر اندر داخل ہوگیا اور ادب سے بولا۔

"جی بی بی.....جی!"

"ظفر نوری کو آئندہ میں اپنے آفس میں نہ دیکھوں اور نہ ہی اپنے بوتیک کے اردگرد دیکھنا چاہوں گی تم اسے لے کر جاسکتے ہو۔" اس نے اپنی چیئر گھمالی نوری چیخی۔

"یشا جی مجھ پر ترس کھائیے..... میں بے قصور ہوں میں اپنے بچوں کی خاطر چند ابوتیک گئی تھی پلیز مجھے یہ ملازمت دے دیجیے مجھ پر نہیں تو میرے بچوں پر رحم کردیں۔" نوری نے گلا ——— پھاڑتے صدائیں دیں۔

مگر دوسری طرف سے یشا نے کوئی جواب نہ دیا ظفر کی گرفت اس کے بازو پر بہت مضبوط تھی اور وہ اسے گھسیٹتا ہوا بوتیک کے باہر چھوڑ آیا تھا وہ بوتیک کے گیٹ پر کھڑی روتی رہ گئی۔ جو گیٹ اس کے لیے بند ہو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼
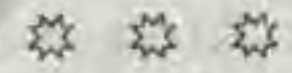
"سعد میرے بچے کب تک سویا رہے گا۔" حلیمہ نے دروازہ پر دستک دی۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا وہ اندر داخل ہوتے ہوئے بولیں۔ سعد کرسی پر بیٹھا تھا اور اس کی آنکھیں حمنہ کی یاد میں آنسوؤں سے بھری تھیں اس نے جلدی سے اپنے آنسوؤں کو پی لیا..... جب تک ۔ حلیمہ لائٹ آن کرنے میں کامیاب ہوئی تھیں۔

"دادی..... آپ نے مجھے بلوا لیا ہوتا۔" وہ سیڑھیاں چڑھ کر اس کے کمرے میں آئی تھیں وہ جانتا تھا کہ ان کے جوڑوں کے درد کی وجہ سے سیڑھیاں چڑھنا ان کے لیے کتنا اذیت ناک لمحہ تھا۔

"بیٹا کل رات کی بات کو اک برا خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔" حلیمہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"دادی جان..... میں ٹھیک ہوں۔" اس نے حلیمہ کو گلے سے لگالیا۔

"حمنہ نے ایسا کیوں کیا؟ وہ یہاں تمہارا دل دکھانے کے لیے آئی تھی میری وجہ سے یہ سب کچھ ہوا کہ اس نے تمہاری محبت کو ٹھکرادیا۔" حلیمہ نے دکھ سے کہا۔

"نہیں دادی آپ کیوں خود پر الزام لے رہی ہیں بس حمنہ کا نصیب میں نہیں تھا۔" اس نے اک سرد آہ بھری۔

"کاش کہ میں نے تمہیں پہلے ہی لندن بھیج دیا ہوتا تو آج حمنہ تمہاری زندگی میں ہوتی۔" حلیمہ نے لرزتی آواز سے پچھتاتے ہوئے جواب دیا۔

"دادی جان اگر اللہ کی مرضی ہم دونوں کو جدا کرنے کی تھی..... تو بے شک میں لندن بھی چلا جاتا تو بھی شاید کوئی بات ہم دونوں کے درمیان آکھڑی ہوتی میں نے اسے اللہ کی رضا سمجھ کر قبول کرلیا اور میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی بار بار خود کو قصور وار سمجھنے کے بجائے اللہ کا فیصلہ سمجھ کر حمنہ کو بھول جائیں۔" اس نے ان کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے سمجھایا۔

جن کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

"حمنہ کو شاید میں بھول جاؤں گی کیا تم اسے کبھی بھول سکتے ہو؟" حلیمہ نے اس سے نظریں ملا کر پوچھا ان کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ وہ اپنے پوتے کے لیے بہت فکرمند سی ہوگئی تھیں۔

"دادی میں بھول جاؤں گا"

اس نے نظریں چرا کر جواب دیا مگر اسے یوں لگا۔ جیسے وہ خود سے جھوٹ بول رہا ہے۔

"دادی جان وقت ہر زخم کو بھر دیتا ہے خود کو سنبھالیں میرے مقدر میں حمنہ نہیں تھی۔" اس نے حلیمہ کا ہاتھ تھام کر تسلی دی۔ جو خود کو اس کی گناہ گار

سمجھ رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼
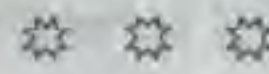
عاقب نے اسے آتے دیکھا تو مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔

"واہ میرا دوست آگیا آج دیر نہیں ہوگئی کیا" اس نے وال کلاک کی طرف دیکھ کر مسکراتے پوچھا۔

"بس یار ساری رات نیند نہیں آئی تھی اس لیے دیر تک سوتا رہا کیا منیجر صاحب آگئے' انہوں نے میرے متعلق پوچھا کیا؟" اس نے گھبرا کر پوچھا۔

"نہیں، نہیں وہ ابھی تک نہیں آیا اور شاید آجاتا تو تمہیں خوب سناتا البتہ کل کے واقعہ پر سب جانتے ہیں کہ تم بے قصور تھے۔ مگر کوئی کچھ نہ کہہ سکا شاید سب ہی اپنی مجبوری پر خاموش رہے تھے۔" عاقب نے اسے تسلی دی۔

"مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں" میں جانتا ہوں" اس نے عاقب کو تسلی دی جو اس مسئلے پر منیجر سے بات نہ کرسکا تھا یشا کے معاملے میں پڑنے کا مطلب ملازمت سے ہاتھ دھونا تھا۔

ابھی وہ دونوں بات ہی کررہے تھے کہ باورچی خانے کا دروازہ زور سے کھل گیا۔

دونوں نے دروازے کی سمت دیکھا۔

منیجر ان کے سامنے کھڑا تھا۔

منیجر نے تالی بجائی اور باقی ملازموں کو بھی اپنی طرف متوجہ کیا سب تالی کی آواز سے چونکے اور منیجر کو دیکھنے لگے۔

"دو دن رہ گئے ہیں نئے سال کی آمد میں اس دفعہ جابر صاحب نے — نیو ایئر کے لیے کچھ تبدیلی کی ہے نئے سال کی رات کو آپ سب ملازم بھی اچھے ملبوسات میں آسکتے ہیں مینو تبدیل کیا جارہا ہے۔ زیادہ ڈشیز چائنیز اٹالین ہوں گی مزید یہ کہ اسٹال فوڈ کا انتظام کیا جائے گا اور ہر ملازم کے سپرد اک اسٹال ہوگا۔ اور جس کے اسٹال سے زیادہ منافع ہوا۔ جابر صاحب اس کی تنخواہ بڑھادیں گے۔" منیجر نے مسکرا کر اطلاع دی۔ سب ہوٹل کے ملازم خوش دکھائی دینے لگے۔ اس کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اچانک منیجر نے اس کی طرف گھور کر دیکھا اور پھر سخت لہجے سے بولا۔

"آپ سب جانتے ہیں کہ کل یشا جی کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا۔ اس لیے اگلی دفعہ کسی نے کوئی شکایت دی تو جابر صاحب اسے ہوٹل سے برخاست کردیں گے۔" منیجر نے اسے دیکھتے ناگواری سے بتایا۔ اس نے نظریں چرالیں باقی کے ملازم اس کی طرف دیکھنے لگے۔ منیجر کہہ کر باہر نکل گیا۔

"مجھے یقین ہے کہ تمہارا فوڈ کارنر زیادہ منافع دے گا۔" عاقب نے سلاد کے پتوں کو پانی کے ٹب میں ڈبو کر اسے دیکھا۔

"کیوں..... ایسا کیوں کہہ رہے ہو؟" ارسلان نے مسکرا کر پوچھا۔

"یار اس ہوٹل میں اکیلے تم ایسے ویٹر ہو جو خوب صورت ہو اور تمہیں تو امیر لڑکیوں کا علم ہے کہ وہ خوب صورتی کو پسند کرتی ہیں۔" عاقب نے ہنستے ہوئے بات مکمل کی۔ اس نے قہقہہ لگایا۔

"آپ کے اندازے جھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ یشا میڈم کا حادثہ یاد ہے نا۔" وہ مسکرایا اور اس نے سنک سنبھالا۔ آج اسے تمام برتن دھونے کی ڈیوٹی پر کھڑا کیا گیا تھا۔

"ہاہاہا..... یشا وہ تو کیس الٹا پڑ گیا تھا تم اس طرح کرنا کہ اپنی توجہ بوڑھی خاتون پر دینا شاید وہ تمہیں پھر اہمیت دے جائیں۔" عاقب نے کھی کھی کرکے نصیحت دی۔

"بس آپ نصیحت کرنے کے بجائے میرے لیے دعا کریں کہ نئے سال کی رات میرے لیے اچھی ثابت ہو کوئی ایسا مسئلہ نہ ہو جس طرح کل کا حادثہ میری ملازمت چھین کرلے جانے والا تھا۔" اس نے یشا کو پھر یاد کیا۔

"ویسے یشا ہے بہت خوب صورت۔" عاقب نے ہنس کر کہا۔

"اچھا۔۔۔" وہ مسکرایا اور برتن پر ہاتھ اس نے تیز کر دیے۔

"تجھی وہ بھول نہیں رہی' بار بار تو میشا کو یاد کر رہا ہے۔" عاقب نے ہنستے ہوئے سلاد کے پتے کاٹتے اسے چھیڑا۔ اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا اور مسکرا کر بولا

"خدا کے لیے مجھ پر رحم کر۔۔۔ یہاں کسی نے میشا کے متعلق کچھ سن لیا تو وہ میری شامت لے آئیں گے۔ پھر میرا زندہ رہنا ناممکن ہو جائے گا۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

جو اس کی ایک ملاقات سے اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ بہت ظالم ہے۔

"مجھے تو ایسی ظالم لڑکیاں بہت پسند ہیں اگر میری شادی نہ ہوتی تو میں میشا کا دل جیتنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا۔" اس نے ہلکی آواز رکھ کر بتایا وہ خوب ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

"مجھے اسکول نہیں جانا" حماد کو اٹھانے کے بعد جب وہ ہادیہ کی طرف پہنچی تو ہادیہ نے روتے ہوئے کہا۔

"کیوں بیٹا؟" اس نے ہادیہ کے ماتھے پر سے بال ہٹاتے پوچھا۔

"بس۔۔۔ ماما مجھے اسکول اچھا نہیں لگتا۔" وہ رونی صورت بنا کر بولی اور پھر بستر پر لیٹ گئی۔

"ہادیہ آپ کو کیا ہو گیا ہے بچے۔" نوری نے پھر سے اسے بازو پکڑ کر اٹھایا اور حیرت سے اسے تکنے لگی۔

حماد باتھ روم سے برش پکڑ کر نکلا۔

"ماما پیسٹ نہیں ہے۔" اس نے برا سا منہ بنا کر بتایا۔

"ابھی پچھلے ہفتے ہی ٹوتھ پیسٹ میں لائی تھی۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا اور حماد کے ساتھ باتھ روم میں گھسی ٹوتھ پیسٹ خالی دیکھ کر اس نے حماد کو غصے سے دیکھ کر کہا "حماد یہ تم نے ضائع کیا ہے نا؟"

"نہیں ماما" اس نے نظریں چرائیں' جو اکثر ٹوتھ پیسٹ کا استعمال وافر مقدار میں کرتا تھا دانتوں پر کم لگاتا تھا مگر اس کا ضیاع زیادہ کرتا تھا۔

"اچھا میں ابھی مارکیٹ سے لے آتی ہوں۔" اس نے خالی ٹوتھ پیسٹ کو وہیں چھوڑا اور فکر مندی سے باہر نکلی حماد بھی اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔

"ہادیہ میں مارکیٹ جا رہی ہوں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔" اس نے بیگ کی زپ کھول کر پیسے گنتے بتایا۔

"ماما میرے لیے حلوہ پوری لے آنا۔" حماد نے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجا کر فرمائش کی اس سے پہلے کہ نوری اپنے بیٹے کو جواب دیتی ہادیہ بول پڑی۔

"ماما اگر حماد کے لیے آپ حلوہ پوری لائیں گی تو مجھے نان انڈہ کھانا ہے" اس نے بھی خفگی سے فرمائش کی اس کی خفگی اس لیے تھی کہ نوری اس کی فرمائشوں کو نظرانداز کر کے حماد کی فرمائش پوری کر دیا کرتی تھی۔

"میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔" اس نے بغیر دیکھے دونوں کو جواب دیا۔ حماد رونی آواز میں بولا۔

"ماما مجھے حلوہ پوری کھائے دو مہینے ہو گئے ہیں" اس نے معصومیت سے نوری کا دوپٹا پکڑ لیا۔

"ماما' ماما۔۔۔ اگر حماد کی حلوہ پوری آئی اور میرا نان نہیں آیا تو میں سارا دن کچھ نہیں کھاؤں گی۔" ہادیہ نے کانپتی آواز سے ماں کو دھمکی دی۔

"ٹھیک ہے دونوں کے لیے کچھ نہیں آ رہا ہے میرے آنے تک دونوں تیار رہنا۔" اس نے سختی سے حکم دیا۔

"ماما ٹوتھ پیسٹ ہو گا تو ہم باتھ سے فارغ ہوں گے۔" حماد نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"کوئی بات نہیں تم لوگ بعد میں بھی برش کر سکتے ہو چلو جلدی سے یونیفارم پہن لو پہلے ہی کافی دیر ہو گئی ہے۔" اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا آٹھ بج چکے تھے ہادیہ جھٹ سے بولی۔

"ماما میں سکول نہیں جاؤں گی مجھ سے روز میری ٹیچر فیس مانگتی ہیں اور کل تو مجھے ٹیچر نے مارا بھی تھا۔" اس نے بتایا۔

"میں آج تم لوگوں کے ساتھ جاؤں گی۔" اس نے انہیں تسلی دے کر بیگ کندھے پر ڈالا اور باہر کو نکلی وہ شاید مزید گھر پر رہتی تو اپنے آنسوؤں کو روک نہیں سکتی تھی کیوں کہ اس کے پاس صرف تین سو روپے رہ گئے تھے۔

وہ تیز قدموں کے ساتھ مارکیٹ پہنچی' مارکیٹ اس کے گھر کے پاس تھی اس نے ضروری سامان خریدا اور گھر کی طرف واپس آ رہی تھی کہ سڑک کی دوسری جانب اس نے حلوہ پوری کی شاپ دیکھی ایک آدمی گرما گرم پوریاں تل رہا تھا اس نے اپنے بیگ کو کھولا تو صرف دس روپے رہ گئے تھے اس نے دس روپے مٹھی میں دبا دیے اور گھر کی طرف چل پڑی مگر اب وہ اپنے آنسوؤں کو روک نہیں پائی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کرن آپی یہ میں کیا سن رہی ہوں؟" مدیحہ باورچی خانے میں داخل ہو کر اس کے سامنے کھڑی ہو کر بول پڑی۔

"کیا سن لیا ہے؟ جس کی تصدیق کروانے آئی ہو" کرن نے کدو چھیلتے مسکراتے پوچھا۔

"آپ کچھ جانتی ہیں کہ اماں اور خالہ میرے لیے دو لاکھ کا قرض لے رہی ہیں۔" اس نے فکر مندی سے پوچھتے اس کو گھورا۔

"ہاں میں جانتی ہوں" کرن نے پیار سے جواب دیا اور کدو چھیل کر اس کے چھوٹے چھوٹے پیس کرنے لگی۔

"آپ جانتی ہیں کہ تین ہزار ہر ماہ دینا پڑے گا۔" اس نے فکر مندی سے بتایا۔

"جی ہاں اور ہم لوگ تین ہزار دے دیں گے آپ کو کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا وہ مدیحہ کو اپ سیٹ نہیں کرنا چاہتی کہ کہیں وہ مزید اپ سیٹ ہو کر اپنی ذہنی کیفیت خراب نہ کر لے۔

"کرن آپی' آپ کیسے؟" اس نے فکر مندی سے پوچھا جس کا چہرہ بجھ گیا تھا۔

"اوہو' مدیحہ وہ پڑوس میں خالہ انجم ہیں نا ان کے پوتے پوتیاں میرے پاس ٹیوشن پڑھنے آ رہے ہیں انہیں استانی کی ضرورت تھی اماں کو وہ بازار میں ملی تھیں تو اماں نے میرے حوالے سے بات کر لی ہے ان کے پانچ بچے ہیں چار ہزار پر وہ آمادہ ہو گئی ہیں۔ مسئلے کا حل نکل آیا ہے نا اب تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں" کرن نے اسے تسلی دینے کے لیے تمام بات بتا دی۔

"مگر آپی۔۔۔ یہ کیسا انصاف ہوا؟ کہ آپ سے ہم کام لیتے رہیں میں شادی کر کے چلی جاؤں اور آپ یہ قرض کا بوجھ اتارنے کے لیے ہر وقت محنت کرتی رہیں مجھے شادی نہیں کرنی" اس کی آواز لرز گئی۔

"اوہو مدیحہ تم کیا سوچنے بیٹھ گئی ہو اور ظاہر ہے کہ تم ارسلان کی ذمہ داری ہو اور میں ارسلان کی منگیتر ہوں ارسلان کا بوجھ کم کرنے میں اس کی مدد کروں گی تمہارے لیے نہیں؟" اس نے اسے چھیڑتے اس کے بازو پر چٹکی کاٹی۔

"اپنے ذہن سے ہر بات نکال دو میں سب کچھ ارسلان کے لیے کر رہی ہوں" اس نے ہنستے ہوئے بات ختم کی۔

"آپ نے تو اک منٹ میں مجھے پرایا کر دیا۔" مدیحہ نے منہ بسور لیا۔

"میں تمہیں اپنا کہتی تو بات تمہیں سمجھ کب آنے والی تھی۔" اس نے سنک میں کدو کے پیس دھوتے دھوتے اسے مڑ کر دیکھا وہ اسٹول پر بیٹھ چکی تھی۔ اب اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ تمہارے نکاح کے لیے کون سے کلر کا لہنگا تیار کروں۔" اس نے ڈوئی ہنڈیا میں چلائی۔

"آپ لہنگا خود تیار کریں گی؟" مدیحہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہاں جی۔۔۔ جناب کو ہر چیز آتی ہے ایسا لہنگا تیار کروں گی کہ تمہاری سسرال والے دیکھتے رہ جائیں گے۔"

"کرن آپی آپ تھک جائیں گی پہلے ٹیوشن اور پھر میرے لیے کام آپ بیمار نہ ہو جائیں کہیں" اس نے اسٹول چھوڑا اور اس کے پاس آکھڑی ہوئی۔

"نہیں میں بیمار نہیں ہوتی ابھی تو تمہاری سسرال والوں نے ہمیں دو ماہ بعد کی تاریخ دی ہے اب دو ماہ میں سب کچھ آہستہ آہستہ کرلوں گی بس اک کام میں میری مدد کرنا ہوگی" کرن نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"کیسا کام وہ بے چین سی ہو گئی۔" جو کرن کی مدد فوراً" کرنا چاہ رہی تھی۔

"سوچ لو۔۔۔ کام مشکل ہے" کرن نے کہا۔

"پلیز کام بتادیں۔" اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"آج سے تمہیں دوپہر اور رات کی روٹیاں بنانی ہوں گی کیونکہ تم روٹیاں ٹیڑھی پکاتی ہو اور سسرال والوں کو ایسی بہوئیں اچھی نہیں لگتیں۔ اس لیے ابھی سے روٹیاں پکانی سیکھنا ہوں گی۔"

"کرن آپی آپ نے بھی مجھے خوب کام دیا۔" وہ اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"بڑی بہن اور بڑی بھابھی ہوں اس سے پہلے کہ تمہیں اور مجھے کوئی طعنہ ملے۔ سسرال میں سب کچھ سیکھ کر جاؤ تاکہ سب کے دل جیت کر وہاں ہنسی خوشی رہو" کرن نے اس کا گال چھوا۔

وہ یکدم افسردہ سی ہوئی اور اس نے کرن کو گلے سے لگالیا۔

"کیا ہوا یہ افسردگی کیسی؟" کرن نے بے تابی سے پوچھا۔

"بھابھی وہ، وہ اگر عثمان والی بات میرے سسرال کے علم میں آگئی۔" اس نے گھبرا کر پوچھا اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور اب اس کے ہاتھ ڈر کے مارے کانپنے بھی لگے۔

"مدیحہ عثمان کو بھول جاؤ اور میں نے ارسلان سے سنا ہے کہ اسے اپنے دوست کے قتل میں پچیس سال کی سزا سنادی گئی ہے میں نے تمہیں بتایا نہیں تھا کہ کہیں تم اپ سیٹ نہ ہو جاؤ۔" اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کرن نے چولہے کی آنچ دھیمی کی اور اسے اسٹول پر بٹھایا جو خوفزدہ ہو رہی تھی۔ اس نے مدیحہ کا ماتھا چوما اور اس کے سامنے والے اسٹول پر بیٹھ کر بولی۔

"مدیحہ اب وہ کبھی نہیں آسکے گا۔۔۔ میں تو تمہیں اس کے ڈر سے نکالنا چاہ رہی تھی مگر تم نے پھر اس ڈر کو اپنے اوپر سوار کرلیا ہے۔" اس نے مدیحہ کے دونوں ہاتھ تھام کر پوچھا۔

"کرن آپی وہ، وہ مجھے بھی مار دے گا۔۔۔ وہ بہت برا ہے" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے مدیحہ کو سینے سے لگالیا۔ کرن کے ماتھے پر فکر مندی سے پسینہ آگیا اور وہ مدیحہ کو ریلیکس کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼
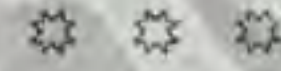
"سکینہ میں جب سے تمہارے گھر پر آئی ہوں تمہیں صرف مشکلوں میں ڈالا ہے" کلثوم اور سکینہ زرینہ کے گھر سے واپس لوٹ رہی تھیں تو کلثوم نے فکر مندی سے کہا۔

"ایسا کیوں سوچتی ہو؟" کلثوم بہن! کون سی مشکل ہم پر آپ لوگوں نے ڈالی ہے" سکینہ نے پوچھا۔

"مجھے پتا ہے کہ میری بیٹی مدیحہ نے اپنی جان لینے کی کوشش کی تھی اور تم نے اور تمہاری بیٹی نے مجھے سب باتوں سے انجان رکھا کہ میں کہیں سب باتیں جان کر پریشان نہ ہو جاؤں" کلثوم کا لہجہ بہت افسردہ تھا اور ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"سکینہ بہن تم نے میرے سب دکھ اپنے سمجھ کر سینے میں چھپا لیے تھے اور مجھے خبر تک ہونے نہیں دی میں نے ارسلان اور کرن کی اس رات باتیں سن لی تھیں جب وہ عثمان جیسے برے لڑکے کے متعلق بات کر رہے تھے۔" کلثوم کے آنسو ٹپک پڑے۔

سکینہ نے ان کا ہاتھ تھام لیا اور فکر مندی سے

بولیں۔

"بہن خود کو سنبھالو بازار میں سب ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔" انہوں نے کلثوم کے یوں رونے پر اسے تسلی دی۔ کلثوم نے جھٹ سے آنسو پونچھے اپنی چادر کو سنبھالا اور چلتے ہوئے بولیں۔

"گھر پر آنسو بہا نہیں سکتی میں جانتی ہوں کہ میری بیٹی مدیحہ کی ذہنی حالت بہت اپ سیٹ ہے میں تمہارا اور کرن کا احسان کیسے اتار سکوں گی شاید میرا کوئی اپنا ہوتا تو بھی وہ یوں میری مدد نہ کرتا۔" کلثوم نے لرزتی آواز سے کہا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا کلثوم بہن زرینہ کل پیسے دے گی۔ پرسوں ہم لوگ مدیحہ کے سسرال چلتے ہیں تاکہ شادی کی تاریخ پکی کرلیں۔ مدیحہ کی شادی جتنی جلدی ہو جائے وہ اس کے لیے اچھا ہے ورنہ وہ اس کمبخت لڑکے عثمان کے ڈر میں مزید بیمار پڑ سکتی ہے آج دوپہر میں کرن بتا رہی تھی کہ کل اس کی طبیعت بگڑ گئی تھی۔"

"اللہ نے مجھے فرشتے جیسی بہو دی ہے سکینہ تم نے کرن کا رشتہ مجھے دے کر میرے گھر کی ہر مشکل آسان کردی ہے۔" کلثوم نے مطمئن انداز میں بتایا۔

"ارسلان بھی بہت پیارا بچہ ہے مجھے ارسلان کی محنت پر شک نہیں میں جانتی ہوں کہ سفارش سے نوکری ملتی ہے اللہ نے چاہا تو پھر سے اسے کسی آفس میں نوکری مل جائے گی۔" سکینہ نے ارسلان کی بھی کھلے دل سے تعریف کی وہ کلثوم کو مطمئن کرنا چاہتی تھیں کہ انہیں ارسلان جیسا داماد پا کر بہت خوشی ملی ہے دونوں کے قدم گھر کی جانب آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ رات دیر سے آیا تھا کرن اس کا انتظار کر رہی تھی۔۔۔ تقریباً" ایک بجے کے قریب دروازے پر دستک ہوئی تو اس نے جلدی سے بستر چھوڑا اور دروازے کی طرف بڑھی۔ وہ اسے بہت تھکا ہوا محسوس ہوا مگر کرن کو دیکھ کر اس نے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجالی۔

"اتنی دیر سے" اس نے فکر مندی سے پوچھا اور دروازے کی دوسری جانب کھڑی ہو گئی وہ اندر داخل ہوا اور مسکرا کر بولا۔

"امیر لوگوں کا دن تب شروع ہوتا ہے جب ہم غریبوں کی رات ہوتی ہے۔" اس نے دروازہ بند کیا اور کنڈی لگادی۔

"اچھا سب باتیں چھوڑیں میں کھانا گرم کرتی ہوں۔" اس نے باورچی خانے کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"کرن آج میں نے عاقب کے ساتھ کھانا کھالیا تھا۔" اس نے فوراً" بتایا جو باورچی خانے تک پہنچ گئی تھی اس نے مڑ کر دیکھا۔

"اچھا کیا" وہ مسکرائی۔

"تم نے کھانا کھالیا کیا؟" ارسلان نے جھٹ سے پوچھا۔

کئی دنوں سے دونوں ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔

"میں نے نہیں کھایا۔" وہ منہ بسورے بولی۔

"اچھا تو پھر سے مجھے بھوک لگ گئی ہے۔" وہ ہنسا۔

نہیں، نہیں آپ آرام کریں میں کھانا کھالوں گی۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"نہیں تم کھانا گرم کرو میں ابھی دس منٹ میں فریش ہو کر آتا ہوں۔" ارسلان نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اوکے" وہ مسکرائی اور باورچی خانے میں گھس گئی اس نے جلدی جلدی دو گرما گرم روٹیاں بنالیں۔ جب وہ باورچی خانے میں داخل ہوا۔

"میرے ہوٹل والے کبھی تمہارے ہاتھوں کی روٹیاں کھالیں تو پھر شاید ہمارے گھر پر لوگوں کی لائن لگ جائے۔"

وہ ہنسی اور اس نے تیسرا روٹی کے لیے پیڑا لیا۔

"میں صرف تمہارا ساتھ دوں گا۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"اوکے جی" اس نے پیڑا واپس پرات میں رکھ دیا

اور پرات فریج میں رکھتے ہوئے بولی۔
"آج کا دن کیسا گزرا؟"
"بس اتنا اچھا نہیں تھا اور نہ ہی برا تھا۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا سالن گرم ہو چکا تھا اس نے پلیٹ میں نکالا اور اس کے ساتھ آ بیٹھی ارسلان نے روٹی کا نوالہ لیا اور واہ واہ کرنے لگا وہ بولی۔
"اتنا بھی مزے کا نہیں جتنا شور کر رہے ہو۔" اس نے نوالہ چباتے ہوئے جواب دیا۔
"یہی ٹائم تو ملتا ہے اس لیے سوچتا ہوں کہ تمہاری ہر بات پر تعریف کروں۔" وہ ہنسا۔
"مجھے تعریف کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔" اس نے جواب دیا اور کھانا کھانے لگی۔
"مجھے لگتا ہے کہ میں نے ضرور کچھ نہ کچھ اچھا کام کیا ہے، جس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے تمہیں انعام کی صورت میری زندگی میں شامل کر دیا ہے۔"
"سوچو کہ ایسا کیا کام کیا ہے؟" وہ مسکرائی۔
"یاد نہیں" وہ کچھ دیر سوچ کر بولا اور مسکرانے لگا وہ بھی اس کے ساتھ مسکرانے لگی۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اسے اچانک یاد آیا تو وہ بولا۔
"کرن نئے سال کی وجہ سے مجھے پرسوں رات اچھی ڈریسنگ کر کے جانا ہے تم نے جو کرتا مجھے گفٹ دیا تھا میں سوچ رہا ہوں کہ میں وہ پہن کر جاؤں مگر اس کے ساتھ کون سی شلوار پہن کر جاؤں گا۔" اس نے فکرمندی سے پوچھا۔
"سفید شلوار اچھی لگے گی۔" اس نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔
"گڈ۔۔۔ یہ ٹھیک ہے اچھا مشورہ دیا۔" وہ مسکرایا اور پیار سے اسے دیکھنے لگا۔
"اچھا اب جا کر سو جائیے صبح پھر کہیں دیر نہ ہو جائے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔
اس نے پیار سے اسے دیکھا اور پھر خدا حافظ کہہ کر اوپر کی سیڑھیاں چڑھ گیا۔۔۔ وہ مسکراتی ہوئی بستر پر آ لیٹی۔۔۔ اور پھر ارسلان کی باتوں کو یاد کرتے کرتے نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

"اف یشا فون تو اٹھا لیا کرو۔" فرحی نے تیسری دفعہ اسے کال کرتے بڑبڑاتے کہا دوسری طرف رنگ جا رہی تھی مگر وہ کال پک نہیں کر رہی تھی۔ فرحی نے وال کلاک کی طرف دیکھا صبح کے بارہ بج رہے تھے۔ وہ سوئی تو نہیں ہو گی شاید باتھ روم میں ہو فرحی نے خود ہی اندازہ لگایا ابھی وہ سوچ رہی تھی کہ وہ دوبارہ کال کرتی ہے کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔
"ہیلو ڈیئر کہاں ہو یار کب سے فون پہ فون کر رہی تھی" فرحی نے خفا لہجے میں پوچھا۔
"آفس میں ہوں فرحی" اس نے جمائی لی اور مسکرا کر بتایا۔
"اتنی جلدی آفس آ گئی ہو مجھے یقین نہیں آ رہا۔" وہ ہنسی۔
"میں آج رات سے آفس میں ہوں۔" اس نے اپنے بالوں کو سمیٹا وہ باتھ روم سے فریش ہو کر آئی تھی۔
"کیوں آفس میں کیوں ٹھہر گئی تھیں؟" فرحی نے فکرمندی سے پوچھا۔
"یار کل ہی مجھے اسٹائل کی طرف سے دعوت نامہ آیا ہے کہ پندرہ دن کے بعد فیشن ویک شروع ہو رہا ہے جس میں تقریباً" پانچ ڈیزائنرز کے ملبوسات شامل ہوں گے صرف فی میل کے بجائے میل کے بھی ملبوسات اس دفعہ شامل کرنے ہیں میل سیکشن کے لیے میرے پاس اتنے اچھے ملبوسات نہیں ہیں اس لیے سارا دن یہاں ٹھہر کر کچھ ڈریس ڈیزائن کیے ہیں مگر اس پر بھی دل مطمئن نہیں ہو رہا۔" اس نے بجھے لہجے سے بتایا۔
"ابھی تو پندرہ دن ہیں سب بہتر ہو جائے گا۔" فرحی نے اس کو تسلی دی۔
"تمہیں تو پہلے ہی میں نے کہا تھا کہ پلیز میرا بوتیک جوائن کر لو مگر تمہیں اپنے بابا کے بزنس کو وقت دینا ہے تم ہوتیں تو کچھ مشورہ دیتیں" اس نے بتلایا۔
"میں ابھی آ جاتی ہوں میری جان۔" فرحی نے شوخی سے کہا۔
"ویسے تم نے مجھے اتنی صبح کیسے یاد کر لیا۔" اسے اچانک یاد آیا تو اس نے فون کا مقصد پوچھا۔
"یشا وہ نیو ایئر پارٹی ارینج نہیں کرنی تھی اس لیے تمہیں فون کیا تھا۔"
"سوری فرحی اس دفعہ میں ہیلپ نہیں کر سکوں گی تم ایسا کیوں نہیں کرتیں ہم تمہارے گھر کے بجائے کسی ہوٹل میں نیو ایئر پارٹی منا لیں گے۔" اس نے فرحی کو مشورہ دیا۔
"جیسا تمہارا حکم اور کچھ۔" وہ ہنسی جو یشا کے جنون کو جانتی تھی کہ اس کے لیے یہ فیشن ویک بہت زیادہ امپورٹنٹ ہے اور اس کے لیے وہ ہر چیز اگنور کر دے گی۔ اس لیے اس نے یشا کی رائے کا احترام کیا۔
"اچھا۔۔۔ جلدی سے پھر آفس آ جاؤ شاید تم کوئی رنگ سلیکٹ کر سکو۔۔۔ مجھے تو سارے رنگ آج برے لگ رہے ہیں۔" اس نے منہ بسور کر نظریں لیپ ٹاپ پر جما کر جواب دیا۔
"میں آ رہی ہوں تم اچھا سا بریک فاسٹ تیار کرنے کا حکم دو میں پندرہ منٹ تک تمہارے ساتھ ہوں گی۔"
"اوکے آ جاؤ میں انتظار کر رہی ہوں!"

☼ ☼ ☼

"ہمیں ڈاکٹر سعد سے ملنا ہے۔" اس نے کہا۔
"اچھا میں ڈاکٹر سعد سے پوچھ لوں۔" عورت نے اب کی بار شائستگی سے کام لیا اس سے پہلے کہ وہ گیٹ سے غائب ہوتی کسی خاتون کی آواز ابھری "کون ہے دروازے پر۔"
"بڑی بی بی جی دو لڑکیاں ہیں۔۔۔ ڈاکٹر سعد سے ملنا چاہتی ہیں۔" اس عورت نے جواب دیا۔
"اچھا تو انہیں اندر آنے دو۔" خاتون کی آواز ابھری۔ اس نے چھوٹا گیٹ کھول دیا۔ دونوں آہستہ قدموں سے اندر آ گئیں تو لاؤنج میں ہی بزرگ خاتون نظر آ گئیں تو وہ ان کی طرف چل پڑیں۔
"آؤ، آؤ لڑکیو۔" حلیمہ نے خوش دلی سے ان کو ویلکم کیا۔
"میں کرن ہوں اور یہ میری چھوٹی بہن ہے اور ہم اس کے معائنے کے سلسلے میں آئے ہیں۔۔۔" اس نے مدیحہ کی طرف رخ کر کے جواب دیا۔
"اچھا، اچھا بیٹھو تو سہی۔۔۔" وہ مسکرا کر دونوں کی طرف دیکھنے لگیں۔ کرن اور مدیحہ خاموشی سے بیٹھ گئیں حلیمہ نے ادھیڑ عمر ملازمہ کو پکارا۔
"بچیوں کے لیے جوس لے آؤ۔"
"نہیں تکلف نہیں کریں۔" کرن جھٹ سے بولی۔
"اوہو۔۔۔ بچیوں کچھ نہیں ہوتا جوس پینے کی ہدایت تو ہر ڈاکٹر کرتا ہے۔" حلیمہ نے ہنستے ہوئے کہا۔
کچھ دیر بعد ملازمہ ٹرے میں جوس لے آئی وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔
"اوہو۔۔۔ پی لو۔" حلیمہ نے مسکرا کر کہا۔ کرن نے ایک جوس کا گلاس اٹھا کر مدیحہ کو دیا اور پھر اپنے لیے اٹھا کر بولی۔
"ڈاکٹر سعد گھر پر ہیں کیا؟"
"ہاں۔۔۔ ہاں۔" حلیمہ نے ملازمہ سے کہا۔ "ڈاکٹر سعد کو اطلاع دے دی تھی کیا؟"
"جی اماں۔"
"اچھا تم جاؤ باورچی خانے کا کام دیکھو۔" حلیمہ نے اسے حکم دیا۔ وہ خاموشی سے باورچی خانے کی جانب چل پڑی۔ مدیحہ نے جوس کا سپ لیا اور وہ ادھر ادھر گھر کی آرائش دیکھ کر خوشی محسوس کر رہی تھی ہر چیز سلیقے سے پڑی تھی۔
"یہ سجاوٹ آپ کے ڈاکٹر سعد نے کی ہے۔۔۔" حلیمہ نے مدیحہ کی نظریں پڑھ کر بتایا۔
"نائس۔" مدیحہ نے مسکرا کر کہا۔ وہ حلیمہ دادی کی کمپنی میں انجوائے کرنے لگی حلیمہ ہر چیز کے متعلق

تفصیل دینے لگیں کرن بھی حلیمہ کی باتیں غور سے سن کر ہر چیز کو دیکھنے لگی۔

ہر ڈیکوریشن پیس ایک سے بڑھ کر تھا۔ وہ ایک پینٹنگ دیکھ رہی تھی کہ کچھ دیر بعد اسے ہال کے سامنے والی سیڑھیوں سے ڈاکٹر سعد اترتا دکھائی دیا۔ ڈاکٹر سعد کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور چہرے پر عجیب سی افسردگی چھائی ہوئی تھی۔

ہلکی سی مسکراہٹ ڈاکٹر سعد نے لبوں پر سجائی اور اسے سلام کا جواب دیا مگر اسے اندازہ ہوا کہ یہ مسکراہٹ بمشکل اس کے لبوں پر ٹھہری ہے دکھوں سے واسطہ تو اس کو بھی پڑا تھا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔" کرن نے شائستگی سے پوچھا۔

"جی۔" وہ مسکرایا۔

"آپ کیسی ہیں؟" سعد نے مدیحہ سے پوچھا۔

"جی.... میں بالکل ٹھیک ہوں۔" مدیحہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"کرن آپ کیوں میری مریضہ کو بیمار کرنے پر تلی ہیں۔" ڈاکٹر سعد نے اسے مخاطب کیا۔ وہ مسکرائی۔

"نہیں، نہیں میں تو یہ چاہتی ہوں کہ مدیحہ کبھی بیمار نہ ہو اس لیے آپ کے پاس لے آئی ہوں۔" اس نے مدیحہ کا ہاتھ تھام لیا۔

"اچھا تو آپ ایسا کریں کہ آپ دادی سے باتیں کریں اور مدیحہ اور مجھے تھوڑا سا ٹائم دے دیجیے۔" ڈاکٹر سعد نے مسکرا کر کہا۔

"جی ضرور۔" کرن نے ہنس کر کہا اور حلیمہ جھٹ سے بولیں۔

"آؤ بیٹی میں تمہیں اپنا کمرا دکھاتی ہوں۔" حلیمہ نے آہستگی سے قدم اپنے کمرے کی طرف بڑھا دیے۔ مدیحہ کرن کی موجودگی میں اپنے اندر چھپے ڈر کو دبا لیتی تھی.... سعد اس سے علیحدگی میں باتیں کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگا کر وہ کچھ اچھی ادویات لکھ سکے۔ کرن خاموشی سے ——— چل پڑی۔ حلیمہ ایک کمرے میں اسے لے آئیں۔

"آؤ بیٹی...." حلیمہ نے دروازہ کھول کر اسے کمرے میں آنے کا راستہ دیا اور خود آہستگی سے پلنگ پر آبیٹھیں اور مسکرا کر بولیں۔

"سب خیریت ہے نا۔" کرن نے فکرمندی سے پوچھا اسے ڈاکٹر سعد پہلے جیسا فریش نہیں لگا تھا۔

"ہاں بیٹی سب خیریت ہے۔" حلیمہ نے نظریں چرا کر کہا۔

"آپ اس گھر میں اکیلی رہتی ہیں میرا مطلب ڈاکٹر سعد اور آپ کے علاوہ یہاں کوئی موجود نہیں۔"

"میرا بیٹا اور بہو اک کار حادثے میں دنیا چھوڑ کر چلے گئے سعد ان کا اکلوتا بیٹا تھا اور میرے جینے کا سہارا بھی بس اپنے پوتے کے لیے دعائیں مانگتی ہوں کہ اس کا گھر بس جاتا اور پھر بے شک اللہ تعالیٰ مجھے اپنے پاس بلا لے۔" حلیمہ کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"دادی جان اللہ تعالیٰ آپ کو صحت دے آپ ایسی باتیں کیوں سوچ رہی ہیں اور میں حمنہ سے ملی ہوں وہ بہت پیاری ہیں۔" کرن نے حمنہ کے متعلق اس ملاقات کا تذکرہ کیا۔

"حمنہ وہ.... وہ خود میرے بچے کو روگ لگا گئی اس نے سعد کے ساتھ بہت برا کیا۔" ان کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ گیا۔

"دادی جان، خود کو سنبھالیں۔" کرن گھبرا سی گئی۔ اسے یوں حلیمہ کی کیفیت دیکھ کر اندازہ ہوا کہ کوئی بہت بڑا حادثہ ڈاکٹر سعد کی زندگی میں گزرا ہے۔ جس کی وجہ سے انہوں نے ہسپتال سے بھی چھٹیاں لی ہیں۔

"حمنہ.... حمنہ نے سعد کو چھوڑ دیا میری وجہ سے۔" وہ خود کو قصوروار ٹھہرانے لگیں۔

"پلیز آپ نہ روئیں۔" کرن بری طرح سے پریشان سی ہو گئی.... حلیمہ آنسو پونچھ کر بولیں۔

"حمنہ نے کسی اور سے شادی کر لی ہے وہ میرے سعد کو چھوڑ رہی ہے اس کی وجہ میں ہوں وہ سعد کے ساتھ لندن رہنا چاہتی تھی۔ مگر سعد میری وجہ سے شفٹ نہیں ہو رہا تھا یہ سب میری وجہ سے ہوا میں نے اپنے پوتے کی خوشیوں کو چھین لیا۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولتی چلی گئیں۔ کرن کو یوں لگا جیسے یہ سب جھوٹ ہو اس دن جیولری شاپ میں وہ حمنہ سعد سے ملی تو وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔

"دادی.... دادی پلیز چپ کر جائیے....۔" اس نے حلیمہ کو سنبھالا جو بری طرح سے ٹوٹ چکی تھیں۔

"حمنہ کو میرے پوتے کی محبت پر اعتبار نہیں تھا جبکہ سعد نے تو ہمیشہ اسے ہی چاہا۔ مگر حمنہ ہر وقت میرے بیٹے کی محبت پر شک کرتی اسے سعد کے حوالے سے کافی غلط فہمی ہو گئی تھی کہ وہ لندن کیوں شفٹ نہیں ہو رہا۔" حلیمہ ہر بات کرتی گئیں۔

"اف کہیں میری بات سے تو۔" اچانک کرن نے سوچا اور پھر اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں ———

——— اسے یوں لگا جیسے اس کا دماغ ماؤف ہو چکا ہے وہ دادی کے بجائے سعد کی قصوروار خود کو ٹھہرا رہی تھی جس نے اس دن پریشانی میں اس کا پرسنل فون پک کر لیا تھا۔

وہ کمرے میں واپس پہنچی.... تو سعد اک کاغذ پر کچھ لکھ رہا تھا اور مدیحہ کافی ریلکس اسے دکھائی دی اس کے چہرے سے اندازہ ہوا تھا کہ وہ روئی ہوئی ہے۔

"کرن میں یہ کچھ ادویات لکھ رہا ہوں۔ آپ مس مدیحہ کو دیتی رہیں ان شاء اللہ مدیحہ کا سر درد دور ہو جائے گا" سعد نے مدیحہ کی طرف دیکھ کر اسے تسلی دی وہ کافی مطمئن سی ہو گئی۔

"کرن مدیحہ کی اب ذہنی حالت نارمل ہے مگر یاد رہے ان کو تمام پریشانیوں سے دور رکھا جائے ان کے ساتھ بہت پیار سے رہا جائے۔ اندر کا خوف بڑھ گیا تو ان کے لیے پرابلمز بڑھ جائیں گی۔" ڈاکٹر سعد نے تفصیل سے بات ختم کی۔

"تھینک یو ڈاکٹر صاحب آئندہ خیال رکھوں گی؟" اس نے جواب دیا اور پرس کی زپ کھول کر بولی۔

"آپ کی فیس؟"

"اگلی دفعہ ضرور فیس لوں گا آپ پہلی دفعہ میرے گھر آئی ہیں۔" سعد نے مسکرا کر نفی کی۔

"آپ کے پہلے بھی مجھ پر بہت احسانات ہیں.... اور آپ نے ہمیشہ مصیبت میں ساتھ دیا اور بدلے میں میری وجہ سے آپ کی لائف میں پرابلم آئیں مجھے معاف کر دیجیے۔

اس دن میں نے آپ کی کال ریسیو کر لی تھی ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا یہ میری سب سے بڑی بے وقوفی تھی۔

"اوہو.... تو آپ کو شاید دادی اماں نے پریشان کر دیا ہے۔" وہ مسکرایا اور اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے افسوس ہوا کہ حمنہ جی نے....۔" اس نے بات کو ادھورا چھوڑ دیا اس سے پہلے کہ وہ لب کھولتا.... حلیمہ اس کمرے میں آپہنچیں۔

"آئیے.... ادھر بیٹھیے۔" اس نے اپنی کرسی چھوڑی اور حلیمہ کو اس پر بٹھایا۔ کرن نے وال کلاک کی طرف دیکھا اور حلیمہ کی طرف دیکھ کر بولی۔

"دادی جان اپنا خیال رکھیے گا اب ہمیں جانا ہو گا کافی دیر ہو گئی ہے۔" مدیحہ نے بھی جھک کر دادی کو سلام کیا۔

"سعد تم ان لوگوں کو ڈراپ کر آؤ۔ اندھیرا بڑھتا جا رہا ہے۔" حلیمہ نے سعد کی طرف دیکھ کر حکم دیا۔

"جی ضرور۔" اس نے ادب سے حکم کی تکمیل کی۔

"نہیں، نہیں ہم چلے جائیں گے۔" مدیحہ اور کرن جھٹ سے بول پڑیں۔

"نہیں بیٹا سات بج رہے ہیں اور تم لوگوں کو یہاں ہماری کالونی سے رکشا بھی آسانی سے نہیں مل سکتا

سعد تم لڑکیوں کو چھوڑ آؤ۔" حلیمہ نے اب کی بار اٹل فیصلہ سنایا۔

دونوں حلیمہ سے مل کر بہت خوش ہوئیں۔۔۔ اور حلیمہ کے کہنے کے مطابق سعد کی گاڑی پر سوار ہو گئیں۔ گاڑی ان کے گھر کی طرف چل پڑی۔

☼ ☼ ☼

"یہ بلیو اور گرین! اچھا نہیں لگ رہا۔" یشا نے منہ بسور کر فرحی کو جواب دیا جو پچھلے پانچ گھنٹے سے ملبوسات پر سلائی کے دھاگوں کے رنگ منتخب کر رہی تھی مگر یشا نے پھر اسے ٹوکا۔

"توبہ ہے یشا کچھ تو مجھ پر رحم کھاؤ پچھلے پانچ گھنٹے سے تمہارے ساتھ کام کر رہی ہوں۔ اب جلدی سے کھانے کا آرڈر دو ورنہ میں خود جا رہی ہوں۔" فرحی نے چیختے ہوئے کہا اور اپنے پاس پڑا گہرے کلر کا کرتا رول کرنے لگی۔

"مدد کرنے آئی ہو تو جان مدد کرو نا۔" یشا ہنسی اور اس نے اک کاغذ پر پنسل ترچھی چلانی شروع کر دی۔

"پلیز پیزا ہی منگوا لو یار پیٹ میں بھوک سے درد ہونے لگا ہے۔" فرحی نے معصومیت سے پیٹ پکڑ لیا۔

"یہ ٹھیک رہے گا" یشا نے بیل بجائی اک ملازم کمرے میں آ کھڑا ہوا۔

"لو اب بتاؤ کون سا پیزا کھانا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"فرحی نے سوچتے ہوئے مینیو بتایا اور اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"تم نے سن لیا ہے۔" یشا نے ملازم سے مڑ کر پوچھا۔

"جی میڈم۔" ملازم نے ادب سے نظریں جھکائے جواب دیا۔

"تو پھر کھڑے کیوں ہو" یشا نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"اوکے" ملازم نے جواب دیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ فرحی اس کو دیکھ کر مسکرانے لگی اور ہنستے ہوئے بولی۔

"یشا تمہاری ناک پر ملازموں کے لیے ہر وقت غصہ کیوں رہتا ہے۔"

"تمہیں نہیں پتا تھوڑا سا نرمی سے پیش آیا تو بوتیک کا کام سلو ہو جائے گا تمہیں وہ نوری یاد ہے۔" یشا نے خفگی بھرے لہجے میں اس کا تذکرہ کیا۔

"تمہاری سیکرٹری یاد ہے کیا ہوا اسے؟" فرحی نے فکر مندی سے پوچھا۔

"نوری نے ضرورت سے زیادہ سوچنا شروع کر دیا تھا میری نرمی کی وجہ سے کلرز میں نے ارینج کر کے دیے تھے وہ اس پر نہیں بلکہ اپنے مطابق کلر منتخب کر رہی تھی۔" یشا نے اپنے ہونٹ چبائے ایسا وہ شاید غصے میں کیا کرتی تھی۔

"او تو اب وہ کہاں ہے کیا تم نے اسے ملازمت سے نکال دیا" فرحی نے پوچھا۔

"وہ جس چیز کے لائق تھی اس کے ساتھ وہی کیا میں نے اسے ملازمت سے نکال دیا تھا اور پتا ہے وہ چندا کے پاس چلی گئی جبکہ وہ جانتی تھی کہ میں چندا سے سخت نفرت کرتی ہوں۔" یشا نے غصے سے بتایا۔

"یشا کول ڈاؤن۔" فرحی نے اس کا غصہ دیکھ کر کہا۔

"مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ چندا کے پاس جائے گی" مگر چندا نے بھی اسے نہیں رکھا وہ لمبے لمبے سانس لے کر بولی۔

"یشا تم صرف اپنی ذات کے متعلق سوچ رہی ہو اور نوری کو جاب سے نکالنے کے بعد تمہاری وہ ملازمہ نہیں رہی اس نے اپنا اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے کہیں تو جاب کرنی تھی پھر اس میں غصہ کرنے کی کیا بات ہے" فرحی نے اسے سمجھایا جو اکثر یشا کو اس کے غلط فیصلے سے آگاہ کرتی تھی۔

"تمہارا مطلب ہے کہ نوری کی کوئی غلطی نہیں۔" یشا نے حیرت سے اسے دیکھا اب کے اس کا چہرہ مزید سرخ ہو گیا۔

"نہیں اس کی غلطی تھی کہ اس نے تمہارے حکم میں اپنی مرضی چلانے کی جرات کی مگر اس کی یہ غلطی نہیں کہ وہ چندا کے پاس کام مانگنے کے لیے چلی گئی ظاہر ہے اس نے بھی تو کچھ کرنا تھا۔" فرحی نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ اس سے پہلے کہ یشا مزید کچھ بولتی دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے کوفت بھرے انداز سے دروازے کی جانب دیکھا۔۔۔ اور بے زاری سے بولی۔

"کم ان" دروازہ کھلا سامنے ملازم کھانے پینے کا سارا سامان ٹرے میں لے آیا تھا اس نے سلیقے سے تمام چیزیں ٹیبل پر سجا دیں اور ادب سے بولا۔

"میڈم کسی اور چیز کی ضرورت ہے کیا؟" اس دفعہ ملازم نے بولنے کی جرات کر لی پہلے وہ اپنے خاموش کھڑے رہنے پر ڈانٹ کھا چکا تھا۔

"نہیں تم جا سکتے ہو؟" یشا نے بے زاری سے جواب دیا ملازم کے جانے پر فرحی نے جھٹ سے پیزا پیس اٹھایا اور مسکرا کر بولی۔

"بہت بھوک لگی تھی شکر ہے سب کچھ جلدی سے آ گیا۔" اس نے کہا یشا خاموشی سے کاغذ پر لائنیں کھینچتی رہی۔

"تم مجھے جوائن نہیں کرو گی کیا؟" فرحی نے اسے مصروف دیکھا تو پوچھا۔

"نہیں مجھے بھوک نہیں" اس نے فرحی کو دیکھا اور خفگی سے جواب دیا۔

"اچھا بابا تم غلطی پر نہیں ہو تم نے جو کیا وہ ٹھیک ہے۔" فرحی نے ہنستے ہوئے اس کے حق میں فیصلہ دے دیا جو یشا کی عادت سے واقف تھی کہ اس کو قصوروار ٹھہرانے سے وہ خفا ہو جاتی ہے۔ یشا نے ہلکی سی مسکراہٹ اس کو دی اور اس کے پاس آ بیٹھی۔

☼ ☼ ☼

نوری سارا دن جاب کے سلسلے میں کبھی ایک بوتیک سے دوسرے بوتیک گھومتی رہی مگر کسی نے اسے یشا کی وجہ سے کام پر نہ رکھا سب اسے کام دینے سے کتراتے رہے کہ کہیں یہ یشا کی کوئی چال تو نہیں کہ نوری سے وہ ان کے ڈیزائن کی خبر نہ لے لے۔

بے قصور نوری کے پرس میں ایک پیسہ نہ رہا وہ اسی سوچ سے روڈ پر چل رہی تھی کہ گھر جا کر وہ بچوں کو کیا جواب دے گی جو بھوکے پیٹ اس کا انتظار کر رہے ہوں گے حماد اور ہادیہ کو سوچتے ہوئے اس نے اپنی پرانی سہیلی بسمہ سے ادھار مانگنے کی غرض سے فون کیا۔

دوسری طرف بسمہ فون پک نہیں کر رہی تھی سوچوں میں پریشان نوری نے بار بار اس کے نمبر پر کال کی وہ گھر خالی ہاتھ نہیں جانا چاہتی تھی اسے روڈ پر چلتی گاڑیوں کے ہارن سنائی نہیں دے رہے تھے اسے صرف ہادیہ اور حماد کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جو صبح نکلتے وقت اس سے اسکول فیس کے متعلق بار بار بول رہے تھے۔

بسمہ کے فون نہ پک کرنے پر اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ وہ بالکل ٹوٹ چکی تھی اس اکیلی دنیا میں اس کا کوئی نہ تھا۔ وہ منہ میں بڑبڑائی۔

"یا اللہ میری مدد کر مجھے کوئی راستہ دکھا۔" اس نے کانپتے ہونٹوں سے دعا مانگی اور بسمہ کو پھر چلتے چلتے فون کیا۔ دوسری طرف بسمہ نے فون پک کر لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ بسمہ سے کوئی بات کرتی اسے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ وہ چلتے چلتے اک گاڑی کے سامنے آ کھڑی ہو گئی ہے۔ سعد نے گاڑی کو بمشکل بریک لگایا۔۔۔ جس کی گاڑی کے سامنے نوری آ کھڑی ہوئی تھی۔۔۔ مگر بریک کے باوجود نوری کی لاپرواہی نے اسے دور جا پھینکا اس کے ہاتھ سے سیل فون چھوٹ گیا تھا اور اس کے ماتھے سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ اس نے اٹھنا چاہا مگر وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

سعد جو مدیحہ اور کرن کو ڈراپ کر کے گھر جا رہا تھا اس نے نوری کو بے ہوش پایا تو گھبرا سا گیا۔

"او مائی گاڈ" اس نے نوری کو اٹھایا جس کے سر سے خون بہت بہنے لگا پھر اس نے جلدی سے نوری کا دوپٹہ پھاڑا اس کے سر پر باندھا اور تیزی سے اسے اٹھا کر اپنی گاڑی میں لے آیا۔

گاڑی کی اسپیڈ اس نے تیز کر دی اسے بہت جلد

ہسپتال پہنچنا تھا۔ کیوں کہ اسے نوری کی جان بچانی تھی جس کا وہ ذمے دار تھا۔

☼ ☼ ☼

"ماما ابھی تک گھر کیوں نہیں آئیں۔" اس نے ہوم ورک کر کے نوٹ بک کو بستے میں رکھ کر اپنی بہن ہادیہ سے پوچھا جو اپنے ہوم ورک میں مصروف تھی۔

"حماد وہ آجائیں گی۔" اس نے بغیر سر اٹھائے جواب دیا اس کا قلم چل رہا تھا۔

"ہادیہ مجھے بھوک لگی ہے۔" وہ منہ بسور کر بولا اور مزید اس کے قریب آکر بیٹھ گیا۔

"ماما کھانا لے کر آئیں گی اب گھر میں کچھ ہو تو تمہیں دوں۔" ہادیہ نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا اور پھر ہوم ورک کرنے لگی۔

"ہادیہ دیکھو تو رات کے آٹھ بج چکے ہیں ماما کبھی اتنی دیر تو نہیں کرتی تھیں" اس نے ہادیہ کا بازو ہلایا اور اسے اپنی طرف متوجہ کیا جو مسلسل ساری توجہ اپنے کام پر دے رہی تھی۔

"کیا آٹھ بج رہے ہیں۔" وہ چونکی اور اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ گھڑی پر رات کے آٹھ بج کر پانچ منٹ ہو رہے تھے اس نے اپنی کتابیں ٹیبل سے اٹھا کر بیگ میں ڈالتے وال کلاک کو دوبارہ دیکھا۔

"ماما کہاں ہوں گی؟" حماد نے اپنی بہن کا اترتا چہرہ دیکھا۔ ہادیہ اب گھبرائی گھبرائی سی لگ رہی تھی۔

"ہم آنٹی فاطمہ کے گھر جاتے ہیں شاید وہ وہاں بیٹھی ہوں۔" ہادیہ نے پڑوس میں رہنے والی آنٹی فاطمہ کا ذکر کیا جو ان کی ماں کی سہیلی تھی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں ہادیہ رات بہت ہو گئی ہے میں گھر سے باہر نہیں جاؤں گا۔" وہ گھبرایا اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"اچھا تو ٹھیک ہے تم ڈرو مت ماما آجاتی ہیں۔" ہادیہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اس کے گال پر بوسہ دیا۔

"مجھے ماما کے پاس جانا ہے۔۔۔ مجھے ماما کے پاس جانا ہے۔" وہ مزید اپنے ڈر کو اندر نہ چھپا سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"حماد ماما آجاتی ہیں ماما ابھی آجاتی ہیں تم ڈرو مت میں تمہارے پاس ہوں نا۔" اس نے اپنے چھوٹے بھائی کے آنسو پونچھے اور وال کلاک کی طرف دیکھا۔ حماد پر اب اس کی آنکھوں میں بھی خوف ابھرنے لگا۔

"آپی میرا ایک دوست بتا رہا تھا کہ رات کو جن گھومتے ہیں اور اگر بچے گھر میں اکیلے ہوں تو وہ جن ان کو کھا جاتے ہیں۔" حماد نے اب اس کا ہاتھ تھاما اور مزید خود کو اس کے قریب کر لیا۔

"نہیں تمہارا دوست جھوٹ بولتا ہے۔" وہ ڈرتے ڈرتے بولی اور اس نے کھڑکی سے باہر صحن کی طرف دیکھا رات کا اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ اچانک بلی کی آواز ابھری میاؤں 'میاؤں حماد نے ڈر کے مارے چیخنا شروع کر دیا اور اپنے بستر کی طرف بھاگا ہادیہ کی ٹانگیں کانپنے لگیں اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

☼ ☼ ☼

اس نے نوری کے پاس ہی رات گزاری ابھی تک نوری کو ہوش نہیں آیا تھا نوری کے بیگ میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس سے وہ اس کے گھر کا ایڈریس معلوم کر سکے۔ وہ نوری کے لیے بہت پریشان تھا کیوں کہ نوری کے سر پر کافی گہری چوٹ آئی تھی وہ فکر مندی سے اسے دیکھ رہا تھا کہ اس کا سیل فون بج اٹھا اس نے جیب میں سے فون نکالا تو حیرت سے اسکرین کی طرف دیکھنے لگا۔

حمنہ کا نام اسکرین پر جگمگا رہا تھا اس نے لمبی سانس چھوڑی اور فون پک کر لیا۔

"ہیلو۔" دوسری طرف سے حمنہ کی آواز ابھری۔

"ہیلو سعد کیسے ہو تم؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"میں 'میں ٹھیک ہوں۔" وہ اس کی کال پر ابھی تک سنبھلا نہیں تھا۔ اس لیے رک رک کر بولا۔

"میں تم سے اک بات کرنا چاہ رہی تھی۔" اس نے ہچکچاہٹ سے کہا۔

"ہاں تم بات کرو میں سن رہا ہوں۔" اس نے محسوس کیا کہ حمنہ اپ سیٹ ہے۔

"سعد۔۔۔ میں تمہیں نہیں بھول سکتی۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔ حمنہ کی بات سن کر وہ مزید افسردہ سا ہوا اس نے خود کو سنبھالا اور سمجھ داری سے کام لیا وہ جانتا تھا کہ اب وہ کسی کی بیوی ہے اور اسے حد میں رہنا ہو گا۔ وہ نرمی سے بولا۔

"حمنہ مجھے بھولنے کی کوشش کرو گی تو میں یاد نہیں آؤں گا۔" اس نے بہت شدت سے اسے چاہا تھا مگر وہ اس کی نہیں ہو سکی تھی۔

"کیا تم مجھے بھول گئے ہو۔" اس نے روتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔!" اس نے افسردگی سے جواب دیا وہ حمنہ کو ہارون کی لائف میں سیٹ کرنا چاہتا تھا وہ اس کے گھر کو تباہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا" وہ چیخی وہ اس کے منہ سے کچھ اور سننا چاہتی تھی اس کی آنکھیں رو رو کر سرخ ہو گئی تھیں۔

"حمنہ۔۔۔ پلیز اب ان باتوں کا کیا فائدہ؟ ہم دونوں کے راستے الگ ہو چکے ہیں اور اس بات کی تم ذمہ دار ہو۔" اس نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں سعد میں 'میں تمہیں پانا چاہتی ہوں میں نے نہ سمجھی میں ہارون سے شادی کر لی میں اس سے طلاق لے کر بہت جلد تمہارے پاس آرہی ہوں میں تمہارے ساتھ پاکستان رہ لوں گی تم میرے ہو سعد۔" اس نے روتے روتے بتایا۔

"نہیں حمنہ تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔" وہ گھبرا کر بولا۔

"کیوں کیا تم نہیں چاہتے کہ میں لوٹ آؤں۔" وہ روتے روتے بولی۔

"پلیز حمنہ۔۔۔ تم ہارون کو کس بات کی سزا دے رہی ہو۔" اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

"تمہیں ہارون کی فکر نہیں کرنی چاہیے وہ میرے کہنے پر مجھے طلاق دے دیں گے۔" اس نے تیزی سے بات کا جواب دیا۔

"نہیں حمنہ۔۔۔ تم اچھی طرح سے جانتی ہو کہ میں دوسروں کو دکھ دے کر اپنی خوشیاں پانا نہیں چاہتا پلیز آئندہ مجھے فون مت کرنا۔" اس نے اب کے غصے کا اظہار کیا۔

"میں مر جاؤں گی۔" وہ چیخی۔

"حمنہ اگر تمہیں مجھ سے محبت ہوتی تو شاید تم کبھی ہارون کی لائف میں جانے کا نہیں سوچتیں تمہیں صرف خود سے پیار ہے اس لیے اپنی خوشی کے لیے اب تم ہارون کو ٹھکرا کر میری ہونا چاہتی ہو پلیز حمنہ میں تمہارا دوست بھی ہوں خود کو تباہ مت کرو اور ہارون کے ساتھ کمپرومائز کر کے اپنا گھر بساؤ۔" سعد نے اسے سمجھانا چاہا مگر وہ چیخی "نہیں سعد ہارون تمہاری طرح نہیں ہے وہ تو سارا دن اپنے بزنس میں مصروف رہتا ہے اور میں اکیلی گھر پر بور ہوتی ہوں اسے میری کوئی پروا نہیں جس طرح تم میرے خفا ہونے پر ہزار دفعہ مجھے کالز کر کے مناتے تھے ہارون ایسا کچھ نہیں کرتے ان کے لیے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔" اس نے ــــــ بتایا وہ ہارون کی مصروفیات کو غلط رنگ دے رہی تھی۔

"حمنہ تم ہارون میں مجھے تلاش مت کرو تم مجھے تلاش کر رہی ہو اس لیے تمہیں ہارون کو سمجھنے میں مشکل ہو رہی ہے وہ اپنے گھر کے لیے ہی اپنا بزنس دیکھ رہا ہے تمہیں دنیا کی ہر خوشی دینے کے لیے وہ کام کر رہا ہے۔ تم ایسا سوچو گی تو تنہائی بھی اچھی لگنے لگے گی۔" سعد نے ہارون کی حمایت کی۔

"سعد۔۔۔ میں تمہیں بھول نہیں سکتی اور مجھے یقین ہے کہ ایک دن تم خود مجھے ہارون سے طلاق لے کر آنے کا کہو گے۔" وہ پر اعتماد انداز میں بولی۔

وہ خاموش رہا اور اس نے لمبی سانس چھوڑی۔

"سعد تم کہہ کیوں نہیں دیتے کہ تم میرے ہو۔" وہ جذباتی سی ہو گئی اس سے پہلے کہ وہ مزید ٹوٹتا اس نے بیڈ پر نوری کو حرکت کرتے پایا نوری نے آنکھیں کھول دیں۔ کال کاٹ کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا وہ عجیب

نظروں سے سعد کو گھورنے لگی جو اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔

☼ ☼ ☼
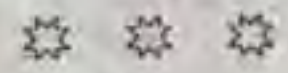
وہ کرتا شلوار میں بہت پرکشش دکھائی دے رہا تھا۔ اسے عاقب نے دیکھا تو وہ دل پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"یار ایمبولینس پہلے سے منگوا لو مجھے یقین ہے کہ دس بارہ لڑکیاں تو آج تمہیں دل دیں گی اور تمہارے انکار کر دینے پر وہ ہارٹ اٹیک مول لیں گی۔" عاقب نے ہنستے ہوئے اس کی کھلی تعریف کی۔

وہ ہنسا اور اس نے کباب سیخ پر لگاتے جواب دیا۔

ہم جیسے چھوٹے لوگوں کو کون دیکھے گا کبھی کسی ویٹر پر بھی کسی حسین لڑکی کا دل آیا ہے۔" اس نے مزید سیخوں پر کباب لگا دیے۔

"یار تم اگر میرے اسٹال پر رہو گے تو مجھے یقین ہے کہ میرے کباب زیادہ کھائے جائیں گے۔" عاقب نے دوسری سیخوں پر چکن کی بوٹیاں لگانی شروع کر دیں۔ عاقب کو باربی کیو اسٹال دیا گیا تھا اور ارسلان کو تندوری مچھلی کے اسٹال پر کھڑا کیا گیا تھا اس کو اتنی محنت نہیں کرنا پڑ رہی تھی جتنا کہ عاقب کو کرنی تھی اس لیے وہ عاقب کی مدد کرنے کے لیے اس کے اسٹال پر آ کھڑا ہوا۔

رات کے دس بج رہے تھے ہال میں لوگوں کی آمد و رفت بہت بڑھ گئی تھی فل میوزک میں ہر کوئی انجوائے کر رہا تھا ٹھنڈے موسم کی وجہ سے ہر کوئی عاقب کے اسٹال پر کباب کھانے کی غرض سے آ رہا تھا عاقب کے ہاتھ تیزی سے کام کر رہے تھے اور وہ بھی لوگوں کا آرڈر لے کر ان کو فارغ کر رہا تھا کہ اچانک اس کے سامنے اک ماڈرن حسین لڑکی آ کھڑی ہوئی۔ اس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"جی میڈم آپ کیا کھانا پسند کریں گی۔" اس نے پوچھا۔ وہ مسکرا کر بولی۔

"مجھے آپ سے اکیلے میں بات کرنی ہے کیا آپ دس منٹ مجھے دیں گے۔"

وہ چندا ڈیزائنر تھی وہ گھبرایا اور حیرت سے بولا۔

"جی۔۔۔ مجھ سے کیا کام ہو سکتا ہے۔" اس کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ چندا جیسی مشہور ڈیزائنر کو اس سے بھی کوئی کام ہو سکتا ہے۔

"جی آپ ہی سے ہے صرف دس منٹ۔" اس نے جواب دیا عاقب کام میں مشغول تھا۔

"تھوڑا سا کام کر لوں پھر میں آپ کے پاس آتا ہوں۔" اس نے چندا سے تھوڑی سی مہلت مانگی وہ عاقب سے مشورہ کیے بغیر نہیں جانا چاہ رہا تھا۔ چندا مسکرا کر پھر اپنے دوستوں کے گروپ میں جا کھڑی ہوئی لوگوں کی آمد و رفت کم ہوئی تو پھر اس نے عاقب سے بات کی۔

"سچ یار تو جا کر مل شاید تیرے لیے کوئی اچھی خبر ہو۔" عاقب نے تھپکی دی۔

"مجھے ان امیر زادیوں سے بہت ڈر لگتا ہے کہیں کوئی الٹا مسئلہ نہ ہو جائے۔" اس نے ڈرتے ڈرتے چندا کے گروپ کی طرف دیکھا جہاں ہر لڑکی اور لڑکا اس کی حیثیت سے بہت بڑے تھے۔

"چندا کے پاس تو نہیں گیا تھا وہ تمہیں ملنے کے لیے آئی تھی اور یار بات کر کے ہی اندازہ ہو گا میشا کے واقعے کو خود پر طاری نہ کرو ہو سکتا ہے کہ تمہارے لیے کچھ اچھا ہو۔" عاقب نے مسکرا کر اسے سمجھایا۔

"اچھا تو میں چندا جی کی بات سن کر آتا ہوں۔" اس نے اپنے ہاتھ رومال سے پونچھے اور اس کی جانب بڑھ گیا۔ وہ دوستوں کے ساتھ گپ شپ لگا رہی تھی اسے دیکھ کر وہ مزید کھل اٹھی اور اسے ایک طرف لے کر آ کھڑی ہوئی اس نے مسکرا کر کہا۔

"کیا میں آپ کا نام جان سکتی ہوں۔"

"جی مجھے ارسلان کہتے ہیں۔" اس نے شائستگی سے جواب دیا۔

"اچھا ارسلان آپ جانتے ہوں گے کہ میں اک ڈیزائنر ہوں۔" اس نے مسکرا کر اپنا تعارف کروایا۔

"جی میں جانتا ہوں کیا میں جان سکتا ہوں کہ آپ کو مجھ سے کیا کام ہے؟" اس نے عجلت سے پوچھا کیوں

کہ دور سے اسے منیجر گھور رہا تھا۔

"ارسلان دراصل مجھے یہ آپ کی قمیص کی کڑھائی اور ڈیزائن بہت پسند آیا ہے۔ میں جاننا چاہ رہی تھی کہ آپ نے کس بوتیک سے یہ قمیص خریدی ہے؟" اس نے اپنا مقصد بیان کیا چندا ایسی ہی ڈیزائنر تھی کہ وہ دوسروں کی محنت کو اپنا نام دے کر فیشن ویک میں شامل کر لیتی تھی اب اگلے فیشن ویک کے لیے اس کو ارسلان کی قمیص پسند آئی تھی اور وہ یہ قمیص خریدنا چاہ رہی تھی۔

"یہ قمیص۔۔۔ یہ' یہ میں نے کسی بوتیک سے نہیں خریدی یہ تو کرن نے تیار کی ہے۔" اس نے ابھی بات مکمل کرنا چاہی کہ یہ اس کی منگیتر نے اسے تحفہ دیا ہے۔

"میں آپ کو اس قمیص کی اچھی خاصی قیمت دے دیتی ہوں یہ قمیص آپ مجھ دے دیں۔" اس نے تیزی سے بات مکمل کی۔ اسی دوران میشا اور اس کے دوست ہوٹل میں داخل ہوئے تو چندا کا رنگ فق ہو گیا جیسے کسی نے اس کی یہ تمام گفتگو سن لی ہو۔

میشا نے عجیب نظروں سے ان دونوں کو دیکھا اور اک نبیل اس کے دوستوں نے سنبھالا مگر وہ مشکوک نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔

"یہ میرا کارڈ ہے۔" چندا نے اپنے پرس میں سے کارڈ اسے نکال کر تھمایا۔

"آپ کل اس ایڈریس پر آ جائیں۔" وہ مسکرا کر پرس بند کر کے بولی۔

اس نے کارڈ تھام لیا مگر وہ سمجھا نہیں پا رہا تھا کہ وہ یہ قمیص فروخت نہیں کرنا چاہتا کیوں کہ کرن نے اسے تحفہ دیا تھا اور وہ جانتا تھا۔ کہ یہ قمیص اس نے بہت پیار سے اس کے لیے تیار کی ہے۔ مگر چندا کی آفر نے اس کی زبان کو تالا لگا دیا۔

"ارسلان ابھی نیو ایئر ان شاء اللہ کل آپ سے ملاقات ہو گی۔" اس نے ہنس کر روش کیا اور اپنے دوستوں کے پاس جا پہنچی وہ کارڈ لے کر اپنے اسٹال پر آ کھڑا ہوا منیجر نے اسے غصے سے دیکھا اور پھر وہاں سے ہٹ گیا۔

"کیا ہوا؟" عاقب کے اسٹال پر اب کوئی کھڑا نہیں تھا اس لیے اس نے پوچھا۔ وہ خاموشی سے سوچتا رہا کہ اب وہ کیا کرے گا عاقب نے اسے سوچ میں ڈوبا دیکھا تو اس کا کندھا ہلایا اور فکر مندی سے پوچھا۔

"یار سب خیریت تو ہے نا؟ عاقب نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔

"یار چندا جی کو یہ قمیص پسند آ گئی ہے اور وہ اس قمیص کی ہزاروں میں ادائیگی کر رہی ہیں" اس نے حیرت سے اپنی قمیص کی طرف دیکھا قمیص کی کڑھائی اب وہ دیکھ رہا تھا اس نے پہلے قمیص پر اتنا غور نہیں کیا تھا۔

"سچ کہہ رہا ہے نا۔" عاقب نے خوشی سے پوچھا اسے بھی یقین نہیں ہو رہا تھا۔

"بالکل سچ ہے مگر؟ اس نے سوچتے ہوئے کہا اور فکر مندی سے عاقب کی طرف دیکھا۔

"مگر کیا؟" عاقب نے حیرت سے پوچھا۔

"یار یہ قمیص تمہاری ہونے والی بھابھی نے خاص میرے لیے تیار کی ہے میں کیسے فروخت کر سکتا ہوں؟" اس نے فکر مندی سے بتایا۔

"یار اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے وہ تمہیں دوسری قمیص تیار کر دیں گی مجھے یقین ہے کہ رقم کا سن کر تمہیں قمیص فروخت کر دینے کی رائے دیں گی۔ اسے تمہارے حالات کا علم تو ہے تو فکر نہ کر بھائی کی بس کل صبح ہی چندا سے رقم پکڑ لینا۔" اس نے ارسلان کو ہدایت دی وہ دونوں باتوں میں مصروف تھے کہ ایک لڑکی کی آواز سے چونکے۔

"ایکسکیوز می پلیز!" دونوں نے مڑ کر دیکھا تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں ان کے سامنے میشا اور فرحی کھڑی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"میں کہاں ہوں؟" نوری نے اٹھتے ہوئے پوچھا اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا اپنے سامنے سعد کو دیکھ کر وہ حیرت

سے پوچھنے لگی۔
"جی آپ میری گاڑی کے سامنے آ گئی تھیں آپ ہاسپٹل میں ہیں اور میں ڈاکٹر سعد ہوں۔" اس نے بتایا۔ وہ ایک دم بیڈ سے اترنے لگی مگر جونہی اس نے قدم زمین پر جمائے اس کا سر چکرانے لگا اس نے دونوں ہاتھوں سے چکراتے سر کو تھاما۔
"دیکھیے آپ کے سر پر کافی گہری چوٹ لگی ہے۔ آپ مجھے بتائیے میں آپ کے گھر اطلاع دے دیتا ہوں وہ آپ کے لیے کل سے پریشان ہوں گے۔"
"کل سے؟ کیا مطلب ڈاکٹر صاحب۔" اس نے حیرت سے پوچھا۔
"آپ کل رات سے یہاں پر ہیں ۔۔۔ آپ کا بیگ چیک کیا مگر آپ کا ایڈریس نہیں ملا ورنہ آپ کے گھر والوں کو بلوا لیا جاتا۔"
"مجھے ۔۔۔ مجھے اب جانا ہے۔" وہ گھبرا کر بولی اور اس نے پھر سے بیڈ سے اترنا چاہا۔
"دیکھیے آپ مجھے بتائیے میں ان لوگوں کو انفارم کر دیتا ہوں آپ اس حالت میں باہر نہیں جا سکتیں۔" سعد نے اس کا بازو تھاما جو خود کو سنبھال نہیں پا رہی تھی۔
"میرے بچے کل سے بھوکے ہوں گے۔" اس نے لرزتی آواز سے کہا اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی سعد اس کی بات پر پریشان سا ہو گیا اور حیرت سے دیکھنے لگا۔
وہ روتے ہوئے بولی "میرا اور میرے بچوں کا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ میرے شوہر کی ڈیتھ ہو چکی ہے اور میرے سسرال والوں نے مجھے گھر سے نکال دیا تھا۔ میں پچھلے چھ سال سے اس شہر میں آباد ہوں۔ محنت کر کے اپنے بچوں کو پڑھا رہی ہوں پلیز میرے بچے میرے منتظر ہوں گے۔" اس نے پھر اٹھتے ہوئے بتایا۔
"آپ کو میں وہاں لے جاتا ہوں۔" اس نے نوری کا بازو تھاما اور اس کو سہارا دے کر باہر تک لے آیا۔
"میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں۔" اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔
"نہیں آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ جس نے آپ کو زندگی بخشی ورنہ آپ کے بچوں کا کیا ہوتا۔"
"بس کام کی تلاش میں پاگل ہو گئی تھی۔" اس کے لیے سعد نے گاڑی کا دروازہ کھولا تو اس نے فکر مندی سے اس دن کا واقعہ بتایا کہ وہ اندازہ ہی نہیں کر پائی کہ وہ گاڑی کے سامنے آ گئی تھی۔
"آپ پلیز بیٹھ جائیے۔" اس نے ہدایت دی اور دوسری سیٹ پر آ بیٹھا۔
وہ آرام سے سیٹ پر بیٹھی اور فکر مندی سے بولی۔
"میرے بچوں کا کیا حال ہو رہا ہو گا وہ کبھی مجھ سے الگ نہیں رہے۔"
"خدا تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھیں آپ کے بچوں کو کچھ نہیں ہوا ہو گا۔" اس نے تسلی دی۔
"پلیز گاڑی تیز چلائیں۔" اس نے کچھ دیر کے بعد خاموشی توڑی جو اپنے بچوں کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی۔
"جی آپ فکر نہ کریں میں اسپیڈ تیز کر دیتا ہوں۔" سعد نے اس کی حالت دیکھ کر گاڑی کی اسپیڈ مزید تیز کر دی اب وہ اس کے بتائے راستے پر گاڑی تیز بھگا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"مدیحہ ۔۔۔ مدیحہ" وہ خوشی سے سیڑھیاں چڑھتے اس کو پکارنے لگی۔ وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی اور اپنے لیے بہت فکر مند تھی کیوں کہ اماں اور سکینہ خالہ اس کے سسرال شادی کی بات کرنے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ وہ کرن کی آواز پر چونکی اور بستر سے اٹھ بیٹھی کرن نے جھٹ سے اسے گلے سے لگا لیا۔
"کیا ہوا؟" مدیحہ بولی۔
"مدیحہ تمہاری ساس اگلے مہینے تمہیں لینے آ رہی ہیں۔" اس نے بے تابی سے بتایا۔
"سچ آپی؟" مدیحہ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور اس نے کرن کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔
"جی میری بہن بس اب اس گھر میں ایک مہینے کی

مہمان ہو۔" کرن نے ہنستے ہنستے بتایا۔
"اماں اور خالہ سکینہ کہاں ہیں؟" اس نے فوراً پوچھا وہ اپنی ماں کی زبان سے یہ بات سننا چاہتی تھی۔
"اماں نے فون کر کے بتایا ہے اور وہ لوگ خالہ زرینہ کے گھر گئے ہیں تاکہ خالہ زرینہ کو پیسے کے متعلق یاد دہانی کروا سکیں۔" کرن نے ماں کی بات بتائی
"آپی سب ٹھیک ہو جائے گا نا۔" اس نے معصومیت سے پوچھا۔
"ہاں ۔۔۔ ہاں سب انتظام ہو جائیں گے بس تم فکر کرنا چھوڑ دو میں تو بس کل ہی بازار کے چکر کاٹنے شروع کر دوں گی۔" اس نے ہنستے ہوئے اپنا پلان بتایا۔
"آپی آپ میرے لیے بہت کچھ کر رہی ہیں میں کیسے آپ کا احسان۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔
"اف ۔۔۔ بس میں کوئی بات نہیں سننا چاہتی اچھا میں ذرا شکرانے کے نفل ادا کر لوں خدا تعالیٰ نے ہمارے دلوں کو سکون جو بخشا ہے۔" کرن نے پیار سے اسے کہا اور بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"آپی میں بھی شکرانے کے نفل ادا کروں گی کہ اس نے مجھے تمام مصیبتوں سے رہائی دلائی۔" وہ بھی دوپٹہ سنبھال کر اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ کرن نے اسے گلے سے لگا لیا دونوں کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

"چندا نے جو آفر آپ کو دی ہے مجھے اس کا علم ہے رئیلی آپ نے جو قمیص پہن رکھی ہے اس کا ڈیزائن بہت منفرد ہے مگر میں یہ قمیص خریدنے کے لیے نہیں آئی ہوں میں اس انسان سے ملنا چاہتی ہوں جس نے یہ کڑھائی کی ہے۔" یشا نے لفظ چبا چبا کر ادا کیے تھے وہ اس کو حیرت سے دیکھ رہا تھا اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یشا اس سے بات کر رہی ہے۔
وہ خاموشی سے اسے دیکھ ۔۔۔ رہا تھا۔
"کیا میں ان سے مل سکتی ہوں؟" یشا نے اپنی بات دوبارہ سے دوہرائی تو عاقب نے اس کا کندھا ہلایا تو وہ واپس دنیا میں پلٹا جو یشا کی خوب صورتی کے سحر میں کھو چکا تھا۔
"جی ۔۔۔ جی۔" وہ بوکھلا کر بولا۔
یشا نے اپنے پرس میں سے کارڈ نکالا اور اسے تھما کر بولی۔
"میں چندا کی طرح چور ڈیزائنر نہیں ہوں میں ڈیزائن اپنا دوں گی اور کڑھائی کا کام ان لوگوں سے لوں گی۔" یشا نے مزید ارسلان کو مطمئن کیا۔
"جی ۔۔۔ جی میں کل آپ کے آفس آ جاؤں گا۔" اس نے جواب دیا۔
"واؤ ۔۔۔ یشا یہ سال تو رئیلی تمہارے لیے لکی رہا۔" فرحی نے مسکرا کر کہا۔ جب ارسلان نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ کل ضرور اس کے آفس آئے گا۔
اس نے ارسلان کی طرف دیکھ کر کہا۔
"یہ تو کل ہی معلوم ہو گا کہ جب مسٹر ارسلان میرے آفس آئیں گے۔"
فرحی نے ارسلان کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولی۔
"یشا سے یہ ڈیل آپ کے لیے بہت فائدہ مند رہے گی میں اپنی دوست کو جانتی ہوں کہ وہ کام کے سلسلے میں بہت وفادار ہے۔" اس نے یشا کی کھلے دل سے تعریف کی وہ چندا کے پاس ارسلان کو نہ جانے کے لیے مزید یشا کے متعلق وضاحت دے رہی تھی۔
"میڈم ارسلان ضرور کل آپ کے پاس آئے گا چندا جی نے بھی ان کو آفر دی ہے مگر آپ کی آفر زیادہ سمجھ آئی آپ تو ہمیشہ کے لیے کام دے رہی ہیں جبکہ چندا جی تو بس اس قمیص کو خرید رہی ہیں۔" عاقب نے ان کو تسلی دی۔
اس سے پہلے کہ یشا کچھ بولتی ہر طرف ہیپی نیو ایئر کی آوازیں آنے لگیں بارہ بج چکے تھے ہوٹل میں موجود ہر انسان ایک دوسرے کو وش کرنے میں مصروف ہو گیا تھا ارسلان نے یشا کو دیکھا اس نے ہلکی سی مسکراہٹ ارسلان کو دی اور پھر نرمی کے ساتھ وہ

ان لوگوں کو وش کر کے اپنے دوستوں کے گروپ میں چلی گئی۔ میوزک فل تھا اس کا ہر دوست میوزک پر جھوم رہا تھا وہ بھی ڈانس کرنے لگی ارسلان نے اپنا دھیان کئی بار میشا سے ہٹانے کے لیے ادھر ادھر کام میں مصروف ہونے کی کوشش کی مگر میشا میں عجیب سی کشش تھی جو وہ بار بار اسے دیکھنے پر مجبور ہو گیا تھا اور اس کی نظریں بھی ارسلان پر ٹکی تھیں۔

☼ ☼ ☼
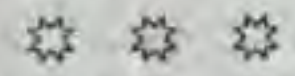
"اماں۔۔۔ خالہ زرینہ ایسا کیسے کر سکتی ہیں انہوں نے ہم سے بات کر لی تھی پھر اب وہ مکر کیوں گئیں۔" کرن نے غصے سے پوچھا۔۔۔ جب سکینہ نے فکر مندی سے بتایا کہ زرینہ نے پیسے دینے سے انکار کر دیا ہے۔ کلثوم گھبرا کر بولیں۔

"اب کیا ہو گا میں نے مدیحہ کے سسرال والوں سے جلدی رخصتی مانگی ہے اب ان لوگوں کو کیا جواب دوں۔" کلثوم کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔

"زرینہ کو پیسوں کے بدلے میں کہیں سے زیادہ پیسہ مل گیا۔ اس لیے اب اس کے پاس مزید سود پر دینے کے لیے رقم نہیں رہی۔" سکینہ نے فکر مندی سے زرینہ کے متعلق بات کی۔

"اماں۔۔۔ میں خالہ زرینہ سے بات کروں گی وہ ہمارے ساتھ ایسا نہیں کر سکتیں آپ لوگوں نے بتایا ہے کہ ہم لوگوں نے مدیحہ کے سسرال بات بھی کر لی ہے۔" کرن نے فکر مندی سے پوچھا۔

"ہاں بیٹی ساری بات بتائی ہے مگر وہ کہتی ہے کہ اسے جہاں سے زیادہ فائدہ ملتا ہے وہ اس طرف رخ کر لیتی ہے۔ اب ایسی عورت جو صرف اپنا فائدہ سوچتی ہے اس سے مزید ہم کیا بات کرتے۔" سکینہ نے غصے سے زرینہ کی ذات پر تنقید کی۔

"یا اللہ ہمیں اس مصیبت میں کوئی راستہ دکھا۔" کلثوم نے دونوں ہاتھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔۔۔ ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

"بہن کلثوم حوصلہ رکھو۔" سکینہ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"خالہ کلثوم کوئی نہ کوئی راستہ نکل آئے گا آپ پریشان نہ ہوں۔" کرن نے خالہ کلثوم کے آنسو پونچھے اور ان کو تسلی دی۔

"کرن آپی روٹیاں تیار ہو گئی ہیں" باورچی خانے سے مدیحہ نے کرن کو آواز دے کر اطلاع دی۔

"خالہ، خالہ پلیز چپ ہو جائیں مدیحہ نے آپ کو روتا دیکھ لیا تو وہ پریشان ہو جائے گی۔" کرن نے جلدی سے کلثوم کا ہاتھ تھام کر تسلی دی۔

"ہاں بہن کچھ نہ کچھ سوچتے ہیں مگر مدیحہ کو اس پریشانی سے دور ہی رکھو وہ کھانا لے کر آ رہی ہے۔" سکینہ نے اسے کھڑکی سے باورچی خانے سے باہر ٹرے لاتے دیکھتے بتایا۔

کلثوم نے جھٹ سے اپنی شال سے آنسوؤں کو پونچھا اور پھر لمبے سانس لے کر خود کو مطمئن کرنے لگیں۔ کرن نے بمشکل لبوں پر مسکراہٹ سجائی مدیحہ کھانا لے کر اندر آئی تو سکینہ نے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں اور کمرے کا ماحول خوشگوار ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

اس نے کانپتے ہاتھوں سے لاک کھولا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اپنے بچوں کو پکارنے لگی۔

"ہادیہ، حماد۔۔۔ ہادیہ تم لوگ کہاں ہو۔" وہ بیڈ روم میں آئی تو وہاں اسے کوئی دکھائی نہ دیا تو فکر مندی سے انہیں پکارنے لگی۔

سعد نے بھی متلاشی نگاہوں سے کمرا دیکھا کہ اچانک اس کی نظر بیڈ کے نیچے پڑی، اسے بیڈ کے نیچے سے ایک بچے کا پاؤں دکھائی دیا۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا تو اسے دو بچے دکھائی دیے۔ ایک بچہ بے ہوش تھا اور دوسرے بچے پر خوف طاری تھا۔

"مس نوری آپ کے بچے مل گئے یہ بیڈ کے نیچے ہیں۔" اس نے نوری کو بتایا جو بے قراری سے بچوں کو آواز دیے جا رہی تھی۔

"حماد۔۔۔ ہادیہ۔" وہ چیخی اور گھٹنوں کے بل زمین

پر بیٹھ کر بیڈ کے نیچے سے انہیں کھینچا۔

"حماد کیا ہوا میرے بچے کو۔" اس نے حماد کو بے ہوش پایا تو وہ چیخی ہادیہ کی حالت بھی بہت خراب تھی۔۔۔ وہ سارا دن بیڈ کے نیچے بھوکی حماد کے ساتھ پڑی تھی۔

"ماما۔۔۔ آپ کہاں چلی گئی تھیں۔" وہ ماں کے سینے سے لپٹ کر پوچھنے لگی۔

"بیٹا میں آ گئی ہوں نا۔" اس نے ہادیہ کو چوما اور حماد کو جگانے لگی۔ ڈاکٹر سعد ایک گلاس میں پانی لے آیا اور اس نے ہادیہ کو پلایا اور حماد کی طرف بڑھا اس نے حماد کی نبض چیک کی اور نوری کی طرف دیکھ کر بولا۔

"میرے خیال میں بخار بہت تیز ہے اور پورا دن نہ کھانے سے بے ہوش ہو گیا ہے آپ بچوں کے پاس رہیں میں کچھ ادویات اور کھانے پینے کا بندوبست کر کے آتا ہوں۔" سعد نے کہا اور باہر کے دروازے کی جانب قدم بڑھا دیے۔ نوری نے حماد کو گود میں لے لیا اور پھر بے تحاشا اسے چومنے لگی۔ ہادیہ نوری کے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔ جیسے اس کی ماں پھر کل رات کی طرح ان کی نظروں سے غائب نہ ہو جائے۔

☼ ☼ ☼
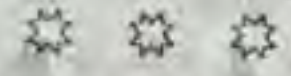
وہ فجر کی نماز ادا کر کے دعا میں مشغول تھی جب دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے جلدی سے دعا ختم کی اور دروازے کی طرف لپکی۔ اسے معلوم تھا کہ دروازے پر ارسلان ہے جو کل اسے بتا کر گیا تھا کہ وہ ساری رات ہوٹل میں گزارے گا۔

اس نے دوپٹا سنبھالا اور دروازہ کھولا تو وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"کرن، کرن یہ نیا سال ہمارے لیے بہت شاندار رہے گا۔" ارسلان نے اس کا ہاتھ تھام کر بتایا۔ وہ اس کے رویے پر حیرت زدہ سی ہو گئی جو مدیحہ کے مسئلے پر ساری رات سو نہیں پائی تھی۔

"کیا مطلب؟ میں سمجھ نہیں پائی۔" وہ ارسلان کی بات پر کچھ اندازہ نہیں لگا پائی۔

"تم ادھر بیٹھو میں بتاتا ہوں۔" اس نے پیار سے کرن کو تخت پر بٹھایا اور اس کے دونوں ہاتھ تھام کر بولا۔

"کرن تمہاری محنت رنگ لے آئی یہ قمیص جو میں نے پہن رکھی ہے یہ میشا میڈم کو بہت پسند آئی ہے اور وہ تم سے مل کر تمہیں کام دینا چاہتی ہیں۔" اس نے خوشی خوشی ساری تفصیل بتائی۔

"کون میشا میڈم؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ ارسلان کو اتنا خوش اس نے پہلی دفعہ دیکھا تھا۔

"کرن، میشا بہت بڑی ڈیزائنر ہیں وہ تم سے سلائی کڑھائی کا کام لیں گی اور ہمیں اس کے بدلے میں اچھی رقم ملے گی۔" اس نے خوشی سے بتایا۔

"سچ کہہ رہے ہیں۔" وہ کھل سی اٹھی مدیحہ کا سوچ کر اسے احساس ہوا کہ ابھی جو وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہی تھی اس نے اس کی دعا سن لی ہے۔

"ہاں سچ کہہ رہا ہوں۔" اس نے مضبوطی سے اس کے دونوں ہاتھوں کو دبایا اور اسے لے کر جھومنے لگا۔

وہ بھی اس کی خوشی میں جھومنے سی لگی آج پہلی دفعہ ارسلان کو وہ خوش دیکھ رہی تھی اس کا چہرہ بھی خوشی سے چمک رہا تھا۔ اس کا محبوب جو خوش تھا جس کے لیے وہ اپنی جان تک وقف کر سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے بچوں کو بہت پیار سے کھانا کھلایا حماد بھی اب ہوش میں آ گیا تھا اس نے اس کے لیے کچھ ادویات بھی نوری کو دیں پھر بچے کھانا کھا کر جلدی ہی سو گئے۔ شاید ماں کو دیکھ کر انہیں کافی سکون مل گیا تھا وہ ڈاکٹر سعد کی بہت مشکور تھی مگر وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ کن لفظوں سے شکریہ ادا کرے پھر اس نے ہمت کر کے سعد سے کہا۔

"آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے میرا ساتھ دیا ورنہ اس زمانے میں کون کسی کو اتنا وقت دے پاتا ہے۔" نوری نے لرزتی آواز میں کہا۔

"نہیں ایسی بات نہیں یہ تو میرا فرض بھی تھا دنیا

میں ہر طرح کے لوگ ہیں بس آپ اپنا اور بچوں کا خیال رکھیں" سعد نے مسکراہٹ لبوں پر سجا کر جواب دیا۔

"میں ہسپتال کا بل اور یہ کھانے پینے کی چیزوں کی جلد رقم ادا کردوں گی" نوری نے نظریں جھکا کر جواب دیا وہ نہیں چاہتی تھی کہ سعد اس کو خود غرض سمجھنے لگے

"اوہو' آپ کیسی باتیں کررہی ہیں آپ میری بہن جیسی ہیں یہ سب کچھ جو میں نے آپ کے لیے کیا ہے آپ کو بہن سمجھ کر کیا ہے۔" سعد نے مسکرا کر اسے تسلی دی۔

"میرا کوئی بھائی نہیں تھا میں یتیم خانے میں بڑی ہوئی آج آپ کے منہ سے بہن بھائی کا رشتہ سن کر میں اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہوں۔" نوری نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اچھا۔۔۔ اگر آپ سچ میں اس رشتے کی عزت کرتی ہیں تو جب آپ کی صحت بہتر ہو جائے گی آپ میرے گھر پر آجایئے گا مجھے اپنی دادی جان کے لیے اک نرس رکھنی تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ وہ ڈیوٹی سرانجام دے سکتی ہیں۔"

"کیا میں یہ ڈیوٹی کل سے شروع کر سکتی ہوں؟" اس نے سعد کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں ابھی آپ کو ریسٹ کی ضرورت ہے۔" اس نے سنجیدگی سے سمجھایا۔

"آپ پلیز میری بات سمجھ نہیں رہے میں جلد ڈیوٹی جوائن کرنا چاہتی ہوں کیوں کہ بچوں کے اسکول کی فیس ادا کرنی ہے ورنہ وہ بچوں کو کلاس میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔" اس نے ہلکی آواز سے ساری بات بیان کی۔

"آپ فکر نہ کریں میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔" اس نے نوری کی ساری پریشانیاں یکدم ہی ختم کردیں وہ گاڑی میں بیٹھا اور پھر مسکرا کر چلا گیا نوری کو یوں لگا جیسے یہ فرشتہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کے لیے بھیجا ہے اور وہ سکون سے پھر اپنے بچوں کے ساتھ سو گئی۔

☼ ☼ ☼

کرن یشا سے مل کر آئی یشا نے اپنے بوتیک کے لیے اک بہت بڑا کام اس کے سپرد کیا اور اس کے بدلے اچھی رقم بھی ایڈوانس میں دی۔ ارسلان اور کرن یشا سے مل کر بہت خوش ہوئے کلثوم اور سکینہ کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ یشا کے لیے اس نے بہت نفیس کام کیا یشا اس کے کام سے بہت خوش ہوئی اور یشا کے ڈیزائن اور کرن کی کڑھائی کے کام نے اس کو فیشن ویک کا ستارہ بنا دیا۔

کرن کے بنے کرتے مارکیٹ میں تیزی سے فروخت ہونے لگے یشا نے پھر آرڈر دیا اب کے کرن کو بڑا آرڈر ملا تھا اور وہ دن رات محنت کررہی تھی اور اس نے یہ ساری محنت مدیحہ کی شادی کے لیے کی تھی۔ مدیحہ کی شادی دھوم دھام سے ہوئی اور وہ اپنے سسرال چلی گئی ارسلان کا ایک بوجھ اس کی محنت سے اتر گیا تھا۔۔۔ رخصتی کے بعد وہ دونوں مہمانوں کو الوداع کر کے گھر پہنچے۔ تو ارسلان نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

"کرن تم نے میرا بہت ساتھ دیا۔ تمہاری وجہ سے مدیحہ کی شادی اتنی دھوم دھام سے ہوئی۔" ارسلان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپ ایسا کیوں کہتے ہیں اگر میں نے آپ کا ساتھ دیا ہے تو بدلے میں آپ نے بھی میرا ہر جگہ ساتھ دیا ہے۔ اس گھر میں اماں کو ہر وقت میری فکر ہوتی تھی۔ اب جب سے آپ کے ساتھ میرا رشتہ جڑا ہے اماں کی طبیعت بھی بہتر رہنے لگی ہے مجھے تو آپ کو شکریہ ادا کرنا چاہیے۔" اس نے مسکراہٹ لبوں پر سجا دی۔

"تم۔۔۔ تم سرخ رنگ میں بہت پیاری لگ رہی ہو۔" اس نے پیار سے تعریف کی اور اس پر گہری نظر ڈالی۔

"اچھا میرا ہاتھ تو چھوڑیے" وہ تعریف پر شرما سی گئی اور ارسلان کے ہاتھ میں سے اپنا ہاتھ چھڑوانے لگی۔

"اب میرا بھی دل کرتا ہے کہ میں تم پر اپنا حق جتلانا

شروع کردوں۔" اس نے کرن کا ہاتھ چومتے اس کی طرف دیکھا۔

"پلیز ارسلان چھوڑو۔" وہ گھبرائی ایسا پہلی دفعہ ہوا تھا کہ ارسلان اس کے اتنا قریب ہوا تھا۔

"اوہو کرن میں تمہارا منگیتر ہوں تم اتنا کیوں گھبرا رہی ہو۔"

"ابھی نکاح تو نہیں ہوا" اس نے اپنا ہاتھ چھڑوا کر جواب دیا۔ وہ ہنسا۔

"توبہ ہے تم لڑکیاں بھی محبت کا اظہار تھوڑا سا کیا کردیا تم دور کی سوچنے لگیں" اس نے مسکرا کر جواب دیا اور اسے پیار سے دیکھنے لگا۔

"بہت رات ہوگئی ہے چلو اپنے پورشن میں سونے جاؤ مجھے ابھی کام بھی کرنا ہے۔" اس نے فکرمندی سے یشا کے کام کے متعلق بتایا۔

"پلیز میرے پاس بیٹھو نا" وہ ضد کرنے لگا۔

"پلیز نہیں بس اب بہت باتیں ہوگئی ہیں جلدی سے سو جاؤ صبح بوتیک بھی تو جانا ہے۔" اس نے بتایا یشا نے اسے کل آنے کا کہا تھا۔

"اوکے میڈم آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔" وہ ہنستے ہوئے اٹھا۔ جبکہ اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کرن میک اپ میں بہت پیاری لگ رہی تھی اس کا یہ روپ اس نے پہلی دفعہ دیکھا تھا اور اس کی نظریں اس سے ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

"آپ جا رہے ہیں کہ میں چلی جاؤں۔"

"اچھا۔۔۔ اچھا۔" وہ ہنس کر پھر سیڑھیاں چڑھ گیا اور وہ ہنستے ہوئے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

☼ ☼ ☼

وہ آنکھیں مسلتے ہوئے سیل فون کو دیکھنے لگا۔

اسکرین پر حمنہ کا نام جگمگا رہا تھا اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا رات کے تین بجنے کو تھے وہ اٹھ کر بیٹھا حمنہ کی کالز بار بار آنے لگیں تو اس نے پھر فون پک کر لیا۔

"ہیلو۔" وہ فکرمندی سے بولا۔

"میں ہارون" دوسری طرف حمنہ کے شوہر کی آواز ابھری وہ مزید ڈر سا گیا کہ ہارون نے اسے کیوں فون کیا ہے۔

"تم میرے فون کا مقصد جانتے ہو گے۔" ہارون نے خفا لہجے سے بات کی۔

"نہیں۔۔۔ میں آپ کی بات سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔" وہ ہارون کی بات پر حیرت زدہ سا ہو گیا جو حمنہ کی کافی کالز اگنور کررہا تھا۔

"حمنہ مجھ سے طلاق کی بات کررہی ہے' میں نے بس یہ جاننے کے لیے فون کیا ہے کہ تم میرا گھر کیوں تباہ کررہے ہو تم اچھی طرح سے جانتے ہو کہ میں حمنہ سے محبت کرتا ہوں اور اس کی عادات سے بھی اچھی طرح سے واقف ہو وہ ابھی اتنی سمجھ دار نہیں ہے ایسا نہ ہو کہ مجھ سے طلاق لے کر اسے بعد میں پچھتانا پڑے جیسے اب وہ تمہیں چھوڑ کر بے چین سی ہے۔" ہارون نے سمجھ داری سے بات بیان کی۔

"نہیں ہارون آپ میری طرف سے بے فکر ہو جائیں۔۔۔ میں آئندہ حمنہ کی کبھی کال پک نہیں کروں گا کبھی اس سے بات نہیں کروں گا۔ وہ آپ کی ہے اور آپ کی ہی رہے گی" سعد نے اعتماد سے جواب دے کر اسے تسلی دی جو پچھلے دس دن سے پریشان تھا آخر کار اس نے سعد سے بات کر ہی لی۔

"میں تمہارا بہت شکر گزار ہوں تم نہیں سمجھ سکتے کہ میں حمنہ کی وجہ سے کتنا اپ سیٹ ہو گیا تھا۔" ہارون نے فکرمندی سے بتایا۔

"میں جانتا ہوں کہ محبت آپ کو خود سے دور ہوتی نظر آئی تو کیسا احساس ہوتا ہے میری دعا ہے کہ آپ دونوں خوش رہیں۔" سعد نے آہ بھر کر بات ختم کی۔

ہارون نے بات ختم کردی اور وہ دیر تک حمنہ کے متعلق سوچتا رہا اور اس نے فیصلہ کرلیا کہ اب وہ کبھی اس کا فون پک نہیں کرے گا۔

☼ ☼ ☼

نوری کے روز گھر آنے سے دادی حلیمہ حمنہ کے

حادثے کو بھولنے لگیں نوری دادی حلیمہ کے ساتھ سارا دن گزارتی حلیمہ اسے اپنے بچپن سے لے کر بڑھاپے کے واقعات سناتیں یوں نوری حلیمہ کے بہت قریب سی ہو گئی۔ آج نوری نے حلیمہ کی فرمائش پر حلیم تیاری کی تھی۔۔۔۔

"واہ بہت مزے کی حلیم تیار کی ہے۔" حلیمہ نے کھانا کھاتے ہوئے تعریف کی۔ نوری مسکرا کر بولی۔

"حلیم کا طریقہ آپ نے ہی تو بتایا تھا پھر حلیم کیسے نہ اچھی بنتی۔"

"تم ہادیہ اور حماد کے لیے بھی گھر لے جانا اور کسی دن ان کو گھر لے کر آؤ بہت دنوں سے میں انہیں ملی نہیں ہوں۔"

"جی میں کل ہی آپ کی خدمت میں ان دونوں کو لے کر آؤں گی" نوری نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"تم بھی کھانا کھالو" حلیمہ نے اس کی خالی پلیٹ دیکھ کر ہدایت کی۔

"جی۔۔۔ جی" نوری نے تھوڑی سی حلیم پلیٹ میں ڈالی اور ہاٹ پاٹ میں سے آدھی روٹی لے کر کھانے لگی۔ "آدھا کھانا بچوں کے ساتھ کھاؤ گی؟" حلیمہ نے پوچھا۔

"جی" وہ مسکرائی۔

ابھی وہ مزید باتیں کرتیں کہ حلیمہ کے گھر کا فون بجنے لگا۔ ملازمہ نے ان کو وہاں آکر اطلاع دی کہ نسیم کا فون ہے حلیمہ نے کچھ سوچا اور پھر افسردگی سے بولیں۔

"کہہ دو کہ میں اسے فری ہو کر کال کرتی ہوں۔" حلیمہ نے لمبی سانس چھوڑی اور کھانا چھوڑ کر پانی پینے لگیں نوری کو محسوس ہوا کہ حلیمہ پریشان سی ہو گئی ہیں اس نے پوچھا۔

"کوئی پریشانی کی بات ہے کیا؟" وہ جو حلیمہ کو پریشانیوں سے دور رکھنے کے لیے گھر پر لائی گئی تھی اس نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ہاں بیٹی میں سعد کے لیے بہت پریشان ہوں نسیم ہزار لڑکیاں مجھے دکھا چکی ہے مگر سعد ہر لڑکی کی تصویر دیکھ کر ریجیکٹ کر دیتا ہے۔ آخر وہ کب تک حمنہ کی یاد میں جلتا رہے گا میں اس کے لیے بہت اپ سیٹ ہوں کہ کیسے اس کی زندگی میں خوشیاں بھر دوں۔" حلیمہ نے لرزتی آواز سے اپنے دل کا دکھ سنایا۔

"اوہو آپ پریشان کیوں ہوتی ہیں مجھے یقین ہے کہ سعد آپ کے لیے بہت جلد شادی کرے گا وہ آپ سے بے حد محبت کرتا ہے اس لیے اس ٹاپک پر پریشان ہونا چھوڑ دیں۔" اس نے حلیمہ کا ہاتھ تھام کر تسلی دی۔

"حمنہ نے اس کے ساتھ اچھا نہیں کیا میرے سعد کو تنہا کر کے اپنا گھر بسا کر خوش ہے۔"

"اللہ کو جو منظور تھا وہی ہونا تھا شاید حمنہ اس گھر کے لیے مناسب نہ تھی" نوری نے انہیں سمجھایا۔

"ہاں شاید" حلیمہ نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ اور دل ہی دل میں سعد کے لیے دعائیں کرنے لگیں آخر ان کا سعد کے سوا دوسرا کون تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ قمیص پر کڑھائی کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے خوب پانی بہہ رہا تھا کل رات سے اس کی آنکھوں میں شاید درد ہو رہا تھا۔ آج کڑھائی اس سے بمشکل ہی ہو رہی تھی۔

"یہ' یہ پھر تم نے قمیص پکڑ لی۔" سکینہ کمرے میں داخل ہو کر اسے دیکھتے بولیں۔

"اب کام لیا ہے تو مکمل بھی تو کرنا ہے۔" اس نے اپنے پلو سے آنکھوں سے نکلتا پانی پونچھا۔

"اپنی آنکھیں دیکھی ہیں کتنی سوج گئی ہیں بس کرو میری بچی بہت محنت کر لی ہے میں کل ارسلان سے بات کر لی ہوں کہ اب ہمیں اتنے پیسے نہیں چاہئیں۔" سکینہ نے خفا لہجے میں بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں اماں بس تین چار آرڈر کے بعد یہ کام میں بند کر دوں گی وہ جو زمین ارسلان نے خریدی ہے اب اس پر گھر تیار کرنے میں پیسے تو لگیں گے اور جو پیسہ گھر آ رہا ہے آنے دیں یہ تو ناشکری ہو گی کہ آنے والے رزق سے انکار کر دوں۔" کرن نے قمیص چھوڑ دی اور ماں کی گود میں سر رکھ دیا۔

"تین چار آرڈر کا مطلب یہ ہوا کہ تم ڈھیروں قمیصوں پر پھر کڑھائی کرو گی اس طرح تو تمہاری صحت بگڑ جائے گی۔" سکینہ نے اس کے سر پر پیار کر کے کہا۔

"اماں آپ میری فکر کرنا چھوڑ دیں اچھی بھلی تو ہوں۔" اس نے آنکھیں بند کر کے جواب دیا۔ اس کی آنکھوں میں شدید درد تھا مگر وہ ماں کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہتی تھی۔

سکینہ آہستہ آہستہ اس کا سر سہلانے لگیں اور پیار سے بولیں۔

"تمہیں اک خوش خبری بھی دینی تھی مدیحہ امید سے ہے اور وہ کلثوم کو اپنے پاس دبئی بلا رہی ہے۔"

"سچ اماں۔" وہ اچھل کر بیٹھی۔

"ہاں' ہاں ابھی اس کا فون آیا تھا تمہیں یہی بات بتانے تو آئی ہوں۔"

"خالہ کلثوم کدھر ہیں؟" اس نے بیڈ سے اتر کر پوچھا۔

"وہ ارسلان کو فون پر خوشخبری سنا رہی ہوں گی کہ وہ ماموں بننے والا ہے۔" سکینہ نے خوشی سے بتایا۔

"میں خالہ بن رہی ہوں۔" وہ خوشی سے کمرے سے باہر نکلی کلثوم تخت پر فون پر باتیں کر رہی تھیں کرن کو دیکھ کر وہ خوشی سے بولیں۔

"مدیحہ کا پھر فون آیا ہے لو بات کرو۔" کلثوم نے اسے فون پکڑ کر بتایا۔

اس نے جھٹ سے فون پکڑا اور ہنس کر بولی۔

"واہ' واہ کیا خوشخبری دی ہے جناب نے" مدیحہ خوب ہنسی۔

"کرن آپی میں بہت خوش ہوں اتنی خوش کہ آپ کو بتا نہیں سکتی۔"

"خدا کا کرم تم پر ہمیشہ قائم رہے گا میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" کرن نے خوشی سے جواب دیا۔

"آپی اب آپ بھی ارسلان بھائی سے جلدی

شادی کرلیں آپ نے بہت محنت کرلی۔" اس نے محبت سے کہا۔

"ہاں جلد ہی سب کچھ ہو جائے گا مگر اس سال تو ناممکن ہوگی۔" وہ خالہ کلثوم سے دور جا کر بولی تھی۔

"کیوں اس سال کیوں نہیں؟" وہ برہمی سے بولی۔

"اوہو تمہاری غیر موجودگی میں کیسے شادی ہو سکتی ہے "میری جان۔" اس نے ہنس کر بتایا۔

"اوہ میں سمجھ ہی نہ پائی۔" اس نے قہقہہ لگایا پھر وہ اپنے سسرال والوں کے متعلق باتیں کرنے لگی اور کرن دلچسپی سے اس کی سننے لگی۔

☼ ☼ ☼
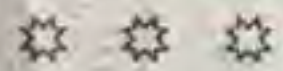
وہ قمیص پر کڑھائی کا کام کر رہی تھی جب رات کے دو بجے دروازے پر دستک ہوئی اس نے اپنی آنکھوں کو مسلا اور بوجھل قدموں سے دروازے کے پاس پہنچی دروازہ کھلا تو سامنے ارسلان تھا ارسلان نے پیار سے سلام کیا اور اندر داخل ہو گیا اس نے دروازے کو لاک کیا۔

"کھانا گرم کروں؟" کرن نے معمول کے مطابق پوچھا جبکہ وہ اس کا جواب جانتی تھی۔ کہ وہ میشا کے ساتھ باہر ہی کھانا کھا چکا ہوگا۔

ارسلان نے ہوٹل کی جاب کب کی چھوڑ دی تھی۔ اب وہ میشا کے بوتیک میں اس کے ساتھ کام کر رہا تھا اس کے تمام معاملات کو وہ میشا بوتیک کا منیجر بن کر سرانجام دے رہا تھا۔ میشا کو کرن کے کام سے کافی فائدہ ہوا تھا۔ اس لیے وہ ارسلان کو بہت خاص مقام دے رہی تھی اور ارسلان اس کی یوں اہمیت سے عجیب ہی باتیں سوچ رہا تھا۔ جس سے میشا بے خبر تھی۔

"کرن میں نے میشا کے ساتھ ڈنر کر لیا تھا میں چاہ تو نہیں رہا تھا مگر اس کو انکار نہیں کر سکا تم کھانا کھا لو میں جانتا ہوں تم میرا انتظار کرنے کی وجہ سے ابھی تک بھوکی بیٹھی ہو۔" ارسلان نے نظریں چرا کر بتایا۔

کرن پیار سے بولی۔

"کوئی بات نہیں اچھا ہے کہ اب کھانا وقت پر کھا لیتے ہیں۔"

"اچھا کل میرا سامان پیک کر دینا مجھے میشا کے ساتھ دو مہینے کے لیے دبئی جانا پڑ گیا ہے۔ میں نے اماں کی سیٹ بھی کنفرم کروا دی ہے۔ اماں کو مدیحہ کے گھر چھوڑ دوں گا اماں کے جانے پر مدیحہ کافی مطمئن ہو جائے گی تم اماں کا بھی ضروری سامان پیک کر دینا وہ تو صبح یہ خبر سن کر بہت خوش ہو جائیں گی۔" وہ ان کی خوشی کا سوچ کر مسکرانے لگا۔

"اتنی جلدی؟" وہ یک دم بجھ سی گئی۔ ارسلان نے اس کی کیفیت کو محسوس کر لیا اور اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"میں تو تمہیں بھی دبئی لے کر جانا چاہ رہا تھا مگر میشا کا آرڈر بھی تو مکمل کرنا ہے ایسے میں کیسے تمہیں لے کر جا سکتا ہوں۔" ارسلان نے مسئلہ فکر مندی سے بتایا۔

"نہیں میں دبئی نہیں جانا چاہتی میں تو آپ دونوں کے جانے کی خبر سے اداس ہو گئی ہوں۔" اس نے افسردگی سے اپنے دل کے موسم کے متعلق بتایا۔

"دو ماہ کی تو بات ہے میں تمہیں وہاں سے فون کروں گا تم بے فکر ہو جاؤ۔" اس نے کرن کو پیار بھری نظروں سے مطمئن کیا۔ وہ اس کی کامیابی چاہتی تھی اس لیے بولی۔

"اگر کل ہی جانا ہے کہ پھر آج ہی پیکنگ کر دیتی ہوں۔" اس نے یک دم اپنے بجھے چہرے پر خوشی سجائی

اس نے سر ہلا دیا۔ وہ دونوں پھر سیڑھیاں چڑھنے لگے ارسلان نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا جس سے کرن کے دل کا موسم خوشگوار سا ہو گیا اور اس کا چہرہ چاند کی طرح چمکنے لگا۔

(آخری قسط آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼

فرحانہ حنیف

کفارہ

آنکھوں کی دھند صاف کرکے اس کی نظر بائیں جانب کے سرے کے آخری ستون سے ٹیک لگائے اسکول یونیفارم میں ملبوس کتابیں سینے سے لگائے اس دھان پان سی لڑکی پر پڑی جو گمٹی سی بار بار گیٹ کی طرف اور کبھی کلائی پر بندھی گھڑی کی جانب دیکھ رہی تھی۔

اس کے چہرے پر نقاب تھا۔ اور اس سے کچھ فاصلے پر ایک ملنگ سا بوڑھا مگر بھاری بھرکم وجود والا آدمی اللہ ہو کا ورد کرتا اپنی بے باک نظروں سے اس نقاب کو پھاڑ کر اس میں چھپے چہرے کو دیکھنے کی کوشش میں ہلکان تھا۔ اس کا دل پوری طرح سکڑ کر پھیلا تھا اور ہاتھ بے اختیار ہی سینے سے جا لگا' وہ جو بینچ پر آرام سے بیٹھی تھی جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور بھیڑ کی پروا کیے بنا اس لڑکی کی طرف چل پڑی۔

اس کے اردگرد خطرے کی گھنٹیوں کی آواز تھی کہ بڑھتی جارہی تھی۔ اور وہ لڑکی تھی کہ اپنے اردگرد ایسی کئی ہوس زدہ نظروں سے بے نیاز جانے کس کی منتظر تھی۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا اور وہ وہیں ساکت رہ گئی وہ ہی ملنگ جو اسے کتنی دیر سے گھور رہا تھا' اس کے پاس جا کھڑا ہوا اور اب اسے جانے کیا کہہ رہا تھا۔

لڑکی کے جسم کی کپکپاہٹ اور ہاتھوں کی لرزش۔۔۔ وہ بجلی کی سی سرعت سے اس کے سر پر جا پہنچی۔

"پروین بچے۔۔۔ میں آگئی چل اب چلیں۔" اس نے اس لڑکی کا ہاتھ تھاما اور مکمل طور پر اس ملنگ کو نظر انداز کرتی برآمدے کی سیڑھیاں اتر گئی اور لڑکی جو پہلے ہی پریشان تھی اور خوفزدہ ہو گئی اور اس کے ساتھ گھسٹتی چلی گئی۔ اس نے کچھ دور مگر تنہائی میں جا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا یہاں رش نسبتاً" کم تھا۔

"کون ہو۔۔۔ کس کے ساتھ آئی ہو۔۔۔" اس نے خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے چھوٹتے ہی پوچھا تو وہ لڑکی پہلے سے زیادہ گھبرا گئی اور اسی گھبراہٹ میں اس کے سینے سے لگی فائل پھسلی تھی۔

نصیبن نے اس فائل کو سرعت سے سنبھالا۔

"میں پوچھ رہی ہوں کس کے ساتھ آئی ہو۔"

"امم امی کے ساتھ۔۔۔ نہیں بھائی۔۔۔"

"اچھا تو تمہیں یہ بھی پتا نہیں کہ جس کے ساتھ آئی ہو وہ بھائی ہے یا ماں۔" اس نے آنکھیں دکھائیں۔

"سیدھی طرح بتاتی ہو یا کروں پولیس کو فون۔" تیر نشانے پر لگا تھا۔

لڑکی دھمکی سنتے ہی زمین پر بیٹھ کر رونے لگی۔

نصیبن نے ذرا بھی متاثر ہوئے بنا اس کی فائل چیک کی۔" وہ بارہویں کی اسٹوڈنٹ تھی۔ اسکول کے ساتھ ہی گھر کا بھی پورا ایڈریس ساتھ درج تھا۔

اس نے اس روتی ہوئی لڑکی کو دیکھا اور گہری سانس کھینچتے ہوئے خود بھی اس کے سامنے بیٹھ گئی اور بہت نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔

"گھر سے بھاگ کر آئی ہو۔۔۔" لڑکی نے حیران نظروں سے اس کی جانب دیکھا وہ متذبذب تھی۔

"گھر سے بھاگ کر آئی ہو؟"

اب کی مرتبہ اس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"جی۔۔۔" مترنم مگر بھیگی سی آواز ابھری

"کس کے ساتھ؟۔۔۔ کون ہے' کہاں ہے؟؟؟"

"ابھی نہیں آیا۔۔۔ اسی کا انتظار کررہی ہوں۔"

"ہوں۔۔۔" نصیبن نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ تنفر سے سر جھٹکا۔

"کیوں بھگا کر لے جانا چاہتا ہے؟"

"محبت کرتا ہے مجھ سے۔"

"اور تم نے یقین کرلیا؟"

"ہاں اس نے کہا ہے اگر اس کی شادی مجھ سے نہ ہوئی تو وہ زہر کھا کر مرجائے گا۔"

"اور تمہارے گھر والے؟"

"اس نے پرپوزل بھی بھیجا تھا میرے ابو نے انکار کردیا اس لیے ہم نے فیصلہ کرلیا' وہ آجائے تو ہم شادی کرلیں گے اور اس کے بعد تم جانتی ہو کیا ہوگا؟"

"ہاں ہم گھر لے کر کرائے پر ایک ساتھ رہیں گے اور جب حالات سازگار ہوئے تو سب کو منالیں

گئے۔"

"اور تم سمجھتی ہو کہ ایسا ہی ہوگا...؟"

"ہاں' مجھے پرویز پر پورا یقین ہے وہ مجھے دھوکا نہیں دے سکتا۔"

"اور تم... تم جو ماں باپ کو دھوکا دے کر آرہی ہو اس کا صلہ کیا ملے گا اس کے متعلق سوچا۔" اس نے تلخ لہجے میں پوچھا تھا۔ وہ لڑکی چپ رہ گئی۔

"کتنی احمق ہوتی ہیں نا ہم لڑکیاں ماں باپ کی برسوں کی ریاضت کو مٹی میں ملا کر ان کی زندگی بھر کی محبتوں کو رول کر ان دو جھوٹے بولوں پر مرمٹتی ہیں جو ذلت اور رسوائی کے علاوہ کچھ نہیں دیتے۔ میری بچی' میری بہن' جو سچی محبت کرتے ہیں نا' وہ ہمیں کبھی غلط راستے کی راہ نہیں دکھاتے۔ سب کی رضا' اور عزت کے ساتھ بیاہتے ہیں۔ دنیا سے ٹکر بھی لینی پڑے تو لیتے ہیں۔ مگر یوں گھر سے بھاگ جانے کی ترغیب نہیں دیتے۔ بزدل ہوتے ہیں وہ مرد' جو لڑکی کو پیار کا جھانسا دے کر گھروں سے بھگا لاتے ہیں اور چار دن ساتھ رکھنے کے بعد ہمیشہ کے لیے ذلت کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لیے اکیلا چھوڑ دیتے ہیں۔"

نم اور گلوگیر لہجے میں وہ اسے سمجھاتی' دور' بہت دور کہیں کھو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس نے داخلی دروازے سے اندر قدم رکھا' اور سینے سے لگائی کتابیں مزید خود سے بھینچ کر جیسے اپنے آپ میں سمٹ گئی کہ وہ ہمیشہ ہی کی طرح خالہ کے تخت پر براجمان دروازے کی طرف ٹکٹکی باندھے بیٹھا تھا۔

تھا تو وہ خالہ کا بھانجا مگر جانے کیوں کچھ دن سے باقاعدگی سے آرہا تھا۔ زرینہ باجی سے نسبت بھی طے تھی اس کی شاید اس وجہ سے مگر وہ زرینہ باجی کو کہاں دیکھتا تھا وہ تو چور نظروں سے اسے ہی دیکھا کرتا تھا۔

اور زرینہ باجی اس بات سے غافل نظریں جھکائے جانے کون کون سے خواب آنکھوں میں سجائے آپ ہی آپ مسکرائے جاتیں اور وہ ان کی غفلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے نظروں ہی نظروں میں جانے کون کون سے پیغام الفت کی طرف بھیجتا رہتا۔

پہلے پہل تو اسے بہت غصہ آیا۔ مگر اتنی خوبصورت زرینہ باجی کے ہوتے ہوئے بھی وہ اسے نظر التفات سے نواز رہا تھا۔

وہ جیسے ہواؤں میں اڑنے لگی تھی اور اڑتی بھی کیوں نہ' اتنا خوبصورت تو تھا وہ... شہزادوں کی آن بان والا امیر و کبیر گھرانے کا اکیلا سپوت' ڈیشنگ سا کوئی بھی لڑکی' بہت آسانی سے' ایک ہی نظر میں اس پر مر سکتی تھی اور یہ تو پھر الفت تھی عام سی شکل و صورت کی مالک' اس کی واحد اٹریکشن یہی تھی کہ وہ جوان ہو رہی تھی۔

الفت جتنی دیر یہاں بیٹھی رہتی' اس کا دل سینے میں اودھم مچائے رکھتا' ایک دوبار تو موقع پا کر اس نے الفت کا ہاتھ بھی پکڑنے کی کوشش کی' مگر وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔

زمانے کا ڈر تھا ورنہ دل تو چاہتا تھا' وہ اس کی بانہوں میں جھولتی رہتی' اور اتنا جھولتی کہ اس کے سحر زدہ وجود میں ہمیشہ کے لیے کھو جاتی۔

ایگزامز سر پر تھے جبھی وہ زرینہ کے پاس میتھس کی تیاری کے لیے آرہی تھی۔

زرینہ ان کے محلے کی وہ لڑکی تھی جو ایم اے کرنے کے بعد گھرداری کے ساتھ ساتھ اپنی شادی کی تیاریوں میں بھی مگن تھی اور ان کے گھر سے چھ سات گھر چھوڑ کر رہتی تھی۔

خوبصورت اتنی کہ ہاتھ لگائے میلی ہو جائے۔ باحیا اتنی کہ باقر کے روز روز آنے کے باوجود بھی شرم و حیا کا پردہ نہ گرا سکی۔ جبھی وہ چپکے سے آتا اور خالہ سے باتوں کے بہانے اس کا دیدار کر کے چلا جاتا۔ گہما گہمی سوسائٹی میں موو کرنے کے باوجود جانے کیوں وہ الفت جیسی عام سی لڑکی پر مر مٹا تھا۔

اب اس کی نظروں کا محور زرینہ نہیں الفت تھی۔

وہ الفت سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈتا رہتا جو کبھی خالہ نماز کے لیے اٹھ جاتیں اور زرینہ کچن میں

چائے بنانے کے لیے تو وہ موقع پا کر اس کے پاس چلا آتا۔ اور وہ آنکھوں میں ڈھیروں جگنوں لیے اس کی باتوں کے سحر میں دور' بہت دور نکل جاتی۔

☆ ☆ ☆

اس کے امتحان سر پر تھے اور وہ تھی کہ اس کا دھیان ہر وقت باقر کی طرف لگا رہتا۔ ہر وقت وہ باقر کے خیالوں میں کھوئی آپ ہی آپ مسکرائے جاتی کتابیں سامنے رکھے وہ اس کے تصور سے باتیں کرتی اور دیوانوں کی طرح اپنے ہاتھ پر ہاتھ پھیرے اس کے لمس کی حدت کو محسوس کرنے کی کوشش کرتی۔

چار بھائیوں کی نازوں پلی بہن' عاقبت نااندیشی کی اس راہ پر چل نکلی تھی جہاں ان کے لیے بدنامی منتظر کھڑی تھی اور وہ اپنی بہن کو ہر سہولت دینے کی چاہ میں اس کی ہر خواہش پوری کرنے کی دھن میں یہ بھول گئے کہ ان کی بہن ان کی چاہتوں کا ناجائز فائدہ بھی اٹھا سکتی ہے لیکن وہ اپنے تئیں غلط نہیں تھی اس نے باقر سے دوستی کرنے میں حد سے زیادہ پس و پیش سے کام لیا تو اس نے ڈھیروں تسلیاں دیں کہ اگر وہ محبت اس سے کرتا ہے تو شادی بھی اسی سے کرے گا' بقول اس کے' زرینہ سے منگنی تو اس کی زبردستی کی ہے' شادی تو اسے اپنی من چاہی لڑکی سے کرنی ہے اور اس کی من چاہی الفت تھی۔

پہلے پہل تو وہ اسے فون پر باتیں کرتا تھا مگر اب اس سے باہر اکیلے میں ملنے کی فرمائش بھی کرنے لگا تھا جو کہ اس کے لیے بہت مشکل تھا مگر باقر کی منتوں کے آگے وہ ہار گئی۔ گھر سے زرینہ کے ہاں جانے کے بہانے وہ باقر کی گاڑی میں بیٹھ کر اس کے ساتھ چلی آئی۔

وہ اسے شہر سے دور اپنے آبائی گاؤں میں خالی پڑی حویلی میں لے آیا جہاں چند نوکروں کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ جدید طرز کی سنگ مرمر سے بنی یہ حویلی الفت کی آنکھوں کو خیرہ کرنے کو کافی تھی۔ باقر اسے ساری حویلی کی سیر کروانے کے بعد اپنے بیڈ روم میں لے آیا جہاں اسے بیڈ پر بٹھا کر خود زمین پر اس کے گھٹنوں کے قریب دو زانو بیٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس نے الفت کے وہ سب خواب پورے کرنے کا وعدہ کیا جن کی خواہش کوئی بھی لڑکی کر سکتی تھی۔

اس نے ایمان اور اعتبار کی باتیں کیں اسے چھوئے بنا اس کا اعتماد یوں جیتا کہ وہ پھر سے اس سے ملنے کا وعدہ کر کے مقررہ ٹائم کے اندر واپس چلی آئی اور جب وہ واپس آئی تو اکیلی نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں میں دنیا کی ہر خوشی پالینے کی چمک زندگی بن کر دوڑ رہی تھی کائنات جیسے اس کی ہمقدم ہو کر جھومنے لگی تھی۔ وہ اپنی قسمت پر رشک کر رہی تھی اور قدرت اس پر ہنس رہی تھی جو نفس کی پکار پہ لبیک کہہ کر اپنے مستقبل کو داؤ پر لگا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

صبح اس کا فائنل ایئر کا فرسٹ پیپر تھا' اور باقر اس سے باہر ملنے پر بضد تھا وہ جیسے کسی مشکل میں پھنس گئی۔

اس سے ملنا مشکل تھا مگر وہ انکار بھی نہ کر سکی کہ وہ بہت پریشان تھا اور اس کی پریشانی کا سبب ان کی زندگیوں سے جڑا ہے یہ سن کر وہ خود بھی مضطرب ہو گئی۔

وہ پیپر دینے کے لیے رخصت ہوئی اور پیپر دینے کے بعد کالج سے باقر کے ہمراہ چلی آئی۔

باقر نے سارے راستے اس سے بات نہیں کی تھی البتہ تفکر کی لکیریں اس کے ماتھے پر جال بن کر پھیلی ہوئی تھیں۔ اس نے اسٹیئرنگ سنبھالے اس کے فولادی ہاتھ پر اپنا نازک ہاتھ رکھا تو وہ جیسے چونک گیا۔

"کیا بات ہے باقر تم اتنے خاموش کیوں ہو' ہوا کیا ہے آخر۔" اس نے پر تشویش انداز میں اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

تو گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔

اب وہ بہت غور سے چپ چاپ الفت کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"باقر میں کچھ پوچھ رہی ہوں... کہیں کسی کو خبر' بہت

سے اندیشے اس کے لہجے میں سمٹ آئے تو باقر نے تڑپ کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"آئی لو یو الفت۔۔۔ آئی لو یو میں تمہارے بنا ایک پل نہیں رہ سکتا۔ ایک لمحہ بھی نہیں آئی لو یو الفت۔"

"آئی لو یو ٹو باقر۔۔۔ میں بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی' بنا رہنے کا سوچ بھی نہیں سکتی پر تم اتنے پریشان کیوں ہو۔"

"تم۔۔۔ تم مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو الفت۔ کتنی محبت" اس نے اس کے سوال کو۔۔ نظر انداز کرتے ہوئے بے چین سے انداز میں پوچھا۔

"مر جانے کی حد تک باقر' میں تمہاری خاطر جان بھی دے سکتی ہوں۔"

"پگلی۔۔۔" باقر نے اسے سرزنش کرتی نظروں سے دیکھا۔

"کوئی محبوب اپنی محبوبہ سے اس کی زندگی بھی مانگتا ہے بھلا' اسے تو محبوب کی محبت چاہیے چاہتوں کے پانی سے نکھری مگر دُبلی ہوئی۔"

"تو کیا تمہیں میری چاہتوں کا اعتبار نہیں؟"

"نہیں یہ بات تو نہیں تمہاری چاہتوں پر اعتبار تو اپنی ذات سے بھی بڑھ کر ہے' مگر وہ کیا ہے کہ۔۔۔ وقت کا بھروسہ نہیں۔"

"پلیز باقر جو کہنا ہے صاف کہو۔ ایسے۔۔۔ تو میری جان نکل جائے گی۔" اس کے جیسے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑنے لگے۔

"اللہ نہ کرے۔" اس نے بے اختیار تڑپ کر اس کے پنکھڑیوں جیسے گلابی ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تو لمحے جیسے تھم گئے۔

بہت دیر کے بعد جیسے باقر کو اپنی بے اختیاری کا احساس ہوا' تو جھٹکے سے رخ موڑ کر نظریں ونڈ اسکرین پر جمادیں۔

"مما آج زرینہ کے ہاں تاریخ لینے جارہی ہیں۔" اس نے بہت دیر کے بعد جیسے الفت کے سر پر بم پھوڑا' وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

"مگر باقر۔۔۔ تم نے تو کہا تھا تم انکار کردو گے۔"

"کیا ہے' بہت سی منتیں کی ہیں مما کی بہت کہا ہے کہ مجھے زرینہ سے شادی نہیں کرنی' مگر وہ ہیں کہ ماننے کے لیے تیار ہی نہیں گھر تک چھوڑ دینے کی دھمکی دی مگر انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"تو۔۔۔؟"

"تو یہ کہ۔۔۔ میں گھر چھوڑ آیا ہوں۔"

اس نے مدھم مگر مضبوط لہجے میں انکشاف کیا تو الفت کا جیسے سارا خون کسی نے جھٹکے میں نچوڑ لیا۔

"اور اگر تم مجھ سے محبت کرتی ہو تو ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چلو گی ہم کورٹ میرج کریں گے' اور ایک ساتھ رہیں گے۔"

وہ جیسے پورا پروگرام ترتیب دے کر آیا تھا جبکہ اس کے برعکس الفت کے جسم میں کاٹو تو لہو نہیں والی کیفیت تھی۔

پیپر دینے کے لیے گھر سے نکلنے والی لڑکی کبھی گھر سے نکلتے ہوئے یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ گھر والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر محبوب سے ملنے والی لڑکی کو اس کا محبوب آج اسے اپنا سب کچھ چھوڑ دینے کا وعدہ لینے والا تھا۔

محبت کا اتنا بڑا تاوان۔ وہ جیسے پل صراط پر کھڑی تھی۔

وہ اپنا سب کچھ اس کے لیے چھوڑ آیا تھا اور اب اس سے قربانی کا طالب تھا۔ محبت اتنی سخت قربانی بھی مانگے گی وہ تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔

بہت سا وقت جیسے اسے پتھر کا بت بنے دیکھ کر بیت گیا جب باقر کی آواز ابھری۔

"مشکل ہے نا یہ سب۔۔۔ بہت مشکل' لیکن میں یہ مشکل آسان کر آیا ہوں صرف تمہارے لیے۔۔۔ تمہاری خاطر اور اب صرف اور صرف تم سے ہاں کا متمنی ہوں اور اگر تم انکار کرو گی تو۔۔۔ خاموشی سے بنا سوال کیے تمہیں واپس چھوڑ دوں گا۔ مگر اتنا یاد رکھنا پھر زندگی میں تم کبھی باقر کو نہیں دیکھو گی کبھی نہیں۔" باقر کا لہجہ مستحکم تھا۔ وہ باقر کو ملتجی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔

"پلیز باقر مجھے سوچنے کے لیے ٹائم تو دو ہو سکتا ہے کوئی بہتر راہ۔۔۔"

"بہتر راہ کی چاہ میں ہم ایک دوسرے کو کھودیں پھر مجھ سے شکوہ نہ کرنا۔"

کہہ تو وہ ٹھیک رہا تھا مگر جو باقر چاہتا تھا' وہ بھی بہت مشکل تھا۔ آگے دیکھتی تو کھائی تھی۔۔۔ اور پیچھے دیکھتی تو باقر کو ہمیشہ کے لیے کھودیتی۔

اس نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

اور جب بہت دیر کے بعد سر اٹھایا تو وہ فیصلہ کرچکی تھی۔

"کہاں جانا ہے؟" لفظ ٹوٹ کر اس کے لبوں سے آزاد ہوئے تو باقر کے اندر جیسے زندگی کی لہر دوڑ گئی' اس نے بے اختیار اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"میں جانتا تھا تم مجھے مایوس نہیں کرو گی' میں بہت جلد یہ ثابت کردوں گا الفت کہ تمہارا یہ فیصلہ غلط نہیں تھا پھر ہم ایک ساتھ واپس جائیں گے۔ تمہارے گھر اور میں' میں ان کو منالوں گا' صرف تمہارے لیے۔"

اس کی آنکھوں میں جگنو تھے اور وعدے کی تکمیل کی یقین دہانی۔۔۔ اس نے تھک کر سر سیٹ کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

"ابھی ہم میرے ایک دوست کے فلیٹ پر جائیں گے جہاں ہم کچھ دوستوں کی گواہی میں شادی کریں گے اور ادھر ہی رہیں گے اور جب یہاں حالات بہتر ہوجائیں گے ہم لوٹ آئیں گے لیکن اس میں کتنا وقت' کتنا عرصہ لگتا ہے' یہ میں کہہ نہیں سکتا البتہ اتنا ضرور چاہوں گا کہ۔۔۔ میری سنگت میں سب بھول جاؤ ہم نئی زندگی کا آغاز کرنے جارہے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ تمہارے چہرے پر مسکراہٹ ہو۔" اس نے اپنی خواہش ظاہر کی تھی یا تنبیہہ یہ الفت سمجھ نہ پائی تھی مگر وہ فی الوقت مسکرا نہ سکی تھی۔

☼ ☼ ☼
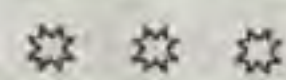
دو کمروں کا یہ فلیٹ کافی اچھا اور بہتر حالت میں تھا۔ استعمال کی ہر چیز گویا موجود تھی۔ باقر اسے بیڈ روم میں لے آیا اور اسے آرام کرنے کا کہہ کر خود فون پر کسی سے بات کرنے لگا اور وہ تھی کہ دھڑکتے دل کے ساتھ بیڈ کے کنارے ساکت بیٹھی تھی۔

اس کی خالی نظروں کے سامنے اچانک ہی کچھ منظر تھرکنے لگے تھے اور وہ منظر' وہ منظر اس کے گھر کے تھے جسے وہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ آئی تھی اور جہاں اس کی معصوم ماں دروازے پر نگاہیں جمائے اس کی منتظر ہوگی۔ اور۔۔۔ اور جب وہ نہیں لوٹے گی۔۔۔ کیا طوفان اٹھے گا وہ سوچ کر ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تو وہ بے چین سی اٹھ گئی۔

"کیا ہوا الفی۔۔۔" باقر فون بند کرتا اس کے پاس چلا آیا۔

"باقر یہ سب۔۔۔ تمہیں نہیں لگتا کہ کچھ غلط ہو رہا ہے۔"

"پلیز الفی سنبھالو خود کو چھوڑ دو سب اندیشے میں ہوں نا۔" اس نے اس کے ہاتھ پکڑ کے اسے ساتھ لگا لیا تو وہ جیسے اس کے وجود کی مسحور کن خوشبو میں کھو کر دھیرے دھیرے پرسکون ہونے لگی۔

تبھی ڈور بیل بجی' تو وہ جھینپ کر اس سے علیحدہ ہوئی۔

"میرا خیال ہے میرے دوست آگئے قاضی کو لے کر۔۔۔ تم بیٹھو میں ابھی آیا۔" وہ اسے بیٹھنے کا کہہ کر خود باہر چلا گیا۔ بہت دیر کے بعد اس کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اس نے سر اٹھا کر دیکھا' وہ جو کوئی بھی تھی بہت خوبصورت تھی اور مسکراتے ہوئے اندر چلی آئی۔ اس کے ہاتھ میں شاپنگ بیگ تھا جو اس نے الفت کے آگے رکھ دیا۔ سرخ رنگ کا ایمبرائڈری کا ہلکا سا سوٹ اور کچھ جیولری اس نے فٹ سے اسے دلہن بنادیا۔ وہ باقر کے دوست کی بیوی تھی اور گواہوں کے ساتھ آئی تھی۔

وہ دلہن بھی بن گئی اور نکاح اور مبارک سلامت کا شور بھی مچ گیا مگر وہ دم سادھے ساکت وجود کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو دیکھتی رہی' اور پھر آہستہ آہستہ یہ شور

معدوم ہوتے ہوئے بالکل ختم ہو گیا جب باقر اندر آیا تھا۔

اس نے دروازے کو لاک کیا اور اس کے پاس چلا آیا اس کی آنکھوں میں پالینے کا نشہ سر چڑھ کر بول رہا تھا الفت بے اختیار سمٹ گئی۔

مگر استحقاق جمانے کا حق اب اس کے پاس محفوظ تھا وہ کہاں تک بچ سکتی تھی رات دھیرے دھیرے بھیگنے لگی۔

☼ ☼ ☼

باقر نہا کر فریش ہو چکا تھا ان دونوں نے مل کر چائے پی اور چائے کے ختم ہوتے ہی اٹھ کھڑا ہوا، الفت نے اسے حیران نظروں سے دیکھا۔

"کہاں جا رہے ہو..."

"اب تمہیں پالیا ہے الفت باقی خوشیاں دینے کے لیے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا تو نہیں جاسکتا، مجھے کام ڈھونڈنے کے لیے باہر جانا ہوگا۔"

"باقر تم... تم کام کرو گے؟" جس سوسائٹی سے اس کا تعلق تھا وہاں تو شاید اس نے کبھی ہل کر پانی بھی نہ پیا ہوگا اور کہاں اس کی خاطر کمانا۔ وفور جذبات سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں تو باقر نے اسے کندھوں سے تھام لیا۔

"تمہاری خاطر تو باقر کچھ بھی کر سکتا ہے میری جان کچھ بھی اب میں چلوں گا، دروازہ اندر سے لاک رکھنا، اور جب تک میں نہ آجاؤں کھولنا مت۔"

"مگر باقر میں اکیلی سارا دن۔"

"ٹی وی ہے نا اور ٹیبل پر میگزین بھی دھرے ہیں تم باآسانی اپنا ٹائم پاس کر سکتی ہو۔ اوکے سی یو اگین۔"

"اوکے، بیسٹ وشز" اس نے اسے رخصت کرتے ہوئے دروازہ لاک کر دیا۔

باقر کی ذمہ دارانہ طبیعت کو دیکھ کر وہ کچھ پر سکون ہوئی۔ رات تک جو بے چینی، بے کلی اندر تھی رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگی اسے لگنے لگا تھا کہ باقر کی خاطر سب کچھ چھوڑ دینے کا فیصلہ غلط نہیں تھا۔

اور غلط تھا بھی تو... جس کو اس قدر چاہنے والا ہمسفر مل جائے اسے اور کیا چاہیے۔

وقت گزرنے لگا تھا وہ اس کی سنگت میں مطمئن تھی، باقر کو رات کی جاب ملی تھی کسی فیکٹری میں... سو وہ نائٹ ڈیوٹی کے لیے رات کو باہر رہتا اور دن میں سارا وقت اس کی قربت کے نشے میں ڈوبا رہتا۔

اس کی شادی کو تقریباً" ایک ماہ ہونے کو آیا تھا اور وہ ایک مرتبہ بھی گھر سے باہر نہ نکلی تھی اور نہ ہی اس نے اس چیز کی خواہش باقر سے ظاہر کی تھی مگر آج وہ فیکٹری سے آیا تو بہت عجلت میں تھا۔

"الفی... او الفی میری جان..." اس نے دروازے سے ہی ہانکیں لگانا شروع کر دیں۔

"کیا کر رہی ہو یار۔"

"کچھ نہیں آپ کا انتظار۔"

"اچھا تو چلو... جلدی سے تیار ہو جاؤ ہم ایک دوست کی طرف لنچ پر انوائٹڈ ہیں بس تم کوئی بہت اچھا سا ڈریس پہن کر تیار ہو جاؤ تمہارے پاس صرف دس منٹ ہیں۔"

"مگر باقر اتنی جلدی۔"

"اگر مگر کچھ نہیں جسٹ ٹین منٹس، اوکے۔" وہ انگشت شہادت اٹھائے اسے تنبیہ کرتا واش روم میں گھس گیا تو وہ کندھے اچکاتی ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔

اس نے باقر کی سب سے پسندیدہ ساڑھی زیب تن کرتے ہوئے اپنے لمبے مگر سلکی بالوں کو کھلا چھوڑ دیا۔ ہلکے سے میک اپ کے ساتھ سلور کلر کے آویزے اور پاؤں میں نازک سی ہیل وہ تو خود اپنے آپ کو دیکھ کر دنگ تھی۔ دل لگا کر تیار ہوئی تو ٹوٹ کر روپ آیا مگر اپنی عجلت میں باقر نے اس پر دھیان ہی نہیں دیا۔ اسے ساتھ آنے کا کہہ کر باہر نکل گیا تو وہ بھی واپسی پر اس کی خبر لینے کا ارادہ لیے اس کی تقلید میں آگے بڑھ گئی۔

باقر نے جس عالیشان کوٹھی کے سامنے گاڑی روکی تھی۔ یہ کسی نئی اسکیم کا حصہ تھی جب ہی بہت ویرانے میں تھی۔ دور دور اکا دکا کوٹھیاں اور بھی تھیں

مگر وہ اتنی خوبصورت نہ تھیں سنگ مرمر سے ڈھکی آنکھوں کو خیرہ کرتی یہ کوٹھی، بہت کروفر سے سر اٹھائے کھڑی تھی۔

کبھی اتنے بڑے گھر جانے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ جبھی کنفیوژن میں اس نے باقر کا ہاتھ تھام لیا تو وہ جیسے چڑ گیا۔

"کیا مسئلہ ہے یار... ہم کسی بھوت بنگلے میں تو نہیں جا رہے گھر میں جا رہے ہیں اور یہاں انسان بستے ہیں۔ پلیز اب یہ اپنی رونی سی صورت کو درست کرو تمہیں میری سنگت میں پر اعتماد نظر آنا چاہیے ورنہ وہ کیا سوچے گا۔"

"اس نے ڈپٹتے ہوئے ہدایت کی تو وہ بس شکوہ کناں نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔

باقر کچھ زیادہ ہی کانشس ہو رہا تھا اس دوست کے معاملے میں۔ دبیز قالین میں دھنستے پاؤں اور اعلا پینٹنگز سے بھرا لاؤنج مکین کے... ذوق کا منہ بولتا ثبوت تھا وہ دل ہی دل میں اس شخص سے مرعوب ہو گئی جسے ابھی چند سیکنڈ میں جلوہ افروز ہونا تھا۔

وہ خاموشی سے باقر کے ساتھ صوفے میں دھنس گئی۔

انتظار تمام ہوا اور بلیک ٹوپیس میں سگار پیتا چالیس پینتالیس کے لگ بھگ یہ شخص باقر کا بہت اچھا دوست تھا اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ اس نے حیرت سے باقر کو دیکھا جو اس کی کیفیات کو یکسر نظر انداز کیے اپنے دوست سے باتوں میں مگن تھا۔ انہوں نے کافی پر تکلف ماحول میں کھانا کھایا تھا باہر سے منگوایا جانے والا یہ کھانا اس قدر مزے دار تھا کہ یہ طے تھا اس نے زندگی میں اتنے مزے کا کھانا ہرگز نہ کھایا تھا۔

چائے پینے کے بعد باقر اسے پورا گھر دکھانے لگا ہر چیز دیدہ زیب تھی۔

خصوصاً" باقر کے دوست کا بیڈ روم جہاں آکر وہ مبہوت تھی۔ بھاری قسم کے... پردے اور جہازی سائز مگر منقش سا بیڈ اے سی کی ٹھنڈک میں وہ گویا مدہوش ہونے لگی۔ وہ بیڈ کے کنارے پر بیٹھ کر

کسی بچے کی طرح خوش ہو رہی تھی اور باقر ہنس رہا تھا اور پھر... اور پھر اسے پتا ہی نہیں چلا کب اس پر غنودگی چھانے لگی۔

☼ ☼ ☼

اس کی آنکھ کھلی تو نیم اندھیرے کمرے میں وہ بیڈ پر چت لیٹی تھی۔ اس کی آنکھیں اس نامانوس سے ماحول سے ہم آہنگ ہوئیں تو وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

پنک کلر کا بلینکٹ اس کے شانوں تک تھا جسے اس نے کھینچ کر دور پھینکا اور بھاگتی ہوئی دروازے تک آئی اور ہراساں سی کیفیت میں دروازے کو پیٹ ڈالا۔

"دروازہ کھولو باقر۔ باقر... باقر تم کدھر ہو، باقر دروازہ کھولو۔" وہ ہذیانی سے انداز میں چلاتی کبھی دروازے کو دیکھتی اور کبھی مڑ کر نیم اندھیرے کو جس کی تاریکی لحظہ بہ لحظہ بڑھنے لگی تھی۔

تبھی کلک کی آواز کے ساتھ پورا کمرہ روشنی میں نہا گیا تب... تب اس کی سماعتوں میں خطرے کی گھنٹیاں بجتی چلی گئیں۔ کسی انہونی کا احساس اسے شکنجے میں جکڑے بے جان کر گیا تو وہ سہم کر دروازے سے چپک گئی۔

"باقر... باقر کدھر ہے؟" اس نے کپکپاتی آواز میں پوچھا تو وہ اس کے سامنے کھڑا دیو ہیکل سا باقر کا دوست کسی دیوانے کی طرح ہنستا چلا گیا اور جب رکا تو چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے انتہائی قریب آکر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"کون باقر..."

"میں... میرا شوہر... اور بد قسمتی سے تمہارا دوست بولو... کون سا کھیل کھیلا ہے تم نے اس کے ساتھ..." اس نے حقارت زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ جیسے حیرت سے سیدھا ہوا۔

"شوہر... کھیل... دوست..." وہ زیر لب بڑبڑایا اور پھر جیسے ہنستا چلا گیا تو خوفزدہ سی الفت اپنے آپ میں

سمٹ گئی۔

"کھیل تو موصوفہ تمہارے اس نام نہاد شوہر نے تمہارے ساتھ کھیلا ہے جو جھوٹا نکاح رچائے تم سے دل بہلانے کے بعد ہمارے پاس چھوڑ گیا ہم تو بس خریدار ہیں... خریدار۔" لفظ تھے کہ پتھر... اسے لگا تھا قیامت اسی کو کہتے ہیں، ساتوں آسمان جیسے ایک ساتھ اس پر گرے تھے۔

منجمد اعصاب اور پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ وہ اس کو دیکھتی چلی گئی اور پھر جیسے کسی چیل کی طرح اس پر جھپٹی تھی اور دیوانہ وار اس پر تھپڑوں کی بارش کرتی جیسے ہلکان ہو گئی۔

"جھوٹ بول رہے ہو تم... باقر ایسا نہیں ہے باقر ایسا نہیں کر سکتا۔" وہ ہذیانی انداز میں چلا رہی تھی اور آنسو تواتر سے اس کے گالوں کو بھگو رہے تھے۔ جب اس نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے فولادی ہاتھوں میں لے کر جھٹکے تو ایک ہی جھٹکے میں دیوار سے جا لگی۔

"باقر ایسا ہی ہے کتے کی طرح سو تھالیوں میں منہ مار کر ڈکار لینے والا اور باقر ہی نہیں... باقر جیسا نفس کا مارا ہر شخص ایسا ہی ہے جو خود بخود جھولی میں آگرنے والے پھل سے ایسا ہی سلوک کرتا ہے جیسا کہ اس نے تم سے کیا تم نے اپنے نفس کی خاطر اپنوں کو دھوکہ دیا اور اس نے اپنے نفس کی تسکین کے لیے تمہیں کھلونا بنایا فرق کچھ خاص نہیں پھر پھڑکنا کیسا جو بویا ہے وہ کاٹنا تو پڑے گا۔"

اس کے لہجے میں حقارت اور نفرت تھی۔ کف اڑاتے ہوئے اس نے اس کے ریشمی بال بے دردی سے کھینچ ڈالے تھے وہ کراہ کر رہ گئی۔

"یہاں سب نفس کے مارے ہیں میں بھی... تم بھی۔ اس لیے آج کے بعد تم صرف میرے اشاروں پر ناچو گی، صرف میرے لیے، بہت بھاری رقم ادا کی ہے تیرے اس لاڈلے باقر کو۔ اسے پورا بھی تو کرنا ہے اس لیے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تو عزت سے تو گئی ہی ہو جان سے بھی جاؤ گی سمجھیں تم۔" اس نے اس کے بالوں کو جھٹکا دے کر چھوڑ دیا تو اس کی خوفزدہ آنکھیں درد کی شدت سے بھیگ کر سرخ ہو گئیں۔

اس نے ساکت وجود کے ساتھ اس شخص کو دور جاتے دیکھا۔

اس عالیشان کوٹھی کی سیکورٹی اور کتے تو وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی۔ وہ بے جان اعصاب کے ساتھ دیوار کے ساتھ بیٹھتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

اس نے اپنی ہنستی زندگی کو خود اپنے ہاتھوں سے آگ لگائی تھی اپنی شرافت بھری زیست پر ذلت کا کیچڑ خود اپنے ہاتھوں سے اچھالا تھا۔

اس نے فخر سے تنی ان گردنوں کو ہمیشہ کے لیے جھکا دیا تھا جو اپنی شرافت پر ناز کرتی تھیں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی منزل کی راہوں سے پھول چنتی اور خوشیاں جیتی ایسا تو کبھی نہ ہوا تھا کہ غلط راستے پر چل کر کوئی صحیح منزل پر پہنچا ہو۔ غلط کام کا انجام بھی عبرت ناک ہوتا ہے اور وہ عبرت کے اس مقام پر آن کھڑی ہوئی تھی جہاں وہ خود کو معافی کے قابل نہیں سمجھتی تھی، وہ خود بھی اپنے آپ پر اپنے وجود پر ترس نہیں کھانا چاہتی تھی۔

جبھی اس شخص کے اشاروں پر ناچنے لگی جو دن میں خود اسے نچاتا اور رات کو اسے نچانے والے بہت سے اس کے ساتھ ہوتے۔

جن کی راتیں رنگین کرتے ہوئے وہ خود کو بھول گئی تھی نیند نہ اسے آتی تھی نہ وہ شخص اسے آنے دیتا تھا۔

ہر وقت سج سنور کر شیشے کے سامنے بیٹھی خلاؤں کو گھورتی رہتی۔ جب اس کا آرڈر آتا وہ شیشے کے سامنے اٹھ کر اس کے سامنے مودب سی جا کھڑی ہوتی۔

جو وہ کہتا وہ ویسے ہی کرتی۔ وہ اس سے بہت خوش تھا۔ اس عالیشان بنگلے کی تجوریاں بھرنے کے بعد اگلنے جو لگی تھیں۔

مگر وہ لمحہ بہ لمحہ اندر سے کھوکھلی ہو رہی تھی۔ وجود تھا کہ پھوڑے کی مانند دکھتا تھا۔

وہ خود سے انتقام کی چاہ میں منجمد احساسات کے ساتھ اس دہلیز پر آنے والے ہر نئے خریدار کے قدموں میں خود کو رولتی رہتی کہ یہی اس کی اوقات تھی اور یہی اس کا مقام۔

رات سے اس کی طبیعت کچھ خراب سی تھی اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ لاکھ خود کو سنبھالنا چاہا مگر مسلسل گرتی صحت نے ساتھ نہ دیا تو اس کل وقتی ملازمہ سے اپنی طبیعت کی ناسازی کا کہلا بھیجا۔ وہ تو گویا انگاروں پر چلتا اس کے سر پر آن کھڑا ہوا۔

"کیا تماشا ہے یہ پیغام بھیجا تھا منع کیوں کر دیا؟" وہ آنکھیں نکالے برہمی سے پوچھ رہا تھا مگر وہ آنکھیں موندے لیٹی رہی۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں" اس نے اسے بازو سے پکڑ کر دبوچا تو اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں اور پھر جھٹکے سے اٹھتے ہوئے واش روم کی طرف دوڑ لگائی تھی۔

اس نے معاملے کو بھانپ کر اپنی ہی ہتھیلی پر مکا رسید کیا۔

"شٹ یار تو یہ مسئلہ ہے۔" وہ زیر لب بڑبڑاتا باہر نکل گیا۔ وہ باہر آئی تو ملازمہ کو منتظر پایا۔

"بی بی جی صاحب آپ کو بلا رہے ہیں کہہ رہے ہیں چادر اوڑھ کر آئیں ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔"

وہ مودب انداز میں کہہ کر باہر نکل گئی۔ جبکہ وہ حیرت زدہ سی اسے باہر جاتا دیکھتی رہی۔

ڈاکٹر تو ہمیشہ اس گھر میں خود چل کر آتا تھا پھر آج یہ انقلاب کیسا۔

وہ چادر اوڑھ کر باہر چلی آئی۔ آج جانے کتنے دنوں کے بعد وہ اس چار دیواری سے باہر نکل کر کھلے آسمان تلے آئی تھی۔ مگر اسے کسی چیز... کسی بات سے کوئی غرض نہ تھی وہ کسی روبوٹ کی طرح گاڑی کے کھلے دروازے میں سما گئی۔

وہ گاڑی خود ڈرائیو کر رہا تھا کوئی ڈرائیور کوئی گارڈ اس کے ساتھ نہ تھا شاید اسے بھی یقین ہو گیا تھا کہ اب وہ کہیں جانے والی نہیں۔ تبھی تمام احتیاطی تدابیر سے مبرا وہ اکیلا اس کے ساتھ جا رہا تھا۔

وہ اسے ایک عام سے علاقے کے کسی میٹرنٹی ہوم میں لے آیا وہ بینچ پر جا کر چپ چاپ بیٹھ گئی۔

جبکہ وہ ریسپشن پر بیٹھی نرس سے بات کرنے لگا بہت دیر بعد اس کا نام پکارا گیا، وہ بے دلی سے ڈاکٹر کے روم میں چلی گئی۔

اندر کمرے میں اک عمر رسیدہ خاتون چیئر سنبھالے شاید ڈاکٹر کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ اس نے چشمے کے اوپر سے اسے سر تا پا گھورا اور اسے بیڈ پہ لیٹنے کا اشارہ کیا وہ خاموشی سے لیٹ گئی۔

"پہلا بچہ ہے یا دوسرا؟" ڈاکٹر کا سرسری سا انداز... وہ اس کی بات نہ سمجھی۔

"بی بی پہلا بچہ ہے یا دوسرا؟" اب کی مرتبہ اس نے الٹرا ساؤنڈ مشین کو سیٹ کرتے ہوئے دبے دبے غصے سے پوچھا اور وہ تھی کہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

تب ڈاکٹر نے اسے جھنجھوڑا۔

"اتنا ٹائم نہیں ہے بی بی ہمارے پاس جو پوچھا ہے جواب دو ورنہ باہر جاؤ۔"

"ابارشن کیوں کروانا چاہتی ہو؟" اس کا روکھا پھیکا سا لہجہ ہنوز تھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اور یہ اتنے عرصے میں پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ اس کی ویران اور خشک آنکھوں نے پانیوں کا راستہ دیکھا ہو۔

ڈاکٹر کچھ ٹھٹک گئی اسے یہ کیس کچھ پراسرار اور پیچیدہ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے پیشہ وارانہ کرختگی کو ایک سائیڈ پر رکھتے ہوئے اپنے اندر کے اخلاق کو باہر نکالا اور اسے پینے کے لیے پانی دیا۔

وہ چپ ہوئی اور کچھ پرسکون بھی تو اس نے اس کی کمر سہلاتے ہوئے ابارشن کا سبب جاننا چاہا مگر اس کے ہونٹوں پر چپ کے قفل تھے تب ڈاکٹر نے ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے اس کے شانے کو تھاما۔

"دیکھو بیٹی تمہارے ساتھ جو بھی مسئلہ ہے اسے میرے ساتھ شیئر کرو ہو سکتا ہے میں تمہاری کچھ مدد

کرسکوں اور اگر تم ابارشن نہیں کروانا چاہتیں تو بھی میں تمہارے شوہر کو اس سلسلے میں۔۔۔"

"نہیں ہے وہ میرا شوہر' لٹیرا ہے وہ میری عزت کا لٹیرا۔۔۔" وہ اچانک ہی اس کی بات کاٹ کر چلائی تھی اور پھر سے زور شور سے رونا شروع کردیا۔

اور پھر جانے کیوں۔۔۔ وہ اپنی آپ بیتی سناتی چلی گئی اس کا جگہ جگہ سے داغ دار جسم اس کی عزت کی رسوائی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

بہت سے الجھے کیس اس نے ہینڈل کیے تھے۔ مگر اس طرح کا کیس زندگی میں پہلی مرتبہ اس کے پاس آیا تھا۔

اک نوخیز کلی کی طرح وہ کھلنے سے پہلے ہی توڑ کر روندی گئی تھی جس کے اندر زندگی دم توڑ چکی تھی۔

اسے یہاں لانے والا اس کا شوہر نہیں یہ جان کر لیڈی ڈاکٹر کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اس نے اپنے سامنے بیٹھی اس نوخیز کلی کو دیکھا جس کی جوانی کو عروج پر پہنچنے سے پہلے ہی پستیوں میں دھکیل دیا تھا اور اس پستی کا انتخاب کرنے میں اس کا اپنا ہی بہت بڑا ہاتھ تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اس لڑکی کو ماں باپ کو دھوکا دینے کے بارے میں ایک لمبا چوڑا لیکچر دیتی۔ مگر اب وقت نہیں تھا۔ وہ درندہ صفت شخص چند گھنٹوں میں دوبارہ آکر اسے لے جاتا اور وہ دوبارا سے اسی ذلت بھری زندگی کو سہنے پر مجبور ہوجاتی۔ اس نے آنکھیں بند کیے اللہ سے مدد کی اپیل کی اور اٹھ کر فون ملانے لگی۔

ابارشن کا ٹائم نہیں تھا اس نے چند ادویات ایک شاپر میں ڈال کر اس کے حوالے کیں اور باہر کھڑی نرس کو کچھ سمجھاتے ہوئے الماری میں پڑا برقعہ نکال کر اس کے حوالے کیا۔

"میری بچی تمہیں گناہوں کی دنیا سے بچانے کی ایک کوشش کررہی ہوں اللہ کی مدد رہی تو تم یہاں سے بچ نکلو گی اور اگر بچ گئیں تو پھر کبھی مڑ کر اس شہر کو یاد بھی مت کرنا۔ خالہ بیگم تمہیں کراچی کے کسی فلاحی ادارے میں پہنچادیں گی' جہاں تمہارا مستقل رہنے کا ٹھکانہ ہوجائے گا۔ اب پلیز احتیاط سے یہاں سے نکلو خالہ بیگم اسٹیشن پر تم لوگوں کا انتظار کررہی ہیں۔"

اس نے اسے دعاؤں کے ساتھ رخصت کرتے ہوئے اللہ کے حوالے کردیا اور خود کو آئندہ آنے والی چویشن سے نبٹنے کے لیے تیار کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"میرے ماں باپ نے اپنی زندگی میں یقیناً" کوئی ایسی نیکی ضرور کی تھی جو اس روز میرے کام آئی ورنہ کون کسی کے اچھے کے بارے میں یوں پریشان ہوتا ہے۔ میرے کیے گئے گناہوں کا صلہ مجھے مل گیا اور میرے والدین کی کسی نیکی کے عوض میری سزا کو طویل ہونے سے بچالیا گیا۔ وہ ہی والدین۔۔۔ جنہیں میں بہت دور اپنی عاقبت نا اندیشی کی بنا پر ہمیشہ کے لیے چھوڑ آئی تھی۔ یقیناً "میرے آنے کے بعد بھی ان کی دعائیں میرے ہم قدم رہی تھیں جو میں گمنام ہی سہی مگر عزت کی زندگی بسر کررہی ہوں پچھتاتی ہوں اس وقت کو یاد کرکے جب میں نے آنکھیں بند کرکے اس شخص کی باتوں کا یقین کرلیا جس نے میری ذات کو تار تار کرنے کے علاوہ کچھ نہیں جانا۔

روتی ہوں کہ کاش وہ لمحے میری زندگی میں نہ آئے ہوتے جب میں با قرجیسے کتے کے جال میں پھنس گئی مگر یہ "کاش" کا لفظ ہر وقت میرے اندر بے دردی سے سر پٹختا رہتا ہے اور میں سسکتی رہتی ہوں۔ ندامت کے آنسو ہتھیلیوں پر گرتے ہوئے آج بھی ان لکیروں کو نہیں مٹا سکے جن میں میری بدقسمتی روشن ہوکر چمکتی رہتی ہے۔

جن میں نہ کوئی آس ہے نہ کوئی امید' اپنوں کو یاد تو کرسکتی ہوں مگر ملنے کا تصور بھی نہیں کہ بہر کیف ماں کی آغوش اور باپ کی شفقت کا گلا میں نے خود اپنے ہاتھوں سے گھونٹ ڈالا سوچتی ہوں اگر ایک مرتبہ۔۔۔ ایک مرتبہ سوچ لیتی کہ جو شخص چور راستے سے مجھے اپنانے کی کوشش کررہا ہے کہیں وہ خود تو چور نہیں تو۔۔۔ شاید میں آج یوں خالی ہاتھ نہ ہوتی لیکن تقدیر کی بدنصیبی۔۔۔ محبت کی پٹی نے آنکھوں کو ایسا اندھا کیا کہ پھر اس کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیا اور جب دکھا تو۔۔۔! کچھ بھی نہ بچا تھا۔۔۔ نہ ماں باپ۔۔۔ نہ بہن بھائی۔۔۔ اور نہ عزت۔ شادی کے نام پر دھوکا دے کر اپنے دن رات رنگین کرنے والا شخص میرے منہ پر ایسا طمانچہ مار کر گیا تھا کہ اس کا نشان واضح ہو کر ساری زندگی میرے کردار پر چمکتا رہے گا اور جسے چاہوں بھی تو کبھی نہ مٹا پاؤں گی۔ البتہ یہ ضرور سوچتی ہوں کہ اپنے گناہوں کا کفارہ کیسے ادا کرپاؤں گی کیسے۔۔۔؟"

وہ اس لڑکی کے موم کی طرح نازک ہاتھ تھامے پھوٹ پھوٹ کر رودی۔ مگر وہ لڑکی۔۔۔ وہ کسی بت کی طرح ساکت تھی۔

اور اس کے دل کی تیز ہوتی دھڑکن۔۔۔ دھک' دھک' دھک ابھی وقت نے آنکھیں نہیں موندی تھیں۔۔۔ ابھی سورج بھی غروب نہیں ہوا تھا۔ ابھی اس کی عزت کو اژدھے کی طرح نگلنے والا ابھی نہیں پہنچا تھا تو کیا۔۔۔ اسے لوٹ جانے کا حکم ہورہا تھا۔ اس نے خوف زدہ نظروں' اور خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اپنے اطراف چور نظروں سے دیکھا۔۔۔ اور پھر اپنے سامنے بیٹھی عورت کو جو عبرت' کی طرح اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے تھک کر اس کی گود میں چہرہ چھپالیا۔

"مجھے گھر جانا ہے آنٹی۔۔۔ مجھے گھر لے چلو۔۔۔" وہ شاید سسک رہی تھی۔ خوف سے۔۔۔ پچھتاوے سے۔۔۔

"کیوں نہیں میری جان' اچھے وقت پر کیا جانے والا فیصلہ اگر فہم فراست اور تجربہ کی روشنی میں کیا جائے تو آپ کبھی بھی خالی ہاتھ نہیں رہتے۔

کہ اپنوں کا ساتھ اللہ کے ساتھ کے بعد سب سے بڑی رحمت ہے۔

اور جو مجھ جیسے ہوتے ہیں نافرمان انہیں تو بس کفارہ ادا کرنے کا موقع دیا جاتا ہے اور شاید خوش قسمتی کا کچھ حصہ اللہ نے میرے لیے بھی بچا کر رکھا ہو جو اگر۔۔۔! جو اگر میں آج تمہیں بخیر و عافیت تمہارے گھر پہنچانے میں کامیاب ہوجاؤں۔ تو۔۔۔ میں سمجھوں گی آج میں نے کسی کو الفت بنانے سے بچالیا۔" اس نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہتے ہوئے اس کی کلائی تھامی اور بھیڑ میں راستہ بناتی چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

کمرے میں جان لیوا سناٹا تھا۔ گھر سے بھاگ جانے والی کم عمر لڑکی ندامت سے سر جھکائے اپنے لب کاٹ رہی تھی۔

اور اس کے ماں باپ۔۔۔ اس کے ماں باپ کپکپاتے ہونٹوں کے ساتھ اور تشکر سے لبریز آنکھوں سے الفت کو دیکھ رہے تھے۔

سارے لفظ جیسے کہیں کھو گئے تھے انہیں لگ رہا تھا کہ وہ آج کے بعد کبھی دوبارہ نہ بول سکیں گے۔

تبھی دونوں نے تھک کر سر جھکالیا کہ وہ چاہتے بھی تو ان کے سامنے کھڑی فرشتہ عورت کا کبھی شکریہ ادا نہ کرسکتے تھے کہ عزتوں کی لاج رکھنے والوں کے احسان ساری زندگی پر بھاری ہوتے ہیں اور اس عورت نے انہیں ذلت کی پستیوں میں گرنے سے بچا کر ہمیشہ کے لیے اپنا مقروض کرلیا تھا اور الفت جس نے اپنا نام بدل کر اب نصیبن رکھ لیا تھا ان بزرگوں کے ہاتھ تھامے ان بوڑھی آنکھوں میں جھلکتے اپنے بوڑھے ماں باپ کے عکس دیکھ رہی تھی جنہوں نے برسوں پہلے الفت کے گھر سے چلے جانے کے بعد ایسے ہی کسی معجزے ایسے ہی کسی فرشتے کا کیسی امید بھری آس بھری نظروں سے انتظار کیا ہوگا۔

اور پھر جھرجھری لے کر۔۔۔ اس نے نظروں کا رخ موڑ لیا اور اس خوش قسمت لڑکی کی طرف دیکھا۔ جسے اللہ نے داغ دار ہونے۔۔۔ اور ساری زندگی کے پچھتاووں سے بچا کر ایک مرتبہ پھر محبتوں کے در پر لاکھڑا کرکے اچھی اور صاف زندگی جینے کا موقع عطا کردیا تھا۔

☆

فوزیہ یاسمین

دستِ کوزہ گر

زوبیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔۔۔ مگر زوبیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کالج میں ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔۔۔ رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔۔۔ اور روح کو بلانے کی کوشش کرتی ہے۔

رگو میلہ، سنبل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔۔۔ اور ایسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پیلس میں لنچ کی دعوت دیتی ہے۔۔۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم ذکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کرلیتا ہے۔ اور انہیں پیلس میں لنچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زوبیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔۔۔ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔۔۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے۔۔۔ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کردیتا ہے۔۔۔ اب آگے پڑھیں۔

پینتیسویں قسط

"ج۔۔۔جی" عائشہ اختر کی سمجھ میں نہ آیا اس عجیب و غریب سوال کا کیا جواب دے وہ ہونق بنی اپنی ساس کو دیکھتی رہی جن کی نظریں اسے اپنے جسم کے آرپار ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"کچھ بولتی کیوں نہیں، تم پر کوئی سایہ تھا اور تمہارے گھر والوں نے ہمیں بتایا تک نہیں"

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے یہ سب آپ سے کس نے کہا۔" عائشہ اختر نے ایک دم تنک کر کہا تو وہ بھی جلال میں آ گئیں۔

"جھوٹ مت بولو تم پر کوئی اثر تھا اور تمہارا روحانی علاج بھی ہوتا تھا بلکہ مجھے تو لگتا ہے تمہاری والدہ اسی لیے اچانک وہ گھر بیچنے پر راضی ہو گئیں ورنہ ہم نے کتنی بار آفر کی تھی وہ ہر بار مسترد کر دیتیں پھر ایک دم انہیں گھر بیچنے کا خیال کیوں آ گیا وہ بھی اتنی جلدی میں" ان کا لب و لہجہ دیکھ کر عائشہ بھی غصے میں آ گئی۔

"میں کوئی جھوٹ نہیں بول رہی مجھ پر کوئی اثر نہیں تھا" وہ ان کے گھر بیچنے والی بات گول کر گئی تو انہیں بھی تنکے لگ گئے۔

"اثر نہیں تھا ہونہہ مجھے تو لگتا ہے ابھی بھی تم پر کسی کا سایہ ہے جب ہی تو بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔"

"میں نے کون سی بدتمیزی کی ہے اور آپ بتاتی کیوں نہیں یہ ساری بکواس آپ سے کس نے کی ہے۔"

"بلال نے خود مجھے بتایا ہے کہ تم پر کوئی اثر تھا" وہ آنکھیں گھماتے ہوئے بولیں تو عائشہ اختر ششدر رہ گئی وہ بالکل خاموش ہو گئی اور اس کی ساس اس کی خاموشی کو اس کی رضامندی سمجھتے ہوئے بڑبڑانے لگیں۔

"حد ہوتی ہے دھوکے بازی کی اتنی بڑی بات بھی کوئی چھپاتا ہے بھلا" وہ تو کھانا کھا کر اٹھ کر چلی گئیں جبکہ عائشہ اختر کے لیے نوالہ حلق سے اتارنا مشکل ہو گیا۔

وہ بے چینی سے شام کا انتظار کرنے لگی کہ کب بلال اختر آئیں اور وہ ان سے پوچھے کہ انہوں نے اپنی ماں سے یہ سب کیوں کہا۔

شام کو جب بلال اختر گھر آئے تو خلاف معمول عائشہ اختر بڑے سادہ سے حلیے میں تھی ورنہ عموماً وہ شام کو بڑے اہتمام سے تیار ہو کر بلال اختر کا انتظار کرتی تھی کہ وہ آتے ہی اس کی تعریف میں قصیدہ گو ہو جائیں مگر اس وقت تو اس کے چہرے پر پھیلی خفگی دیکھ کر بلال اختر چونک گئے۔

"کیا بات ہے یہ آج ہمارا چاند ماند کیوں پڑ گیا ہے" بلال اختر نے خوامخواہ کی شاعری کرنے کی کوشش کی۔

"آپ نے اپنی ماں سے یہ کیوں کہا کہ مجھ پر کوئی سایہ تھا۔" عائشہ اختر میں اتنا صبر نہیں تھا کہ وہ بات کو گھماتی اس نے سیدھا ہی پوچھ لیا تو بلال اختر حیرانی سے اسے دیکھنے لگے۔

"میں نے آپ کی خاطر کیا نہیں کیا۔ اتنی اداکاری کرنا وہ بھی اپنے گھر والوں کے سامنے کہ گھر گھر نہ رہے اسٹیج ڈرامہ بن جائے کس قدر کٹھن ہے آپ اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔

میری ماں کو کتنا بڑا شاک پہنچا ہے میری وجہ سے کہ وہ اس دنیا سے چلی گئیں میرے بھائی بھابھی نے مجھ سے ملنا چھوڑ دیا اور آپ نے یہ صلہ دیا مجھے میری اتنی قربانیوں کا" عائشہ اختر کی آواز میں آنسو بول رہے تھے۔

"میں نے ایسا کیا کر دیا جو تم مجھے یہ سب گنوانے بیٹھ گئیں" بلال اختر بالکل ہونق بنے ہوئے تھے۔

"آپ نے اپنی والدہ کو بتایا ہے کہ مجھ پر کوئی سایہ تھا اور میرا روحانی علاج ہوتا تھا یہ سب میں نے آپ کے لیے کیا اور آپ نے ہی مجھے سسرال میں سب کی نظروں میں دو کوڑی کا کر دیا۔" عائشہ اختر شاکی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔

"کیا بکواس کر رہی ہو مجھے کیا ضرورت ہے یہ سب اماں کو بتانے کی۔ کیا مجھے نہیں پتا ان کا مزاج کیسا ہے۔ انہیں تو اگر بھنک بھی پڑ گئی کہ تم پر کوئی سایہ تھا چاہے وہ حقیقت تھی یا مذاق وہ تمہیں اپنے بیٹے سے چمٹی کوئی چڑیل سمجھنے لگیں گی۔ جب تک وہ خود بہو تھیں ان کی نظر میں ساس ایک چڑیل تھی اور جب سے وہ ساس بنی ہیں ان کی نظر میں ہر بہو ایک چڑیل ہوتی ہے۔" بلال اختر اپنی بات پر خود ہی ہنس دیے۔

عائشہ اختر کو ان کا اپنی ماں کے متعلق اس طرح تبصرہ کرنا برا اچھا لگا اس کا موڈ قدرے خوشگوار ہو گیا مگر ناراضی بدستور باقی تھی چنانچہ نخرے بھرے انداز میں کہنے لگی۔

"تو پھر اماں کو یہ سب کس نے بتایا یہ بات آپ کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا۔" بلال اختر کسی سوچ میں ڈوب گئے۔

"ہماری ماسی جانتی تھی جس کے ذریعے میں نے پیر بابا کو تمہارے گھر بھیجا تھا۔" عائشہ اختر ایک دم چونک اٹھی۔

"مگر وہ تو کام چھوڑ کر جا چکی ہے بلکہ آپ نے تو اس کا انتخاب ہی اسی لیے کیا تھا کہ وہ جانے والی ہے۔"

"ہاں میں نے اس معاملے میں بڑی احتیاط برتی تھی اسے اپنے مقصد میں استعمال کرتے وقت بھی میں نے اسے راز میں شامل نہیں کیا بلکہ اس کے سامنے تمہارا ذکر اس طرح کیا کہ وہ خود ہی مشکوک ہو کر تمہاری کھوج میں لگ جائے اور اس پیر سائیں کے متعلق بھی اسے ہی بتایا تھا کہ وہ فوراً" تمہاری ماسی کو بتا دے ایسا کرنے سے اس کی اپنی مرادیں پوری ہو جائیں گی بشرطیکہ وہ اس کا ذکر کسی سے نہ کرے اور اس نے کیا بھی نہیں۔ تم لوگوں کے گھر بیچنے سے پہلے ہی وہ اپنی بیٹی کی شادی کرنے اپنے گاؤں لوٹ گئی۔ لیکن کچھ دن پہلے ہی تو اماں نے بتایا تھا کہ وہ واپس لوٹ آئی ہے اس کی بیٹی کسی آشنا کے ساتھ فرار ہو گئی اور پوری برادری میں اس کی ناک کٹ گئی۔ لہٰذا وہ واپس شہر آ گئی ہے گاؤں میں رہ کر لوگوں کے طعنے سننے سے بہتر ہے شہر آ کر کام کروں" بلال اختر کی بات پر عائشہ اختر پریشان ہو کر بولی۔

"تو کیا اماں نے اسے واپس کام پر رکھ لیا۔"

"نہیں۔۔۔ یہی تو اماں بتا رہی تھیں کہ اس کی جگہ جو دوسری ماسی رکھی ہے جب وہ اچھا کام کر رہی ہے تو اسے ہٹا کر کسی اور کو رکھنا ٹھیک نہیں۔ میں خود نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ واپس آئے میں نے بھی ان کی بات کی حمایت کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ پہلے تو بڑے شوق سے گاؤں واپس جا رہی تھی کہ غیروں میں رہتے رہتے تھک گئی اپنوں میں رہوں گی۔

اپنوں کے پاس سے دو دن میں بھاگ آئی ہے اب کل کو اس کی بیٹی واپس آ گئی تو وہ پھر لوٹ جائے گی۔ لیکن مجھے لگتا ہے وہ اماں کے پاس دوبارہ بات کرنے آئی ہو گی اماں کی بھی تو عادت ہے ہر ایک سے گھنٹوں گپ ہانکنے کی انہوں نے میری شادی کا ذکر کیا ہو گا اور اس نے آگے سے ساری روداد سنا دی ہو گی۔" بلال اختر اندازے نہیں لگا رہے تھے بلکہ حقیقت بیان کر رہے تھے اس کے علاوہ اور کوئی بات ممکن ہی نہیں تھی۔ عائشہ اختر تفکر سے انہیں دیکھنے لگی۔

"اب کیا ہو گا وہ تو اماں کو سب کچھ بتا دے گی۔"

"بتا دے گی نہیں، بتا چکی ہو گی۔ یہ تو میں آفس سے سیدھا تمہارے پاس آ گیا ہوں ورنہ اماں کے پاس جاتا تو وہ یہی ساری تفصیل سناتیں۔" بلال اختر بستر پر دراز ہوتے ہوئے بولے۔

"تو۔۔۔ تو آپ ابھی اور اسی وقت ان کے پاس جائیں اور پتا کریں اس مصیبت ماری ماسی نے انہیں کیا کیا بتایا ہے۔" عائشہ اختر ان کے سر پر آ کھڑی ہوئی۔

"اس ماسی نے تو اپنی طرف سے بھی جانے کیا کچھ کہہ دیا ہو گا ابھی تو بالکل موڈ نہیں ہے کوئی بے سر پیر کی کہانی سننے کا۔" بلال اختر نے جمائی لیتے ہوئے کاہلی سے کہا۔

"بلال میں یہاں اتنی پریشان ہوں اور آپ کو موڈ کی پڑی ہے فوراً" اٹھیں اور جائیں اماں کے پاس" عائشہ اختر نے بری طرح ان کا کندھا جھنجوڑ ڈالا تو انہیں اٹھتے ہی بنی۔

اور پھر واقعی ان کی توقع کے مطابق ماسی نے بہت کچھ اپنے پاس سے جمع کر کے اماں کو ایک فرضی کہانی سنائی تھی جس پر اماں آنکھ بند کر کے ایمان لے آئی تھیں۔ بلال اختر نے جب انہیں سمجھانا چاہا تو وہ ان ہی پر بگڑ گئیں۔

"تمہیں پتا تھا اس کی حالت کے بارے میں پھر بھی تم نے اس سے شادی کرلی ارے تمہیں نہیں پتا ایسے آسیب زندگی بھر عورت پر سوار رہتے ہیں ابھی شادی کو زیادہ دن نہیں ہوئے ہیں اس لیے تمہیں اندازہ نہیں لیکن دیکھنا آہستہ آہستہ تمہیں اس کی حالت کا پتا چلے گا پھر تمہیں پچھتاوا ہو گا اس آسیب زدہ کو گھر میں لانے پر۔ ایسی عورتوں کے ساتھ بڑی تباہیاں لگی ہوتی ہیں اب دیکھو ہمارے گھر میں کون کون سی مشکلیں آتی ہیں۔" اماں بہت بری طرح پریشان تھیں۔

بلال اختر بھی فکر مند ہو گئے وہ اپنے دام میں خود ہی پھنس گئے تھے۔ انہوں نے ہی تو کہا تھا عائشہ اختر سے بھوت پریت، آسیب، روحیں، چڑیلیں یہ سارے وہم ایسے ہوتے ہیں کہ ایک بار کسی کے ذہن سے چمٹ جائیں تو پھر وہ معمولی سی تکلیف کو بھی اسی سے وابستہ کر دیتے ہیں۔

اور آج ان کی اپنی اماں ان کی بیوی کی جانب سے ایسے ہی وہم میں مبتلا ہو گئی تھیں کہ بلال اختر کو انہیں مطمئن کرنا ناممکن لگ رہا تھا وہ تو اگر سچ بھی بتا دیتے تب بھی وہ یہی کہتیں کہ واقعی عائشہ اختر پر کوئی آسیب تھا اس نے کوئی ڈرامہ نہیں کیا بلکہ ڈبل گیم کھیلا ہے۔

ایک طرف وہ بلال کو بے وقوف بناتی رہی کہ میں اپنی ماں کو بے وقوف بنا رہی ہوں اور دوسری طرف ماں کو بے وقوف بناتی رہی کہ گھر بک جائے وہ تو سب سننے کے بعد یہی کہیں گی۔

یہ بہو تو بہت ہی مکار اور چالاک عورت ہے۔ جس پر آسیب کا سایہ بھی ہے تب ہی تو بھائی بھابھی نے شادی کے بعد سے کبھی پلٹ کر پوچھا تک نہیں۔ وہ خوفزدہ ہو کر اس سے جان چھڑائے بیٹھے ہیں تو ہمیں کیا ضرورت ہے ایک ایسی لڑکی کو گھر میں رکھنے کی۔ تم بھی اس سے چھٹکارا پا لو اس سے پہلے کہ اس کی نحوست ہمارے گھر کے سکون و چین کو تباہ کر دے وغیرہ وغیرہ۔

اور واقعی آنے والے دنوں میں ان کے تمام خدشات بالکل درست ثابت ہوئے اماں اٹھتے بیٹھتے ہر وقت عائشہ اختر کے طور طریقوں پر غور کیے جاتیں عائشہ اختر کو ذرا سی چھینک بھی آجاتی یا دن بھر کی مصروفیت میں ذرا بھی کسی کام کو تاخیر ہو جاتی وہ فوراً "بین" شروع کر دیتیں۔

"ضرور اس آسیب کا ہاتھ ہو گا عائشہ کا اپنے اوپر کوئی اختیار تھوڑی ہے۔ جو وہ آسیب چاہے گا عائشہ وہی کرے گی اللہ بچائے ایسے لوگوں سے" کھانے میں نمک ذرا بھی کم یا زیادہ ہو جاتا انہیں فوراً" فکر لاحق ہو جاتی۔

"ضرور اس آسیب کو ایسے کھانے پسند ہوں گے تب ہی وہ عائشہ سے ایسے کھانے پکواتا ہے۔" ایک ہفتے میں ہی عائشہ اختر اس صورت حال پر بری طرح روہانسی ہو گئی۔

"بلال میں پاگل ہو جاؤں گی آپ کچھ کہتے کیوں نہیں اپنی ماں سے۔"

"کتنی بار تو کہہ چکا ہوں اس ماسی نے جھوٹ بولا تھا ایسی کوئی بات نہیں ہے مگر وہ تو مان چکی ہیں کہ تم پر سایہ ہے تم ان کی باتوں پر دھیان دینا چھوڑ دو۔"

"کیسے چھوڑ دوں چوبیس گھنٹے وہ یہی گفتگو کرتی ہیں" عائشہ اختر جھنجلا کر بولی تو بلال اختر بھی موضوع بدلتے ہوئے کہنے لگے۔

"ارے دفع کرو یہ دیکھو میں نے ایک بہت اچھا آرکیٹیکٹ ہائر کیا ہے وہ اس گھر کا پورا نقشہ ہی چینج کر دے گا"

بلال اختر نے بڑے جوش کے عالم میں ایک رول کیا ہوا بڑا سا کاغذ کھول کر عائشہ اختر کے سامنے بچھا دیا۔

وہ نقشے کی لائنوں پر انگلی رکھ کر اسے گھر کی ساری تبدیلیاں سمجھانے لگے جسے سننے کے بعد عائشہ اختر گم سم سے انداز میں بولی۔

"اس طرح میرے ابا کا بنایا گھر تو پورے کا پورا گر جائے گا۔"

"ارے کہاں بھئی سارا گھر ویسے کا ویسا ہی رہے گا ہاں کچھ کمرے توڑنے پڑیں گے۔ اب اس گھر کو اس گھر سے ملانا ہے تو اتنا تو کرنا پڑے گا نا ورنہ یہ دو الگ گھر لگیں گے اور دونوں ہی گھروں کی خوب صورتی ختم ہو جائے گی۔" بلال اختر نے رسانیت سے کہا تو عائشہ اختر بولی کچھ نہیں مگر اس کے چہرے سے لگ رہا تھا وہ اس سے متفق نہیں تب بلال اختر اپنی جگہ سے اٹھ گئے اور عائشہ اختر کا ہاتھ پکڑ کر بولے۔

"ادھر آؤ۔" وہ عائشہ اختر کو اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے بولے مگر عائشہ اختر کسل مندی سے بستر پر بیٹھی رہی۔

"کیا بات ہے یہیں بیٹھے بیٹھے بتا دیں نا۔"

"تم آؤ تو سہی۔" بلال اختر نے اسے اٹھا کر ہی دم لیا اور سست روی سے چلتی عائشہ اختر کو کھڑکی میں لے آئے جو گھر کے پچھلے حصے کی جانب کھلتی تھی۔

"میں نے آرکیٹیکٹ کو صاف بتا دیا ہے کہ لائن سے بنے ان سرونٹ کوارٹرز کو ہرگز ہاتھ مت لگانا پورے گھر کی از سر نو تعمیر ہو گی مگر یہ ایسے کے ایسے ہی رہیں گے جانتی ہو کیوں؟" عائشہ اختر سوالیہ انداز میں انہیں دیکھنے لگی۔

"کیونکہ ان سرونٹ کوارٹرز سے ہی ہماری محبت شروع ہوئی تھی۔

یاد ہے تمہیں جب تم پہلی دفعہ مجھ سے ملنے آئی تھیں تو تم کتنی ڈری ہوئی تھیں جیسے میں کوئی لفنگا بدمعاش ہوں پھر آہستہ آہستہ تمہارا ڈر نکل گیا پھر تو تم کتنے آرام سے مجھ سے یہاں بیٹھ کر باتیں کیا کرتی تھیں۔" بلال اختر عائشہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہتے گئے۔

جبکہ عائشہ اختر کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر گھومنے لگا جب ساجدہ خاتون اس کے پیچھے اس سرونٹ کوارٹر میں آگئی تھیں۔ کس قدر پریشان ہو گئی تھیں وہ آدھی رات کو عائشہ کو اس طرح سرونٹ کوارٹر میں دیکھ کر۔

"میری محبت کی سچائی کو مانتی ہو نا میں نے اتنی راتیں تمہیں وہاں بلایا مگر کبھی تمہارے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی۔" بلال اختر خوشی خوشی بولے لیکن عائشہ اختر کا ذہن کہیں اور اٹکا ہوا تھا۔

بلال اختر نے اس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی مگر اس نے تو ساجدہ خاتون کے اعتماد کو مٹی میں ملا دیا۔ کیا فائدہ تھا اس نام نہاد پاکیزگی کا جب وہ اپنی ماں اور بھائی بھابھی کی نظروں میں ہی محترم نہیں رہی۔

"میں ان سرونٹ کوارٹرز کو ختم کر کے اپنی حسین یادوں کو نہیں مٹا سکتا۔" بلال اختر عائشہ اختر کا ہاتھ دباتے ہوئے بڑے جذب سے بولے تو عائشہ اختر نے بے اختیار اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

اس کے لیے اس سرونٹ کوارٹر سے وابستہ ایک واقعہ ان ساری یادوں کا حسن چھین چکا تھا۔ مگر اسے ضمیر کی یہ ملامت کچھ خاص اچھی نہیں لگی تبھی اپنا دھیان بٹاتے ہوئے کہنے لگی۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے بلال لیکن میرے لیے اس وقت سب سے اہم آپ کی والدہ کا رویہ ہے۔ میں بہت بڑے ذہنی کرب سے گزر رہی ہوں ان کی باتیں مجھے ہر وقت ٹارچر کرتی ہیں۔ آپ کی محبت یہ ساری یادیں میرے لیے ثانوی حیثیت اختیار کرتے جا رہے ہیں بس مجھ پر ایک ہی دھن سوار ہے کسی طرح آپ کی والدہ مجھے آسیب زدہ سمجھنا چھوڑ دیں۔" بلال اختر خاموشی سے عائشہ کو دیکھے گئے جو شکل سے بالکل نڈھال لگ رہی تھی۔

عائشہ اختر کی خواہش کا پورا ہونا بلال اختر کو نہایت مشکل لگ رہا تھا اپنی ماں کو وہ جانتے تھے ان کے دماغ سے

کسی وہم کو نکالنا آسان نہیں تھا لہٰذا وہ اس معاملے میں خاموش رہنے کو ہی ترجیح دے رہے تھے۔
مگر کچھ دن بعد جو ہوا اسے دیکھنے کے بعد بلال اختر کے لیے خاموش رہنا ناممکن ہو گیا اماں نے بالکل حد کر دی۔ عائشہ اختر کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اور طبیعت کی خرابی کی وجہ جب سامنے آئی تو پورے گھر میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی مگر اماں تب بھی طنز کا نشتر چلانے سے باز نہ آئیں۔
"اتنی خوشی منانے سے پہلے یہ تو پتا کر لو کہ بچہ تمہارا ہی ہے کہیں یہ اس آسیب کا تو نہیں۔" خوشی سے پھولے نہ سماتے بلال اختر بالکل ٹھٹک گئے۔
اس موقع پر تو ابا کو بھی سانپ سونگھ گیا عائشہ اختر جو ایک کونے میں کھڑی تھی ہونق رہ گئی۔
اتنی بڑی بات
اتنا بڑا الزام
اتنی بدگمانی
عائشہ اختر کی حالت تو ایسے ہو گئی تھی جیسے کاٹو بدن میں لہو نہیں۔
"کیا۔ کیا کہا آپ نے؟" بلال اختر نے شدید حیرانی کے ساتھ پوچھا تو اماں کچھ چونک گئیں۔ بیٹے کے تیور دیکھ کر وہ بھی ایک دم ضد میں آگئیں اور تنک کر بولیں۔
"جب سن لیا ہے تو دوبارہ کیوں سننا چاہتے ہو۔ بہو پر اثر ہے اور جن لوگوں پر اثر ہوتا ہے ان کے ہاں اولادیں بھی ان ہی سے ہوتی ہیں۔"
"عائشہ پر کوئی اثر نہیں ہے۔" بلال اختر غصے کی شدت سے چیخ کر بولے۔
"چلاؤ نہیں تمہارے "نہ" کہہ دینے سے بہو پر سے اثرات ختم نہیں ہو جائیں گے کچھ تو تھا جو سو کو نظر آتا تھا جسے دیکھ کر وہ چلاتی تھی، بے ہوش ہو جاتی تھی، اس سے باتیں کرتی تھی۔ کبری (ماسی) نے مجھے خود بتایا ہے اس نے خود چھت پر عائشہ کو ہوا سے باتیں کرتے دیکھا ہے اور کبری نے ہی ایک پیر سائیں کا ذکر کیا تھا جس سے مرحومہ ساجدہ خاتون نے علاج کرایا اور جب یہ ٹھیک نہ ہوئی تو وہ گھر بیچ گئیں۔" اماں کسی سانپ کی طرح پھنکار رہی تھیں۔
عائشہ اختر بت بنی ایک جانب کھڑی تھی ابا اس قسم کی گفتگو جوان بچوں کے سامنے سننے کی تاب نہ لاسکے وہ ہاتھ میں بلال اختر کا تھوڑی دیر پہلے کا پکڑایا مٹھائی کا ڈبا ایک طرف رکھ کر کمرے کی جانب چل پڑے کہ بلال اختر کی بات نے ان کے قدم جکڑ لیے۔
"ہاں عائشہ کسی کو دیکھ کر چلاتی تھی، بے ہوش ہو جاتی تھی یہاں تک کہ اس سے باتیں بھی کرتی تھی۔ تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اس پر کسی آسیب کا سایہ تھا جو عائشہ پر عاشق تھا اور جو ابھی تک عائشہ کے ساتھ ہے۔" بلال اختر ایک دم سپاٹ لہجے میں بول رہے تھے۔
عائشہ اختر کچھ فکر مندی سے انہیں دیکھنے لگی کہیں وہ اماں کو سچائی تو نہیں بتانے والے۔ اگر اماں یہ جان گئیں کہ وہ سب ایک ڈرامہ تھا تب بھی وہ عائشہ کو کسی آسیب کے زیر سایہ ہی سمجھیں گی اور اس کے ساتھ ہی انہیں عائشہ کی ایک اور خامی مل جائے گی طعنے دینے کے لیے۔
یعنی جس عورت نے اتنا جھوٹ اور ڈرامہ رچایا ہو کہ اس کی ماں صدمے سے مر گئی وہ ساس کے ساتھ تو جو نہ کرے وہ کم ہے۔
اسے خود احساس تھا اس نے جو کیا تھا وہ غلط تھا پھر وہ اپنے غلط فعل کا ڈھنڈورا کیسے پیٹنے دیتی۔ لیکن جب بلال اختر بولے تو وہ خود اماں کی طرح حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"عائشہ کو جو نظر آتا تھا وہ کوئی آسیب نہیں تھا جو اس پر عاشق ہوتا بلکہ وہ ایک لڑکی تھی۔ ایک لڑکی کی روح تھی وہ" بلال اختر کہہ کر ایک دم خاموش ہو گئے اماں اور ابا دونوں کبھی بلال اختر کو اور کبھی عائشہ اختر کو حیرانی سے دیکھے گئے۔

"لڑکی کی روح" ابا نے زیر لب دوہرایا۔

"کس لڑکی کی روح تھی اور عائشہ ہی کو کیوں نظر آتی تھی" اماں کے لہجے میں اب بھی برہمی تھی مگران کی آنکھوں میں بلا کا تجسس چھپا تھا۔

بلال اختر نے ایک نظر خود کو حیرانی سے دیکھتی عائشہ اختر پر ڈالی اور گہرا سانس کھینچتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"عائشہ کی ایک جڑواں بہن تھی جسے بچپن میں ہی عائشہ کے والد کے تایا زاد بھائی جو کینیڈا میں رہتے ہیں انہوں نے گود لے لیا تھا ان کی کوئی اولاد نہیں تھی تو عائشہ کے والدین نے اپنی ایک بیٹی انہیں دے دی تھی۔ بچپن سے انہوں نے ہی اسے پالا تھا وہ ہمیشہ کینیڈا میں ہی رہی اس لیے آپ میں سے بھی کسی نے اسے نہیں دیکھا اور نہ ہی عائشہ کے والدین نے کبھی اپنی اس اولاد کا ذکر کسی سے کیا انہوں نے دل و جان سے اسے اپنے تایا زاد بھائی کی بیٹی مان لیا تھا۔ مگر کچھ عرصے پہلے اس کا انتقال ہو گیا اس کے مرنے کے بعد سے عائشہ کو اس کی روح نظر آنے لگی ہے ورنہ عائشہ آپ کے سامنے پلی بڑھی ہے کیا آپ کو اس کے کسی انداز سے ایسا لگا کہ یہ اکیلے میں باتیں کرتی ہو گی اور چیخیں مار کر بے ہوش ہو جاتی ہو گی۔" بلال اختر بڑی سنجیدگی سے بول رہے تھے اماں ہکا بکا انہیں سن رہی تھیں ان کے خاموش ہونے پر وہ سوالیہ انداز میں عائشہ کو دیکھتے ہوئے کہنے لگیں۔

"کیا یہ سچ ہے عائشہ؟ تمہیں اپنی بہن کی روح نظر آتی ہے۔" عائشہ صرف انہیں دیکھ کر رہ گئی تو بلال اختر کہنے لگے۔

"بھلے یہ دونوں کبھی بہنوں کی طرح ساتھ نہیں رہیں مگر جڑواں بہن بھائیوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اس لیے مرنے کے بعد کسی کو نہیں وہ صرف عائشہ کو دکھائی دیتی ہے۔"

"لیکن یہ روح وغیرہ کا بھٹکنا اور انسانوں کو نظر آنا یا ان سے باتیں کرنا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ انسان کے مرنے کے بعد اس کے اعمالوں کا حساب شروع ہو جاتا ہے وہ دنیا میں رہنے والے انسانوں سے باتیں نہیں کر سکتا۔" ابا جو اتنی دیر سے خاموش کھڑے تھے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولے تو بلال اختر فوری طور پر کچھ نہ کہہ سکے پھر اپنے لہجے کو ہلکا پھلکا بناتے ہوئے کہنے لگے۔

"لیکن قرآن و حدیث سے یہ ضرور ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے ایک عام انسان سے کوئی عام روح بات نہیں کر سکتی لیکن کسی خاص شخص سے کوئی خاص روح بات بھی کر سکتی ہے اور اسے نظر بھی آسکتی ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے عائشہ کوئی خاص شخصیت ہے" اماں ایک دم تنک کر بولیں۔

"نہیں یہ میرا مطلب نہیں ہے۔" بلال اختر فوراً بولے مبادا اماں کی انا پر ضرب پڑ جائے اور وہ جو کچھ قائل نظر آرہی ہیں پھر سے بدک جائیں۔

"لیکن عائشہ کی بہن ایک خاص شخصیت تھی اس کے ساتھ کوئی انہونی ہوئی تھی اس کی موت بھی اچانک بڑے پر اسرار انداز میں ہوئی لہٰذا وہ عائشہ کے پاس آسکتی ہے اور اس سے بات کر سکتی ہے۔" بلال اختر بڑے اعتماد سے بول رہے تھے عائشہ اختر ہونق بنی انہیں سن رہی تھی جن کی ایک بات میں بھی سچائی نہیں تھی۔

"کیا ہوا تھا اس کی بہن کے ساتھ" اماں نے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں کچھ لڑکوں نے اسے اغوا کر لیا تھا جس کے بعد اس کا کچھ پتا نہیں چلا کینیڈا کی پولیس کا اندازہ ہے کہ وہ مر چکی ہے اب پتا نہیں اس نے خود کشی کی یا اس کا قتل ہوا کسی کو نہیں معلوم۔ وہ تو جب سے عائشہ اس کا سایہ دیکھنے کے قابل ہوئی ہے تب سے یہ اندازہ ہوا ہے کہ وہ مر چکی ہے ورنہ اس کے گود لینے والے والدین تو ابھی تک اسے تلاش ہی کر رہے تھے۔" اماں، ابا بڑی حیرانی اور دلچسپی سے بلال اختر کی گھڑی ہوئی کہانی سن رہے تھے اماں کی آنکھوں میں پھیلی حیرانی بتا رہی تھی کہ وہ اس کہانی پر پوری طرح ایمان لے آئی ہیں پھر بھی بلال اختر نے تصدیق کے لیے ایک آخری سوال کیا جس کے لیے انہوں نے اتنا جھوٹ بولا تھا۔

"اب تو آپ کی سمجھ میں آگیا نا کہ عائشہ پر کسی آسیب کا سایہ نہیں ہے آئندہ میں کسی کے منہ سے یہ نہ سنوں کہ یہ بچہ میرا نہیں بلکہ کسی آسیب۔۔۔"

"بے فکر رہو بلال ایسی بات کسی کے بھی دل میں نہیں ہے تم اپنی ماں کو جانتے نہیں ہو کیا! انہیں تو عادت ہے رائی کا پہاڑ بنانے کی۔" ابا نے بلال اختر کی بات کاٹ دی اس قسم کی گفتگو سننا ان کی برداشت سے باہر تھا تب ہی شاکی نظروں سے بیوی کو دیکھتے ہوئے بولے۔

اماں کو ان کی بات سخت ناگوار گزری مگر انہوں نے بھی اس وقت خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا ابا کسی معاملے میں بولتے نہیں تھے لیکن جب ایک بار بول دیتے تو انہیں اپنے آگے بحث کرنے والے کی عزت اتارنا خوب آتا تھا بیٹا بہو کے سامنے ان کے منہ لگنا بڑی حماقت تھی اور ان کے چہرے پر پھیلے غصے کے تاثرات صاف بتا رہے تھے کہ گھر کے بچے کے لیے جو بات انہوں نے کہی ہے وہ انہوں نے ایک دفعہ تو سن لی لیکن دوبارہ نہیں سنیں گے۔ مگر وہ تھیں بڑی ڈھیٹ مجال ہے جو ذرا شرمندہ ہو جاتیں اس وقت بھی بڑی ڈھٹائی سے کہنے لگیں۔

"ہاں میں نے تو ایسے ہی کہہ دیا تھا اب واقعی میرا یہ مطلب تھوڑی تھا لیکن عائشہ نے بھی تو کمال کر دیا کبھی بتایا ہی نہیں بس یہی کہتی رہی مجھ پر کوئی اثر نہیں اثر نہیں تو یہ بھی تو بولنا چاہیے تھا کہ وہ میری بہن کی روح ہے جو مجھے نظر آتی ہے۔"

"آتی ہے نہیں، آتی تھی اس پیر سائیں کے آنے کے بعد سے یہ سلسلہ بند ہو گیا ہے" بلال اختر حتمی لہجے میں بولے مگر عائشہ اختر کو یقین تھا یہ سلسلہ کبھی بند نہیں ہو گا بلکہ اب تو اماں کے سوال جواب کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا جس کی پہلی کڑی کے طور پر اماں نے اسی وقت پوچھا۔

"تمہاری بہن کیا تمہاری ہم شکل تھی؟" عائشہ اختر سوالیہ نظروں سے بلال اختر کو دیکھنے لگی جو اب مطمئن ہو کر ڈبے میں سے مٹھائی نکال کر کھا رہے تھے۔

"ہاں ہاں بالکل ہم شکل ایک تل کا بھی فرق نہیں تھا۔" بلال اختر شوخی سے بولے۔

"تمہیں کیا پتا کیا تم نے دیکھا تھا۔" اماں بگڑیں۔

"عائشہ نے بتایا تھا۔" وہ لاپروائی سے بولے۔

"نام کیا تھا تمہاری بہن کا۔" عائشہ اختر اس سوال نامہ پر زچ ہو کر ایسے بلال اختر کو دیکھنے لگی جیسے کہہ رہی ہو یہ مجھے کہاں پھنسا دیا۔ بلال اختر نے ایک نظر عائشہ اختر کو ایسے دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں۔

"ریلیکس یار پریشانی کی کیا بات ہے" پھر اماں سے بولے۔

"اس کا نام تھا شائستہ!"

☼ ☼ ☼
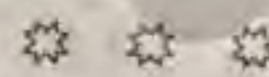
"تمہیں میری کوئی بات صحیح بھی لگتی ہے یا سب غلط ہی غلط ہوتی ہیں۔" بلال اختر زچ ہو کر بولے وہ جب سے آفس سے آئے تھے عائشہ اختر اپنا گھسا پٹا شکایت نامہ لیے بیٹھی تھی۔

آج اماں نے شائستہ کے بارے میں یہ پوچھا۔
آج اماں نے وہ پوچھا۔
پھر اماں نے یہ کہا۔
پھر اماں نے وہ کہا۔
بلال اختر کا سر دکھ گیا تھا یہ گفتگو سنتے سنتے ان کے رد عمل پر عائشہ اختر بھنا اٹھی۔
"کمال ہے بجائے میرے احساسات سمجھنے کے آپ مجھ ہی پر بگڑ رہے ہیں۔ کیا ضرورت تھی آپ کو شائستہ کا نام لے کر اتنا بڑا افسانہ بنانے کی۔ آپ کی اماں نے تو میرا ناک میں دم کر دیا ہے وہ پوچھ رہی تھیں شائستہ اغوا کیوں ہوئی تھی کیا اس کی غلط قسم کے لڑکوں سے دوستی تھی اتنی آزاد ماحول میں اس کی پرورش وہاں کی لڑکیوں جیسی ہی ہوئی ہوگی وہی الٹی سیدھی حرکتیں ہوں گی تبھی غنڈے پیچھے لگ گئے۔ تمہاری ماں کو بھی اسی کا صدمہ لے ڈوبا۔ اگر کہانی ہی بنانی تھی تو کوئی ڈھنگ کی شریفانہ ہی بنا لیتے آپ نے تو میرے خاندان کے لوگوں کو ان کی تربیت کو سبھی چیزوں کو مشکوک کر دیا۔"
"میں نے کون سا سوچ سمجھ کر بولا تھا جو ذہن میں آیا کہہ دیا لیکن خدا کے لیے اب خاموش ہو جاؤ میرے سر میں پہلے ہی درد ہو رہا ہے۔" بلال اختر چڑ گئے۔
"میرے تو جسم کے ہر حصے میں درد ہو رہا ہے اس حالت میں ذہن پر اتنا دباؤ ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔" عائشہ اختر بڑبڑاتے ہوئے بولی تو بلال اختر بحث ختم کرتے ہوئے کہنے لگے۔
"میں اماں کو منع کر دوں گا تم سے زیادہ سوال جواب نہ کریں تمہاری طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔"
"ہاں انہیں تو جیسے میری بڑی فکر ہے نا۔ آپ کے منع کرتے ہی مان جائیں گی۔" عائشہ اختر نے سر جھٹکا۔
"تو پھر اور کیا کروں روز میرے گھر آنے پر اس راگ کو الاپنے کا فائدہ کیا ہے۔" بلال اختر تلملا گئے۔
"آپ سے تھوڑی دیر بھی سنا نہیں جا رہا اور میں سارا دن یہ گفتگو سنتی ہوں آپ کے اس ایک جھوٹ کو نبھانے کے لیے مجھے مسلسل جھوٹ بولنے پڑ رہے ہیں اور ہر بار بات کرتے وقت سوچنا پڑتا ہے کہ پہلے کیا کہا تھا۔ مجھے تو اس کے بارے میں بات کرتے کرتے بیچ بیچ میں ایسا لگنے لگا ہے کہ میری شائستہ نام کی کوئی واقعی بہن تھی۔" عائشہ اختر کہہ کر رکی نہیں بلکہ کمرے سے نکل گئی تو بلال اختر نے اس کے جانے پر شکر کا کلمہ پڑھتے ہوئے ٹی وی آن کر لیا۔ وہ اس بارے میں سوچنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا ان سب مسئلوں کا کوئی حل نہیں ہے۔
اماں نا صرف روحوں اور بھوتوں پر اندھا یقین رکھنے والوں میں سے تھیں بلکہ ایسی پراسرار باتوں کی کرید میں رہنے میں بھی انہیں بڑا مزا آتا تھا لہٰذا ان کے ہاتھ ایک دلچسپ موضوع لگ گیا تھا وہ بھلے ہی عائشہ اختر کو ذہنی طور پر اذیت دے رہی تھیں مگر بلال اختر مطمئن تھے کہ ان کے دل سے آسیب والی بات نکل گئی ہے ورنہ عائشہ اختر کے ساتھ کسی اور کا وابستہ ہونا ان کی غیرت کو سخت گراں گزرتا تھا وہ مسئلہ حل ہو گیا تھا باقی جو بھی کھڑے ہوئے تھے ان کی انہیں قطعاً پروا نہیں تھی انہیں یقین تھا آہستہ آہستہ یہ موضوع ٹھنڈا پڑ جائے گا آخر اماں کب تک کریدیں گی ایک وقت آئے گا جب وہ خود بے زار ہو جائیں گی مگر اس وقت تک عائشہ کو بڑے صبر کا مظاہرہ کرنا تھا کیونکہ اس کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔
لیکن اماں کے پاس بھی باتوں کا کوئی زیادہ — ذخیرہ نہیں تھا وہ بے زار آ بھی جاتیں تب بھی گھوم پھر کر اس موضوع پر آ جاتیں۔
اس طرح وقت گزرتا رہا اور ان کے ہاں ایک بہت ہی پیاری سی بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام اماں نے بڑے شوق

سے زوبیہ رکھا اسپتال میں ہی اس کے گال پر نظر کا ٹیکہ لگاتے ہوئے انہوں نے بڑے دلار سے کہا۔
"خبردار جو اپنی خالہ پر گئیں تو اچھی شریف لڑکی نکلنا۔" عائشہ اختر نے فوراً بلال اختر کو دیکھا مگر وہ نظریں چرا گئے۔ ان کی نظر میں یہ کوئی ایسا طعنہ نہیں تھا جس پر دل دکھایا جائے وہ بھی اس خوشی کے موقع پر۔
البتہ انہوں نے موقع ملنے پر اماں کو سمجھایا ضرور تھا کہ زوبیہ کے سامنے شائستہ کا ذکر نہیں کیجیے گا بچپن سے ہی وہ ایسی باتیں سنے گی تو اس کے ذہن پر برا اثر پڑے گا۔
اب پتا نہیں ان کی سمجھ میں آیا یا انہوں نے زوبیہ کی مصروفیت پا کر غیر ضروری باتوں پر دھیان دینا کم کر دیا بہرحال وجہ جو بھی ہو زوبیہ کے پیدا ہونے کے بعد یہ موضوع کم ہوتے ہوتے بالآخر ختم ہو گیا۔
بلکہ عائشہ اختر تو اس جھوٹ کو ایک ایسا وقت آیا کہ بھول بھی گئی لیکن شاید قدرت کو یہ منظور نہیں تھا۔ زوبیہ جب دو سال کی ہوئی تو ایک بار پھر شائستہ کا خیالی پیکر زندہ ہو گیا۔
زوبیہ بہت زیادہ ڈرپوک اور کم گو سی بچی تھی خاموش طبع ہونا اور ہر وقت چھوئی موئی بن کر ماں کی قمیص کا دامن پکڑے رہنا تو بہت بچوں کی عادت ہوتی ہے۔
لیکن زوبیہ اندھیرے میں تو کیا روشنی میں بھی اکثر ڈری ہوئی ہوتی تھی۔
تنہائی میں تو کیا محفل میں بھی بعض اوقات اس کا رنگ فق ہو جاتا۔
کسی زوردار آواز پر تو کیا خاموشی میں بھی وہ اکثر سہم کر رونے لگتی۔
"ایسا لگتا ہے اسے کچھ نظر آتا ہے جسے دیکھ کر یہ ڈر جاتی ہے۔" اماں نے ایک دن بڑے غور سے عائشہ اختر کی گود میں دبکی بیٹھی زوبیہ کو دیکھتے ہوئے کہا جو ابھی کچھ دیر پہلے بڑے مزے سے بال سے کھیل رہی تھی کہ اچانک اپنی جگہ رک کر کسی غیر مرئی نکتہ کو دیکھنے لگی پھر چیخ مار کر عائشہ اختر کی گود میں چڑھ بیٹھی عائشہ اختر اماں کی بات پر انہیں چونک کر دیکھنے لگی۔
"کہیں اسے بھی تو شائستہ نظر نہیں آتی تمہاری طرح۔" اماں نے بڑے عجیب سے انداز میں کہا تو عائشہ اختر کو ایک دم غصہ آ گیا۔
"کیسی باتیں کر رہی ہیں اماں یہ بچی ہے کبھی ایک دم ہنسنے لگتی ہے کبھی ایک دم رونے لگتی ہے اس کے پیچھے کوئی وجہ کوئی راز ہونا ضروری تھوڑی ہے۔"
"بچی ہے پاگل نہیں ہے کہ ایک دم ہنسنے لگے ایک دم رونے لگے یہ جس طرح خوف زدہ ہوتی ہے اسے دیکھ کر صاف لگتا ہے اسے کچھ دکھائی دیتا ہے۔" اماں نے اٹل لہجے میں کہا۔
"تو اسے ہی کیوں دکھائی دے گا گھر میں اتنے لوگ ہیں اور۔۔۔"
"گھر کے اتنے لوگوں کا شائستہ سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ صرف تم سے تھا یا اس سے ہے اس کی سگی خالہ ہے ورنہ ننھیال کا تو اس کا کوئی رشتے دار ہے ہی نہیں۔ نہ نانا نہ نانی نہ خالہ بس ایک ماموں ہیں وہ بھی کبھی نہیں پوچھتے۔ حد ہو گئی بچی دو سال کی ہو گئی آج تک شکل بھی دیکھنے نہیں آئے۔ ورنہ ننھیال کی طرف سے بچے کے لیے کتنی چیزیں آتی ہیں یہاں تو کسی نے پانچ روپے بھی اس کے ہاتھ میں نہیں رکھے۔" اماں ایک دم اپنے پسندیدہ موضوع پر آ گئیں۔
"اتنی بار تو آپ کو بتایا ہے شگفتہ بھابھی سسرال میں کسی سے ملنا پسند نہیں کرتیں یہ تو بس میں ہی ہوں جو ابھی تک آپ لوگوں کی اتنی عزت کرتی ہوں مگر آپ لوگوں کو تو کوئی قدر ہی نہیں ہر وقت ننھیال سے کچھ نہ ملنے کا دکھ ہی کھائے جاتا ہے۔" عائشہ اختر بھی چڑ کر بڑی صاف گوئی سے بولی تو اماں کو پتنگے لگ گئے۔
وہ دونوں اصل موضوع بھول کر ساس بہو کے روایتی جھگڑے میں مصروف ہو گئیں۔ بات اس وقت تو آئی گئی

ہوگی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ یہ بات زور پکڑتی چلی گئی اس صورت حال سے تو بلال اختر بھی پریشان ہو گئے تھے۔

زوبیہ کے چار سال کے ہونے تک یہ چیز پوری طرح سے منکشف ہوگئی تھی کہ زوبیہ کو کچھ نظر آتا ہے جو اسے بری طرح خوف زدہ کردیتا ہے۔

بلال اختر نے اسے شہر کے تمام اچھے چائلڈ اسپیشلسٹ کو دکھا ڈالا مگر زوبیہ میں انیس بیس کا بھی فرق نہیں پڑا۔

"اس کا علاج ڈاکٹروں کے پاس نہیں ہے کسی اچھے مولوی کو دکھاؤ' وہی اس کو شائستہ کی روح کے چنگل سے آزاد کرسکتا ہے۔" اماں بار بار ایک ہی بات کہتیں۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے اماں۔" اب اتنے سال بعد بلال اختر کے لیے اس جھوٹ پر سے پردہ ہٹانا ممکن نہیں رہا تھا انہیں تو لگتا تھا اگر انہوں نے اماں کو سچ بتا دیا تو وہ بھی عائشہ کی والدہ کی طرح یہ صدمہ برداشت نہیں کرسکیں گی۔ (عائشہ اختر کی رائے ان سے یکسر مختلف تھی اس کے برعکس اس کا کہنا تھا اب وہ سچ بولیں گے تو بھی وہ اسے جھوٹ ہی سمجھیں گی۔) بہرحال اماں کا دباؤ بڑھتا جارہا تھا' دوسرے زوبیہ کی بھی کوئی عادت اس کی ہم عمر بچیوں جیسی نہیں تھی' بلال اختر اور عائشہ اختر دونوں اپنے اپنے زمانے کے خود اعتماد اور معاملہ فہم بچے تھے۔ ایسے میں اس کم سم' خاموش' ڈرپوک اور کسی حد تک ست بچی کو دیکھ کر ان دونوں کو ہی دکھ کے ساتھ ساتھ کوفت ہوتی تھی' ایسے میں اماں کے مشورے انہیں تپا کر رکھ دیتے۔

"آخر عائشہ کا بھی تو کسی پیر سائیں سے علاج کرایا تھا' پھر زوبیہ کا کرانے میں کیا آڑ ہے۔"

"وہ پیر سائیں بہت اچھے تھے' مگر ان کا انتقال ہوگیا ہے' اب ان جیسا کوئی ملے گا نہیں' الٹا کسی جعلی فقیر کے چکر میں پڑ جائیں گے۔"

"پھر سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ عائشہ کا مسئلہ روحانی تھا۔ اس لیے روحانی علاج کرانا پڑا۔ زوبیہ کو ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ کچھ بچے ہوتے ہیں فطرتاً" شرمیلے اور الگ تھلگ رہنے والے۔" بلال اختر نے ہٹ دھرمی سے کہا' مگر ان کی اماں کہاں ماننے والی تھیں' وہ بھی تنک کر بولیں۔

"اور راتوں کو ڈر کر چیخنے والے۔" اماں کی بات پر بلال اختر پہلو بدل کر رہ گئے۔ انہوں نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا' اماں سے بحث کرنا بے کار تھا۔

پھر ان ہی دنوں ابا کافی بیمار رہ کر اس دار فانی سے رخصت ہوگئے' تو کچھ عرصے کے لیے سارے موضوعات پس پشت چلے گئے۔

مگر آخر کب تک زندگی نارمل ڈگر پر آہی جاتی ہے' زوبیہ جب اتنی سمجھ دار ہوگئی کہ اپنا مسئلہ بیان کرنے لگے' تب انہیں بھی اس کی بیماری ذہنی کم اور روحانی زیادہ لگنے لگی۔

"وہ ایک خوف ناک سی لڑکی ہے جو مجھے نظر آتی ہے۔" چھ سالہ زوبیہ نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے بڑی آہستگی سے بتایا' جیسے کہیں وہ ان دیکھی مخلوق اس کی بات سن نہ لے۔

"کس سے ملتی ہے وہ لڑکی۔" عائشہ اختر نے اس کے ماتھے پر پڑے بالوں کو کان کے پیچھے کرتے ہوئے نہایت محبت سے پوچھا۔

"پتا نہیں اس کے چہرے پر خون ہی خون لگا ہوتا ہے' میں شکل نہیں دیکھ پاتی' لیکن دادی کہہ رہی تھیں وہ آپ کی ہم شکل ہے۔"

"میری ہم شکل۔" عائشہ اختر بری طرح چونکی۔

"جی دادی کہہ رہی تھیں وہ آپ کی بہن ہیں اور میری خالہ ہیں' شائستہ خالہ اور دادی نے یہ بھی کہا کہ میں ان سے پوچھوں' وہ مجھے کیوں تنگ کرتی ہیں۔" عائشہ اختر کا تو دماغ گھوم گیا' وہ لب بھینچ کر بمشکل اپنا غصہ ضبط کرسکی کہ زوبیہ مزید کہنے لگی۔

"دادی نے یہ بھی کہا ہے کہ میں ان سے پوچھوں' انہیں کن لڑکوں نے اغوا کیا تھا' مما یہ اغوا کیا ہوتا ہے؟"

عائشہ اختر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ زوبیہ کے ذہن سے یہ ساری باتیں کھرچ کر نکال پھینکے' بڑی مشکل سے اس نے ضبط کا دامن تھامتے ہوئے اسے رسانیت سے سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ بچی تھی' ماں کی باتوں پر صرف سر ہلاتی رہی' عائشہ اختر کو خود بھی احساس تھا' اس کی ساری نصیحتیں سب بے کار جارہی ہیں' پھر بھی وہ کہتی رہی۔

"دیکھو زوبیہ میری کوئی بہن نہیں ہے' شائستہ نام کی کوئی لڑکی ہے ہی نہیں۔ آپ کو کچھ نظر نہیں آتا' آپ نے رات کو کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہوتا ہے' وہی منظر آپ کو دن میں نظر آنے لگتا ہے' بس اور ایسا کچھ نہیں ہے۔ جب بھی آپ کو کوئی بری شکل کی لڑکی نظر آئے' آپ آنکھیں بند کرلیں اور زور زور سے بولیں ایسا کچھ نہیں ہے' ایسا کچھ نہیں ہے' بس پھر جب آپ آنکھیں کھولیں گی تو سامنے کچھ نہیں ہوگا۔"

عائشہ اختر نے زوبیہ کو تو سمجھایا اور موقع ملتے ہی اماں کو بھی سمجھانے کھڑی ہوگئی اور یہ بات تھی کہ ان سے بات کرتے وقت عائشہ اختر کے لہجے میں شدید قسم کا غصہ اور تلخی تھی۔ "بھلا یہ باتیں اتنی چھوٹی سی بچی سے کرنے والی ہیں۔" اماں عائشہ اختر کا یہ لب و لہجہ بھلا کیسے برداشت کرتیں' وہ بھی چڑھ دوڑیں۔

"اتنی سی بچی کو اگر ماں کی بیماری لگ جائے اور اس عمر میں بھیانک شکلیں نظر آنے لگیں وہ ہر وقت ڈری سہمی رہے' بات بات پر رو پڑے' راتوں کو چیخ کر اٹھ بیٹھے اور ماڈرن زمانے کے دلدادہ والدین بچی کو کسی مولوی کے پاس لے جانے کی فکر کرنے کی بجائے چائلڈ اسپیشلسٹ کے پاس ٹہلتے رہیں' تو اس بچی سے اس کی عمر سے بڑی باتیں کرنی پڑتی ہیں۔"

جس طرح زوبیہ کو سمجھانا بے کار تھا' ٹھیک اسی طرح اماں کو بھی سمجھانا بے کار تھا اور پھر عائشہ اختر اتنے غصے میں تھی کہ وہ سمجھا بھی نہیں سکتی تھی' وہ چیخ چیخ کر محض اپنی جھنجلاہٹ نکالنے لگی' دوسری طرف اماں بھی ہائے ہائے کرکے اپنی بدنصیبی پر شاکی ہوتی رہیں جو کہ اب ایک عام بات ہوگئی تھی۔

گھر میں ہر دوسرے دن کسی نہ کسی بات کو لے کر لڑائی ہوتی رہتی' بلال اختر تو اتنے عاجز آگئے تھے کہ ان کی کوشش ہوتی رات کو گھر اتنی تاخیر سے جائیں کہ یا تو سب سو چکے ہوں یا سونے والے ہوں۔ یہ صورت حال عائشہ اختر کو مزید پریشان کردیتی اکثر اسے ساجدہ خاتون کی آواز ایسے سنائی دیتی جیسے وہ آس پاس کھڑی کہہ رہی ہوں۔

"تم نے ایک مکان کو حاصل کرنے کے لیے ایک انسان کا اور خاص طور پر ایک ماں کا دل دکھایا ہے' تمہیں اس مکان میں کبھی سکون نہیں ملے گا۔" عائشہ اختر خود کو فوراً" اتنا مصروف کرلیتی کہ کہیں یہ آواز اس پر حاوی نہ ہوجائے اور وہ ضمیر کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہونے پر مجبور ہوجائے۔

زوبیہ کی حالت کے ساتھ ساتھ اماں کا رویہ اور بلال اختر کا ماحول سے فرار اسے بری طرح تھکا گیا تھا اور اسی ذہنی اضطراب کے بیچ ایک دن ریاض غفار کا اچانک فون اسے بری طرح چونکا گیا۔

"بھ۔۔۔ بھیا۔۔۔ آپ۔" اتنے عرصے بعد ان کی آواز سن کر عائشہ اختر کا دل بھر آیا تھا' سب ہی کچھ تو چھوٹ گیا تھا' بلال اختر سے شادی کرکے وہ تو اپنی پچھلی زندگی سے مکمل طور پر ناتا توڑ بیٹھی تھی۔ شادی کے شروع میں بھلے ہی اسے احساس نہیں ہوا تھا' مگر اب اسے تنہائی شدت سے محسوس ہونے لگی

تھی۔ حالانکہ بلال اختر کے دوستوں کی بیویوں سے اس کی اچھی دوستی ہو گئی تھی' خود اپنی کچھ سہیلیوں سے اس کی اب تک بات چیت تھی جو صرف فون پر محدود تھی' مگر ظاہری بات ہے یہ سب چیزیں میکے کی کمی کو پورا نہیں کر سکتیں۔

"بھیا کیسے ہیں آپ؟" عائشہ اختر کی آواز بھرا گئی' دوسری طرف ریاض غفار جو صرف ہیلو کہہ کر خاموش ہو گئے تھے' کچھ چونکتے ہوئے گلا کھنکار کر کہنے لگے۔

"ہاں... ٹھیک ہوں' تم کیسی ہو؟" ان کا انداز بڑا نپا تلا تھا۔ مگر عائشہ اختر کے لیے یہی بہت تھا کہ انہوں نے اتنے سالوں بعد... فون تو کیا تھا' وہ ان کی سرد مہری نظرانداز کر کے بڑی بے چینی سے بولی۔

"اور... اور البیان اور بریرہ کیسے ہیں؟ بچے تو اب بڑے ہو گئے ہوں گے اور بھابھی کیسی ہیں؟"

"سب ٹھیک ہیں عائشہ... سنا ہے تمہاری بھی ایک بیٹی ہو گئی ہے۔" عائشہ اختر کی اتنی بے قراری دیکھ کر ریاض غفار نا چاہتے ہوئے بھی خول سے تھوڑا سا باہر آ گئے۔

"ہاں... ہاں... زوسیہ نام ہے اس کا' بہت پیاری ہے' بالکل گڑیا لگتی ہے۔" عائشہ اختر کے ایک ایک لفظ سے خوشی ٹپک رہی تھی۔

ریاض غفار کسی لمبی گفتگو کے موڈ میں نہیں تھے' انہوں نے جس مقصد سے فون کیا تھا' اس کے علاوہ وہ کچھ کہنا بھی نہیں چاہتے تھے' لیکن عائشہ اختر کی خوشی ان کی توقع کے بالکل برعکس تھی۔

انہیں امید نہیں تھی عائشہ اختر انہیں اتنا یاد کرتی ہو گی کہ ان کا فون سنتے ہی وہ خود پر سے اختیار کھونے لگے گی۔

جبکہ وہ عائشہ اختر سے ابھی تک ناراض تھے۔ ماں کی موت کے بعد تو ان کی ناراضی دگنی ہو گئی تھی' پھر وہ اپنی زندگی میں اتنے خوش اور مگن تھے کہ اگر عائشہ کی شادی انہوں نے عام حالات میں بھی کی ہوتی' تب بھی اس سے عید' بقر عید پر ہی ملا کرتے' مگر عائشہ اختر کے دیے دھوکے کے باعث اس زحمت کی ضرورت تھی نہ گنجائش اسی لیے وہ ساری رسمی اور غیر رسمی گفتگو سمیٹتے ہوئے اصل موضوع پر آ گئے۔

"آج صبح تمہاری ساس کا فون آیا تھا۔" ریاض غفار کہہ کر رک گئے۔ عائشہ اختر ایک دم ٹھٹک گئی' اس کے اندر فوراً" ہی خطرے کی گھنٹی بجنا شروع ہو گئی۔ ساری خوشی ایک پل میں کہیں دبک کر جا سوئی' وہ بالکل ہی ساکت رہ گئی' جب اس نے ریاض غفار کو کہتے سنا۔

"انہوں نے بتایا ہے شائستہ نامی ہماری بہن' جو کہ تمہاری جڑواں تھی اور بچپن میں ہمارے کسی رشتے کے تایا نے اسے گود لے لیا تھا اور پھر بعد میں وہ مر بھی گئی تھی' اس کی روح جو پہلے تمہیں بھی نظر آیا کرتی تھی' اب وہ تمہاری بیٹی زوسیہ کو نظر آتی ہے۔ پھر انہوں نے یہ بھی بتایا کہ تمہارا علاج کرنے والے پیر سائیں تو انتقال کر گئے ہیں' لیکن اگر میں کسی اور پیر کو جانتا ہوں تو خدارا انہیں بتا دوں' تاکہ وہ اپنی پوتی کو اس عذاب سے نکال سکیں۔" ریاض غفار کہہ کر ایک دم خاموش ہو گئے۔

عائشہ اختر ششدر رہ گئی' اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی ساس یہ جانتے ہوئے بھی کہ عائشہ اختر کا بھائی' بھابھی سے بالکل ملنا جلنا نہیں ہے' اس طرح انہیں فون کر کے اس کی بیٹی کی بیماری کے بارے میں سب بتا دیں گی عائشہ اختر کو بالکل خاموش دیکھ کر آخر ریاض غفار کو خود ہی کہنا پڑا۔

"یہ فون انہوں نے شگفتہ کو کیا تھا' اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ انہیں کیا کہے' تو اس نے مجھے پکڑا دیا' انہوں نے پھر دوبارہ میرے سامنے پوری تفصیل دہرائی' تب میری بھی سمجھ میں نہ آیا کہ میں کیا کہوں' تو میں نے بھی یہ کہہ کر انہیں ٹال دیا کہ ابھی میں بہت بزی ہوں' بعد میں بات کرتا ہوں۔ میری بات سن کر وہ بری طرح غصے میں آ گئیں اور کافی چیخ چیخ کر انہوں نے یوں سمجھ لو سارے ہی طعنے دے دیے۔

تین کپڑوں میں ہم نے بہن کو رخصت کر دیا۔
جہیز تو چھوڑو ایک چھلہ تک نہیں دیا۔
بیٹی پیدا ہوئی تو وہ بھی میکے سے کچھ نہیں آیا۔
ہم لوگ کون سا جائیداد میں سے عائشہ کا حصہ مانگ رہے ہیں' جو تم لوگ منہ چھپائے بیٹھے ہو۔
ویسے تو ماں' باپ کے انتقال کے بعد بہن بھائیوں کو جائیداد کا بٹوارا کر ہی لینا چاہیے' ضروری نہیں کہ بہن خود ہی ڈھیٹ بن کر مطالبہ کرے' وغیرہ وغیرہ۔" ریاض غفار ایک ہی سانس میں سب کہہ گئے' پھر جب سانس لینے کو رکے تو تھوڑی دیر عائشہ اختر کے بولنے کا انتظار کرنے کے بعد خود ہی کہنے لگے۔

"میں نہیں چاہتا کہ ان کی طرف سے ایسا کوئی فون دوبارہ آئے' یہ بات تم بلال کو اچھی طرح سمجھا دینا۔ ابھی تو میں نے شائستہ کے ذکر کو گول کر دیا ہے' لیکن اگر آئندہ اس بابت مجھ سے یا شگفتہ سے کوئی سوال کیا گیا تو ہم سب سچ بتا دیں گے۔ تم پر کون سا اثر تھا اور اس کے کیا کیا نتائج نکلے' ایک ایک بات میں کھول کر رکھ دوں گا۔ میں ابھی بھی سب کہہ سکتا تھا' مگر امی کی بات یاد آ گئی۔ وہ ہمیشہ کہا کرتی تھیں' آج تم کسی کے عیب پر پردہ ڈالو گے تو کل کو اللہ تعالیٰ تمہارے کسی عیب پر پردہ ڈال دے گا۔

تمہاری بیٹی کے بارے میں سن کر بہت دکھ ہوا' بس اسی ڈر نے مجھے خاموش رکھا کہ میرے آگے میری اولاد موجود ہے' شاید تمہارے راز پر پردہ رکھنے سے میرے بچوں کے کسی راز پر پردہ رہ جائے اور رہا سوال تمہاری جائیداد کا' اسے لینے کا کبھی خیال نہیں آیا' اللہ کا دیا اتنا ہے کہ تمہارا حصہ دینے کے بعد بھی ہمارے پاس کوئی کمی نہیں ہو جائے گی۔

لیکن اپنے حصے کے لیے تمہیں تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا' میں سب کچھ قانونی طور پر کروں گا' پورے کاغذات کے ساتھ' تاکہ کل کو تمہارا کلاس فون کر کے کوئی اور طعنہ نہ مار سکیں کہ میں نے بٹوارے میں بے ایمانی کی۔" اب کی بار ریاض غفار نے عائشہ اختر کے بولنے کا انتظار نہیں کیا اور سیدھا فون کاٹ دیا۔

عائشہ اختر پتھرائے ہوئے انداز میں ایرپیس سے آتی توں توں کی آواز سنتی رہی' اتنی ساری کیفیتوں نے بیک وقت اس پر حملہ کیا تھا کہ وہ سن ہو گئی۔

اتنے عرصے بعد بھائی کا فون آیا بھی تو اس نے کیا بات کی۔ اسے اس کی حرکت کی یاددہانی کرائی' اس کی غلطیوں پر شرمندہ کیا' اس کے تو سارے زخم ہی ہرے ہو گئے تھے۔

وہ اپنے کیے پر خود اتنی شرمندہ تھی' مگر خود سے نظریں چرائے یہ اعتراف کرنے سے انکاری تھی کہ اس نے کچھ غلط کیا تھا۔ وہ صرف اس بات پر بضد تھی کہ ساجدہ خاتون کا وقت آ گیا تھا۔ جو وہ ذرا سا بھی جھوٹ برداشت نہ کر سکیں اور چل بسیں۔

لیکن اب ریاض غفار کو یہ بھی پتا چل گیا کہ وہ سسرال میں بھی ایسی ہی جھوٹی کہانیاں سنا رہی ہے' گویا وہ سوائے جھوٹ بولنے اور دوسروں کے اعتماد کی دھجیاں اڑانے کے اور کچھ کر ہی نہیں سکتی۔

پھر اس پر جائیداد میں حصے کا مطالبہ۔۔۔ ہر چند کہ یہ سب بلال کی والدہ نے کہا تھا' مگر ان کی گفتگو نے یہ تو ظاہر کر دیا تھا کہ عائشہ اختر کو سسرال میں بنا جہیز کے آنے پر اکثر طعنے ملتے رہتے ہوں گے۔

حالانکہ بلال کے گھر میں پیسے کی بہتات تھی' انہیں جہیز کی محاورتاً" نہیں' بلکہ حقیقتاً" کوئی ضرورت نہیں تھی' مگر اماں کی فطرت میں خود خوش رہنا تھا' نہ دوسروں کو خوش دیکھنا تھا۔

اور پھر سب سے بڑھ کر زوبیہ کی بیماری ان پر آشکار ہو گئی تھی۔ یہ بات ابھی تک گھر کے لوگوں کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا اور اب یہ بات شگفتہ غفار کے علم میں آ گئی تھی۔ عائشہ اختر تو اب خاندان سے نہیں ملتی تھی' مگر

شگفتہ غفار کا آنا جانا تو ہر جگہ تھا۔ وہ سب کو بتا دیں گی ان کی بیٹی کی حالت کا' ہر جگہ' ہر خاص و عام میں ذکر کیا جائے گا۔

ایک بار پھر ان کے اندر لاوا ابلنے لگا' ایک بار پھر ان کے اور اماں کے درمیان ایک زوردار جھگڑا ہوا' اس بار تو بلال اختر بھی اماں پر خوب چیخے۔

جہیز کا مطالبہ اور زوبیہ کے بارے میں بتا کر انہوں نے بلال اختر کو بری طرح تپا دیا تھا۔ بلال اختر کا ردعمل دیکھ کر اماں کی زبان اور بھی زہر اگلنے لگی۔

"ہائے میرے بیٹے پر پتا نہیں کون سا کالا جادو کر دیا کہ وہ تو بس بیوی کی ہی زبان بولنے لگا ہے' ماں تو اسے نظر ہی نہیں آتی۔" اماں نوکروں کے سامنے تو کیا' ہر آئے گئے کے سامنے عائشہ اختر کی برائیاں کرنے نہ تھکتیں۔

عائشہ اختر کو لگ رہا تھا وہ پاگل ہو جائے گی کہ تب ہی وہ ہو گیا' جس کی عائشہ اختر کو شدید خواہش تو تھی' لیکن جس کا کبھی اس نے اظہار نہیں کیا تھا۔

اماں کو سردیوں کا بخار ہوا' جو ایک ہفتہ رہنے کے بعد جان لیوا ثابت ہوا۔ عائشہ اختر پر تو شادی مرگ طاری ہو گیا' زندگی ایک دم سے' بہت ہلکی پھلکی اور پرسکون لگنے لگی۔

مگر اس بار انہوں نے اپنے احساسات پر مکمل قابو رکھا اور بلال اختر پر بھی ظاہر نہیں ہونے دیا' جبکہ بلال اختر نے کچھ دن کا روایتی سا سوگ منانے کے بعد بڑے خوشگوار انداز میں آفس سے آتے ہی کہا۔

"آج زوبیہ کو جلدی کھانا کھلا کر سلا دینا' اسے آیا کے پاس چھوڑ کر ہم دونوں شاپنگ پر چلیں گے اور باہر سے ہی کھا کر آئیں گے۔" عائشہ اختر ان کا یہ بدلا ہوا انداز دیکھ کر کھل اٹھی اور ان کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اس نے واقعی زوبیہ کو جلدی سلا دیا۔

اس دن وہ دونوں بہت گھومے اور ایک دوسرے سے بہت ساری باتیں کیں' بلال اختر نے خود یہ اعتراف کیا کہ اماں اور ان کے جھگڑے کی وجہ سے بلال اختر کا گھر آنے کا دل ہی نہیں چاہتا تھا۔

"کوئی بات نہیں' اب وہ وقت گزر گیا ہے' اب ہم اپنی زندگی کو بھرپور طور پر انجوائے کریں گے۔" عائشہ اختر کی آنکھوں میں ستارے بھرے ہوئے تھے اور واقعی اگلا پورا ہفتہ ان دونوں نے ہنی مون پیریڈ کے طور پر گزارا' وہ بھول ہی گئے تھے کہ ان کی ایک بیٹی ہے' زوبیہ' جو دادی کی موت کے بعد سے بالکل تنہا ہو گئی ہے' یہ خیال تو انہیں تب آیا جب زوبیہ کے اسکول سے انہیں بلایا گیا۔

عائشہ اختر اکیلی ہی پرنسپل صاحبہ کے آفس پہنچ گئی اور وہاں جا کر اس پر آسمان ٹوٹ پڑا۔

زوبیہ کی کلاس میں ایک لڑکی تھی کنزی۔ اس کے والدین نے اپنی بچی کو اسکول سے اٹھا لیا تھا' کیونکہ کنزی نے گھر جا کر ان سے پوچھا تھا کہ۔۔۔

"یہ خودکشی کیا چیز ہوتی ہے۔" بیٹی کے منہ سے یہ سوال سن کر وہ حیران رہ گئے' جب انہوں نے اس سوال کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا' اس کی دوست زوبیہ کی خالہ کو کچھ لڑکوں نے اغوا کیا تھا' اس لیے انہوں نے خودکشی کر لی۔" عائشہ اختر پھٹی پھٹی آنکھوں سے پرنسپل صاحبہ کو دیکھتی رہی' جو کہہ رہی تھیں۔

"ایسی باتیں اتنی سی بچی کے سامنے کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ اسے اغوا اور خودکشی کا مطلب بھی پتا نہیں ہے اور وہ دوسروں کو بتاتی پھر رہی ہے۔ اگر زوبیہ کی وجہ سے کسی اور بچے کے پیرنٹس نے اسے اسکول سے اٹھایا تو میں زوبیہ کا نام اسکول سے کٹ کرنے پر مجبور ہو جاؤں گی۔" پرنسپل صاحبہ کے حتمی جملے پر عائشہ اختر گھبرا کر بولی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ وہ آئندہ کسی کو کچھ نہیں بتائے گی' میری تو کوئی بہن ہی نہیں ہے' جس نے خودکشی کی ہو۔ یہ تو ایک کہانی تھی' جو اس کی دادی نے اسے سنائی تھی اور اس نے اپنے حواسوں پر سوار کر لی۔" پرنسپل صاحبہ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"مسز اختر کون سی دادی ایسی کہانی اپنی چھ سالہ پوتی کو سنائے گی۔ دیکھیں یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے، کسی لڑکی کا اغوا ہونا، خودکشی کرنا، یہ سب تو تقدیر کے کھیل ہیں۔ اس میں گھر والوں کا کیا قصور۔ میں تو صرف یہ سمجھا رہی ہوں کہ ایسی باتیں زوبیہ کے سامنے نہ کریں اور زوبیہ کو سمجھائیں، وہ بھی ایسی باتیں کسی سے نہ کہے۔" عائشہ اختر کے اوپر گھڑوں پانی گر گیا۔

بلال اختر کا یہ جھوٹ تو انہیں بہت ہی مہنگا پڑ گیا تھا۔ گھر آ کر اس نے بلال اختر کو ساری گفتگو سنائی تو وہ بھی فکرمند ہو گئے۔ انہوں نے خود زوبیہ کو بٹھا کر سب سمجھانے کی کوشش کی۔ البتہ وہ اپنا جھوٹ نہ کھول سکے۔

بھلا اولاد کے سامنے کوئی بھی ماں، باپ یہ کیسے بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والدین سے کیسے کیسے جھوٹ بولے تھے۔ زوبیہ کی سمجھ میں ان کی بس ایک ہی بات آئی تھی کہ کسی سے کوئی بات مت کرنا، چنانچہ وہ اسکول میں لڑکیوں سے دور دور رہنے لگی۔

وہ شہر کے سب سے بڑے اور مہنگے اسکول میں پڑھتی تھی۔ جہاں ساری اچھے کھاتے پیتے گھر کی لڑکیاں ہی آتی تھیں۔ وہ دور بیٹھی خاموشی سے انہیں ہنستا اور کھیلتا دیکھتی رہتی، کبھی دل بھی چاہتا، تب بھی ان کے پاس نہ جاتی۔ ایک لڑکی سے دوستی کی تھی تو اس نے اسکول چھوڑ دیا۔ آخری دن جب وہ اسکول آئی تھی، تب اس نے بتایا تھا۔

"ممی، پاپا کہتے ہیں تم سے بات نہ کیا کروں، تم گندی لڑکی ہو۔" اگلے دن اس کے پیرنٹس کو اسکول بلا لیا گیا، جس پر بلال اختر بھی اسے بہت دیر سمجھاتے رہے۔

ان سب چیزوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ کسی سے بات ہی نہ کرو۔ زوبیہ نے یہی سوچا تھا کہ جب کچھ کہوں گی ہی نہیں تو شکایت کیسے ہو گی۔

اسے احساس بھی نہیں ہوا اور وہ دنیا سے کٹتی چلی گئی۔ اس نے سوال کرنا چھوڑ دیا، مگر سوالیہ نشان اس کے اردگرد گھومتے رہتے، اس کٹے پھٹے چہرے والی لڑکی کو دیکھ کر وہ چیخ پڑتی، نتیجتاً بلال اختر اسے ایک اور نئے ڈاکٹر کے پاس لے جاتے۔

یہ سلسلہ چلتا رہا، وقت گزرتا رہا اور آخر کار وہ ڈاکٹر شکیلہ کی مستقل پیشنٹ بن کر رہ گئی۔ عائشہ اختر یہ سوچتی رہی کہ اماں نہیں رہیں تو اب زندگی میں سکون ہو گا۔ اس کا یہ خیال، خام خیال ہی رہا۔

☼ ☼ ☼
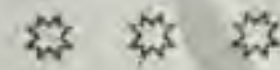
ریاض غفار نے ان کے حصے کی ساری جائیداد دے دی اور ساتھ میں کچھ ایسی کڑوی کسیلی سنا دی کہ ان کے اور بلال اختر کے بیچ شدید تلخ کلامی ہو گئی اور عائشہ اختر جو یہ سوچتی تھیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بھائی کے ساتھ کشیدگی ٹھیک ہو جائے گی، وہ صرف یہ سوچتی ہی رہ گئیں اور ایسا کچھ نہ ہوا۔

زوبیہ کی بیماری ایک معمول بن گئی۔ مگر وہ اس کی عادی نہ ہوئیں، وہ جب اپنی اکلوتی بیٹی کو دیکھتیں، ان کے دل سے ہوک اٹھتی تھی، خدا نے اس کے بعد انہیں کوئی اولاد بھی نہیں دی، بلال اختر کو شوق بھی نہیں تھا، اس وقت تو عائشہ اختر بھی مزید کوئی ذمہ داری اٹھانا نہیں چاہتی تھیں۔

مگر زوبیہ کے جوان ہونے کے بعد انہیں لگتا تھا ایک اور اولاد ہونی چاہیے تھی، ایک نارمل اولاد۔ لیکن پھر انہیں لگتا دوسری اولاد ہوتی تو وہ بھی آزمائش ہوتی، کیونکہ ان کی زندگی میں تو سکون ممکن ہی نہیں۔

ایک طویل سفر طے کرنے کے بعد بلال اختر نے اس گھر کو بیچ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ عائشہ اختر نے جب سنا تو وہ بالکل تیار نہ ہوئیں۔ جس گھر کی وجہ سے انہوں نے اپنی ماں سے اتنا جھوٹ بولا، انہیں اتنی اذیت دی، اسے ہی بیچ دیں، وہ کسی طور نہ مانیں۔

مگر بلال اختر بھی اڑ گئے۔ عائشہ اختر نے ایک بار وپریشن میں کہہ دیا تھا کہ ساجدہ خاتون نے کہا تھا۔

"تمہیں اس گھر میں کبھی سکون نہیں ملے گا۔" بس بلال اختر کو لگا کہ اس گھر کو بیچ دینے میں ہی بہتری ہے۔

ان کے اخبار میں اشتہار دیتے ہی ایک زمانے بعد ریاض غفار نے ان سے رابطہ کیا، وہ اس گھر کو منہ مانگے داموں میں خریدنے کے لیے تیار تھے۔

مگر بلال اختر کی ازلی ضد ایک بار پھر حائل ہو گئی۔ حالانکہ فرقان حسن اس وقت صرف گھر دیکھنے آئے تھے۔ انہوں نے گھر خریدا نہیں تھا، پھر بھی بلال اختر نے یہی کہا کہ میں ڈیل کر چکا ہوں، ریاض غفار کی آواز سن کر انہوں نے گھر جلد سے جلد بیچ دینے کا فیصلہ کیا اور فرقان حسن کے پاس آ کر ڈیل منظور کر لی۔

لیکن گھر بیچنے کے بعد بھی صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، وقتی طور پر عائشہ اختر اور بلال اختر کو ایسا لگا کہ زوبیہ کی حالت سنبھل گئی، لیکن آگے چل کر تو نوبت پولیس کیس بن جانے تک آ گئی، جس کے نتیجے میں زوبیہ کو مینٹل اسپتال میں ایڈمٹ ہونا پڑا جو ہوا تھا اس کے بعد عائشہ اختر پر پہاڑ بھی ٹوٹتا تو کم تھا۔

بیٹی کی بیماری کا ساری دنیا کے سامنے تماشا۔

اس کا ذہنی مریضوں کے اسپتال میں داخل ہونا۔

اور ایک بہت بڑے آدمی کے بیٹے کے قتل کی کوشش کا الزام سر پر ہونا جو کسی طور انہیں بخشنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

انہیں لگ رہا تھا خود ان کا ذہنی توازن بگڑ جائے گا۔ اسی حالت میں انہوں نے اتنے سالوں میں پہلی بار ریاض غفار کو فون کیا، تو دوسری طرف وہ عائشہ اختر کی آواز بھی نہیں پہچانے، عائشہ اختر کو ایک اور دھچکا لگا وہ بے ربط انداز میں بولنے لگیں۔

"کیا ہو گیا بھیا، میری آواز ابھی اتنی بوڑھی تو نہیں ہوئی کہ بالکل بدل جائے۔"

"عائشہ!" ریاض غفار چونک اٹھے۔

"ہاں وہی عائشہ جسے آپ جیتے جی مار چکے۔ بیٹے کی شادی کر دی بیٹی کی شادی کر دی، کسی ایک موقع پر بھی خیال نہیں آیا۔ بریرہ کی شادی کا تو لوگوں کے ذریعے علم ہوا تھا، الیان کی شادی کی تو خبر ہی نہیں ہوئی۔ میں اس رات پیلس ہوٹل میں پینٹنگ کی نمائش دیکھنے گئی، جب وہاں سے باہر نکلنے لگی تو ایک بورڈ پر نظر پڑی، جس پر الیان کی شادی کسی رومیلہ کے ساتھ ہونے کی تفصیل لکھی تھی۔ پڑھتے ہی دل میں خیال آیا یہ اپنا الیان نہیں ہو سکتا، لیکن پھر بھی تصدیق کرنے اندر آ گئی، بیٹی بھی ساتھ تھی، اسے ڈائننگ ہال میں چھوڑ کر ہال روم میں آئی تو اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا۔ الیان اتنا بڑا ہو گیا ہے، اتنے سالوں بعد سب کو دیکھ کر کتنی تکلیف ہوئی، پھر اس کے ساتھ جو دلہن بنی لڑکی بیٹھی تھی وہ تو اس کے قابل ہی نہیں تھی، اس کی جگہ میری بیٹی کو ہونا چاہیے تھا، الیان کے پیدا ہوتے ہی میں نے کہہ دیا تھا اس کی شادی میری بیٹی سے ہو گی، مگر آپ۔"

"تم نے اتنے سالوں بعد یہ ساری باتیں کرنے کے لیے فون کیا ہے۔" ریاض غفار بگڑ کر بولے تو آفس میں ان کے سامنے والی چیئر پر فائل پر جھکا الیان چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"ہاں کیونکہ اتنے سال گزرنے کے بعد بھی میں وہیں کھڑی ہوں جہاں پہلے دن کھڑی تھی۔ امی نے مرنے سے پہلے کہا تھا، تمہیں اس گھر میں کبھی سکون نہیں ملے گا، لیکن اب تو میں اس گھر میں نہیں ہوں، پھر بھی سکون نہیں ہے، الیان کی شادی کے ہال سے باہر نکلی تو دماغ کام ہی نہیں کر رہا تھا۔ کیا اتنا بڑا جرم کیا تھا میں نے کہ سارے تعلق ہی ختم کر لیے آپ نے۔ دل چاہا بیٹی کو بتاؤں، برابر والے ہال میں تمہارے سگے ماموں زاد کی شادی ہو رہی ہے، دل چاہا آپ سب سے ملاؤں اپنی بیٹی کو لیکن پھر سوچا اگر آپ نے پہچاننے سے ہی انکار کر دیا تو بیٹی کو کیا جواب

دوں گی۔" عائشہ اختر بغیر رکے ہیجانی انداز میں بول رہی تھیں۔ ریاض غفار کو ان کے اچانک فون اور اس گفتگو پر حیرت ہونے کے ساتھ ساتھ غصہ آرہا تھا' وہ ایک بار پھر ان کی بات کاٹ کر چبا کر بولے۔

"ہاں جواب میں سچ اس قابل تو ہے نہیں کہ تم اپنی بیٹی کو بتا سکو۔ اتنے سالوں بعد بھی شرمندہ ہونے کی بجائے تم یہی کہہ رہی ہو کیا اتنا بڑا جرم کیا تھا میں نے' آفرین ہے تم پر عائشہ۔" ریاض غفار کو اتنے غصے میں دیکھ کر الیان اٹھ کر ان کے قریب آگیا۔

"ہاں بیٹی کو بتانے کے قابل تو کچھ بھی نہیں ہے' مگر اسے تو سب پتا ہے' وہ تو وہی سب کر رہی ہے' جو میں نے کیا تھا امی کے ساتھ' امی نے جوان بیٹی کے پاگل پن کو چھپانے اور روکنے کے لیے گھر بیچ دیا تھا۔ ہم نے بھی بیچ دیا' مگر اس کا پاگل پن تو پھر بھی سب کے سامنے آگیا' وہ تو پاگل خانے میں ایڈمٹ ہوگئی ہے۔"

"کیا؟" ریاض غفا جو سخت برہمی سے خود کلامی کے انداز میں بولتی عائشہ اختر کو سن رہے تھے' ایک دم ٹھٹک گئے۔

"کیوں؟ آپ کو نہیں پتا' اخبار میں چھپ چکا ہے' سب نے پڑھ لیا ہے' بلال اختر نے تو اپنا فون کل سے بند کر رکھا ہے' ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل تھوڑی رہے ہیں۔" ریاض غفار شاک کے عالم میں عائشہ اختر کو سن رہے تھے' جن کی گفتگو سے صاف ظاہر تھا وہ کسی ٹرانس میں بول رہی ہیں کہ تب ہی انہیں پیچھے سے بلال اختر کی آواز سنائی دی۔

"کس سے بات کر رہی ہو۔"

"ہاں۔۔۔ آں۔۔۔ میں۔" عائشہ اختر بری طرح چونکیں اور پھر ایک دم فون کٹ گیا۔

ریاض غفار سکتہ کے عالم میں کھڑے رہ گئے۔

"ڈیڈی۔۔۔ آپ ٹھیک تو ہیں' کیا ہوا؟" الیان نے ان کا کندھا ہلایا۔

"تم نے اخبار میں عائشہ کے بارے میں کوئی خبر پڑھی ہے کیا؟" ریاض غفار ابھی تک صدمے کے زیر اثر تھے۔

"کب کے اخبار میں؟ آج تو میں نے اخبار ہی نہیں دیکھا۔"

"آج کی نہیں ایک' دو دن پہلے کی بات ہوگی۔ عائشہ کی بیٹی پاگل خانے میں داخل ہوگئی ہے اور یہ خبر اخبار میں آئی ہے۔"

"کیوں؟" الیان خود حیران رہ گیا' پھر اس نے اسی وقت کئی دنوں کے اخبار منگوا لیے۔

تین دن پہلے کے اخبار میں پوری تفصیل درج تھی' وہ دونوں ہی دنگ رہ گئے۔ ریاض غفار جب کافی دیر تک کچھ نہ بولے تو الیان نے ہی خاموشی کو توڑا۔

"ڈیڈی۔۔۔ میرے خیال ہے اب آپ پچھلی باتیں بھول کر پھپھو سے ملنے چلیں' وہ اس وقت بہت ڈپریس ہیں۔" ریاض غفار خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتے رہے' پھر ہلکے سے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے کہنے لگے

"This in not the perfect time for this. ہم اگر اس سے ملنے گئے تو وہ ہمارے ساتھ بہت برے طریقے سے پیش آئے گی' ابھی بھی تمہاری شادی کو لے کر اس نے جس قسم کی گفتگو کی ہے تمہاری مما تو خیر کیا برداشت کریں گی' خود میرے لیے سننا مشکل ہوگیا تھا۔" الیان خاموش رہا تو وہ حیرانی اور تاسف سے کہنے لگے۔

"ابھی بھی اسے اپنے کیے پر پچھتاوا نہیں ہے۔ شرمندگی نہیں ہے' اسے اپنی زندگی میں سکون نہ ہونے پر تو سخت افسوس ہے' لیکن دوسروں کے سکون کو غارت کرنے کا کوئی ملال نہیں۔ جب اس کا رویہ یہ ہے تو بلال کا کیا

ہوگا' ہم جائیں گے تو وہ اپنے ڈپریشن کو ہم پر ہی نکال دیں گے۔" ریاض غفار بات ختم کرتے ہوئے اٹھ گئے۔

الیان نے بھی زیادہ بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموش ہوگیا' وقت گزرنے کے ساتھ وہ اس خبر کو بھول بھی گیا کہ اچانک ایک دن بریرہ نے فون پر بات کرتے ہوئے کہا۔

"بھیا کیا عائشہ پھپھو کی بیٹی پاگل خانے میں ہے۔"

"ہاں تمہیں کیسے پتا؟" الیان نے پوچھا۔

"کل رات ممی سے بات ہو رہی تھی تو انہوں نے بتایا کہ ڈیڈی ان سے ذکر کر رہے تھے' کچھ لوگوں کے منہ سے ممی پہلے ہی سن چکی تھیں' مگر انہوں نے گھر میں کسی کو بتایا ہی نہیں' لیکن انہیں نہیں معلوم تھا کہ ڈیڈی کو بھی معلوم ہے۔"

مجھے بہت دکھ ہوا بھیا۔ آپ سب یہ سوچ کر بیٹھ گئے کہ یہ عائشہ پھپھو کا مسئلہ ہے' کسی نے نہ یہ جاننے کی کوشش کی' نہ یہ پتا کرنے کی کہ آیا واقعی عائشہ پھپھو کی بیٹی کے ساتھ کوئی ذہنی مسئلہ ہے یا وہ بھی میری طرح کسی سازش کا شکار ہوگئی ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو بریرہ۔" الیان نے ٹوکتے ہوئے کہا تو بریرہ دکھی لہجے میں کہنے لگی۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں' یہاں حامد کی کزنز کبھی کبھی مذاق میں کہتی ہیں کہ آپ کے اور رومیلہ کے بیچ دھواں دھار عشق چل رہا ہوگا' مگر ان کے گھر والے راضی نہیں ہوں گے فلمی اسٹوری کی طرح گھر والوں نے رومیلہ کی شادی طے کردی' مگر عین وقت پر دولہا چینج ہوگیا اور شادی الیان بھائی سے ہوگئی۔"

ان کے یہ مذاق مجھے بہت تکلیف دیتے ہیں' مگر میں خاموش رہتی ہوں۔ سچ کیا ہے' وہ صرف ہم جانتے ہیں۔ ایسے ہی ہو سکتا ہے زوبیہ کی ذہنی بیماری کی آڑ میں وہ لڑکا جس پر زوبیہ نے حملہ کیا تھا جانے کیا سازش کھیل رہا ہو' بظاہر یہی لگ رہا ہے کہ زوبیہ پاگل ہے' اس لیے اس نے حملہ کردیا۔

میں پھپھو سے دوبارہ صلح کرنے کو نہیں کہہ رہی' اس معاملے میں تو آپ بھی بہت ایگوایسٹک ہیں۔ جب آپ نے اپنے دوست کو اس کی غلطی پر معاف نہیں کیا جو شرمندہ ہے تو ایسے شخص کو معاف کرنے کی بات کیوں کریں گے جسے کوئی گلٹ ہی نہیں' لیکن زوبیہ کے بارے میں تو پتا کریں کہ اس کے ساتھ ہوا کیا' سچ صرف وہی تو نہیں ہوتا جو نظر آتا ہے' سچ وہ بھی ہوتا ہے' جو نظر نہیں آتا۔

☼ ☼ ☼

ڈرائنگ روم میں بالکل جامد خاموشی تھی' جیسے کسی کے سانس لینے کی آواز بھی نہ آرہی ہو' خرم اس لیے خاموش تھا کہ جو اس نے سنا تھا وہ ناقابل یقین تھا اور الیان اس لیے چپ تھا کہ کہنے کے لیے کچھ بچا نہیں تھا۔

حالانکہ خرم زوبیہ کی ذہنی حالت کے بارے میں سب جان چکا تھا' وہ خود دیکھ چکا تھا کہ زوبیہ کی نظر میں جو کچھ اس کی شائستہ خالہ کرتی ہیں در حقیقت وہ سب وہ خود ہی کر رہی ہوتی ہے۔ شائستہ خالہ جیسا کوئی بھوت یا روح ہے ہی نہیں۔

مگر تب بھی اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ شائستہ خالہ کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں وہ مری نہیں' بلکہ کبھی پیدا ہی نہیں ہوئیں۔

زوبیہ نے جب اسے بتایا تھا کہ اس نے اپنی ماں سے جب بھی شائستہ خالہ کے بارے میں پوچھا انہوں نے ہمیشہ یہی کہا' ان کی ایسی کوئی بہن نہیں ہے۔

تب بھی خرم نے زوبیہ کی طرح یہی سوچا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہیں' ان کی شائستہ نام کی بہن ہے' مگر اس نے

کچھ ایسا کیا ہے، جو عائشہ اختر بتانا نہیں چاہتیں۔ لہٰذا اس موضوع سے بچنے کے لیے وہ شائستہ کے وجود سے ہی انکاری ہو جاتی ہیں۔

زوبیہ کی باتیں سن کر خرم کو بھی شوق ہوا تھا اس مسٹری کو حل کرنے کا، وہ تو کھوج لگاتا فارم ہاؤس پر جا کر قبر تک کھود آیا تھا۔

لیکن جو سچ سامنے آیا تھا اس کی تو خرم کو امید بھی نہیں تھی، جب زوبیہ یہ سب سنے گی تو اسے کیسا لگے گا۔ کیا وہ یقین کرے گی؟ عائشہ اختر اور بلال اختر نے کبھی اسے سچ نہیں بتایا، وہ صرف یہ سوچتے رہے کہ بس ان کے جھوٹ پر پردہ پڑا رہے، باقی زوبیہ شائستہ خالہ کو لے کر کس قدر پریشان ہے، اس سے انہیں کوئی غرض نہیں تھی۔

کیونکہ وہ تو زوبیہ کو شروع سے ذہنی مریضہ سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے جب شائستہ نامی کوئی ہستی ہے ہی نہیں تو بھلا اس کی روح کیسے نظر آسکتی ہے، لہٰذا انہوں نے اس کے سوالوں کا جواب دینا بھی ضروری نہیں سمجھا، جب بھی زوبیہ نے یہ ذکر چھیڑا عائشہ اختر نے بری طرح اسے جھڑک دیا، جیسے زوبیہ نے ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہو، انہیں یاد دلا دیا ہو اپنی ماں کے ساتھ کیے ان کے ڈرامے کو، اپنے گھر والوں کے ساتھ کیے دھوکے کو اور اپنے پیاروں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو دینے کو۔ آخر الیان نے ہی اس جامد خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔

”مجھے اپنی بہن کی بات ٹھیک لگی تھی۔ ہو سکتا ہے واقعی اسے کسی سازش میں پھنسا کر جان بوجھ کر پاگل خانے میں ڈال دیا ہو۔ میں پھپھو اور بلال اختر سے تو ملنا نہیں چاہتا تھا، اس لیے اسپتال گیا تھا کہ شاید زوبیہ سے بات کر کے کچھ پتا چل جائے، مگر وہاں انہوں نے ملنے ہی نہیں دیا اور ٹھیک ہی کیا۔ میں نے بتایا تھا کہ میں کزن ہوں۔ کزن وغیرہ کو پیشنٹ سے ملنے کی اجازت نہیں ہوتی، خاص طور پر ایسی صورت میں جب پولیس کیس بھی ہو۔ کیا تم مل سکے تھے؟ اور تم کیسے جانتے ہو زوبیہ کو؟“ الیان اپنی گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے خرم کے ساتھ اس کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا، خرم نے اسے چائے وغیرہ بھی پلوا دی تھی، مگر ابھی تک الیان اس سے باقاعدہ تعارف حاصل نہیں کر سکا تھا۔

”مجھے تو زوبیہ نے ہی بلوایا تھا ملنے کے لیے، اس لیے اجازت مل گئی۔“ خرم کی سمجھ میں نہ آیا، وہ کیسے بتائے کہ وہ زوبیہ کو کیسے جانتا ہے، جبکہ الیان اب بھی اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا، چنانچہ اسے کہنا پڑا۔

”یوں سمجھ لو کہ وہ میری دوست ہے، حالانکہ وہ کوئی بہت فرینڈلی لڑکی نہیں ہے۔ لیکن۔۔۔ جب مجھے شائستہ خالہ کی روح کے بارے میں پتا چلا تو میں نے اس کی مدد کرنی چاہی۔“ یہ کہہ کر خرم نے مختصر الفاظ میں اسے فارم ہاؤس پر جانے اور قبر تک کھدوا ڈالنے کے متعلق بتا دیا۔

”لیکن جب میں نے خود اپنی آنکھوں سے اسے اپنے دوست پر حملہ کرتے دیکھا تو۔۔۔“ خرم نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی، الیان کچھ خاموش سا ہو گیا۔

اسے زوبیہ کے ساتھ کسی سازش کا کوئی نشان نہیں مل رہا تھا جو کچھ پیپرز میں چھپا تھا، شاید وہی سچ تھا، اب جاننے اور معلوم کرنے کے لیے کچھ بچا نہیں تھا تو وہ ایک دم گہرا سانس کھینچتا کھڑا ہو گیا۔

”اوکے خرم، پھر میں چلتا ہوں، زوبیہ سے تو ملاقات نہیں ہوئی، مگر تمہارے ذریعے وہ سب پتا چل گیا جو میں جاننا چاہتا تھا، زوبیہ سے اگر میں مل بھی لیتا تو بھی شاید وہ کچھ نہ بتاتی، وہ تو مجھے جانتی بھی نہیں۔“ الیان نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تو خرم بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

جیسے ہی وہ باہر نکلے فرقان حسن آفس سے واپس آتے ہوئے اسی وقت گھر میں داخل ہوئے، الیان نے اخلاقاً رک کر انہیں سلام کیا، تو فرقان حسن سوالیہ نظروں سے خرم کو دیکھنے لگے۔

”ڈیڈ یہ الیان ہے، ابھی نیا نیا دوست بنا ہے۔“

”اچھا وعلیکم السلام، تم بھی خرم کی یونیورسٹی میں پڑھتے ہو؟“ انہوں نے محض کچھ بات کرنے کے لیے پوچھا تو الیان مسکرا دیا۔

”نہیں انکل، میری پڑھائی تو ختم ہو چکی ہے، میں تو بزنس کرتا ہوں۔“ پھر خرم سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

”خرم اپنی گاڑی آج ہی لے لینا، زیادہ دیر پولیس کے پاس چھوڑنا ٹھیک نہیں اس گاڑی میں کوئی واردات بھی ہو سکتی ہے۔“ الیان کی بات پر خرم نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

”کیا ہوا، تمہاری گاڑی کو؟“ فرقان حسن چونکے۔

”میں نے نو پارکنگ میں کھڑی کر دی تھی، پولیس لے گئی ہے۔“ خرم نے سرسری انداز میں کہا تو فرقان حسن نے جیب سے موبائل نکالتے ہوئے فوراً پوچھا۔

”کہاں کھڑی کی تھی، میں ابھی نکلوا تا ہوں۔“ انہوں نے موبائل میں سے نمبر تک نکال لیا، لیکن جب خرم نے اسپتال کا نام بتایا تو فرقان حسن ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگے اور جب وہ الیان کو رخصت کر کے فارغ ہو گیا، تب سرد سے لہجے میں بولے۔

”تمہاری گاڑی اس اسپتال کے گیٹ کے سامنے کیوں کھڑی تھی؟“

”جی۔۔۔“ خرم نے چونک کر انہیں دیکھا۔

”زوبیہ بھی اسی اسپتال میں ایڈمٹ ہے نا، کیا تم اس سے ملنے گئے تھے؟“ خرم ان کے لہجے میں چھپے شک اور غصے کو بخوبی محسوس کر گیا، پھر بھی اس نے جھوٹ بولنا نہیں چاہا اور سچ کہہ دیا۔

”جی زوبیہ سے ملنے گیا تھا۔“

”جب تم نے اس کے خلاف گواہی دی تو میں سمجھا کہ۔۔۔“ انہوں نے جس طرح ہونٹوں کو بھینچا تھا، اس سے محسوس ہوا تھا انہوں نے خود کو کوئی سخت بات کہنے سے بڑی مشکل سے روکا ہو۔

”کیا سمجھے تھے آپ اور اب کیا سمجھ رہے ہیں، میں سب سمجھتا ہوں۔ لیکن آپ سب غلط سمجھ رہے ہیں، مجھے لگا اس سے ملنے جانا چاہیے لہٰذا میں چلا گیا، باقی اس کا پاگل پن اور جرم اپنی جگہ ہے اور وہ رہے گا۔“ خرم یہ کہہ کر رکا نہیں اور جانے کے لیے پلٹ گیا۔

فرقان حسن بھی ایسے خاموش رہے جیسے بحث نہ کرنا چاہتے ہوں، البتہ اسے اطلاع دینے والے انداز میں آواز لگا کر بولے۔

”نمل کے والد عظمت خلیل نے ہم سب کو آج کھانے پر بلایا ہے، اگر انہوں نے شادی کی تاریخ مانگی تو میں تمہارے امتحان کے بعد کی دے دوں گا۔“ خرم ٹھٹک کر رک گیا۔

(باقی آئندہ)

ناگزیر وجوہات کی بنا پر ناولٹ ”وہ اک پری سی“ کی بارہویں قسط شامل اشاعت نہیں۔ قارئین یہ قسط ان شاء اللہ اگلے ماہ پڑھ سکیں گے۔

شعاع عمیر

سب کچھ اللہ سے ہونے کا یقین

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نصیحت فرمائی۔ "اے لڑکے! اللہ (کے حق) کی حفاظت کرو، اللہ تمہاری حفاظت کرے گا، اللہ کا دھیان رکھو تو اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ اگر کسی سے سوال کرنا ہو تو صرف اللہ ہی سے سوال کرو اور جب کسی سے مدد مانگنی ہو تو صرف اللہ ہی سے مدد مانگو اور اچھی طرح جان لو کہ اگر سارے انسان مل کر تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں تو اس سے زیادہ فائدہ نہیں پہنچا سکتے جتنا اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور اگر سارے انسان جمع ہو کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو اس سے زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتے، جتنا اللہ نے تمہاری قسمت میں لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھالیا گیا ہے اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔"

(ترمذی)

حمیرہ شہناز۔۔۔ سعودی عرب

حکمت کے پھول

☆ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں۔ فضول گوئی سے بچنے والے کو حکمت و دانائی عطا کی جاتی ہے۔

☆ فضول نگاہی سے بچنے والے کو خشوع قلب نصیب ہوتا ہے۔

☆ فضول طعام چھوڑنے والے کو عبادت میں لذت دی جاتی ہے۔

☆ مذاق، مسخرہ پن سے بچنے والے کو رعب و دبدبہ عنایت ہوتا ہے۔

مذاق، مسخرہ پن سے بچنے والے کو نور ایمان نصیب ہوتا ہے۔

دنیا کی محبت سے بچنے والے کو آخرت کی محبت دی جاتی ہے۔

دوسروں کے عیب ڈھونڈنے سے بچنے والے کو اپنے عیبوں کی اصلاح کی توفیق ملتی ہے۔

انیقہ انا۔۔۔ چکوال

اظہار رائے کی آزادی

مسلمہ ابن جوزیؒ اپنی کتاب "المنتظم" میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں برسر منبر یہ اعلان فرمایا۔ "جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر چار سو درہم تھا، اس لیے کوئی شخص اس سے زیادہ عورتوں کا مہر مقرر نہ کرے۔ کسی نے اگر اس سے زیادہ مہر مقرر کیا تو وہ رقم ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دی جائے گی۔" یہ فرمان فاروقی سن کر تمام حاضرین خاموش رہے، مگر ایک عورت کھڑی ہو گئی اور اس نے کہا۔ "اے امیر المومنینؓ! اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ اگر عورتوں کو تم نے مہر میں کثیر مال دیا ہے تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو! امیر المومنینؓ آپ کے لیے یہ کس طرح حلال ہو سکتا ہے کہ چار سو درہم سے زیادہ جو مہر ہو گا، اسے آپ ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیں؟" امیر المومنینؓ نے عورت کی گفتگو سن کر ارشاد فرمایا۔ "عورت نے درست جواب دیا اور مرد غلطی کر بیٹھا۔" اسلامی تاریخ کے اس واقعے سے عہد فاروقی میں اظہار رائے کی آزادی اور عدل کی بالادستی کا پتا چلتا ہے۔

فرزانہ منصور۔۔۔ کراچی

اپریل فول حقیقت کے آئینہ میں

اپریل لاطینی زبان کا لفظ اپریلس aprilis یا اپرائر Aprire سے ماخوذ ہے۔ جس کا مطلب پھولوں کا کھلنا یا کونپلیں پھوٹنا ہے۔ قدیم رومی قوم موسم بہار کی آمد پر شراب کے دیوتا کی پرستش کرتی اور اسے خوش کرنے کے لیے لوگ شراب پی کر اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتے اور جھوٹ بول کر ایک دوسرے سے مذاق کرتے۔ یہ جھوٹ رفتہ رفتہ اپریل فول کا اہم حصہ بن گیا۔ انسائیکلو پیڈیا انٹرنیشنل کے مطابق مغربی ممالک میں یکم اپریل کو عملی مذاق کا دن قرار دیا جاتا ہے۔ اس دن ہر طرح کی نازیبا حرکات کی چھوٹ ہوتی ہے اور لوگ جھوٹ کا سہارا لے کر ایک دوسرے سے مذاق کرتے ہیں۔

جب عیسائی افواج نے اسپین فتح کیا تو قتل و غارت کے سبب ان کو یقین تھا کہ اب اسپین میں کوئی بھی مسلمان زندہ نہیں بچا پھر بھی حکومتی جاسوس گلی گلی گھومتے رہے کہ کوئی مسلمان نظر آئے تو اسے شہید کر دیا جائے۔ جو مسلمان بچ گئے وہ اپنے علاقے چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں جا بسے اور حلیے بدل کر عیسائی نام رکھ لیے۔ اب بظاہر اسپین میں کوئی مسلمان نظر نہیں آ رہا تھا مگر عیسائیوں کو یقین تھا کہ سارے مسلمان ختم نہیں ہوئے کچھ چھپ کر اور اپنی شناخت چھپا کر زندہ ہیں۔

اب چھپے ہوئے مسلمانوں کو منظر عام پر لانے کی ترکیب سوچی گئیں پھر ایک منصوبہ بنایا گیا۔ پورے ملک میں اعلان ہوا کہ یکم اپریل کو تمام مسلمان غرناطہ میں اکٹھے ہو جائیں تاکہ انہیں ان ممالک میں بھیجا جا سکے جہاں وہ جانا چاہتے ہیں۔ اب چونکہ ملک میں امن قائم ہو چکا تھا اور خود کو مسلمان ظاہر کرنے میں بظاہر کوئی خوف نہیں تھا۔ مارچ کے پورے مہینے اعلانات ہوتے رہے الحمرا کے نزدیک بڑے بڑے میدانوں میں خیمے نصب کر دیے گئے، جہاز آ کر بندرگاہ پر لنگر انداز ہوتے رہے اور مسلمانوں کو ہر طریقے سے یقین دلایا گیا کہ انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ جب مسلمانوں کو یقین آ گیا کہ ان کے ساتھ کچھ نہیں ہو گا تو وہ غرناطہ میں جمع ہونے لگے۔ حکومت نے تمام مسلمانوں کی کافی خاطر مدارات کی۔ یہ کوئی سات، آٹھ سو برس پہلے یکم اپریل کا دن تھا جب تمام مسلمانوں کو بحری جہازوں میں بٹھا کر سفر پر روانہ کر دیا گیا۔ مسلمانوں کو اپنا وطن چھوڑنے کا دکھ تھا تو جان بچ جانے کی خوشی۔ جب جہاز سمندر کے عین وسط میں پہنچے تو منصوبہ بندی کے تحت انہیں ڈبو دیا گیا۔ یوں جہازوں پر سوار تمام مسلمان سپرد آب کر دیے گئے۔ اس کے بعد اسپین بھر میں جشن منایا گیا کہ ہم نے کس طرح اپنے دشمنوں کو بے وقوف بنایا۔ پھر یہ دن اسپین سے نکل کر پورے یورپ میں فتح کا عظیم دن بن گیا اور اسے انگریزی میں First April fool کا نام دیا گیا یعنی یکم اپریل کے بے وقوف۔ آج بھی عیسائی دنیا اس دن کی یاد بڑے اہتمام سے مناتی ہے۔

آؤ سچے موتی چن لیں

1 ۔ محبت آبلہ ہے، قائم رہے تب بھی درد، پھوٹ جائے تو بھی ناقابل برداشت مگر ہم سب پھر بھی اسیر محبت ہیں، کیونکہ زندگی محبت کی محتاج ہے۔

2 ۔ محبت ایک ایسا پیڑ ہے جس کی سالوں تک خون جگر سے آبیاری کرو تو ایک ہی بار پھل دے کر ختم ہو جاتا ہے، اب یہ آپ کی قسمت کہ پھل میٹھا ہے یا کڑوا۔

3 ۔ آج کے دور میں وفا خود اذیتی کا دوسرا نام ہے۔

4 ۔ محبت زندگی کے اندھیروں میں ایسا چراغ ہے جو اکثر گھر کو آگ لگا دیتا ہے۔

5 ۔ جالا چھت کا ہو یا ذہن کا صاف کیا جا سکتا ہے، مگر دل کے شیشے سے بال نہیں نکالا جا سکتا۔

6 ۔ مجبوریاں خریدنے والے بہت جلد کنگال ہو جاتے ہیں۔

نزہت حیدر۔۔۔ کبیر والا

☆ ☆ ☆

بشریٰ محمود

رانی، کی ڈائری میں تحریر
امجد بخاری کی غزل

تو سجود و قیام کے پیچھے
اور میں ہوں امام کے پیچھے

جامِ کوثر کو آشکارا کر!
کون مخفی ہے جام کے پیچھے

سدرۃُ المنتہیٰ سے آگے تو
کیا ہے تیرے مقام کے پیچھے

کون ہے لا سے لا الٰہ تک
کون ہے اس کلام کے پیچھے

کیا دکھاتا ہے روشنی دے کر
کیا چھپاتا ہے شام کے پیچھے

لفظِ "کُن" سے جہاں بنا ڈالا
بھید کیا تھا تمام کے پیچھے

کھیل کیسا رچا دیا تُو نے
روزِ محشر کے نام کے پیچھے

میم سے پہلے مر گیا امجد
جب چلا الف لام کے پیچھے

راشدہ مریم، کی ڈائری میں تحریر
محسن نقوی کی نظم

ابھی کیا کہیں ابھی کیا سنیں
کہ سرِ فصیل سکوتِ جاں
کفِ روز و شب پہ شررنما
وہ جو حرف حرف چراغ تھا
اُسے کس ہوا نے بجھا دیا
کبھی لب ہلیں گے تو پوچھنا

سرِ شہرِ عہدِ وصالِ دل
وہ جو نکہتوں کا ہجوم تھا
اُسے دستِ موجِ فراق نے
تہہِ خاک کب سے ملا دیا
کبھی گل کھلیں گے تو پوچھنا

ابھی کیا کہیں ابھی کیا سنیں
یونہی خواہشوں کے فشار میں
کبھی بے سبب کبھی بے خلل
کہاں، کون، کس سے بچھڑ گیا
کسے کب کس نے گنوا دیا
کبھی پھر ملیں گے تو پوچھنا

بشریٰ ملک، مائرہ ملک، کی ڈائری میں تحریر
اعتبار ساجد کی غزل

مجھے حوصلہ تو دیتے جو میرے شریکِ غم ہیں
میں بھگت رہا ہوں تنہا جو عذابِ بیش و کم ہیں

کوئی پھول جیسی تتلی نہ ستارے جیسا جگنو
تیرے بعد بس اندھیرے مرے ساتھ ہر قدم ہیں

مجھے چھوڑنے سے پہلے یہ جتا دیا تھا اس نے
یہ کٹھن وہ سفر ہے کئی اس میں پیچ و خم ہیں

جو بچا رہے ہیں شعلوں سے گلاب اس چمن کے
وہی لوگ ہیں معزز وہی ہاتھ محترم ہیں

مرا کمرا بارشوں میں کبھی بھیگتا نہیں ہے
مری ادھ کھلی بیاضیں مرے آنسوؤں سے نم ہیں

وہ تو خود ہے کرچی کرچی مرے دکھ کیا سمیٹے
مرے دکھ کو کیسے سمجھے اسے اپنے لاکھ غم ہیں

فوزیہ ثمر بٹ، کی ڈائری میں تحریر
طلعت اخلاق احمد کی نظم

اتنا ہی یاد رکھ مجھے
جیسے کسی کتاب میں
بیتے دنوں کے دوست کا
اک خط پڑا ہوا ملے
لفظ مٹے مٹے سے ہوں
رنگ اُڑا اُڑا سا ہی
لیکن وہ اجنبی نہ ہو
اُٹھ کر تیرے گلے لگے
بھولے ہوئے تمام دکھ
گزرے ہوئے تمام سکھ
بیتے دنوں کی سب کتھا
تجھ سے کہے اور رو پڑے
اتنا ہی یاد رکھ مجھے
بیتے دنوں کے دوست کا
جیسے کوئی خط ہوں میں
رکھا ہوا کتاب میں

مہتاب امام، کی ڈائری میں تحریر
محسن بھوپالی کی غزل

یوں ہی شاخ سے پتے گرا نہیں کرتے
بچھڑ کے لوگ زیادہ جیا نہیں کرتے

جو آنے والے ہیں موسم انہیں شمار میں رکھ
جو دن گزر گئے ان کو گنا نہیں کرتے

نہ دیکھا جان کے اس نے، کوئی سبب ہوگا
اسی خیال سے ہم دل برا نہیں کرتے

وہ مل گیا ہے تو کیا قصۂ فراق کہیں
خوشی کے لمحوں کو یوں بے مزا نہیں کرتے

نشاطِ قربِ غم ہجر کے عوض مت مانگ
دعا کے نام پر یوں بددعا نہیں کرتے

ہمارے قتل پہ محسن پیش و پس کیسی
ہم ایسے لوگ، طلبِ خوں بہا نہیں کرتے

نشا نورین، کی ڈائری میں تحریر
ارشد ملک کی نظم

دل سوچ کا پنجرہ ہے
اک بار ہی کھلتا ہے
دل پیار کا سودا ہے
اک بار ہی تلتا ہے
دل یاد کا بادل ہے
بے انت برستا ہے
دل پیار کا بھوکا ہے
اپنوں کو ترستا ہے
دل سوچ کا دریا ہے
سینے سے نکلتا ہے
دل برف کا تودا ہے
جمتا نہ پگھلتا ہے
دل سیپ کا موتی ہے
نظروں میں چمکتا ہے
دل پیاس کا دریا ہے
بے چین سا بہتا ہے
دل درد کا ٹکڑا ہے
بے چین سا رہتا ہے

شگفتہ سلیمان

انیقہ انا ——— چکوال

اک سمندر ہے کہ میرے مقابل ہے
اک قطرہ ہے کہ مجھ سے سنبھالا نہیں جاتا
اک عمر ہے کہ بتانی ہے تیرے بغیر
اک لمحہ ہے کہ مجھ سے گزارا نہیں جاتا

فوزیہ ثمر بٹ، ہانیہ عمران ——— گجرات

رقص میں ہے طوفان کوئی چار سو
تن خس و خاشاک ہوتا جا رہا ہے
ہاتھ میں چبھنے لگی ہیں کرچیاں
آئینہ سفاک ہوتا جا رہا ہے

اریبہ ساجد ——— ٹھوہار اجگان

رہ طلب کے تقاضوں سے آشنا ہی نہ تھے
نمازِ عشق وگرنہ نہ ہم قضا کرتے
میرے تکلم میں گر ٹھہرتا تو
بیاں ہم بھی اس سے دل کا مدعا کرتے

نازیہ ناز ——— ٹھوہار اجگان

میرے ہاتھوں کی لکیروں میں عیب ہے اک محسن
میں جس سے بھی ہاتھ ملاتا ہوں وہ میرا نہیں رہتا

عطیہ افضل ——— جہلم

مل جانے کی خواہش بھی، بچھڑ جانے کی ضد بھی
ہاں اس کی محبت بھی، عداوت بھی عجب تھی
اک ہم تھے کہ خوش فہمی حالات میں گم تھے
لیکن اسے میری حاجت اب ہے کہ نہ جب تھی

شازیہ فاروق احمد ——— محمد آباد کالونی

کیا خبر تھی کہ چلے گی کبھی ایسی بھی ہوا وصی
خشک پتوں کی طرح سب دوست بکھر جائیں گے

مان جٹ ——— عبدالحکیم

کیوں اتنی تصدیق کرتے ہو
ہر حوالے سے ہم تمہارے ہیں

اقصیٰ سلطان ——— ہارون آباد

انا بضد ہے کہ روٹھنے والے کو جانے دو
کوئی اندر سے کہتا ہے منا لیتے تو اچھا تھا

نازش صابر ——— مٹھا کالو وال

اک خوشبو کے روٹھ جانے سے
جہاں میں کچھ بھی باقی نہ رہا

آسیہ آفتاب ——— لاہور

اے ابر محبت کہیں اور جا کے برس
میں ریت کا صحرا ہوں میری پیاس بہت ہے

نمرہ، اقرا ——— کراچی

اک شخص جو کم کم میسر ہے ہم کو
آرزو ہے کہ کسی روز وہ سارا مل جائے
اسے کہنا ملاقات ادھوری تھی وہ
اسے کہنا کہ کبھی آ کے دوبارہ مل جائے

صائمہ امتیاز ساہی ——— منگووال غربی

ترے رابطوں میں تغافل، تری بھولنے کی عادت
تو دور ہوتا جا رہا ہے، دور رہتے رہتے

شفق راجپوت ——— گرجرہ

پھر کیا ہوا یہ راہ کی دشواریوں سے پوچھ
بس اتنا یاد ہے تیری جانب چلا تھا میں

مقدس رباب ——— چکوال

جب ہو سکے تو بھلا دینا رنجش دل کی
کہ محبتوں کا اصول ہے درگزر کرنا
تیرے طرزِ تغافل سے گلہ تو نہیں
ہمیں آتا نہ تھا دلوں میں گھر کرنا

صائمہ ——— کراچی

آنکھوں میں کوئی خواب اترنے نہیں دیتا
یہ دل کہ مجھے چین سے مرنے نہیں دیتا
بچھڑے تو عجب پیار جتاتا ہے خطوں میں
مل جائے تو پھر حد سے گزرنے نہیں دیتا

مقابل ہے آئینہ

حرمت ردا اکرم

س ۔ آپ کا پورا نام۔ گھر والے پیار سے کیا پکارتے ہیں؟

ج ۔ نام میرا جو گھر والوں نے رکھا تھا وہ ہے شاہانہ اکرم مگر مجھے حرمت ردا اکرم پسند ہے۔ اسی نام سے پکارا جانا اچھا لگتا ہے۔ گھر والے تو شینا کہتے ہیں مگر فرینڈز میں زیادہ تر ردا کے نام سے پکاری جاتی ہوں۔ حرمت مجھے صرف نبیلہ آپی کہتی ہیں جو اچھا لگتا ہے۔

س ۔ کبھی آئینے نے آپ سے یا آپ نے آئینے سے کچھ کہا؟

ج ۔ آئینے نے کبھی کچھ نہیں کہا! بس کبھی تیار شیار ہو جاؤں تو کہہ دیتا ہے کہ اچھی لگ رہی ہو۔ مگر آج کل تو یہ ہی کہہ رہا ہے کہ الرجی بڑھتی جا رہی ہے چہرے کی۔

س ۔ آپ کی سب سے قیمتی ملکیت؟

ج ۔ میری یادیں، کچھ خوب صورت لمحے، بے تحاشا ہنسی کے پل، میری کتابیں اور میری امی کے بقول میرا جہیز یعنی ۔ میرے رسالے۔

س ۔ اپنی زندگی کے دشوار لمحے بیان کریں؟

ج ۔ بہت سے ایسے لمحے ہیں جن میں مجھے زندگی موت سے بھی بدتر لگی، بے ساختہ مر جانے کو دل چاہا، مگر ایک لمحے میں مجھے اپنی بے بسی کا احساس انتہا کی حد تک ہوا۔ جب اس لمحے کے فسوں سے نکلی تو میرے دل میں موجود کسی کے لیے عزت نفرت کی انتہا تک پہنچی۔

س ۔ آپ کے لیے محبت کیا ہے؟

ج ۔ محبت میرے لیے آتی جاتی سانسوں کا ذریعہ، خون کو حرارت دینے والا جذبہ، رگوں میں لمحہ لمحہ دوڑتی زندگی اور معصوم بچے کی ہنسی ہے۔ محبت ایک وجدان ہے جو آپ کی زندگی کو خوب صورت بناتی ہے۔ یوں سمجھیے کہ محبت میرے لیے سب کچھ ہے خدا کے بعد۔

س ۔ مستقبل قریب کا کوئی منصوبہ جس پر عمل کرنا ہے؟

ج ۔ بہت سے منصوبے ہیں خواہشیں ہیں جن کو پورا کرنا ہے۔ وہ کہتے ہیں نا ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے۔ مجھے ایک اچھا سا کمپیوٹر لینا ہے۔ اس سال 30 سے 40 کتابیں خریدنی ہیں اپنی لائبریری میں کچھ نئے لوگوں کو شامل کرنا ہے۔ پنجابی پوئٹری کی کچھ اور اچھی کتابیں ڈھونڈنی ہیں کیا کیا بتاؤں آپ کو؟

س ۔ پچھلے سال کی کوئی کامیابی جس نے آپ کو مسرور و مطمئن کیا؟

ج ۔ میرے لیے ہر لمحہ ہی گویا زندگی کا پہلا اور آخری لمحہ ہوتا ہے۔ کوئی کامیابی ہو یا ناکامی مجھے ایسا لگتا ہے کہ بس آج ہی آج ہے سو میں مطمئن بھی رہتی ہوں اور افسردہ و غمگین بھی، منہ پھلا کر ناراضی بھی دکھاؤں تو کسی چھوٹی سی بات پر بے تحاشا خوش بھی ہوتی ہوں۔

س ۔ آپ اپنے گزرے کل، آج اور آنے والے کل کو ایک لفظ میں کیسے واضح کریں گی؟

ج ۔ بھرپور جینے کی خواہش، اچھا ہونے کی امید۔

س ۔ آپ اپنے آپ کو بیان کریں؟

ج ۔ سب کی باتیں سن کر راز رکھنے والی مگر اپنے راز کسی کو نہ دینے والی۔

س ۔ کوئی ایسا ڈر جس نے آج بھی اپنے پنجے آپ میں گاڑے ہوئے ہیں؟
ج ۔ میں سب سے کہتی ہوں کہ مجھے ڈر نہیں لگتا مگر ایک بات کہ مجھے موت کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری سے خوف آتا ہے وہ لمحہ سوچ کے میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔
س ۔ آپ کی کمزوری۔ آپ کی طاقت کیا ہے؟
ج ۔ میری کمزوری میری انا ہے' میرا پیار ہے بلکہ حرمت ردا خود ہی اپنی کمزوری ہے اور اللہ پاک سے امید رکھنا میری طاقت ہے۔
س ۔ آپ خوشگوار لمحات کیسے گزارتی ہیں؟
ج ۔ میں خوشگوار لمحات خوش ہوکر ہی گزارتی ہوں البتہ یہ تو اس بات پر منحصر ہے خوشگوار لمحات کا ذریعہ کون ہے کوئی انسان یا پھر میرے اندر کا موسم!
س ۔ آپ کے نزدیک دولت کی اہمیت؟
ج ۔ ضرورت کے مطابق۔۔ وہ پنجابی میں کہتے ہیں ناں کہ لوڑ کی تھوڑ تو بس یہ ہی بات ہے ساتھ میں یاد رہے کہ ہاتھ کی میل ہے دولت
س ۔ گھر آپ کی نظر میں؟
ج ۔ ایک جنت' ایک آرام دہ احساس' ایک پناہ گاہ' اپنے آپ کو محفوظ جاننے کا حصار' میلی کچیلی نظروں سے بچنے کا سب سے بڑا ذریعہ۔
س ۔ کیا آپ بھول جاتی ہیں اور معاف کردیتی ہیں؟
ج ۔ بالکل مگر وقت گزرنے کے ساتھ۔
س ۔ اپنی کامیابیوں میں کسے حصے دار ٹھہراتی ہیں؟
ج ۔ اپنے اللہ پاک کی رحمتوں کو۔
س ۔ کامیابی کیا ہے آپ کے لیے؟
ج ۔ اپنی صلاحیتوں' اور نئی راہوں پر بند باندھنا کامیابی ہے کیونکہ مسلسل کامیابیوں سے آپ اپنے آپ کو مکمل فاتح سمجھنے لگتے ہیں ایسے وقت میں آگے بڑھنے کی کچھ نیا کرنے کی نئی راہیں ڈھونڈنے کی تحریک دم توڑنے لگتی ہے۔
س ۔ سائنسی ترقی نے ہمیں مشینوں کا محتاج کرکے کاہل کردیا یا واقعی یہ ترقی ہے؟
ج ۔ مشینوں نے تو ایک دم کاہل اور بے حس کردیا ہے' بے حس اس لیے کہ محنت سے بھی بے حس ہوتے جارہے ہیں ہم لوگ۔
س ۔ کوئی عجیب خواہش یا خواب؟
ہونا تو وہی ہے جو مقدر میں لکھا ہے۔
ہائے مگر وہ بے خواب میرے خواب' میرے خواب
س ۔ برکھا رت کو کیسے انجوائے کرتی ہیں؟
ج ۔ بارش میں بھیگ کر۔۔۔
س ۔ آپ جو ہیں وہ نہ ہوتی تو کیا ہوتیں؟
ج ۔
ڈبویا مجھ کو ہونے نے
نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا!
میں اب بھی کچھ نہیں ہوں! میں تب بھی کچھ نہ ہوتی!
س ۔ آپ بہت اچھا محسوس کرتی ہیں جب؟
ج ۔ جب میری وجہ سے کسی کے لبوں پر ہنسی آئے!
س ۔ آپ کو کیا چیز متاثر کرتی ہے؟
ج ۔ قابلیت' بے لوث ہنسی' خلوص' اور کوئی اچھی بات!
س ۔ آپ مقابلے کو انجوائے کرتی ہیں یا خوفزدہ ہوجاتی ہیں؟
ج ۔ انجوائے بھی کرتی ہوں مگر تھوڑی سی خوفزدہ بھی ہوتی ہوں!
س ۔ متاثر کن کتاب' مصنف' مووی۔۔۔؟
ج ۔ قرآن پاک' اشفاق احمد' ہم ساتھ ساتھ ہیں۔
س ۔ آپ کا غرور؟
ج ۔ میرا کچھ نہ ہوکر بھی بہت کچھ ہونا!
س ۔ کوئی ایسی شکست جو آپ کو آج بھی اداس کردیتی ہو؟
ج ۔ کوئی نہیں! شکست نے ہمیشہ آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا۔

س ۔ کیا آپ نے اپنی زندگی میں وہ سب پالیا جو آپ پانا چاہتی تھیں؟
ج ۔ نہیں! مگر پھر بھی اللہ پاک کا شکر ادا کرتی ہوں کہ جو ملا اچھا ملا۔
س ۔ اپنی ایک خوبی یا خامی جو آپ کو مطمئن یا مایوس کرتی ہے؟
ج ۔ خوبی تو یہ کہ میں بھلا دیتی ہوں سب کچھ' کچھ عرصے بعد بالکل نارمل ہوجاتی ہوں۔ اور خامی یہ ہے کہ غصہ بہت جلدی آجاتا ہے بہت جذباتی ہوجاتی ہوں!
س ۔ کوئی ایسا واقعہ جو آپ کو شرمندہ کردیتا ہے؟
ج ۔ ایسا کوئی واقعہ نہیں۔
س ۔ کوئی شخصیت یا کسی کی حاصل کی ہوئی کامیابی جس نے آپ کو حسد میں مبتلا کیا ہو؟
ج ۔ رشک ضرور کرتی ہوں حسد نہیں۔
س ۔ مطالعہ کی اہمیت آپ کی زندگی میں؟
ج ۔ جتنی زندگی کی اہمیت میرے لیے اتنا ہی میری زندگی کے لیے اہمیت ہے مطالعہ کی۔
س ۔ آپ کے نزدیک زندگی کی فلاسفی کیا ہے جو آپ اپنے علم' تجربہ' مہارت میں استعمال کرتی ہیں؟
ج ۔ لمحہ لمحہ ہاتھ سے پھسلتی ریت جسے جتنی جلدی کام میں لالیا جائے بہتر ہے۔
س ۔ آپ کی پسندیدہ شخصیت؟
ج ۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اشفاق احمد اور کوئی نہیں۔
س ۔ ہمارا پورا پاکستان خوبصورت ہے۔ آپ کا کوئی خاص پسندیدہ مقام؟ ج ۔ کلر کہار میں موٹروے کے کنارے کھڑی اپنی پوری آب و تاب سے موجود پہاڑیاں کیونکہ جب بھی میں وہاں سے گزروں کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے نابلد ہوجاتی ہوں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پیار آتا ہے کہ اس نے انسان کو کتنی عقل عطا کی۔

☆ ☆

حسنِ و صحت

اِدارہ

کینسر خلیوں میں پیدا ہوتا ہے جو کہ ہمارے جسم کے بلڈنگ بلاکس ہیں۔ ٹیومر benign یا malignant ہوتا ہے۔ benign ٹیومر زندگی کے لیے خطرناک نہیں ہوتا ہے۔ یہ ٹشوز اور عضویات کے قریب کے حصتوں کو نقصان پہنچاتا ہے اور جسم کے مختلف حصوں میں پھیل جاتا ہے۔ کینسر کا یہ پھیلاؤ metastasis کہلاتا ہے۔ یہ contagious نہیں ہوتا ہے۔

کوئی بھی بریسٹ کینسر کی حقیقی وجہ نہیں جانتا ہے۔ ڈاکٹر یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ کیوں ایک عورت کو بریسٹ کینسر ہوتا ہے اور دوسری کو نہیں۔ ہاں یہ حقیقت ہے کہ کچھ عورتوں میں ایسی علامات ہوتی ہیں جس کی وجہ سے وہ دوسری عورتوں کے مقابلے میں زیادہ جلدی بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اسٹڈیز کے ذریعے یہ ثابت ہوا ہے کہ مندرجہ ذیل خطرات بریسٹ کینسر کی وجہ ہوتے ہیں۔

عمر۔ ساٹھ سال کی عورتوں میں اکثر یہ بیماری ہوتی ہے۔ ایسی عورتیں جو کہ مخصوص ایام کا مکمل گزار چکی ہوتی ہیں۔

دوبارہ پیداواری اور مخصوص ایام کی تاریخ اگر دیر سے حاملہ ہوں تو خطرات بڑھ جاتے ہیں۔ اگر جلدی یا دیر سے مخصوص ایام ہوں تب بھی خطرہ ہوتا ہے۔ جن عورتوں کو اولاد نہیں وہ بھی خطرے میں آتی ہیں۔ ایسی عورت جو کہ ایام کے ہارمون کی تبدیلی کرواتی ہیں وہ بھی اس ضمرے میں آجاتی ہیں۔

بریسٹ کا سائز۔ بوڑھی عورتیں جن کا سینہ بھاری نہیں ہوتا ہے ان میں کینسر کے خطرات بڑھ جاتے ہیں۔ دیگر خطرات میں مینوپوس کے بعد موٹاپا اور جسمانی حرکات نہ ہونا شامل ہیں۔

تشخیص۔ اسکریننگ! عورتوں کو چاہیے کہ ڈاکٹر سے معلوم کریں کہ کس عمر میں چیک اپ کی ضرورت ہے۔ ان کو چاہیے معلوم کریں کہ یہ بیماری کب شروع ہوتی اور کتنی مرتبہ اس بیماری کے لیے چیک کروانا ضروری ہے۔ اسکریننگ کے ذریعے کسی بھی علامت سے پہلے آپ بریسٹ کینسر کا پتا لگا سکتی ہیں۔

میموگرام۔ چالیس سال کی عمر کے بعد عورتوں کو چاہیے کہ وہ سال میں ایک سے دو مرتبہ میموگرام کروائیں۔ اسکرین میموگرام کے ذریعے سینے میں گٹھلی محسوس ہونے سے پہلے ہی پتا چل جاتی ہے۔ میموگرام ابتدا میں ہی بریسٹ کینسر کے متعلق جاننے کے لیے ڈاکٹر کا بہترین ہتھیار ہے اور ان کا نتیجہ غلط ثابت یا غلط منفی ہو سکتا ہے۔

بریسٹ سیلف اگزامینیشن۔ کچھ عورتیں ہر مہینے اپنے سینے کا چیک اپ کرواتی ہیں تاکہ بریسٹ کینسر کا پتا چل سکے۔ جو عورتیں چیک اپ کرواتی ہیں ان کو چاہیے کہ اس بات کو یاد رکھیں کہ ایک عورت کا سینہ دوسری عورت کے سینے سے مختلف ہوتا ہے اور اس میں عمر، پریگننسی، مینوفیز اور برتھ کنٹرول کی گولیاں لینے سے تبدیلی ہوتی ہے۔

علامات

☆ سینے میں تبدیلی محسوس ہو۔
☆ سینے میں گٹھلی ہو جائے۔

☆ ☆

رقابت

عارف کی نوکری جاتی رہی تو اس کے دوست نے ہمدردی سے پوچھا۔ "آخر سپروائزر نے تمہیں نوکری سے کیوں نکال دیا؟"

"تمہیں معلوم ہی ہے کہ... سپروائزر کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ کھڑا ہو کر دوسروں کو کام کرتے دیکھتا رہتا ہے۔" عارف نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک لیکن اس سے تمہاری نوکری جانے کا کیا تعلق ہے؟" دوست نے حیرت سے پوچھا۔

"سپروائزر مجھ سے رقابت محسوس کرنے لگا تھا کیونکہ ہر شخص یہ سمجھنے لگا تھا کہ میں سپروائزر ہوں۔" عارف نے آہ بھر کر جواب دیا۔

ثمرو احمد۔۔۔ ٹنڈو الہ یار

ہم بھی کسی سے کم نہیں!

ایک دولت مند مگر بے حد کنجوس خاتون سڑک پر کہیں جا رہی تھیں کہ راستے میں ان کے فیملی ڈاکٹر مل گئے۔ خاتون نے سوچا کیوں نہ موقع سے فائدہ اٹھایا جائے اور گھر بلانے کی فیس ادا کیے بغیر دوا کا نسخہ لکھوالیا جائے، چنانچہ سلام دعا کے بعد انہوں نے کہا۔ "معاف کیجیے ڈاکٹر صاحب! جب آپ کو زکام ہوتا ہے تو آپ کیا کرتے ہیں؟"

"کرنا کیا ہوتا ہے" میں فوراً "ناک پر رومال رکھ لیتا ہوں تاکہ کسی اور کو زکام نہ لگ جائے۔"

امینہ۔۔۔ لاہور

پائے رفتن.....!

ایک ہسپانوی جاگیردار اپنا گھوڑا دوڑتا ہوا وسیع و عریض سرسبز شاداب میدان میں پہنچا۔ جہاں ایک عجیب تماشا ہو رہا تھا۔ ایک نوجوان بڑی مشکل میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ ایک گڑھے کے پاس سہما ہوا کھڑا تھا۔ نوجوانوں سے تھوڑے فاصلے پر ایک بپھرا ہوا بھینسا اس پر حملہ کرنے کے لیے اگلے دونوں پاؤں زمین پر رگڑ رہا تھا۔ دفعتاً" وحشی بھینسا نوجوان پر حملہ کرنے کے لیے دوڑ پڑا۔ گڑھے کے قریب پہنچ کر بھینسے نے جست لگائی۔ نوجوان جھٹ سے گڑھے میں کود گیا اور بھینسا گڑھے کو عبور کر گیا۔ نوجوان فوراً" ہی گڑھے سے باہر نکل آیا۔

بھینسے نے پلٹ کر پھر نوجوان پر حملہ کیا اور نوجوان نے پہلے کی طرح گڑھے میں کود کو جان بچائی۔ یہی عمل کوئی پانچ چھ مرتبہ ہوا۔ جاگیردار کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور اس نے چلا کر نوجوان سے کہا۔ "خدا کے بندے! تمہیں تکلیف کیا ہے؟ تم گڑھے میں ہی کیوں دبکے نہیں رہتے۔"

نوجوان نے بھی چلا کر جواب دیا۔ "کیا کہوں جناب! اس گڑھے میں ایک ریچھ دبکا ہوا ہے۔"

طوبیٰ کرن۔۔۔ اوکاڑہ

مرض کی تشخیص

مریض نے ڈاکٹر سے کہا۔ "میں جب بھی کافی پیتا ہوں تو آنکھ میں بہت تیز اور شدید تکلیف پہنچانے والا درد محسوس ہوتا ہے اس کا کیا علاج ہے؟"

"بہت آسان علاج ہے۔ بس یہ بات ہمیشہ یاد رکھو کہ کافی پینے سے پہلے چمچہ کپ سے نکال دینا ہے۔" ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

حنا عباس۔۔۔ 19 چک جنوبی

خوشگوار سفر

ایک جہاز سمندر پر سے اڑتے ہوئے فضا میں ہچکولے کھانے لگا' جس پر مسافروں نے چیخنا چلانا شروع کردیا اور ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔

اسی دوران اسپیکر پر جہاز کے کپتان کی آواز سنائی دی۔ "خواتین و حضرات! گھبرانے کی ضرورت نہیں' یہ ایک بہترین امپورٹڈ جہاز ہے۔ غیر ملکی ماہرین روزانہ اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں لہٰذا آپ بالکل بے فکر اور مطمئن ہو کر سفر کریں۔ آپ کھڑکی سے باہر دیکھیں' نہایت خوبصورت نظارہ ہے۔ شام ہونے کو ہے' سورج کا سرخ گولا سمندر میں غروب ہو رہا ہے' لوگ رنگ برنگ کی کشتیوں میں سمندر کی سیر کر رہے ہیں' آپ ایک لال رنگ کی کشتی دیکھ رہے ہوں گے۔۔۔ میں اسی کشتی سے بول رہا ہوں۔"

علی خان۔۔۔ کورنگی' کراچی

اجازت

دو نرسیں ایک مریض کے متعلق باتیں کر رہی تھیں۔ ایک نے کہا۔ "میرے خیال میں سامنے لیٹے ہوئے مریض کی بیوی اسے اچھا نہیں ہونے دے گی۔"

دوسری نرس نے پوچھا۔ "تم یہ بات کس طرح کہہ سکتی ہو۔"

پہلی نرس نے جواب دیا۔ "آج جب وہ اپنے شوہر سے ملنے آئی تو اس کی خیریت دریافت کرنے کی بجائے اس سے پوچھنے لگی کہ نئے سلک کی ساڑھی کتنے روپے میں آجائے گی' اجازت ہو تو خرید لوں؟"

سیما اظہر۔۔۔ خضدار

اس سادگی پہ۔۔۔۔!

پولیس نے جوئے کے شبے میں ایک مکان پر چھاپہ مارا تو چار افراد میز کے گرد بیٹھے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں تاش کی گڈی تھی' کچھ تاش میز پر تھے' کچھ رقم بھی پڑی تھی۔

"تم تاش کے ذریعے جوا کھیل رہے تھے۔" پولیس آفیسر نے پہلے آدمی سے پوچھا۔

"میں۔۔۔؟ ہرگز نہیں۔۔۔ میں تو بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔" اس نے معصومیت سے جواب دیا۔

"تم تاش کھیل رہے تھے؟" دوسرے شخص سے پوچھا گیا۔

"ہرگز نہیں۔۔۔! میں تو یہاں اجنبی ہوں' راستہ پوچھنے کے لیے رکا تھا۔"

"تم تاش کھیل رہے تھے؟" تیسرے فرد سے پوچھا گیا۔ "قطعی نہیں۔۔۔ میں تو بیٹھا ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔" جواب ملا۔

آخر پولیس آفیسر اس شخص کی طرف متوجہ ہوا' جس کے ہاتھ میں گڈی تھی۔ "تو تم ضرور تاش کھیل رہے تھے۔"

"لیکن کس کے ساتھ۔۔۔؟" اس نے سادگی سے جواب دیا۔

ندا۔۔۔ لاہور

انداز بیاں اور

گداگری ختم کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ بھیک دینے والوں کو ختم کردیا جائے۔ ایسے ہی اگر پولیس توجہ نہ دے تو چوری چکاری بھی ختم ہو سکتی ہے۔ یوں اگر بڑھاپا ختم کرنا چاہتے ہیں تو اس کا یہی طریقہ ہے کہ سب کو بوڑھا کردیا جائے۔ یوں بھی ہمارے ہاں کون ہے' جو بوڑھا ہونا نہ چاہتا ہو۔ ہمارے ہاں تو سب سے بڑی دعا ہی یہی ہے کہ اللہ تمہاری عمر دراز کرے' ہزاروں سال جیو' جو سیدھی سادی بڑھاپے کی تمنا ہے۔ ویسے اگر آپ پھر بھی بوڑھا ہونا نہیں چاہتے تو ایک کام کریں' آپ کبھی بوڑھے نہیں ہوں گے اور وہ یہ کہ کبھی آئینہ نہ دیکھیں۔

(ڈاکٹر یونس بٹ کی کتاب "شیطانیاں" سے انتخاب)

نسیم محمود الحسن۔۔۔ سعودی عرب

کرن کا دستر خوان

خالدہ جیلانی

چکن ہٹو کریم

اجزا :

چکن (بون لیس)	ایک کلو گرام
ٹماٹو ساس	ایک پیالی
فریش کریم	آدھی پیالی
مکھن	چھوٹی ٹکیہ
سفید مرچ پاؤڈر	ایک چمچہ
قصوری میتھی	ایک چائے کا چمچہ
چینی	ایک چائے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
زیرہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
سرخ اورنج	ایک پیالی
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب :

چکن کو اچھی طرح دھو کر صاف کرلیں اور ایک پین میں آئل ڈال کر چکن فرائی کریں اور جب فرائی ہوجائے تو اس میں تمام مسالے اور ٹماٹو ساس' کریم اور میتھی ڈال دیں۔ اب دو سے تین منٹ پکالیں اور چولہا بند کردیں۔ سرو کرنے کے لیے تیار ہے۔

مدراسی چکن کری

اجزا :

چکن	ایک کلو
نمک	حسب ذائقہ
ادرک' لہسن پسا ہوا	دو کھانے کے چمچے
لال مرچ پسی ہوئی	ایک کھانے کا چمچہ
گرم مسالا پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ
ثابت لال مرچ	تین سے چار عدد
پسا ہوا ناریل	ایک پیالی
دہی	دو پیالی
میتھی دانہ	چند دانے
کڑی پتے	چند پتے
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
کوکنگ آئل	آدھی پیالی

ترکیب :

اس ڈش کو بنانے کے لیے چکن کے لیگ پیسز لے لیں' اچھی طرح صاف دھو کر اس پر ادرک' لہسن لگا کر رکھ لیں۔ پین میں ایک چوتھائی پیالی کوکنگ آئل کو درمیانی آنچ پر دو سے تین منٹ گرم کریں اور اس میں چکن اور ہرا دھنیا ڈال کر تیز آنچ پر بھونیں' دہی پھینٹ کر اس میں لال مرچ' نمک' گرم مسالا اور ناریل ملالیں' اسے چکن میں ڈال کر دو سے تین منٹ تیز آنچ پر پکائیں۔ پھر درمیانی آنچ پر ڈھک کر پکنے رکھ دیں' پانی خشک ہوجائے اور چکن گل جائے تو تڑکہ لگا دیں۔

تڑکہ لگانے کے لیے فرائنگ پین میں کوکنگ آئل کو درمیانی آنچ پر ایک سے دو منٹ گرم کریں اور اس میں میتھی دانہ' کڑی پتا اور ثابت لال مرچیں ڈال کر

کڑکڑالیں اور چکن پر ڈال دیں۔
ہلکی آنچ پر تین سے چار منٹ دم پر رکھ کر اتار لیں۔

پران چلی

اجزا :

جھینگے	ایک کلو
نمک	حسب ذائقہ
ادرک	30 گرام
سفید مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
کالی مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
سفید سرکہ	دو کھانے کے چمچے
سویا ساس	دو کھانے کے چمچے
چینی	ایک کھانے کا چمچہ
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
ہری مرچیں	چار سے چھ عدد
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے
ہری پیاز	ایک سے دو عدد
کوکنگ آئل	آدھی پیالی

جھینگوں کو چھیل کر صاف کر کے دھولیں، ہری پیاز کو باریک کاٹ لیں۔ ہری مرچوں کو لمبائی میں کاٹ لیں اور ادرک کے قتلے کاٹ لیں۔
ایک پیالے میں کارن فلور کے تین سے چار کھانے کے چمچے پانی میں ملالیں اور اس میں چینی، بیکنگ پاؤڈر اور دو کھانے کے چمچے کوکنگ آئل ڈال کر اچھی طرح ملالیں۔ جھینگوں کو اس مکسچر میں میرینیٹ کرنے کے لیے آدھے گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ فرائنگ پین میں کوکنگ آئل کو درمیانی آنچ پر دو سے تین منٹ گرم کریں اور جھینگے (تھوڑے تھوڑے کر کے) ڈال کر تیز آنچ پر فرائی کریں۔ اچھی طرح سنہرے ہونے پر نکال لیں۔
اسی فرائنگ پین میں ادرک کو دو سے تین منٹ فرائی کریں، پھر ہری مرچیں، نمک، سرکہ، سویا ساس، سفید مرچ اور کالی مرچ ڈالیں۔
ایک سے دو منٹ فرائی کر کے جھینگے ڈال دیں، تیز آنچ پر فرائی کرتے ہوئے دو منٹ بعد نکال لیں۔

فرائیڈ رائس

اجزا :

گاجر	تین عدد
ہری پیاز	تین عدد
آئل	حسب ضرورت
چاول	ایک کلو
انڈے	پانچ عدد
چینی	ایک چمچہ
نمک	حسب پسند
چائنیز نمک	ایک چائے کا چمچہ
سویا ساس	حسب پسند
چلی ساس	حسب پسند
سفید مرچیں	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب :

سب سے پہلے ایک پین میں آئل گرم کریں اور انڈے ڈال کر چند منٹ فرائی کریں۔ اس کے بعد کٹی ہوئی سبزیاں ڈال کر فرائی کریں اور ساتھ ہی بوائل کیے ہوئے چاول اور تمام مسالے ڈال کر مکس کرلیں، کچھ دیر دم پر رکھ دیں، اس کے بعد ڈش میں نکال کر سرو کریں۔

☼ ☼

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

ذوالقرنین

سیما سوز۔۔۔ بکیرا شریف

س ۔ ساس کو زیر کرنے کا طریقہ بتائیں؟
ج ۔ سنا ہے لوگ اس چکر میں بیوی کو خوب مکھن لگایا کرتے ہیں۔

شائستہ امتیاز۔۔۔ گجرات

س ۔ جب ہر شخص خود کو ایماندار سمجھتا ہے تو دنیا میں اتنی بے ایمانی کدھر سے آگئی؟
ج ۔ خود کو ایمان دار سمجھنے کی وجہ سے ہوئی ہے نا۔

صائمہ اشفاق۔۔۔ کراچی

س ۔ ذوالقرنین بھیا! شادی بیاہ کے گیت کی ہم نے خوب پریکٹس کرلی ہے۔ اب آپ اپنی شادی کر ہی ڈالیں؟
ج ۔ بھئی یہ تم لوگوں کی پریکٹس سے میری شادی کا کیا تعلق؟

رخسانہ جمیل۔۔۔ شاہ کوٹ

س ۔ ذوقی بھیا! پنچھی اور پردیسی کا اعتبار کیوں نہیں کیا جاتا؟
ج ۔ کیونکہ دونوں کو ہے اک دن جانا۔

عظمیٰ رانی۔۔۔ سیالکوٹ

س ۔ آپ کی بڑھتی ہوئی صحت کا راز کیا ہے؟
ج ۔ آئندہ گھٹتی ہوئی صحت کا راز پوچھنا۔

شہناز پروین۔۔۔ پنجی آباد

س ۔ بھیا! آپ کی اس ناچیز بہن نے آپ کی رخصتی کے لیے جہیز اکٹھا کیا ہے۔ اس میں دو اہم چیزوں کی ضرورت ہے۔ جبڑے اور سر کا سائز بھیج دیں۔ مجھے وگ اور بتیسی خریدنی ہے ورنہ؟
ج ۔ آپریشن کلین اپ مکمل ہونے دو سندھ میں پھر؟

نیلوفر ضیاء۔۔۔ کمالیہ

س ۔ عورت شادی سے پہلے سپنوں کی رانی ہوتی ہے اور بعد میں؟
ج ۔ عورت کی مرضی پر منحصر ہے۔ بعد والی بات تو۔

شگفتہ ناز۔۔۔ بکھر

س ۔ انکل دل دینا آسان ہے یا دل لینا؟
ج ۔ مجھے دینا کچھ نہیں آتا بس جو آسانی سے مل جائے لے لیتا ہوں۔

زلیخا منیر۔۔۔ وہاڑی

س ۔ نین بھائی کسی شخص کو طوطا چشم کیوں کہتے ہیں۔ "طوطی چشم" کیوں نہیں کہتے؟
ج ۔ بھئی نور چشمی کو طوطی چشم کیسے کہہ دے کوئی۔

انیقہ انا... چکوال

کرن 18 مارچ کو ملا۔ اسکول میں آج کل سالانہ امتحان ہو رہے ہیں اور آج بچوں کی چھٹی تھی' لہٰذا کرنے کو کوئی کام نہیں تھا تو کرن سارے کا سارا وہیں اپنی کلاس میں بیٹھ کر پڑھا' صد شکر کہ کرن تھا جو وقت بیت گیا' ورنہ تو میں بہت ہی اکھڑ مزاج اور سچ کہوں تو جنگلی بلی بنتی جا رہی ہوں' نہ جانے کیوں... خیر ذکر کرتے ہیں "سالگرہ نمبر" کا۔

جس کا سرورق مجھے ایک آنکھ نہ بھایا' بھئی کرن اپنا ہی ہے نا' تو تنقید کا حق ہونا چاہیے نا اور ہے بھی' البتہ کرن کتاب بہت پسند آئی' بے شمار گرانقدر معلومات و خزانہ لیے "نامے میرے نام" میں فوزیہ ثمر کی کمی محسوس ہوئی' وہیں نئے ساتھیوں سے ملاقات بھی خوب رہی۔ آپی آپ کرن میں بھی خطوط کے جواب یاد سے دیا کریں ورنہ لگتا ہے کمی سی ہے۔

مستقل سلسلوں میں اس بار کچھ کمی سی لگی۔ "یادوں کے دریچے" میں میری یاد کا کوئی گوشہ شامل کیوں نہیں ہوتا؟ کیا میرا انتخاب معیاری نہیں ہوتا؟ کرن سروے میں سب کے بارے میں جان کر اچھا لگا' پر آپ کو نہیں لگتا کہ اس بار سوال یکسانیت کا شکار تھے۔ سال نو پر ہونے والا سروے اور اب یہ...

"دست کوزہ گر" میں فوزیہ فی الحال تو ماضی کے اوراق کھنگالتی رہیں' عائشہ بیگم کو زوبیہ کی صورت اپنے کیے کی خوب سزا ملی' مگر خمیازہ ناحق زوبیہ کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔

"دردل" میں زری اور شاہ کی خاموش طوفان سی محبت عجب سے احساسات میں مبتلا کرتی ہے' یقین جانیے لفظوں میں بیان نہیں کرپاتی' پتا نہیں کیوں ناول سے دلچسپی کم ہوتی جارہی ہے۔ عجیب قصہ ہے تین دوست۔ ایک دوست کی بہن سے بہنوں والا رشتہ' ایک سے محبت کا (لیلیٰ مجنوں والی) یہ محبت بھی... ہر شخص کے لیے جدا رنگ رکھتی ہے نا' کسی کے لیے زہر تو کسی کے لیے تریاق' ویسے یہ بتائیں مرد پریشانی میں سگریٹ نوشی ہی کیوں کرتا ہے؟ عورتیں کیوں نہیں کرتیں؟

"خواب جلی آنکھیں" اس بار بھی نہیں پڑھا' یہ اتنے سلسلے وار ناول کیوں ہوتے ہیں؟ صباحت کے ناول نے کچھ خاص تاثر نہ چھوڑا۔ اماں نے محض اپنی بدگمانی میں بیٹی کی زندگی داؤ پر لگا دی اور زوئی جیسی سمجھ دار خاتون کو اشعد کی محبت کیوں نہ دکھائی دی؟

"خاک ہو جائیں گے" میں خاک ہوئے تو نہیں نا! شاہ خاور نے آخر حسن جہاں سوز سے ہار مان لی اور ایک بات اس ناول میں مجھے زرلہ کی خودداری بہت بھائی کہ محبت ہونے کے باوجود اس نے خود کو خاور صاحب کی کمزوری کے لمحے کی زد میں نہ آنے دیا اور اینڈ اس کہانی کا ویسا ہی تھا جیسا ہوتا ہے۔ "ظالم محبوب قدموں میں" ہاہاہا۔

"بھیگی شام" میں خرم کا کردار کچھ پسند نہ آیا کہ محترم جتنی جلدی روما کی محبت میں گرفتار ہوئے اتنی ہی جلدی بدگمان ہو کر آخر صحیح بھی ہو گئے۔ گویا جناب کی خود کی کوئی حس ہے نہ عقل' جس راہ لگا دیے' لگ گئے۔ جس موڑ چلایا چلے گئے' سیاست دان اتنے "کاٹھ کے الو" ہوتے ہیں کیا...؟ پھپھو نے کہا تو بدگمان ہوئے' تصدیق بھی نہ کی ملازمہ نے کہا تو یقین بحال ہو گیا' واہ...!!! اپنی کوئی سوچ ہی نہیں۔

افسانے بھی ٹھیک رہے۔ سلسلہ وار ناولز کا تناسب کم ہو تو سالگرہ نمبر 100 میں سے 80 نمبر تو لے ہی گیا۔ امید ہے میرے الفاظ کا برا نہیں منائیں گی۔ اب اجازت دیں اپنا خیال رکھیے گا۔

زرتاش افضل... قلعہ دیدار سنگھ

مدیرہ کرن جی اور کرن کی پوری ٹیم کو پیار بھرا اسلام۔ کرن 17 مارچ کو ملا بہت پیارا لگا کسی بھی شمارے میں یہ

میرا پہلا خط ہے میں 2004ء سے کرن کی خاموش قاری ہوں اس کے ساتھ ساتھ شعاع' خواتین ڈائجسٹ ہر ماہ باقاعدگی سے پڑھتی ہوں۔ بہت دفعہ ہمت کرتی ہوں خط لکھنے کی پھر اس لیے نہیں لکھ پاتی کہ (ہائے) کہیں ردی کی ٹوکری کا حصہ نہ بن جائے اب خدا کا نام لے کر ہمت کر ہی لی لکھنے کی اس امید سے کہ ضرور "نامے میرے نام" میں شامل ہو گا۔ جن ناولز نے قلم اٹھانے پر مجبور کیا وہ ہیں "دردل" "وہ اک پری" "دست کوزہ گر" واوا کیا کمال کے ناولز ہیں۔

مصباح نوشین کا ناول بہت اچھا تھا۔ اس کے علاوہ "خواب جلی آنکھیں" بھی اچھا جا رہا ہے۔ باقی سب سلسلے بہت اچھے جا رہے ہیں۔ کرن کی تمام کہانیاں بہت سبق آموز ہوتی ہیں۔ میری دعا ہے کہ ہمارا کرن دن دوگنی رات چوگنی ترقی کی منازل طے کرتا رہے (آمین)

آسیہ اکبر ہاشمی (بھکر)

اس بار کرن بے تحاشا انتظار کے بعد 17 مارچ کو ملا ہمیشہ کی طرح اپنی کسی تحریر کو نہ دیکھ کر رو جاگا جسے ٹائٹل پر بنی سنودی دلہن کی شرمیلی مسکراہٹ نے تھوڑا کم کیا اور ہم نے فیصلہ کیا کہ اپریل 2012ء ہی میں مارچ 2014 کے سالگرہ شمارے میں شامل ہونے کے لیے افسانہ بھیج دیں گے سال میں تو چھپ ہی جائے گا اگر نصیب میں ہوا تو...

فی الحال صرف افسانے ہی پڑھ سکی ہوں "ہیپی برتھ ڈے" اور "آج تمہاری سالگرہ ہے" بہتر لگے۔ مسکراتی کرنیں ہنسانے پر مجبور کر گئیں شمارہ دیر سے ملنے کی وجہ سے مزید مطالعہ نہیں ہو سکا ہے اپنا ایک عدد اور افسانہ بھیج رہی ہوں آخر کبھی نہ کبھی تو کوئی نہ کوئی افسانہ کرن کی زینت بن ہی جائے گا۔ ہم اس مقولے پر اڑے ہوئے ہیں۔ "ہمت عوراں مدد خدا"

اللہ تعالیٰ کرن کو دن دوگنی رات چگنی ترقی دے۔ آمین

فوزیہ ثمر بٹ۔ گجرات

اس بار کرن مجھے بہت انتظار کے بعد ملا۔ اف آپ یقین نہیں کریں گی۔ 14 تاریخ سے عمران بھائی نے شاپ کے چکر لگائے۔ ہر بار شاپ کیپر نے یہی کہا جی اس دفعہ کرن لیٹ ہے۔ وجہ جو پوچھی تو بتایا گیا کراچی کے حالات کیا آپ کو نہیں معلوم جی جناب کراچی والوں کے لیے تو ہر پاکستانی دعاگو ہیں۔ دیکھیے کب کراچی والوں کو سکون ملے گا۔ خیر بہت انتظار کے بعد اٹھارہ کی شام کو ملا۔

برائیڈل ٹائیٹل اچھا لگا مگر ماڈل صاحبہ تھوڑی سی نگاہوں کو اوپر اٹھا لیتیں تو زیادہ اچھی لگتیں۔ حسب عادت سب سے پہلے نامے میرے نام میں جھانکا یہ کیا ہم تو کہیں تھے ہی نہیں ایک ماہ کی غیر حاضری میں ہمیں کسی نے بھی یاد نہ کیا۔ خیر منہ بسورتے ہوئے فہرست میں ڈھونڈنے لگی۔

انٹرویوز حسب روایت تھے۔ کچھ بور بور سے اور کچھ کچھ اچھے لگے ویسے تمام شخصیت اس بار اچھی تھیں۔ سالگرہ سروے میں سب نے اچھا لکھا۔ ناول "خاک ہو جائیں گے" مصباح جی کا پسند آیا۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آتی یہ ہیرو اتنے اکڑو کیوں ہو جاتے ہیں جب ان کو معلوم ہوتا ہے کہ حسین و جمیل لڑکی دیوانگی کی حد تک چاہتی ہے۔ "خواب جلی آنکھیں" دوسری قسط اچھی تھی۔ عفیفہ بیگ نے اتنے اچھے لوگ کہاں سے دریافت کیے اور پلیز کرن کو اب ارسلان کا ہی رہنے دیجیے گا۔ بیچ میں سعد کو ظالم سماج نہ بنادیں۔ مدیحہ جیسی اچھی لڑکی عثمان جیسے شیطان کے ہاتھ لگ گئی۔

افسانوں میں مہک رباب کا "ہیپی برتھ ڈے" اچھا لگا کرن جیسی نادان نا سمجھی میں خود کا نقصان کر لیتی ہیں۔ مرد عورت کی دوستی ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ تو آج کل ٹرینڈ چل پڑا ہے برگر فیملی کی طرف سے اور کچھ موبائل کے سستے پیکیج کا کمال ہے جو سستی تفریح میں مرد عورت کی دوستی کی آڑ میں اخلاقی قدر بے قدر ہو رہی ہے۔ باقی کا ابھی نہیں پڑھا دو دن میں سب ہی پڑھ سکتی وجہ پیاری ہانیہ عمران کی 24 مارچ کو سالگرہ ہوتی ہے۔ اس کی کچھ مصروفیت ہے پھر اس بار کرن نے کافی لیٹ کروایا۔ آئندہ ماہ بشرط کرن جلدی آنے کے تفصیلی خط لکھوں گی۔ ہے تو یہ روایت کے خلاف مطلب پچھلے ماہ کے کرن کا تذکرہ کرنا مگر پلیز نادیہ امین کا ناول ہو اور میں تعریف نہ کروں یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ پلیز میری تعریف ضرور ضرور نادیہ جی کو دیجیے گا کہ آپ کا یہ ناول بھی گمراہ کی طرح سپرہٹ تھا۔ مجھے ایسے ہی اکڑو دھونس جماتے ہیرو پسند ہیں اور ہاں امبر گل تمہارے جذبات کی میں قدر کرتی ہوں۔ یار تمہاری تصویر میں نے بہت سنبھال کر رکھی ہوئی ہے۔ جس سروے میں

میں نے اپنی امی جی اور ابو جی کی شادی کا ذکر کیا۔ اور ہاں ریحانہ علی احمد کی بھی۔ امبر رابطہ کوئی مشکل نہیں تم اپنا سیل نمبر کرن میں لکھواؤ میں لے لوں گی۔ باقی مستقل سلسلے اس بار مختصر تھے۔ مسکراہٹیں تھوڑی سی اسمائل پہ بھی مجبور نہ کرسکیں۔ بیس تاریخ کو خط لکھ رہی ہوں شاید آپ تک نہ پہنچ سکے پھر بھی مجھے اپنی کرن میں غیر حاضری اچھی نہیں لگتی۔

شازیہ فاروق احمد۔۔۔ خان بیلہ

سب سے پہلے کرن کو ایک اور سلامتی اور امن سے سال گزرنے پر مبارکباد سب سے پہلے اداریہ پڑھا مدیرہ صاحبہ کی گفتگو اچھی ہوتی ہے اس کے بعد سیدھا گئی "تمائے میرے نام" میں دل چاہا مدیرہ جی سے ڈھیروں باتیں کروں جنہوں نے میرے خط کو شامل اشاعت کرکے مجھے قابل عزت سمجھا۔

ناولز اور افسانے سب اچھے تھے جنہیں پڑھ کر زندگی میں نئی تبدیلیوں کا احساس ہوا' آپ سے گزارش ہے کہ کرن میں میرے خط کو ضرور شامل کیجیے گا۔ اگلے ماہ مکمل تبصرہ کروں گی' آپ سے ایک گزارش ۔۔۔۔ میرا شہر رحیم یار خان نہیں ہے خان بیلہ ہے اور میں خان بیلہ کے محلے محمد آباد کی رہائشی ہوں امید کرتی ہوں آپ آئندہ خان بیلہ لکھیں گی اب اجازت' اللہ کرن کو کامیابیوں کی طرف ہمیشہ گامزن رکھے۔ (آمین)

شانزہ لاریب۔۔۔ چکوال

کرن میں پہلی بار خط لکھ رہی ہوں۔ بہت عجیب سا لگ رہا ہے۔ کرن میں تقریباً" پندرہ سال کی عمر سے پڑھ رہی ہوں۔ کرن میں خط بھیجنے کا ارادہ میرا بہت پہلے سے تھا۔ لیکن اس خوف سے کہ کہیں خط شامل ہی نہ ہو اور میرا نازک سا دل ٹوٹ جائے' خط بھیجا ہی نہیں۔ لیکن اب تو مجھے ناول "ساڈا چڑیا دا چنبا" نے قلم اٹھانے پر مجبور کردیا ہے۔ یقین جانیے یہ ناول میں نے اپنی امی کو بھی سنایا تو وہ ناول سن کر روپڑیں۔ نفیسہ جی کیا کہنے آپ کے آپ بہت زبردست لکھتی ہیں۔ اس ناول کی آخری قسط پڑھتے ہوئے ہر لفظ پر دل دھڑک رہا تھا۔ اس میں مجھے نیرہ اور فردوس خان کا کردار بہت پسند آیا۔ پہلے میرا ارادہ بیرون ملک شادی کرنے کا تھا۔

میں اپنی امو (امی) سے کہتی تھی کہ "میں شادی کروں گی تو صرف اور صرف کسی بیرون ملک "مگر اب یہ ناول پڑھ کر میرا ارادہ بدل گیا ہے۔ میری پسندیدہ رائٹر نمرہ احمد ہیں اور اب تو نفیسہ جی آپ بھی بن گئی ہیں۔ نفیسہ جی آپ کی تحریروں کو پڑھ کر بہت اچھا لگتا ہے پلیز کچھ اور بھی لکھیں نا اور اس کے علاوہ در دل بھی اچھا جارہا ہے۔ میری بڑی بہن مدیحہ کو یہ ناول بہت پسند ہے بالخصوص ولاور شاہ کی شخصیت تو بہت ہی مزے کی ہے' ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ولاور کی شادی اب علیزے سے ہی ہوجائے مگر آگے نبیلہ جی نے علیزے کے لیے کیا سوچ رکھا ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ بہرکیف ناول بہت زبردست ہے (ویسے یہ ختم کب ہوگا؟) پلیز۔۔۔ پلیز میرا خط ضرور شائع کیجیے گا۔

ثمینہ کوثر عطاری۔۔۔ گجرات

مارچ کے شمارے کا جس شوق سے انتظار تھا اتنا ہی تاخیر سے ملا۔ اتنا لمبا انتظار کروایا کرن نے ۔۔۔ پربتوں کی چڑھائی جیسا کٹھن انتظار' سرما کی ٹھٹھرا دینے والی سردی اور گرما کی پگھلا دینے والی گرمی جیسا انتظار۔۔۔

انیس کو یہ انتظار ختم ہوگیا اور سالگرہ نمبر ہمارے ہاتھ آہی گیا۔ کرن کی تعریف سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے اس لیے میں بس اتنا ہی کہوں گی کہ قلم کے ذریعے جہاد کا بہت زبردست طریقہ ہے میں پہلی بار شرکت کررہی ہوں اور شرکت کی وجہ در دل اور دست کوزہ گر ہیں۔ اب یہ مت سمجھیے گا کہ باقی ہمیں کچھ پسند نہیں آتا۔ سارا کرن ہی زبردست ہوتا ہے تمام افسانے ناولٹ سب کچھ بہت زبردست ہوتا ہے۔ تبصرہ اس لیے نہیں کروں گی کہ یہ نہ ہو ہم رسالہ پڑھ کے تبصرہ کریں اور خط لیٹ پہنچے اور تاخیر کی وجہ سے بغیر پڑھے یا بغیر شائع کیے ردی کی ٹوکری کی نذر کردیا جائے اف ہم اپنی تحریر کی اتنی بے عزتی برداشت نہیں کرسکتے اس لیے اپنی قیمتی آرا اس شمارے کے متعلق اپنے پاس ہی رکھیں گے۔ اگر اس کو پذیرائی ملی تو ان شاء اللہ آئندہ ماہ پھر اس بزم میں حاضر ہوں گے تب تک کے لیے تمام بہنوں اور کرن اسٹاف کو سلام اور اللہ حافظ۔

نفیسہ بلوچ۔۔۔ ڈیرہ غازی خان

اس بار تو کرن نے کسی روٹھے ہوئے محبوب کی طرح بہت انتظار کروایا' طویل ترین انتظار کے بعد آخر کار مارچ کی انیس تاریخ کو کرن میرے ہاتھ آیا۔ "تمائے میرے نام" میں اپنے نام کے ساتھ اپنے گاؤں کا حوالہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی دل باغ باغ ہوگیا۔ تھینک یو مدیرہ آپی! آپ نے میری دلی خواہش پوری کردی ایسے ہی تو ہم نہیں کہتے کہ کرن سے ہمارا دل کا رشتہ ہے جہاں آپ نے مجھے بے پناہ خوشی دی وہیں بہت بڑا ظلم بھی کیا۔ میرا خط شائع تو کیا مگر ادھورا؟! اتنا بڑا ظلم؟ دل بہت اداس ہوگیا کیونکہ میں محض وقت گزاری کے لیے نہیں پورے دل سے خط لکھتی ہوں آئندہ ایسا ظلم مت کیجیے گا۔ پلیز۔۔۔ پلیز۔۔۔ پلیز

اب ذکر کرتی ہوں اس ماہ کے شمارے کا۔ دلہن کے روپ میں ٹائٹل گرل بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ سرخ کلر بہت بچ رہا تھا مگر سی گرین اور شاکنگ پنک لہنگے میں' میں اس سے بھی زیادہ خوب صورت لگوں گی "خوش فہمی نہیں ہے" آپ لوگ کیا سوچنے لگے کہ دلہن کو دیکھ کر میرا دماغ چل گیا ہے؟ ارے ایسا بالکل نہیں ہے میری "شادی خانہ آبادی" ہے جناب! مارچ کی ستائیس کو میری رخصتی ہے' یہ میری کرن سے محبت ہی ہے جو میں اپنی مہندی کی تیاری کو ایک طرف رکھ کر سارے گھر والوں سے چھپ کر خط لکھ رہی ہوں۔

میں چاہتی ہوں شادی کے بعد بھی کرن سے میرا رابطہ قائم رہے۔ ہر ماہ خط لکھ کر کرن کی محفل میں شرکت کرتی رہوں گی۔ شادی کی تیاریوں میں اتنا وقت ہی نہیں ہے کہ پورا رسالہ پڑھ سکوں اس لیے صرف دو تحریریں پڑھی ہیں "در دل" اور دست کوزہ گر" میرے لیے آپ دعا کیجیے گا کہ میری نئی زندگی کی شروعات خوشیوں بھری ہو۔ "آمین"

ج ۔ پیاری نفیسہ! آپ کو شادی کی بہت مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ڈھیروں خوشیوں سے نوازے۔ (آمین)

نواب زادی سولنگی۔۔۔ تحصیل مورو۔ سندھ

سردیاں' بارشیں' دھوپ اور اب پھول کھلاتا ہوا موسم بھی آگیا مگر نا جانے کیوں ابھی تک دل کے ایوانوں میں خاموشی اور اندھیرا سا محسوس ہونے لگا ہے یوں لگتا ہے کہ یہی پل اب ہر سو چھا گئے ہیں مگر لوگ سچ ہی کہتے ہیں کہ محبت سے زیادہ دنیا میں کوئی چیز طاقتور نہیں ہے کہ اور پھر مجھ پر تو یہ محبت روز بروز اپنا سود بڑھاتی جارہی تھی کہ اب لوٹ آؤ امبر گل آپ کی خاطر ہم نے بھی اپنی انٹری "کرن" میں پورے ایک سال کے بعد دوبارہ دے دی ہے "کرن" نے یاد نہیں کیا تو کیا ہوا مگر اس کا کوئی ایک بھی پڑھنے والا باذوق قاری مجھ ناچیز کی کمی محسوس کرکے یاد کرتا ہے تو اس سے زیادہ کی ہم کو بھی حاجت نہیں ہے۔ ارے ہاں! ایبٹ آباد کی ان سسٹرز نوشین اور انیلا کا بھی شکریہ کہ کچھ ماہ پہلے ان دونوں نے بھی مجھے بہت یاد کیا تھا "کرن" میں۔ خدا "کرن" اور ان میں لکھنے اور پڑھنے والوں کو سدا خوش و آباد رکھے (آمین)۔

"کرن" کا مارچ کا شمارہ سدا سے میرے لیے بہت خاص رہا ہے کیونکہ اس میں میری شخصیت کے رہنما و رہبر میرے ہمدم میرے دل میں اترے ہوئے عزیز جان دوست کرن کی سالگرہ ہوتی ہے دوسرا دوست بھی کوئی کم اہمیت والا نہیں ہے۔ میری بیسٹ فرینڈ سمیرا میمن کی سالگرہ بھی تین مارچ کو ہوتی ہے تو کرن سے ناتا میں کیسے توڑ سکتی ہوں! میرے دونوں دوستوں کو سالگرہ کی بہت زیادہ مبارک باد قبول ہو۔

کرن میں بہت سے نئے لوگ اب لکھنے لگے ہیں جو کہ کرن رسالہ کی ہمت افزائی کا نتیجہ ہے مگر پھر بھی دل اب تک پرانے رائٹرز کے سحر میں گرفتار ہے تو پلیز مدیرہ جی آپ ہر ماہ کرن میں پرانی بیسٹ اینڈ ہٹ اسٹوریز میں سے کوئی بھی ایک مکمل ناول یا ناولٹ ہر ماہ کرن کے رسالے میں شامل کرکے ہمارے شوق کی تکمیل نہیں کرسکیں؟

انٹرویو بھی ٹھیک لگے' قارئین کے لیے جو نیا سلسلہ ہے وہ اچھا ہے سب اس سے بہت خوش ہیں جس کا اندازہ خطوط پڑھ کر ہوا۔ مسلسل ناول دونوں ہی اچھے ہیں' مگر "در دل" نے تو سب کے دلوں کی لگتا ہے دھڑکنیں ہی تھام رکھی ہیں۔ علیزے اور اس کے ڈرائیور نے تو ہم کو بہت پاگل بنا کر رکھا ہے بس دونوں کے خواب و ارمان حقیقت کا روپ ڈھال لیں اور پلیز صفحے زیادہ ہونے چاہئیں دونوں ناولز کے' کیونکہ یہ دونوں ناول ہمارے بہت فیورٹ ہیں۔

آخر میں پیارے "کرن" اس کے محنت کش اسٹاف اور قارئین کے لیے دعائیں۔

نازش صابر۔۔۔ مٹھا کالووال

سترہ مارچ کو کرن ملا اور اس میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اتنی کہ چیخ چیخ کے سب کو بتایا سب بہت خوش ہوئے اپنی دوستوں کو ایس ایم ایس کرکے بتایا سب نے مبارک باد دی بس ایک شخص نے نہیں پڑھا جو ہر بار مجھے کہا کرتا تھا۔ عابدہ آپ کا خط شائع تو ہوتا نہیں پھر بھی ہر بار لکھتی ہو (میرے بھائی عابد)

میری باجی سمیرا کرن' شعاع اور خواتین منگواتی ہیں' میں کبھی شعاع تو کبھی خواتین میں خط لکھتی تھی مگر وہ شائع نہیں ہوئے تھے' آپ اندازہ کرسکتے ہیں میں کتنا خوش ہوئی اس خط کے شائع ہونے پر میری ہمت بڑھ گئی ہے اب امید ہے آئندہ بھی میرے خطوط شائع ہوتے رہیں گے۔

صدف سلیمان۔۔۔ شور کوٹ

دو ماہ بعد خط لکھ رہی ہوں پر ایسا لگتا ہے 2 سال گزر گئے دکھ ہوا کہ پورے رسالے میں کہیں بھی میرا نام نہیں تھا۔ (شکوہ) خیر حسب روایت کرن اس بار بھی 19 کو ملا۔ ٹائٹل ہمیشہ کی طرح نمبر1 تھا۔ ریڈ گولڈن کنٹراس میں بچی ماڈل بہت خوب صورت لگی۔ رسالہ کھول کر حمد و نعت کے بعد سیدھا "دردل" کی طرف بڑھے۔ ہمیشہ میں اس ناول پر تبصرہ کرتی ہوں پر اس بار صرف اتنا کہوں گی اگر دل آور نے علیزے سے نکاح کرلیا تو میں ناول پڑھنا چھوڑ دوں گی۔ دست کوزہ گر فوزیہ جی بہت بہت شکریہ کہ آپ نے شائستہ خالہ کے راز پر سے پردہ اٹھا دیا میں تمیں اقساط سے انتظار کررہی تھی بلکہ تمام قارئین' اور سچ کہوں تو عائشہ کا اس طرح اپنے گھر والوں کو ٹارچر کرنا بہت بہت برا لگا۔ یہ سب کرتے ہوئے اس کے ذہن میں ایک بار بھی کیا اپنی ماں کا اضطرابی چہرہ نہیں آیا۔ کیا ایک بار بھی اپنے بھائی کی تکلیف کا اندازہ نہیں ہوا آئی ایم ویری شاکڈ کوئی اتنا کیسے گر سکتا ہے۔ اگلی قسط کا انتظار شدت سے ہوگا۔

مکمل ناول "خاک ہو جائیں گے" مصباح جی آپ نے کمال لکھا۔ آپ نے اس بات کو واضح کردیا کہ بھیک میں ملی ہوئی محبت کتنا رلاتی ہے اور محبوب کی نظروں میں قصوروار بنا دیتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ زرلہ کے مانگنے کا انداز بہت غلط تھا پر جدائی کے احساس میں یہ کب یاد رہتا ہے کہ کیا غلط ہے اور کیا صحیح زرلہ نے عزت نفس کی قربانی دی تھی اور اسے اس قربانی کا صلہ تھوڑی دیر سے سہی پر مل تو گیا۔ "روشنی محبت کی" صباحت کرن جی آپ نے تو کرن کو چار چاند لگا دیے ٹاپک تو اچھا تھا ہی پر نام اس سے زیادہ اچھے لگے۔ زونیرہ کا لڑاکا انداز مجھے بہت اچھا لگا۔ اشعد کا ڈائیلاگ "حسن جاناں کی تعریف ممکن ہی نہیں" بہت رومینٹک تھا جو اس کہانی میں سب سے دل کو چھونے والی بات تھی وہ زوئی کا اپنی ماں کے فیصلے کے آگے سر جھکا دینا۔ زوئی نے ماں کا مان رکھا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ خدا اسے اس کی خوشیاں اور اس کا مان نہ لوٹاتا اگر اشعد شادی نہ کرتا اور زونیرہ کا ساتھ مانگنے اس کی ماں کے پاس چلا جاتا تو بھی وہ بے وفا دوست نکلتا کیونکہ دوستی میں دوست کی عزت ہی سب کچھ ہوتی ہے پر شکر ہے اشعد نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ یہ کہانی دوستی کا دعوا کرنے والوں کے لیے ایک سبق ہے کہ اگر دوستی کا دعوا کرو تو اشعد اور زونیرہ کی طرح اس رشتے کو نبھاؤ۔ صباحت جی اتنا اچھا ناول لکھنے پر ڈھیروں ڈھیر مبارک باد۔ کہانیاں ابھی صرف اتنی ہی پڑھی ہیں باقی تبصرہ ادھار۔ "یادوں کے دریچے" میں اس بار صرف دو نظمیں سوئیٹ شاعری کا ہر سلسلہ میرا فیورٹ ہوتا ہے ایک دو غزلوں میں مت ٹرخا دیا کریں۔

"مجھے یہ شعر پسند ہے" میں سدرہ وزیر اور آسیہ جاوید کا شعر اچھا لگا۔ "مسکراتی کرنیں" "ہمارا بیسٹ تھا۔" "نامے میرے نام" میں انیقہ انا کا تبصرہ اچھا رہا۔ آفرین اصغر سے میں کہنا چاہتی ہوں جس سے ہم محبت کرتے ہیں اس سے ایک پل کی دوری بھی برداشت نہیں کرسکتے کجا کہ کسی اور کے منہ سے اس کے لیے اظہار محبت سننا۔ دل آور کو پسند کرنے کے لیے سچا عاشق اور اچھا دوست ہونا کیا ضروری نہیں۔ جہاں تک علیزے پر ظلم کی بات ہے کیا آپ کو اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ جب سے دل آور علیزے کو اپنے گھر لایا ہے تب سے وہ عجیب سی بے چینی کا شکار ہے۔ جس دن سچ کا پتا چلے گا آپ بھی دل آور کو پسند کرنے لگیں گی۔

اقصیٰ سلطان۔۔۔ ہارون آباد

میں پہلی دفعہ کرن میں خط لکھ رہی ہوں۔ پہلے کبھی کبھار پڑھتی تھی فرسٹ ایر سے مستقل پڑھنا شروع کیا۔ کرن کے تمام سلسلے بہت زبردست ہیں۔ کرن ہمیشہ کی طرح سولہ کو ملا۔ ٹائٹل بہت خوب صورت تھا۔ سلسلے وار ناول "دردل" بہت زبردست ہے۔ تمام افسانے بھی اچھے تھے۔ تمام قاری بہنوں کو سلام۔ اگر میرا خط شائع ہوا تو آئندہ بھی حاضر ہوں گی۔

☼ ☼